دنیا میں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال / ڈاؤن لوڈ کریں۔

انسٹال / ڈاؤن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاؤن لوڈ کریں
نیز اپنی کتاب کو Website / Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

Whataspp:03201914145

نوٹ

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاً تفاسیر، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاً فوقتاً Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ و تفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ

ویب سائیٹ maktabatulishaat.com (مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام)

روزانہ کی بنیاد پر ہم ویب سائیٹ اور پلے سٹور میں مزید تصانیف شامل کر رہے ہیں اور ان میں مزید بہتری لا رہے ہیں۔ نئے شامل شدہ تصانیف کے لئے آپ وقتاً فوقتاً ویب سائیٹ اور پلے سٹور کو چیک کیا کریں مزید بہتری کے لیے اپنے قیمتی تجاویز سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

ردِ رضاخانیت پر حضرت نیلوی رحؒ کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

تلمیذ رشید مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

و تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز امام اہل السنت حضرت مولانا شیخ
حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

جلد چہارم

حصہ دوم اعمال

مکتبہ اشاعۃ العلوم

اجمالی فہرست

جلد چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

الکلمات الصادقۃ
فی حکم
الزنادقۃ

تصنیف لطیف

استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی مدظلہ

جس میں
قرآن وسنت کی روشنی میں
اہل کتاب کے اطلاق و مصداق پر
محدثین ومفسرین اور ائمہ مجتہدین کے فتوے اور
مرتد وزندیق کا بیان احسن طریقے سے کیا گیا ہے

مرتب و ناشر
سید حسن وسطی

ادارہ گلستان طٰہٰ منبری مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا
پوسٹ کوڈ ۴۰۱۰۰

حرفِ آغاز

زیرِ نظر کتاب "الکلمات الصادقہ فی حکم الزنادقہ" محدث العصر شیخ الحدیث و التفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی مدظلہ العالی کے ایک فتویٰ پر مشتمل ہے' جو کہ ماہنامہ "گلستانِ اسلام" کے متعدد قارئین کی طرف سے موصول ہونے والے درج ذیل سوالوں کے جواب میں لکھا گیا۔ مثلاً:

سائلین کے خطوط سے ماخوذ سوالنامہ

① کیا موجودہ زمانے کے نام نہاد مشرک اہلِ کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔ جن کی عورتوں سے نکاح جائز اور ان کی ذبیحہ از روئے قرآن حلال ہے۔

② کیا مسلمانوں پر بھی اہلِ کتاب کا اطلاق جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو کیا صحابۂ کرامؓ و من بعدہم إلی یوم القیامۃ تمام مسلمان اہلِ کتاب کہلائیں گے۔

③ ہفت روزہ ضربِ مومن کے حوالے سے ماہنامہ گلستانِ ... میں ایک فتویٰ شائع ہوا' جس میں لکھا تھا کہ: "جو لوگ آپ ﷺ کو عالم الغیب' حاضر ناظر اور مختارِ کُل سمجھتے ہیں اور ان کی بشریت کے انکار کا عقیدہ رکھتے ہیں' ان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں' یہ لوگ زندیق ہیں۔ لہٰذا ان کا ذبیحہ حرام ہے"۔ لیکن یہ سمجھ نہیں آئی کہ زندیق کا مطلب کیا ہے۔

④ کیا زندیق اور مرتد میں کوئی فرق بھی ہے یا محض لفظی اختلاف ہے۔

⑥ مُطلق کافر و مشرک کے لفظ سے کیا مراد ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے کفریہ عقائد کی مثال مشرکین مکہ سے دی گئی ہو۔ اور اس کے کفر کو ابوجہل کے کفر سے تشبیہ دی گئی ہو۔

(۱) رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے شاگردوں، مثلاً :

① شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ،

② شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ،

③ شیخ التفسیر مولانا محمد امیرؒ،

④ مولانا قاضی شمس الدینؒ،

⑤ خطیب اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ

اور اشاعت التوحید والسنت سے منسلک دیگر علماء کرام کا مسلک اس بارہ میں کیا ہے۔

⑦ کیا رافضی، قادیانی، اور مشرک کی ذبیحہ کو ذبیحہ اہل کتاب کی طرح حلال قرار دینا درست ہے۔ جبکہ چند برس قبل ہر سال آپ کے مدرسہ کی طرف سے مسائل قربانی کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا جاتا رہا ہے، جس میں ذبح کا طریقہ اس طرح لکھا جاتا تھا کہ: "اگر ذبح کرنا جانتا ہو تو خود ذبح کرے ورنہ مُسلمان موحد سے ذبح کرائے۔ مرزائی، رافضی، مشرک کی ذبح حلال نہ ہوگی"۔ اور اس کے برعکس آج کل بعض علماء سے سُنا جارہا ہے کہ موجودہ دور کے مشرکین اہل کتاب کے حکم میں ہیں، اس لیے ان کی ذبیحہ حلال ہے۔

⑧ جو شخص مرتد ہوجائے اسے بھی اہل کتاب کہا جاسکتا ہے یا نہیں۔ جبکہ وہ خود کو مُسلمان کہے اور قرآن مجید پر ایمان کا دعویٰ کرے۔

⑨ مرتد کی اولاد اپنے والدین کے عقائد پر قائم رہتے ہوئے مُسلمان ہونے اور ایمان بالقرآن کا دعویٰ کرے تو اسے اہل کتاب کہا جاسکتا ہے یا نہیں، جیسا کہ مفتی اعظم ہند، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۱۰) احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں اکثر علماء سب صحابہؓ کو کفر و ارتداد قرار دیتے ہیں۔ لیکن، مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب صحابہؓ کفر نہیں اس لیے سبی شیعہ کا ذبیحہ حلال ہے۔

(۱۱) اہل الذکر سے کون لوگ مراد ہیں۔

(۱۲) کیا موجودہ دور کے جاہل عوام پر کفر کا فتویٰ لگانا درست ہے؟ جبکہ انھیں زبانی کلمہ کے علاوہ امورِ دین میں سے اور کسی بات کا علم نہ ہو۔

○ اس فتویٰ میں سائلین کے مذکورِ بالا تمام شبہات اور استفسارات کا مکمل اور تسلی بخش جواب دیا گیا ہے۔ یہ فتویٰ قبل ازیں (محرم تا ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ) ماہنامہ گلستانِ اسلام میں شائع ہوچکا ہے۔ اس کی اشاعت کے بعد متعدد قارئین اور اہلِ علم حضرات کی طرف سے حوصلہ افزا خطوط موصول ہوئے۔ اور اس کی مانگ میں روز بروز اضافہ کے پیشِ نظر اب مستقل کتابی صورت میں اسے دوبارہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

فقط والسلام

سید حسن وسطی (ایڈیٹر)
ماہنامہ گلستانِ
شنہری مسجد بلاک اے سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد البسملۃ والحدلۃ والتصلیۃ فیقول العبد الضعیف المفتقر الی اللہ الغنی العلیم الحکیم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یا ایھا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ نے جو ستھری چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے بھی نہ بڑھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اعتدال کا درس دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ستھری چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے حد مقرر فرما دی کہ یہ چیزیں ستھری ہیں اور یہ کہ ان کے کھانے میں اس مقرر حد تک رہنا۔ اس حد سے آگے تجاوز نہ کرنا۔ جیسا کہ جنت میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حد بندی کرتے ہوئے فرمایا: وکلا من حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرۃ۔ کہ جہاں سے چاہو کھا سکتے ہو مگر اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔

احکامِ الہیہ میں اوامر بھی ہیں اور نواہی بھی ہیں۔ اوامر کرنے کے کام ہیں اور نواہی نہ کرنے کے کام ہیں۔ اس لیے جو شخص ان حدود کا خیال نہ کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولٰئک ھم الظلمون۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حد بندیاں ہیں، ان سے آگے مت بڑھو۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے آگے بڑھیں گے تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوں گے۔

نیز فرمایا: ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ۔ کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی باندھی ہوئی حدود سے باہر قدم رکھا تو اس نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔

○ ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حدود اللہ کا لحاظ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اور اس پر بھی تمام امت کا اجماع ہے کہ جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو' یا اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے کسی ایک صفت میں بھی غیر اللہ (انبیاء کرامؑ و اولیاء اللہؒ) میں سے کسی کو ذاتی یا عطائی طور پر شریک سمجھے۔ مثلاً غیر اللہ کو عالم الغیب' ہر جگہ حاضر ناظر' نفع نقصان کا مالک' مختارِ کل' حاجت روا' مشکل کشا' بگڑی سنوارنے والا' اولاد دینے والا سمجھے۔ تو وہ اس کفریہ عقیدہ کی وجہ سے کافر ہے۔ جس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) اگر پہلے وہ صحیح العقیدہ تھا پھر کسی کے بہکانے سے اپنا صحیح عقیدہ بدل کر مشرکانہ عقیدہ اپنا لیا تو وہ مرتد ہے۔ اگرچہ وہ قرآن مجید کو ماننے کا زبانی اقرار کرتا ہو۔ اس کا مسلمان عورت کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اگر پہلے سے نکاح ہو تو اس ارتداد کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس کی ذبیحہ حرام ہوگی۔ اگرچہ بوقتِ ذبح اس پر اللہ کا نام لیوے۔

(۲) اور اگر اس کے باپ دادا کا مشرکانہ عقیدہ تھا اور یہ اپنے باپ دادا کے اسی مشرکانہ عقیدہ پر قائم ہے۔ اور سمجھانے سے سمجھتا بھی نہیں' تو اسے مرتد نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے مشرکانہ عقیدے پر قائم ہونے کی وجہ سے نسلی کافر ہے۔

نسلی کافر کے حکم میں اختلاف

○ اب رہا یہ کہ وہ نسلی کافر اہلِ کتاب کے زمرے میں داخل ہیں جن کی ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ یا مشرکینِ عرب کے حکم میں شمار کیے جائیں گے جن کی ذبیحہ حرام اور ان کی عورتوں سے ناجائز ہے۔

○ سو بعض حضرات نے بعض فقہی عبارات کو دیکھ کر ایسے شخص کو اہلِ کتاب میں داخل سمجھا ہے۔ جیسے:

فتح القدیر میں مذکور "الکتابی" کی تعریف

○ فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۷ میں حضرت علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے کتابی کی تعریف کچھ اس طرح بیان فرمائی ہے : "الکتابی من یؤمن بنبی و یقر بکتاب" یعنی کتابی وہ شخص ہے جو کسی نبی پر ایمان رکھتا ہو اور کسی کتاب کا اقرار کرتا ہو۔

○ اور وہ نسلی کافر چونکہ خاتم النبیینؐ پر ایمان رکھتا ہے اور قرآن مجید کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے اس تعریف کی رو سے وہ اہل کتاب ہے۔

○ مگر کتابی کی اس تعریف پر ظاہر معنی کی رو سے علماء حق نے اعتراض کیا ہے کہ یہ تعریف "مانع" نہیں ہے۔ کیونکہ اس تعریف میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ سچا پکا مسلمان بھی آ جاتا ہے۔ اور اس تعریف کے ظاہر معنی کی رو سے کہا جا سکتا ہے کہ سب کے سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اہل کتاب تھے۔ اور تابعینؒ، تبع تابعینؒ، سلف صالحینؒ، ائمہ مجتہدینؒ، محدثینؒ، مفسرینؒ الی یوم القیمہ سب اہل کتاب ہیں۔

○ اور اس تعریف کی رو سے جس طرح ایک موحد مسلم پر اہل کتاب کا اطلاق درست ہوا، اسی طرح اس شخص پر بھی اہل کتاب کا اطلاق درست ہوگا جو تمام دین اسلام پر ایمان رکھتا ہو، فقط ایک کلمۂ کفر بکنے سے مرتد ہو گیا ہو۔ حالانکہ گزشتہ چودہ صدیوں میں علماء اسلام میں سے کسی نے بھی کسی مرتد کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا۔ چنانچہ :

مرتدین کے ساتھ اہل اسلام کا سلوک

(۱) اعلم الصحابہؓ ثانی اثنین امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں گیارہ قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان منکرین زکوٰۃ کو مرتد کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ منکرین زکوٰۃ دین اسلام کو چھوڑ کر مشرکین مکہ کے ہم عقیدہ بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور نہ ہی انھوں نے یہودیت یا نصرانیت یا کوئی اور مذہب اختیار کیا تھا۔ بلکہ وہ لوگ اپنے آپ کو پکا سچا

مسلمان کہتے تھے۔ کلمۂ شہادۃ بھی پڑھتے تھے۔ قرآن مجید بھی پڑھتے تھے۔ نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ حج بھی کرتے تھے۔ بلکہ تمام شریعت کے عامل و عامل تھے۔ ان لوگوں نے صرف زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور اس انکارِ زکوۃ پر قرآن مجید سے ہی استدلال کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں اٰتوا الزکوٰۃ حکم الٰہی برحق ہے، مگر زکوۃ لینے کا حق صرف ہمارے پیغمبرؐ ہی کو تھا۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوۃ لینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

دلیل خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبۃ۔ ۹: ۱۰۳) یارسول اللہ! یہ لوگ اپنے مال کی زکوۃ دیں تو ان کے مال کی زکوۃ لے لیا کریں۔ کیونکہ زکوۃ کے قبول کرنے سے آپؐ ان کے گناہوں سے پاک صاف کرنے کا سبب بنیں گے۔ اور ان کو دعائے خیر دیں۔ کیونکہ آپؐ کی دعا ان کیلئے تسکین کا باعث ہوتی ہے۔

○ اس پر امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیقؓ نے ان کے شبہات کو بہت احسن طریقہ سے دور کرنے کی کوشش کی اور سمجھایا، مگر وہ بضد رہے۔ آخر کار آپؓ نے فرمایا واللہ اگر وہ لوگ زکوۃ کے اونٹ کی رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ کیونکہ زکوۃ بھی اسلام کے پانچ فرائض میں داخل ہے۔

○ ایک جلیل القدر صحابیؓ نے امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ قبائل عرب جو طوفان اٹھا رہے ہیں وہ ایک طرف،

خانہ ساز نبی اپنی جگہ شور مچا رہے ہیں،

یہود و نصاریٰ کا فتنہ الگ ہے۔

مصلحتِ وقت کا تقاضا ہے کہ ابھی ان کی تالیف قلوب کی جائے،

جب اساسِ خلافت مستحکم ہو جائے گی اس وقت ان کا تعاقب کرنا۔

○ آپؓ نے فرمایا وفاتِ نبیؐ کے بعد سلسلۂ وحی بند ہوگیا۔ سارا عرب دشمن ہے واقعی مجھے اپنی حربی کمزوری کا احساس ہے۔ لیکن بایں ہمہ اللہ تعالٰی کی قسم وہ لوگ جس قدر زکوٰۃ نبیؐ کے حضور بھیجتے تھے اگر اس میں سے ایک حبہ بھی کم کریں گے تو میں ان سے لڑوں گا۔ اگر آپؓ نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں اکیلا لڑوں گا۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ اسلام کا کوئی رکن توڑا جائے اور شعائرِ الٰہیہ کی توہین ہو۔

○ صحابہؓ نے عرض کی کہ آپؓ بجا فرما رہے ہیں لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کفار سے اسی وقت تک لڑو جب تک کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ کہیں۔ مگر موجودہ صورت میں جب وہ اقرارِ توحید و رسالت میں ہمارے شریک حال ہیں آپؓ ان سے کیوں لڑتے ہیں۔

○ اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایسے لوگوں پر جو کلمۂ شہادت اور نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتے ہیں ضرور لشکر کشی کروں گا۔ آخر کار مرتدین پر حملہ کرکے ان کو شکست دی۔

○ ان قبائل عرب پر الکتابی کی یہ تعریف الکتابی من یؤمن بنبی ویقر بکتاب پوری طرح صادق آتی تھی۔ اس کے باوجود ان پر ارتداد کا فتویٰ تو لگا۔ مگر اہل کتاب نہیں کہا۔

(۳) امیرالمؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابو ثمامہ مُسیلمۃ بن کبیر بن حبیب' الکذاب کے ساتھ بھی جہاد کیا۔ جس نے عقائد و احکام اسلام ہی سے لیے تھے جن میں الحاد و زندقہ کی آمیزش کردی۔

○ وہ کہتا تھا کہ یہ غلط ہے کہ اللہ نے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ابلیس کو دیا۔ کیونکہ اللہ غیر کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیتا۔

○ نیز کہتا کہ اللہ کا جسم اور آنکھ کان ناک ہاتھ پاؤں سب کچھ ہے مگر ہمارے جیسے نہیں۔ اور استدلال میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتا تھا: بل یداہ مبسوطتان، واصنع الفلك باعیننا۔ ویبقی وجہ ربك۔

○ نیز اس نے کہا کہ ہر نبی اپنی امت کے لیے گواہ ہوتا ہے۔ اور ایک کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ اس لیے دو نبی ہوتے ہیں جو گواہی دیں گے۔ جیسے بنی اسرائیل کی طرف دو پیغمبر موسیٰؑ اور ہارونؑ مبعوث ہوتے۔ اسی طرح اس امت کے بھی دو نبی ہیں۔ ایک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا میں۔ ہم دونوں گواہ ہوں گے۔

○ امیر المؤمنینؓ نے اعلان کیا کہ تمام بالغ سیلمیوں کو ارتداد کے جرم میں قتل کیا جائے۔ چنانچہ اسے بعہد صدیقیؓ ۱۲ھ میں اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا گیا۔ حالانکہ فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی ویقر بکتاب ان فرقوں پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔

(۳) ابو اسحٰق مختار ثقفی پہلے خارجی تھا۔ پھر اپنے آپ کو شیعہ اور محب اہل بیت ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ پھر نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو مختار رسول اللہ لکھتا تھا۔ اور کتاب اللہ قرآن مجید کو مانتا تھا۔ کسی کو پیش گوئی کی کہ تمہیں فتح ہوگی آخر شکست ہوئی۔ اس نے کہا کہ تمہاری پیش گوئی غلط نکلی تو کہنے لگا یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب

○ مختار ثقفی کو دعویٰ نبوت کے جرم میں بعہد عبدالملک بن مروان ۶۹ھ میں قتل کیا گیا۔ حالانکہ ظاہر معنی کی رو سے فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی و یقر بکتاب اس پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ لیکن اسے اور اس کے متبعین کو کسی نے اہل کتاب نہیں کہا۔

(۴) بیان بن سمعان بھی مدعی نبوت بھی اپنی نبوت کے لیے قرآنی آیات سے استدلال کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے قرآن مجید کا صحیح مفہوم سمجھایا گیا ہے اور آیات قرآنیہ کا وہ مطلب اور مفہوم نہیں جو عوام سمجھتے ہیں اور اس کے پیرو کہتے تھے کہ قرآنی آیت: ھذا بیان للناس و ھدی و موعظۃ للمتقین بیان ہی کی شان میں وارد ہوئی ہے اور بیان نے خود بھی کہا تھا: انا البیان و انا الھدی و الموعظۃ

○ نیز کہتا تھا کہ معبود ازلی نوری شخص ہے۔ جس کا تمام بدن چہرہ کے سوا فنا ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں فرمایا: کل شئ هالك الا وجهه، کل من علیها فان و یبقی وجه ربك ذوالجلال و الاکرام۔

○ نیز کہتا تھا آسمان کا معبود الگ ہے اور زمین کا الگ دلیل میں قرآن کی آیت پیش کرتا تھا: وهو الذی فی السماء اله وفی الارض اله

○ نیز کہتا تھا آسمان کا الٰہ زمین کے الٰہ سے افضل ہے۔

○ بیان بن سمعان کو ۱۸۷ھ میں آگ میں جلایا گیا۔ اس کے پیروکاروں کو بیانیہ کہا جاتا ہے۔ جو کئی صدیوں تک رہے۔

○ علامہ عبدالقاہر بغدادیؒ الفرق بین الفرق میں لکھتے ہیں فرقہ بیانیہ ملت اسلام سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بیان کو معبود یقین کرتے ہیں اور اس گروہ کے جو افراد بیان کو نبی سمجھتے ہیں وہ بھی اسی شخص کے مانند ہیں جو مسیلمۃ الکذاب کو نبی گمان کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں فرقے اسلامی فرقوں سے خارج ہیں۔ حالانکہ ظاہر معنی کی رو سے فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی و یقر بکتاب ان فرقوں پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ لیکن امت محمدیہ ﷺ میں سے آج تک کسی نے ان فرقِ ضالہ کو اہلِ کتاب نہیں کہا۔

⑤ ابو منصور عجلی حضرت جعفر صادقؒ کا معتقد اور غالی رافضی تھا۔ جب حضرت جعفر صادقؒ کو اس کے غلو کا علم ہوا تو اس کو اپنے یہاں سے نکال دیا۔ اس نے اپنی الگ جماعت بنالی اور کہا کہ میں امام محمد باقر کا جانشین ہوں۔ ان کا درجۂ امامت میری طرف منتقل ہوگیا۔ قرآن مجید کا منکر نہیں تھا۔ قرآنی آیات کی عجیب و غریب تاویلیں کرتا تھا۔ پھر کہتا تھا کہ نبوت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ قیامت تک رسول آتے رہیں گے۔ اس کو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں یوسف بن عمر ثقفی والی عراق نے اس کی تعلیمات کفریہ کے باعث گرفتار کرا کے سولی چڑھا دیا۔ حالانکہ ظاہر

معنی کی رو سے فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی و یقر بکتاب اس پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ لیکن اسے کسی نے اہل کتاب نہیں کہا۔

(٦) اسحاق اخرس مغربی کلمۂ شہادت پڑھتا تھا قرآن مجید کو بھی آسمانی کتاب سمجھتا تھا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا تھا۔ البتہ اتنا کہتا کہ آپ ﷺ مستقل نبی تھے اور میں ان کا متبع ظلی اور بروزی نبی ہوں۔

(٧) اسحٰق اخرس بعہد خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی عساکر اسلام سے مقابلہ میں قتل ہوا۔ اس کے پیروکار مدتوں رہے۔ چھٹی صدی میں حضرت ابوالفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ تک ان کا وجود تھا۔

(٨) اور وہ کہا کرتا تھا کہ جو شخص اللہ پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مجھ پر ایمان لے آیا اس نے فلاح پائی اور جس نے میری نبوت سے انکار کیا اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو بے کار کر دیا۔ ایسا منکر ابدالآباد جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔ یہ فرقہ بھی متفقہ طور پر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ حالانکہ ظاہر معنی کی رو سے فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی ویقر بکتاب اس پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ لیکن اسے کسی نے اہل کتاب نہیں کہا۔

(٩) فرقہ قرامطہ میمونیہ مزدکیہ اور باطنیہ کا بانی ابوعبداللہ میمون بن دیصان قداح اہوازی حضرت جعفر صادقؒ کا غلام تھا۔ دراصل مجوسی اور اسلام کا دشمن تھا۔ اس نے اسلام میں الحاد و زندقہ کے نظریات داخل کیے۔ جس طرح پولس یہودی نے دین عیسٰیؑ میں کفر و شرک کی آمیزش کر کے اسے بگاڑا تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نے میمون کے پیروکاروں کا نام فرقہ میمونیہ رکھا۔ مگر باطنیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد قرامطہ و مزدکیہ کے نام سے عراق میں اور ملاحدہ و مزدکیہ کے نام سے خراسان میں مشہور ہوئے۔

ان کا کہنا تھا کہ شرائع اسلام برحق ہیں مگر مولویوں نے جو کچھ سمجھا ہے وہ غلط ہے۔ اس کے ظاہری معنے قطعاً مراد نہیں۔ یہ لوگ دہریوں اور بت پرستوں سے بھی بدتر ہیں۔ حالانکہ ظاہر معنی کی رو سے فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی و یقر بکتاب ان پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ لیکن انھیں کسی نے اہل کتاب نہیں کہا۔

(۷) اسی طرح گزشتہ چودہ صدیوں میں اور بھی متعدد مرتدین ایسے ہو گزرے ہیں جنھیں جرم ارتداد میں قتل کیا گیا۔ ان میں سے کسی کو بھی کسی فقیہ نے اہل کتاب نہیں کہا۔ اور نہ ہی انھیں فی حکم اہل الکتاب کہا گیا۔ مثلاً:

(۸) عَیہلہ بن کعب بن عوف اسود عنسی مدعیٔ نبوت مقتول صحابہؓ بعہدِ نبوی ۱۰ھ

(۹) حارث بن عبدالرحمن بن سعید دمشقی مدعیٔ نبوت مقتول بعہدِ عبدالملک۔

(۱۰) ابو مسلم خراسانی مدعیٔ الوہیت بھی خلیفہ ابو منصور عباسی کے عہدِ خلافت میں قتل کیا گیا۔

(۱۱) حکیم عطاء ہاشم مقنع خراسانی مدعیٔ الوہیت ۱۶۳ھ میں بعہدِ خلیفہ مہدی عباسی لشکرِ اسلام کے حملوں سے گھبرا کر اپنی فوج سمیت قلعہ بند ہو کر خود سوزی کر کے جل مرا۔

(۱۲) جاودان مجوسی مسلمان ہوا پھر نبوت کا دعویٰ کر کے مرتد ہو گیا۔ ۱۲۸ھ میں مارا گیا۔

(۱۳) استاذ سیس خراسانی مدعیٔ نبوت بعہدِ خلیفہ منصور ۱۵۰ھ میں قتل ہوا۔

(۱۴) مغیرۃ بن سعید عجلی مدعیٔ نبوت ۱۸۳ھ میں جلایا گیا۔

(۱۵) بہبود زنگی مدعیٔ نبوت ۲۲۶ھ میں بعہدِ معتصم قتل ہوا۔

(۱۶) یونز مدعیٔ نبوت ۲۵۶ھ میں بعہدِ معتمد قتل ہوا۔

(۱۷) علی بن محمد خارجی ازارقی مدعیٔ نبوت کو خلیفہ موفق کی اسلامی فوج نے ۲۷۰ھ میں سخت مقابلہ کے بعد قتل کیا۔

(۱۸) ابوالقاسم یحییٰ زکرویہ قرمطی مدعیٔ مہدویت نے خود کو محمد بن عبداللہ بن محمد

بن اسماعیل بن جعفر صادق ظاہر کیا۔ بعہد خلیفہ مکتفی باللہ ۲۸۹ھ میں اسلامی افواج کے ساتھ مقابلہ میں قتل ہوا۔

(۱۹) حسین بن زکرویہ صاحب الشامہ مدعی مہدویت کو خلیفہ مکتفی باللہ عباسی نے ۲۹۱ھ میں دو سو درے لگوائے اور پھر صلیب پر چڑھادیا۔

(۲۰) عیسیٰ بن مہرویہ ملقب بہ مدثر مدعی مہدویت ۲۹۱ھ میں قتل ہوا۔

(۲۱) طائفہ قرامطہ کا بانی ابوسعید حسن بن بہرام جنابی تھا۔ جو دولت عباسیہ کے دور میں اپنے باطل دعوے کی وجہ سے ۳۰۱ھ میں قتل ہوا تھا۔

(۲۲) علی بن فضل یمنی مدعی نبوت و الوہیت کو ۳۰۳ھ میں زہر پلاکر قتل کیا گیا۔

(۲۳) ابوجعفر محمد بن علی شلغانی مدعی الوہیت کو بعہد خلیفہ راضی باللہ اپنے رفیق ابن ابی عون کے ساتھ ۳۲۲ھ میں مصلوب کیا گیا۔

(۲۴) عبدالمؤمن افریقی مدعی نبوت ۳۰۰ھ میں قتل ہوا۔

(۲۵) عبدالعزیز باسندی نے ۳۲۲ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ علاقہ صغانیان کے حاکم ابوعلی بن مظفر کے حکم سے قتل کیا گیا۔

(۲۶) ابوطاہر سلیمان قرمطی مدعی الوہیت ۳۱۲ھ میں چیچک سے مرا۔

(۲۷) عبیداللہ افریقی مدعی مہدویت ۳۲۰ھ میں مرا۔

(۲۸) ابوجعفر محمد بن علی شیعی ارتدادی کلمات بکنے کی وجہ سے ۳۲۲ھ میں اپنے متعدد ساتھیوں کے ساتھ قتل ہوا۔

(۲۹) احمد بن حسین کوفی ابوالطیب مدعی نبوت ۳۷۲ھ میں قتل ہوا۔

(۳۰) نبی نہاوند مدعی نبوت ۴۹۹ھ میں قتل ہوا۔

(۳۱) حسن بن صباح اپنے ارتدادی کلمات کی وجہ سے ۵۱۸ھ میں قتل ہوا۔

(۳۲) نبی الباسنہ مدعی نبوت محمد بن مظفر کے دور میں قتل ہوا۔

(۳۳) نبی کادہ عطار مقنع بعہد مہدی اپنے ساتھیوں سمیت خود آگ میں جل مرا۔

(۳۴) آدم خراسانی عثمان بن نہیک مدعی بروز آدم بعہد منصور قتل ہوا۔

۳۵ مدعی بروز نوح خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں سولی دیا گیا۔

۳۶ الحاکم بامر اللہ مصری مدعی الوہیت۔ ۲۵ سال تبلیغ کی۔

۳۷ عبداللہ بن تومرت ۲۵ سال تبلیغ کی ۲۰ سال حکومت کی۔

۳۸ میر محمد حسین مشقی نے نمازوں کے اوقات میں اضافہ کیا۔ مکروہ اوقات میں بھی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ عالمگیر کے دور میں لاہور آیا۔ بعہد محمد شاہ دہلی میں جا مرا۔

۳۹ شیخ مسافر کہیں سے سندھ میں آیا۔ اور مہدی و مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔

۴۰ خود مدعی نبوت حضرت امام ابن تیمیہ کے ساتھ وفات مسیح پر بحثیں کرتا رہا۔

۴۱ یحییٰ بہاری ملقب بہ الہ اللہ اس نے کہا کہ یحییٰ اصل میں یا حیّ تھا۔

۴۲ ہندوستان میں فرقہ مہدویت کا بانی سید محمد مہدی جونپوری مدعی مہدویت سالہا سال کی خانہ بدوشی کے بعد غریب الوطنی کے عالم میں فراہ واقع خراسان میں ۹۱۰ھ میں مرا۔

۴۳ بایزید انصاری جالندھری مدعی نبوت المعروف بہ روشن پیر کو اکبر بادشاہ کے حکم سے کابل کے صوبہ دار نے فوج کشی کر کے قتل کیا۔

۴۴ ابو العباس احمد بن عبداللہ بن محمد سجلماسی المعروف بہ ابن ابی محلی مدعی مہدویت ۱۰۲۲ھ میں اپنے متعدد ساتھیوں کے ساتھ طالبان کے ہاتھوں مراکش میں قتل کیا گیا۔

۴۵ حاجی محمد خراسانی مدعی مسیحیت کو سندھ کے حکمران نے حراست میں لے کر اس کا سر قلم کیا اور شہر کی عام گزرگاہ پر لٹکا دیا۔

۴۶ مرزا علی محمد باب شیرازی مدعی مہدویت ۱۲۶۶ھ میں مارا گیا۔

۴۷ مُلّا محمد علی بار فروشی مدعی رجعت محمدی، یہ مرزا علی محمد باب کا مرید تھا۔ نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ مقتول ہوا۔

۴۸ صبح ازل یہ باب کا مرید تھا۔ اس نے بھی مہدویت کا دعویٰ کیا۔

۴۹ مرزا حسین علی بہا مدعی مہدویت۔ ۷۵ سال کی عمر میں قتل کیا گیا۔

(۵۰) زرّین تاج معروف بہ قرۃ العین طاہرہ قزوینیہ جس نے مظہر فاطمہؓ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ۱۸۵۲ء میں بابی مذہب کی تبلیغ کے جرم میں خچر کی دم سے اس کے بال باندھ کر خچر کو دوڑایا گیا۔ جس سے وہ مرگئی۔ اور اس کی لاش کو ایک کنوئیں میں ڈال کر پتھروں سے کنواں بھر دیا گیا۔

○ یہ چند واقعات بطور نمونے کے ذکر کیے گئے ہیں جن سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ فتح القدیر میں مذکور کتابی کی تعریف ظاہر پر مبنی نہیں بلکہ ان کا مقصد وہی ہے جو کتب عقائد میں مذکور ہے۔ جس سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ کتب عقائد میں مذکور کتابی کی تعریف فقہاء کی بیان کردہ تعریف کی تشریح ہے نہ کہ مخالف۔ اور اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

○ اس تعریف سے تو صرف مندرجہ ذیل کافر نکلتے ہیں۔

(۱) دہریہ منکرین صانع۔

(۲) ثنویہ منکرین توحید ورسالت۔

(۳) وثنیہ منکرین توحید ورسالت۔

(۴) فلاسفہ توحید کے قائل منکر بعثت رسل۔

○ مگر اس تعریف میں ہندو اور سکھ داخل رہتے ہیں۔ کیونکہ ہندو رشیوں یعنی رسولوں کے قائل ہیں اور کتابوں کا اقرار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم چار ویدوں کو مانتے ہیں۔ اور سکھ بھی کہتے ہیں کہ ہم باوا نانک کو مانتے ہیں اور انکی کتاب گرنتھ صاحب کو بھی اپنے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ مسلمان جس قدر قرآن مجید کی عزت کرتے ہیں ہم اس گرنتھ کی اس سے زیادہ تکریم کرتے ہیں۔ بلکہ سورت نساء آیت ۱۷۴، یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نوراً مبیناً کی رو سے وہ بھی اہل کتاب میں داخل ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ :

ہندو، سکھ اور دھریئے بھی اہلِ کتاب ہیں؟

○ اگر محض اس وجہ سے مسلمانوں کو اہلِ کتاب کہا جائے کہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمانی کتاب نازل ہوئی ہے تو قطع نظر دین و ملت کے دنیا بھر میں رہنے والے تمام بنی نوعِ انسان کو اہلِ کتاب کے زمرے میں شامل کر کے ان کی ذبیحہ کو حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز سمجھنا چاہیے۔ خواہ وہ مذہباً سکھ ہوں یا ہندو۔ اسی طرح کوئی منکرِ خدا دہریہ ہو یا مذہب کو افیون قرار دینے والا اجنونی۔ کیونکہ:

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام بنی نوعِ انسان کو مخاطب کر کے فرمایا: یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبینا (۴: ۱۷۴) یعنی دنیا کے رہنے والے انسانو! سنو! تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک راہنما (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے پاس آ چکے ہیں۔ اور ان کی شہادت کے لیے ہم نے کھلا نور یعنی قرآن مجید تمہاری (روئے زمین پر بسنے والی ہر قوم اور ملت کی) طرف اتارا ہے۔ خواہ تم میں سے کوئی اہلِ کتاب یہودی ہے یا نصرانی، کوئی ہندو ہے یا دہریہ یا مجوسی، قرآن تم سب کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

○ شاید یہی وجہ ہے کہ حسب فرمان حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ مصر کے مشہور عالم مفتی عبدہٗ سے ایک سخت لغزش ہوگئی ہے۔ جس کے غلط اور قرآن و سنت اور جمہورِ امت کے خلاف ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ موصوف سے تفسیر المنار میں اس جگہ دوہری غلطی ہوئی ہے اول تو اہلِ کتاب کے مفہوم میں دنیا کے کفار مجوس، ہندوں، سکھ وغیرہ سب کو داخل کر کے اتنا عام کر دیا کہ پورے قرآن میں جو کفار اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب کی تقسیم و تفریق کی گئی ہے وہ بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔ الخ (معارف القرآن ۵: ۵ صفحہ ۵۸)

- لہٰذا اس اعتراض سے بچنے کے لیے بعض فقہاء نے دیناً سماویاً کی قید لگا دی ہے۔ جس سے ہندو سکھ دہریے فلسفی وغیرہ خارج ہو جاتے ہیں۔
- حضرت مولانا مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع دیوبندی نے معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۴۷ پر اسی قید کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا: باتفاق امت کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو۔ جیسے تورات' انجیل' زبور' صحف موسیٰ و ابراہیم وغیرہ۔
- اس لیے وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتی ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن و سنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں، وہ قومیں اہل کتاب میں داخل نہیں ہوں گی۔ جیسے مشرکین مکہ' مجوس' بت پرست ہندو' بدھ آریہ' سکھ وغیرہ۔
- مگر راقم الحروف کہتا ہے کہ اس تعریف کی رو سے تو مشرکین مکہ بھی اہل کتاب میں داخل رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو حنیفی کہلاتے تھے۔ اور ان کا دعویٰ تھا کہ ہم ملت ابراہیم کے متبع اور پیروکار ہیں۔ اور باپ دادوں سے ملت ابراہیم پر کاربند ہیں۔ اعتقاداً بھی اور عملاً بھی۔ گو ہمارے پاس اس وقت کوئی آسمانی کتاب موجود نہیں' مگر ہم اپنے باپ دادوں سے جو ابًا عن جدٍ سنتے آئے ہیں وہی صحیح اور سچا آسمانی دین ہے جو اس دین پر نہیں وہ صابی اور بے دین ہے۔ مگر وہ اہل کتاب نہیں۔ لیکن:

مشرکین مکہ بھی اہل کتاب ہیں؟

- اگر محض اس وجہ سے مسلمانوں کو اہل کتاب کہا جائے کہ ان کی طرف کتاب اتری ہے۔ اور دلیل میں قرآن مجید کی بعض آیات پیش کی جائیں۔ مثلاً:

لقد انزلنا الیکم آیات (۲۴: ۳۶)

یا اولی الالباب الذین آمنوا قد انزل اللہ الیکم ذکراً (۶۵: ۱۰)

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا (۲: ۱۳۶) وغیر ذٰلک من الآیات

اس طرح تو مکہ کے رہنے والے ان پڑھ امی مشرک قریشیوں کو بھی اہلِ کتاب کہنا چاہیے۔ کیونکہ:

- اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لقد انزلنا الیکم کتاباً فیہ ذکرکم (الانبیاء۔۲۱:۱۰) یعنی اے مکہ کے رہنے والے مشرک قریشیو! مجھے اپنی ذاتِ کبریائی کی قسم ہے ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب بھیجی ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت کی باتیں ہیں۔
- نیز فرمایا: افغیر اللہ ابتغی حکماً و ھو الذی انزل الیکم الکتٰب مفصلاً (الانعام۔۶:۱۱۴) یعنی اے مکہ کے رہنے والے مشرک قریشیو! کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اسی نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری ہے۔
- قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مکہ کے رہنے والے بے ایمان ان پڑھ مشرک بھی اہلِ کتاب ہیں۔ کیونکہ ان کی طرف بھی مفصل کتاب یعنی قرآن مجید نازل ہو چکا ہے۔ ان آیاتِ کریمہ کی رو سے کہا جائے گا کہ مکہ کے مشرک لوگ بھی اہلِ کتاب ہیں۔ اس لیے ان کی ذبیحہ بھی حلال ہے۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہے۔ جبکہ وہ بھی اپنی نسبت ملّتِ سماویہ ابراہیمیہ کی طرف ہی کرتے ہیں۔

مشرکینِ مکہ بھی منسوب الیٰ ملّتِ سماویہ ھیں

- نیز اگر یوں کہا جائے کہ حلّتِ ذبیحہ اور عورتوں سے نکاح کے جواز کے لیے منسوب الیٰ ملّتِ سماویہ ہونا کافی ہے تو مکہ کے مشرک قریشیوں کا ذبیحہ بھی حلال ہونا چاہیے اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ مشرکینِ مکہ بھی اپنے آپ کو ملّتِ ابراہیمؑ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور اپنے آپ کو حنیفی کہتے تھے۔ جیسا کہ:
- تفسیر جامع البیان میں شیخ الاسلام حضرت شیخ معین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آیت

ان ابراھیم کان امۃ ...... (۱۲۰:۱۶) کے تحت تحریر فرمایا ہے : زعم قریش انھم علی ملۃ ابراھیم وھم مشرکون یعنی باوجود شرک کرنے کے مشرکین قریش کا دعویٰ تھا کہ وہ ملتِ ابراہیمؑ پر ہیں۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ہم ملت ابراہیمؑ پر ہیں۔ اور ملت ابراہیمؑ ملت سماوی ہی تو تھی۔ اس لیے یہود و نصاریٰ کی طرح خود کو ملت سماویہ ابراہیمیہؑ کی طرف منسوب کرنے والے مشرکین مکہ کا ذبیحہ بھی حلال ہونا چاہیے۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ :

مشرکین مکہ کے عقائد

(۱) ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالےٰ ہی ہمارا خالق ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

(۲) اللہ تعالےٰ ہی آسمان زمین کا خالق ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

(۳) اللہ تعالےٰ ہی اوپر سے پانی اتار کر بنجر زمین کو آباد کرتا ہے۔

(۴) اللہ تعالےٰ ہی ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب ہے۔

(۵) بڑے بڑے امور کی تدبیر کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

(۶) اللہ تعالےٰ کی ذات ہر اس چیز سے منزہ ہے جو اس کے مناسب نہیں۔ اور اس کے ناموں میں الحاد کرنا منع اور حرام ہے۔

(۷) اللہ تعالےٰ کی قضاء و فیصلہ مبرم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

(۸) اللہ تعالےٰ اپنے مقرب لوگوں کی دعاء قبول کرتا ہے۔

(۹) ان کا عقیدہ تھا کہ دعاؤں کا اثر ہوتا ہے۔

(۱۰) ان کا عقیدہ تھا کہ ملائکہ و صالحین کی دعاء میں کچھ تاثیر ہے۔

(۱۱) سخت مصیبت کے وقت اللہ تعالےٰ ہی کو پکارتے تھے۔

(۱۲) اللہ تعالےٰ ہی ہمارا رازق ہے۔

(۱۳) اللہ تعالےٰ ہی ہمارے کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے۔

(۱۴) اللہ تعالےٰ ہی تمام ملک کا مالک و مختار ہے۔

۱۵ اللہ تعالیٰ ہی ملیکُ الاملاک ہے۔
۱۵ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہر چیز کی شاہی ہے۔
۱۶ اللہ تعالیٰ ہی پناہ دہندہ ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دیتا۔
۱۷ اللہ تعالیٰ ہی مردے کو زندے سے اور زندہ کو مردے سے نکالتا ہے۔
۱۸ اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کا مدبر ہے۔
۱۹ اللہ تعالیٰ ہی نجات دہندہ ہے۔
۲۰ اللہ تعالیٰ ہی بیٹے اور بیٹیاں دیتا ہے۔
۲۱ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔
۲۲ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو دل کی باتیں بھی جانتا ہے۔
۲۳ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو سختیوں اور تکلیفوں کو ہٹاتا ہے۔
۲۴ اللہ تعالیٰ کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔
۲۵ فرشتوں کے وجود کے قائل تھے۔ جو مقرب الٰہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عالم دنیا میں تدبیریں کرتے ہیں۔ جن میں سے بعض عرش کو اٹھانے والے ہیں۔
۲۶ ان کا عقیدہ تھا کہ چار فرشتوں نے عرشِ معلیٰ کو اٹھا رکھا ہے۔
۲۷ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے۔
۲۸ فرشتے نہ کھاتے پیتے ہیں نہ بول و براز کرتے ہیں نہ شادی بیاہ کرتے ہیں۔
۲۹ فرشتے نیک آدمیوں کے پاس آکر ان کو بشارت اور خوف دلاتے ہیں۔
۳۰ جنات کا وجود بھی مانتے تھے۔
۳۱ موت کو برحق مانتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔
۳۲ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔
۳۳ حشرِ اجساد کے قائل تھے۔
۳۴ ان کا عقیدہ تھا کہ مرے ہوئے واپس دنیا کی طرف نہیں آتے۔
۳۵ ان کا عقیدہ تھا کہ موت تمام تعلقاتِ دنیویہ کی قاطع ہے۔

(۳۷) انکا عقیدہ تھا کہ موت کے بعد مرنے والا زندوں کے حالات سے بے خبر ہوتا ہے۔

(۳۸) ان کا عقیدہ تھا کہ میت کی آنکھیں نہیں دیکھتیں۔

(۳۹) ان کا عقیدہ تھا کہ میت کے کان نہیں سنتے۔

(۴۰) ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد حساب کتاب برحق ہے۔

(۴۱) قبروں پر جاکر میت کو دعا دیتے اور سلام تحیت بجالاتے تھے۔

(۴۲) میت کے لیے ایصالِ ثواب کے قائل تھے۔

(۴۳) تقدیر کے قائل تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ بحوالہ حسن بصری)

(۴۵) ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی آدمی کو لوگوں کی طرف مبعوث کرتا ہے۔ جس پر وحی نازل کرتا ہے فرشتے اس کے پاس بھیجتا ہے اس کی اطاعت لوگوں پر فرض ہے یعنی بعثتِ انبیاء علیہم السلام کو تسلیم کرتے تھے۔

(۴۶) یہ عقائد اہل مکہ میں حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ سے وراثۃً چلے آرہے تھے۔ ورنہ ان پر رد کیا جاتے۔

(۴۷) مشرکین مکہ کا زندقہ یہ تھا کہ بڑے امور کے علاوہ فرشتوں اور ارواح میں سے بعض ایسے ہیں جو بڑے امورِ انتظامیہ کے علاوہ اہل زمین کے دوسرے امور کے مدبر ہیں۔ اور بزرگ ہستیاں اللہ تعالیٰ کی مقرب ہیں۔ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔ کیونکہ ہم ہیچ ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اکبر اعلیٰ ہے۔ وہ ہماری نہیں سنتا اور ان بزرگوں کی ٹالتا نہیں۔

(۴۸) اب ظاہر ہے کہ یہ سب عقائد مشرکین مکہ میں نسلاً بعد نسل مسلسل زمانے چلے آرہے تھے۔ اور اس وجہ سے اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی میں شمار کرتے تھے۔ اور اس پر مضبوطی سے قائم تھے۔ یہاں تک کہ جب کوئی شخص ان شرکیہ عقائد کے خلاف آواز اٹھاتا تو اس کو صابی اور بے دین کہتے تھے۔ جیسا کہ آج کل موحدین کو وہابی کہا جاتا ہے۔

مشرکین مکہ کے اعمال

○ مشرکینِ مکہ درج ذیل احکام کو سُنّتِ ابراہیمؑ سمجھتے تھے اور ان تمام کاموں کو بڑے اہتمام سے بجالاتے تھے۔

① مشرکینِ مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام سے متعلق بندوں پر احکام مقرر کیے ہیں۔

② اعمال کی جزاء سزاء کے قائل تھے۔ اور کہتے تھے اللہ تعالیٰ ہی نیک عمل کی جزاء اور بدعملی کی سزاء دیتا ہے۔

③ قوم و تمدن کے متعلق مفید امور پر عمل کرتے تھے۔

④ اصول نیکی کے معتقد تھے۔

⑤ استنجاء کرنا۔

⑥ وضو کرنا۔ اور حکماء عرب اس کے پابند تھے۔

⑦ کلی کرنا۔

⑧ مسواک کرنا۔

⑨ استنشاق و استنثار یعنی ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا۔

⑩ مونچھیں کاٹنا۔

⑪ سر کے بالوں کے درمیان ناک کی سیدھ میں مانگ نکالنا۔

⑫ ناخن تراشنا۔

⑬ بغلوں کے بال اکھیڑنا۔

⑭ زیر ناف بالوں کو صاف کرنا۔

⑮ ڈاڑھی رکھنا۔

⑯ ختنہ کرنا۔

⑰ عقیقہ کرنا۔

⑱ ہر کام کو دائیں طرف سے شروع کرنا۔

(۱۹) جنابت کا غسل کرنا۔
(۲۰) میت کو نہلانا۔
(۲۱) میت کو کفن پہنانا۔
(۲۲) جنازہ کی نماز پڑھنا۔
(۲۳) میت کے حق میں دعائے مغفرت کرنا۔
(۲۴) میت کو دفن کرنا۔
(۲۵) نماز پڑھنا۔ جس میں سجدہ لازم تھا۔ اور دیگر تعظیمی افعال کی پابندی کرتے تھے۔
(۲۶) نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرتے تھے۔
(۲۷) زکوۃ صدقہ خیرات کرنا۔
(۲۸) خمس بھی ادا کرتے تھے۔
(۲۹) زکوۃ کا مصرف مہمان کو سمجھتے تھے۔ زکوۃ کا پیسہ مہمان نوازی مسافر نوازی نفقہ اہل وعیال یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ صلہ رحمی میں صرف کرتے تھے۔
(۳۰) مسجد میں اعتکاف بھی بیٹھتے تھے۔
(۳۱) قربانی کرنا۔
(۳۲) غلام آزاد کرنا۔
(۳۳) عاشوراء کے دن صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا۔
(۳۴) شعائر اللہ اور ادب والے مہینوں کا احترام کرتے تھے۔
(۳۵) حرم کی طرف ہدی بھیجتے تھے۔
(۳۶) ہدی کے گلے میں قلادہ ڈالتے تھے تاکہ کوئی اس کو اپنے استعمال میں نہ لائے۔
(۳۷) اونٹ کا اشعار بھی کرتے تھے۔
(۳۸) بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔ حج ان کے دین کے اصول میں سے تھا۔
(۳۹) عمرہ کرنا۔
(۴۰) احرام باندھنا۔

(۴۲) دوران طواف بیت اللہ شریف کے گرد سات چکر لگانا۔
(۴۳) حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا۔
(۴۴) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔
(۴۵) تلبیہ یعنی لبیك اللھم لبیك لا شریك لك ...... کہنا۔
(۴۶) ذی الحجہ کی نو (۹) تاریخ کو عرفات کے میدان میں وقوف کرنا۔
(۴۷) سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات کے میدان سے واپس ہونا۔
(۴۸) مزدلفہ میں رات کو قیام کرنا۔
(۴۹) سورج طلوع ہونے کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف چلنا۔
(۵۰) منیٰ میں ہدی ذبح کرنا۔
(۵۱) وہ ذبیحہ کا اوپر اگلا نہ کاٹتے، نہ کاٹ کر پھینکتے اور نہ ہی پیٹ چاک کرتے تھے۔
(۵۲) اونٹ کا نحر کرتے تھے۔
(۵۳) غنم بقر کو ذبح کرتے تھے۔ جو ابتداء سے سنتِ انبیاء علیہم السلام چلی آرہی ہے اور ملتِ حنیفیہ کے شعائر میں سے ہے۔
(۵۴) مردار کو حرام سمجھتے تھے۔
(۵۵) گدھے کو حرام سمجھتے تھے۔
(۵۶) خنزیر کو حرام سمجھتے تھے۔
(۵۷) بندر اور کتے کو حرام سمجھتے تھے۔
(۵۸) جمرات یعنی تین ڈھیریوں کو کنکریاں مارنا۔
(۵۹) میدانِ عرفات میں وقوف کرنا۔
(۶۰) اشہرِ حرم یعنی رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم کی تعظیم اور تکریم کرنا۔
(۶۱) اشہرِ حرم میں لڑائی نہ کرنا، ہتھیار نہ اٹھانا۔
(۶۲) حرم شریف میں کسی پر زیادتی کو حرام سمجھنا۔
(۶۳) طوافِ کعبہ سے فارغ ہو کر غفرانك غفرانك کا ورد کرنا۔

(۶۴) نکاح کے لیے عورت کے باپ، بھائی، چچا یا عمزاد کی طرف سے خطبہ (منگنی) کرنا ان کا معمول تھا۔

(۶۵) ایک سے چار تک عورتوں سے نکاح کو جائز سمجھنا۔

(۶۶) ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی اور خالہ سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔

(۶۷) حیض و نفاس کی حالت میں عورت سے جماع کو حرام سمجھتے تھے۔

(۶۸) شریف زادیوں کو پردے کا حکم دیتے تھے کہ لوگوں کی آنکھوں سے اپنا منہ ڈھانپیں۔

(۶۹) نکاح کے بعد ولیمہ کرنا۔

(۷۰) پڑوسی کا اکرام۔

(۷۱) مہمان کا اکرام۔ اور یہ سب کام ان کے ہاں ممدوح سمجھے جاتے تھے۔ اور یہ سب امور انسان کا کمال اور سعادت سمجھتے تھے۔

(۷۲) میاں بیوی میں نا اتفاقی کی صورت میں طلاق دینا۔

(۷۳) ایک یا دو طلاقیں رجعی اور تین طلاقیں مغلظ سمجھی جاتی تھیں۔

(۷۴) اکٹھی تین طلاقیں نہ دینا۔ بلکہ الگ الگ طہر میں طلاق دینا۔

(۷۵) ایلاء کرنا یعنی قسم کھا کر عورت سے کہنا کہ میں اتنی مدت تیرے پاس نہیں آؤں گا۔

(۷۶) ظہار کرنا یعنی اپنی بیوی کو اپنے کسی محرم کے ستر کے ساتھ تشبیہ دینا۔

(۷۷) طلاق نہ بننے کی صورت میں عورت کا خلع کرنا۔ یعنی کچھ دے کر طلاق لے لینا۔

(۷۸) طلاق کے بعد عورت کا خاوند کے گھر عدت بیٹھنا۔

(۷۹) خاوند کی وفات کے بعد پورا سال عدت بیٹھنا۔

(۸۰) غیر عورت کے بوسہ کو برا سمجھنا۔

(۸۱) بچہ پیدا ہونے کے بعد عقیقہ کرنا۔

(۸۲) ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا۔

(۸۳) معانقہ کرنا۔

(۸۴) ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا۔

(۸۵) مصائب حق میں امداد کرنا۔

(۸۶) وعدہ وفائی کرنا۔

(۸۷) عہد شکنی کو حرام سمجھنا۔

(۸۸) نذر ماننا اور نذر پوری کرنا۔

(۸۹) بیت اللہ شریف کی تعمیر کو کار ثواب سمجھنا۔

(۹۰) بیت اللہ شریف کی تعمیر پر حرام مال لگانے کو جائز نہ سمجھنا۔

(۹۱) مہمان نوازی کرنا۔

(۹۲) ہمدردی کرنا۔

(۹۳) اہل قرابت سے صلہ رحمی فرض سمجھتے تھے۔

(۹۴) حاجیوں کو پانی پلانا۔ ستو پلانا اور ان کی دعوت کرنا۔

(۹۵) قطع رحمی کو حرام سمجھتے تھے۔ بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قطع رحمی کا طعنہ دیتے تھے۔

(۹۶) خورد و نوش، دعوتوں اور میلوں میں ان کے مخصوص اصول تھے۔ جو ان کی پابندی نہ کرتا قابل ملامت سمجھا جاتا۔

(۹۷) عقائد اور اعمال میں آباؤ اجداد کی مخالفت کو حرام سمجھتے تھے۔

(۹۸) قیدیوں کو آزاد کرانا اعلیٰ عمل اور کار ثواب سمجھتے تھے۔

(۹۹) پرایا مال کھانے کو حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۰) مار پٹائی کو حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۱) فساد کو حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۲) جھوٹ کو حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۳) دھوکہ دہی کو حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۴) آبائی دین کو بدلنا حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۵) باہم صلح کرنے کرانے کو بہترین عمل سمجھتے تھے۔
(۱۰۶) پرایا مال کھانے کو حرام سمجھتے تھے۔
(۱۰۷) تجارت ان کا آبائی پیشہ تھا۔
(۱۰۸) مرابحۃ یعنی فروخت کرتے وقت قیمت خرید سے کچھ زیادہ لینے (نفع) کو جائز سمجھتے تھے۔
(۱۰۹) تولیۃ (یعنی فروخت کرتے وقت صرف قیمت خرید وصول کرنے) کو جائز سمجھتے تھے۔
(۱۱۰) مخاسرہ (نیلام) قیمت خرید سے کم لینا بھی ان کے یہاں جائز تھا۔
(۱۱۱) اقالہ یعنی طے شدہ انہی پیسوں میں واپس لے لینا۔
(۱۱۲) مضاربہ یعنی ایک آدمی کے پیسے اور دوسرے کا عمل اس شرط پر کہ منافع میں دونوں شریک ہوں گے جائز سمجھتے تھے۔
(۱۱۳) زمین کا شفعہ لینا دینا جائز سمجھتے تھے۔
(۱۱۴) قرض خواہ کا قرض دار سے کوئی چیز رہن رکھ لینا جائز سمجھتے تھے۔
(۱۱۵) چور کا ہاتھ کاٹنا۔
(۱۱۶) ڈاکو کو سولی کی سزا دیتے تھے۔
(۱۱۷) قاتل کو قصاص میں قتل کر ڈالتے تھے۔
(۱۱۸) قاتل سے قصاص نہ لینے کی صورت میں سو اونٹ دیت لیتے تھے۔
(۱۱۹) قسامہ کی سزا بھی ان کے یہاں مقرر تھی۔
(۱۲۰) بھٹکے ہوؤں کو راہ بتانا ثواب کا کام سمجھتے تھے۔
(۱۲۱) مرنے والے کا مال وراثت میں تقسیم کرتے تھے۔
(۱۲۲) ٹخنوں سے نیچے تہ بند لٹکانے کو برا اور فاجروں کا کام سمجھتے تھے۔
(۱۲۳) ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا عورتوں کا کام سمجھتے تھے۔
(۱۲۴) ظلم کھلا زنا قبیح اور حرام سمجھتے تھے۔
(۱۲۵) قریب الموت آدمی کا کسی کے حق میں وصیت کرنا ان کا معمول تھا۔

(۱۲۶) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہوئے رو رو کر دعا کرنا خصوصاً جب ان کی کشتی بھنور میں آجائے۔

(۱۲۷) علم نجوم کے قائل نہ تھے۔

(۱۲۸) ستاروں اور علمِ طبعی کے دقائق میں نہ پڑنے میں ملتِ ابراہیم کے پیروکار تھے۔

(۱۲۹) پیش بینی کے لیے ان کے یہاں خواب اور گزشتہ انبیاء کی بشارات تھیں۔

(۱۳۰) اپنے مال میں اللہ تعالیٰ کا حصہ بھی رکھتے تھے۔

(۱۳۱) اللہ تعالیٰ کی قسم بھی کھاتے تھے۔

(۱۳۲) پیر فقیر اور اولیاء اللہ کی تعظیم کرتے تھے۔

(۱۳۳) وہ بعض بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کے باوجود اپنے آپ کو دینِ ابراہیمیؑ کا پابند سمجھتے تھے۔

(۱۳۴) جب تک عمرو بن لحی پیدا نہ ہوا بنی اسماعیل برابر اپنے جدِ امجد حضرت اسماعیل کی روش پر ثابت قدم رہے۔

حوالہ جات کے لیے دیکھیے قرآن مجید، حجۃ اللہ البالغہ از حضرت شاہ ولی اللہؒ، السنن الکبریٰ للبیہقی، مشکوٰۃ المصابیح، دعوت الحق از شیخ التفسیر مولانا محمد امیرؒ، ردّ فیہ از مولانا عبدالرؤف صاحب بوچھالویؒ، تفسیر جواہر القرآن از شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ، المعلقات السبع، دیوان حماسہ، بلوغ الارب و دیگر کتب تاریخ و ادب۔

○ البتہ اتنا ضرور ہے کہ جس طرح زمانۂ حال میں مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے لوگ، خود کو کتاب اللہ کی طرف منسوب کرنے، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر الزمان نبی ماننے کے ساتھ ساتھ عقائد میں بے اصولی اور اعمال میں بے راہ روی کے مرتکب ہیں۔ اسی طرح عہدِ جاہلیت کے مشرک بھی خود کو ملل سماویہ میں سے ملتِ ابراہیمیؑ کی طرف منسوب کرنے کے باوجود عقائد و اعمال میں ملتِ ابراہیمیؑ سے ہٹ کر کوسوں دور نکل گئے تھے۔

ایک دوسرے کو ناحق قید کرنا، لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت، زنا، نکاح فاسد، سود خوری خوب پھیل گئی۔ نماز اور ذکر الٰہی کو اکثر لوگوں نے بالکل ترک کر دیا تھا۔ اس کے باوجود منسوب الی ملّتِ سماویہ تو مشرکین مکہ بھی تھے۔ کیونکہ وہ خود کو ملّتِ ابراہیمؑ پر عامل کہتے تھے۔ یعنی نماز روزہ اور دیگر فرائض سے انکار نہیں کرتے تھے۔ البتہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی۔ اور نہ ہی وہ اس بات کے دعوے دار تھے کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کوئی آسمانی کتاب ہے۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ان کے عقائد و اعمال میں اپنے کفریہ نظریات کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل بھی نہیں تھی۔ چنانچہ:

- اللہ تعالیٰ نے ان کے نظریاتِ فاسدہ کی تردید میں تیغ تبلیغ کرتے ہوئے فرمایا: ام اٰتینٰھم کتٰبًا فھم علی بینۃ منہ (۳۵: ۴۰) یعنی کیا ہم نے ان کو کتاب دی ہے کہ اس کی دلیل پر یہ لوگ قائم ہیں؟۔
- نیز فرمایا: ایتونی بکتٰب من قبل ھذا او اثٰرۃ من علم ان کنتم صٰدقین (۴۶: ۴) یعنی تمہارے پاس اس قرآن مجید سے پہلے کوئی کتاب ہے تو لاؤ یا کوئی علمی دلیل پیش کرو جو کسی منطقی فلسفی اصول پر مبنی ہو۔ اگر تم سچے ہو تو ضرور ایسا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ میرے ساتھ بحث کرنے میں کسی سابقہ کتاب کا حوالہ پیش کر دیا عقلی دلیل لاؤ۔
- نیز فرمایا: قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا یعنی آپ ﷺ ان مشرکین مکہ کو فرما دیں کہ کیا تمہارے پاس کوئی عقلی یا نقلی علمی دلیل ہے؟ جو ہمیں بتلا سکو۔
- بے شک مشرکین مکہ کے پاس آسمانی کتاب تو نہ تھی (صحف ابراہیمؑ کو ضائع کر بیٹھے تھے) مگر اپنے آباؤ اجداد پر حسن ظن ضرور رکھتے تھے کہ وہ ملّتِ ابراہیمؑ کے پیروکار تھے۔ اور جو دین ہم نے ان سے پایا ہے وہ یہی ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا دین حق ہے۔ اور ہمارے

باپ دادے جھوٹے نہ تھے۔ اور ننگے طواف کرتے تھے۔ اور جب کوئی ان کو ٹوکتا تو یہی کہتے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طریقہ پر چلتے پایا اور یہی حکم خداوندی ہے۔ چنانچہ :

○ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا : وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا (۷ : ۲۸) کہ جب وہ بے حیائی (ننگے طواف کرتے ہیں تو کسی کے ٹوکنے پر کہتے ہیں کہ) ہم نے بڑوں کو اسی طریقہ پر چلتے پایا ہے۔ (اور ہمارے بڑے کوئی غلط کار نہ تھے۔ بلکہ بڑے نیک تھے اور ملت ابراہیمی کے کاربند تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ کرتے تھے، اس لیے ہم بڑے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں۔) واللہ امرنا بہا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس (ننگے طواف کرنے) کی اجازت دی ہے۔

○ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا : قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ فرمادیں کہ (باپ دادوں کو دیکھ کر یہ حکم لگا دینا صریح غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ننگے طواف کرنے کی اجازت دی ہوئی ہے اور یہ بات ملت ابراہیمی میں ہے۔ کیونکہ بے حیائی کا کام کرنا، پھر باپ دادوں کا حوالہ دینا پھر اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھنا بڑی نادانی ہے۔ دین حق کی پہچان فقط گمان سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کلام کا تمسک ضروری ہے۔ اور وہ تمہارے پاس ہے نہیں۔ دیکھو!) اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف۔ ۷ : ۲۸) کیا جن باتوں کو تم نہیں جانتے تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتے ہو، اور تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس بے حیائی کا حکم دیا ہے۔ نہ تمہارے پاس نقلی دلیل ہے نہ عقلی بلکہ سراسر افتراء ہے۔

○ ان کو اپنے اس باطل دین پر جس کو ملت ابراہیمی سمجھتے تھے اور ان کو جس پر پایا تھا، اتنا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے کہ

اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم (۸ : ۳۲) اے اللہ یہ دینِ اسلام جس کی طرف ہمیں دعوت دی جارہی ہے اگر یہی دینِ حق ہے اور تیری طرف سے اترا ہے اور پھر ہم نہیں مانتے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل فرما۔

○ بہرحال آسمانی کتاب نہ ہونے کے باوجود مشرکین مکہ بھی ملتِ سماویہ (ملت ابراہیمی) کی طرف ہی خود کو منسوب کرتے تھے۔ اس لیے مشرکین مکہ کی ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کے حرام ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ کہنا غلط ہے کہ عہدِ جاہلیت کے مشرک کتاب نہ ہونے کی وجہ سے منسوب الی ملتِ سماویہ نہیں تھے۔

○ آج کل کے کلمہ گو مشرکین عقائد میں بھی ملتِ ابراہیمیؑ کی اتباع کے مدعی ہیں۔ گو مشرکین مکہ کی طرح بعض عقائد میں ملتِ ابراہیمی سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور عملاً بھی بہت سے اعمال میں ملتِ ابراہیمیؑ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ مثلاً:

کلمہ گو مشرکین کے عقائد

○ زمانۂ حال کے کلمہ گو باوجودیکہ مشرکین مکہ کی طرح اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک و رازق اور بارش برسانے والا محیی و ممیت وغیرہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ:

❶ مشرکین مکہ کی طرح ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر نامی اولیاء عظام کو پکارنے کی بجائے دیگر اولیاء کرام کو حاجت روائی، مشکل کشائی، شفاء مرضی اور نرینہ اولاد حاصل کرنے کے لیے دور و نزدیک سے پکارتے ہیں۔

❷ بت پرستی کی جگہ قبر پرستی کرتے ہیں۔ بیت اللہ شریف کے طواف کی طرح اولیاء اللہ کی قبروں کا طواف کرتے ہیں اور ان اولیاء عظام کو عالم الغیب مشکل کشاء ہر جگہ حاضر ناظر اولاد دہندہ نفع نقصان پہنچانے والے اور

بگڑی سنوارنے والے سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اولیاء کاملین کی روحیں دنیا
میں تصرف کرتی ہیں دوستوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو سزا دیتی ہیں۔
علیٰ ہذا القیاس دوسرے مشرکانہ عقائد میں بھی مشرکین مکہ کے مقلد ہیں بلکہ
ان سے بھی چند قدم آگے نکل گئے ہیں۔ مثلاً:

❸ وہ مشرکین مکہ تو کہتے تھے کہ یہ مرے ہوئے بزرگ جن کو ہم پکارتے ہیں نہ
تو یہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔
(۲۶ : ۷۲۔۷۴) لیکن یہ کلمہ گو کہتے ہیں کہ یہ بزرگ جن کو ہم پکارتے ہیں
وہ مرے ہوئے ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ اور اس کی دلیل:
ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون
(البقرۃ ۲: ۱۵۴) پیش کرتے ہیں۔ اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ محبوبان الٰہی
اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد:

① ہماری پکار سنتے ہیں، ہمیں دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔
② نفع اور نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔
③ ان کو دنیا میں رہنے والے زندوں کی خبر ہے۔
④ اور ہماری ضرورت بذاتِ خود پوری کر دیتے ہیں۔
⑤ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہماری ضرورت پوری کروا دیتے ہیں۔
⑥ اور بعض کہتے ہیں کہ قبولیتِ دعاء کے لیے ان کا وسیلہ ضروری ہے۔ اور
دلیل میں قرآن مجید کی آیت : وابتغوا الیہ الوسیلۃ پیش کرتے ہیں۔

❹ اسی طرح اگر مشرکین مکہ کی کشتی بھنور میں آجاتی تو وہ مدد کے لیے صرف
اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ (۱۰ : ۲۲) اور جب اِن لوگوں کی کشتی بھنور میں
آجائے تو بجائے اللہ کے آگے گڑگڑانے کے بہاؤ الحق کو پکارتے ہیں۔

○ اسی طرح اعمال کی بے راہ روی میں بھی یہ کلمہ گو مشرک اُن ابدی جہنمی
مشرکین مکہ سے بڑھ کر ہیں۔ چنانچہ:

کلمہ گو مشرکین کے اعمال

○ مشرکین مکہ کے اعمال اوپر بیان ہو چکے ہیں جن پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ خود کو فخر کے ساتھ ملت ابراہیمی پر قائم اور عامل سمجھتے تھے۔ لیکن موجودہ دور کے کلمہ گو ان اعمالِ صالحہ کے خلاف عمل کرتے ہیں اور اس بدعملی پر فخر کرتے ہیں۔ مثلاً:

① مونچھیں بڑھاتے ہیں۔
② ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔
③ ڈاڑھی والے پر ہنستے ہیں۔
④ بعض مخنث الرجال کی طرح ڈاڑھی کترواتے ہیں۔
⑤ اور سر کے بالوں میں فرنگیوں کی طرح ٹیڑھی مانگ نکالتے ہیں۔
⑥ عزت والے مہینوں کی ان کے یہاں کوئی عزت نہیں۔ قتل و غارت برابر جاری رہتا ہے۔
⑦ پرایا مال کھا کر ڈکار بھی نہیں لیتے۔
⑧ جھوٹ بولتے ہیں۔ بلکہ اسے ہنر سمجھتے ہیں۔
⑨ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔
⑩ جھوٹی شہادت دیتے ہیں۔
⑪ غیر اللہ کی قسم کو اللہ تعالیٰ کی قسم سے زیادہ وزنی سمجھتے ہیں۔
⑫ غیر اللہ کی نذریں دیتے ہیں۔
⑬ دھوکہ دہی میں غیر مسلم اقوام سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔
⑭ عہد شکنی کرتے ہیں۔
⑮ طلاقیں دیتی ہوں تو گنتی تین بلکہ سو سو بھی دے ڈالتے ہیں۔
⑯ اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ میری بیوی طہر میں ہے یا نہیں۔
⑰ عورتوں سے کوئی پردہ نہیں۔ بلکہ پردہ کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ عورتیں

غیر محرم مردوں کی مجالس میں بے پردہ چلی جاتی ہیں۔ تقریریں کرتی ہیں، گانے گاتی ہیں، مرد بھی ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر اظہارِ مسرت کرتے ہیں۔ اور اپنی اس بے عملی کو کسی درجہ میں معیوب بھی نہیں سمجھتے۔

(۱۸) اگر کوئی منع کرے تو اسے دقیانوسیت سے منسوب کرتے ہیں۔

(۱۹) اگر اسلام نے بامر مجبوری مقدمات وغیرہ میں عدالت کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مطلقاً مجمع المحاسن چہرے کے پردے سے انکار کرتے ہیں۔

(۲۰) مرد ٹخنوں سے نیچے تہبند، شلوار، پتلون لٹکاتے ہیں۔

(۲۱) اور اگر کوئی شخص حکم شرع کے مطابق ٹخنوں سے اوپر تہبند کرلے تو اس کا مذاق اڑاتے اور تنگی سمجھتے ہیں۔

(۲۲) مرد ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانے کو برا نہیں سمجھتے۔

(۲۳) چور کی شرعی سزا ہاتھ کاٹنے کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲۴) حدود شرعیہ کو ظالمانہ سزا قرار دیتے ہیں۔

(۲۵) قاتل سے شرعی حکم کے موافق قصاص نہیں لیتے۔

(۲۶) قاتل کو غیر اسلامی طریقہ سے پھانسی دے کر قتل کر دیتے ہیں۔

(۲۷) قاتل سے قتل کی دیت نہیں لیتے۔

(۲۸) ڈاکو کو شرعی سزا نہیں دیتے۔

(۲۹) شراب کی حد تو دور کی بات ہے خود شراب پیتے ہیں۔

(۳۰) غیر مسلم عورتوں کو دیکھ کر اپنا دین مذہب بھی رخصت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

(۳۱) دھوکہ دہی ان کے نزدیک ہنر ہے۔

(۳۲) وراثت کی شرعی تقسیم کی بجائے رواج کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۳۳) حیض نفاس والی عورت سے بغیر پاک ہونے کے جماع بھی کر لیتے ہیں۔

(۳۴) یہودیوں کے کہنے میں آکر منصوبہ بندی کر کے اولاد کا قتل بھی کرتے ہیں۔

(۲۵) نماز قضاء کرنے کو برا نہیں سمجھتے مگر خود ساختہ نام نہاد اسلامی رسوم و بدعات کے ترک کو بدترین گناہ سمجھتے ہیں۔

○ اور کون کونسی خرابی ہے جو ان کلمہ گو بے دین لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ پھر بھی یہ رٹ لگاتے جانا کہ چونکہ یہ کلمہ گو قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اس لیے یہ اہلِ کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔ یاللعجب ولضیعۃ الدین

○ جب فقہاء کی بیان کردہ تعریف میں بظاہر یہی اشکال پیدا ہوتے ہیں اس لیے ایسی تعریف تلاش کرنی چاہیے جس سے اشکال پیدا نہ ہوں۔ اس لیے کتبِ عقائد کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ کیونکہ کفر اسلام اور ردت کی تعریف اور تقسیم کے لیے وہی معیار ہے۔

○ اب چونکہ کفر و ایمان بابِ اعتقاد سے ہے جیسے فقیہ ابوالّلیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ النوازل صفحہ ۱۸۰ پر فرمایا: الکفر من باب الاعتقادات اور ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۵ میں ہے: الردۃ تتعلق بالاعتقاد اور جواز و عدمِ جواز اور حلت و حرمت و کراہت اور صحت و فساد عمل کا تعلق فقہ سے ہے۔ لہٰذا کتبِ فقہ میں کتابی کی جو تعریف ہے اس کو علمِ کلام پر پیش کریں گے کیونکہ وہ اس باب میں بمنزلہ شرح کے ہے۔ اس لیے علمِ عقائد کی کتابوں سے اس کو حل کریں گے۔ اس طریقے سے علمِ فقہ اور علمِ عقائد کا باہم امتزاج ہوگا۔ اور یہ کہنا درست نہیں کہ علمِ عقائد کی بیان کردہ تعریف کو ناقابلِ اعتبار قرار دے کر علمِ فقہ کی محتمل تقیید مطلق عبارت کو اصل قرار دیا جائے۔ ورنہ اس مطلق محتمل التقیید تعریف کو اپنے اطلاق پر رکھنے سے بہت سے محظور لازم آئیں گے۔ جن سے معتبر فقہاء کی عبارت غیر معتبر اور واضح البطلان ہو جائے گی۔

○ اس لیے سطورِ ذیل میں کتبِ عقائد میں سے محقق علماء کی بیان کردہ "اہلِ کتاب" کی تعریف نقل کی جاتی ہے۔

اہلِ کتاب کی تعریف:

(۱) شرح المقاصد جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ میں "الکتابی" کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: وان کان متدینا ببعض الادیان والکتب المنسوخۃ خص باسم الکتابی کالیہودی والنصرانی اگر کوئی دین اختیار کرے اور منسوخ کتاب کی طرف اپنی نسبت کرتا ہو تو اسے کتابی کے نام کے ساتھ مختص کرتے ہیں جیسے یہودی اور نصرانی۔ (یہودی اپنی نسبت تورات کی طرف کرتے ہیں جو کتبِ منسوخہ میں سے ہے اور نصرانی اپنی نسبت انجیل کی طرف کرتے ہیں جو کتبِ منسوخہ میں سے ہے)

(۲) اور علامہ عکبریؒ نے کلیات ابوالبقاء صفحہ ۳۰۵ میں لکھا ہے: وان کان متدینا ببعض الادیان والکتب المنسوخۃ فھو الکتابی۔

(۳) نیز کمال پاشاؒ مفتی الدولۃ العثمانیۃ نے "تحقیق معنی الزندیق وحکمہ" صفحہ ۷ میں تحریر فرمایا ہے: وان کان متدینا ببعض الادیان والکتب المنسوخۃ خص باسم الکتابی کالیہودی والنصرانی۔

نیز دیکھیے: غیاث اللغات واکفار الملحدین صفحہ ۱۳،۱۷ وحاشیہ خیالی صفحہ ۱۲۴ و حاشیہ امداد الاحکام جلد ۱ صفحہ ۲۷ وحاشیہ امداد الفتاوی جلد ۶ صفحہ ۸۱۔

سماویہ کے ساتھ منسوخ کی قید

○ اس تعریف کی رو سے فتح القدیر وغیرہ کتبِ فقہ کی عبارتوں کا مطلب یہ ہوگا: الکتابی من یؤمن بنبی سابق و یقر بکتاب سماوی منسوخ۔ کیونکہ لفظ مطلق تقیید کا احتمال رکھتا ہے۔ جیسا کہ:

○ ہدایہ اولین صفحہ ۳۸۴ میں ہے: المطلق یحتمل المقید۔

○ نیز اُصولِ فقہ کا یہ بھی ایک مسلمہ اور متفقہ

فائدہ ہے کہ مطلق کو دلالت عرف کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ:

○ حضرت امام سرخسی فقیہ حنفیؒ متوفی ۴۸۳ھ نے شرح سیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۹ پر تحریر فرمایا ہے: المطلق من الکلام یتقید بدلالۃ العرف

○ اسی طرح ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ میں ہے: المطلق ینصرف الی المتعارف یعنی مطلق کلام کو دلالتِ عرف کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے۔

○ چونکہ عرف میں مسلمان کو اہلِ کتاب نہیں کہا جاتا۔ جیسے کوئی مسلمان سکھ یا یہودی بن جائے تو اسے مرتد تو کہتے ہیں مگر اہلِ کتاب نہیں۔ اور نہ اس پر اہلِ کتاب کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس اصول کے تحت فقہائے حنفیہ کی بیان کردہ "الکتابی" کی تعریف میں جس طرح "کتاب" سے مراد "کتاب سماوی" کی قید ملحوظ ہے اسی طرح "منسوخ" کی قید ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ

○ شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ الحرانی نے اپنے مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ میں تحریر فرمایا ہے: الوجه الرابع ان یقال قوله تعالیٰ: لم یکن الذین کفروا من اهل الکتٰب والمشرکین وقوله تعالیٰ: وقل للذین اوتوا الکتٰب والامیین ءاسلمتم فان اسلموا فقد اهتدوا و امثال ذٰلك انما هو خطاب لهؤلاء الموجودین واخبار عنهم۔

○ المراد بالکتاب هو الکتاب الذی بایدیهم الذی جری علیه من النسخ والتبدیل ما جری۔ لیس المراد به من کان متمسكًا به قبل النسخ والتبدیل فان اولٰئك لم یکونوا کفارا ولا هم ممن خوطبوا بشرائع القرآن ولا قیل لهم فی القرآن یا "اهل الکتٰب" فانهم قد ماتوا قبل نزول القرآن۔ واذا کان کذٰلك فکل من تدین بهذا الکتاب الموجود عند اهل الکتاب فهو من اهل الکتٰب۔ و هم کفار تمسکوا بکتاب مبدل منسوخ و هم مخلدون فی نار جهنم کما یخلد سائر انواع الکفار والله تعالیٰ مع ذٰلك سوغ اقرارهم بالجزیة واحل طعامهم ونسائهم۔

○ ان دو آیتوں اور ان کی مثل دیگر آیات میں خطاب ان اہلِ کتاب کو ہے جو

نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے۔ اور انہی اہلِ کتاب کے بارے خبریں دی جارہی ہیں تو الکتٰب سے مراد وہی کتاب ہے جو ان کے ہاتھوں میں تھی جس میں ان لوگوں نے نسخ و تبدیل کر دی تھی۔ اور اہلِ کتاب سے مراد وہ لوگ نہیں جو اس کتاب میں نسخ و تبدیل سے پہلے اس سے تمسک پکڑتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ کافر نہ تھے اور نہ ہی وہ قرآنی شریعتوں کے مخاطب تھے اور نہ ہی قرآن مجید میں ان کو یا اھل الکتٰب کہا گیا۔ کیونکہ وہ تو نزولِ قرآن سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اور جب بات اس طرح ہے تو اب ہر وہ شخص جو اس کتاب کو دین سمجھتا ہے جو اس عہدِ نبویؐ میں موجود اہلِ کتاب کے پاس ہے تو وہ اہلِ کتاب ہے اور وہ اہلِ کتاب کافر تھے۔ جنھوں نے اس تبدیل شدہ منسوخ کتاب کے ساتھ تمسک کر رکھا تھا۔ اور وہ ہمیشہ دوسرے کفار کی طرح نارِ جہنم میں رہیں گے۔ اور باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے ان پر جزیہ کا حکم نافذ کیا اور ان کا ذبیحہ اور عورتیں حلال کیں۔

نبی کے ساتھ نبی برحق اور سابق کی قید

- جس طرح "کتابِ سماوی" کے ساتھ "کتابِ منسوخ" کی قید ضروری ہے۔ اسی طرح "نبی" کے ساتھ "نبیِ برحق" اور "سابق" کی قید بھی ضروری ہے۔

اھلِ کتاب اور اھلِ ایمان میں تباین

- یاد رہے کہ اسی عرف کے مطابق قرآن مجید میں نواسی (۸۹) مقام پر مؤمنین کو یا ایھا الذین اٰمنوا سے مخاطب کیا گیا ہے۔ جن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے اپنا آبائی مذہب اوثان پرستی اور آتش پرستی جیسے شرک کو چھوڑ کر ایمان اور اسلام قبول کیا۔ اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے یہودیت 'نصرانیت وغیرہ مذاہب چھوڑ کر ایمان اور اسلام قبول کیا۔
- اسی طرح بارہ (۱۲) مقامات پر یہود و نصاریٰ کو یا اھل الکتٰب کے کلمہ سے خطاب کرتے ہوئے نصیحت کی اور ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب دی اور ان

کو اپنی حرکاتِ قبیحہ پر ٹوکا اور مسلمانوں کو ان سے ہشیار رہنے کی تلقین کی۔ اور فرمایا کہ تم ان جیسے نہ ہو جانا۔

- اور کہیں یہود و نصاریٰ کو الذین اوتوا الکتاب کہہ کر خطاب فرمایا۔
- اسی طرح کہیں مؤمنین کو الذین اوتوا الکتاب پہ عطف کیا۔ اور کہیں اھل الکتاب کا مؤمنین پر عطف کیا گیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ عطف تغایر کے لیے ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین اور اہل کتاب ایک دوسرے کے مغایر ہیں۔ یعنی مؤمنین پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور اہل کتاب پر مؤمنین کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ :

اھلِ کتاب اور مشرکین میں تباین

- بعض مقامات پر مشرکین کا بھی اہل کتاب پر عطف کیا گیا ہے۔ مثلاً :
- و لتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم و من الذین اشرکوا اذیً کثیراً (آلِ عمران-۳:۱۸۶)
- اسی طرح لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب و المشرکین منفکین (اَلْبَیِّنَۃُ-۹۸:۱)
- اسی طرح ان الذین کفروا من اھل الکتاب و المشرکین فی نار جھنم (اَلْبَیِّنَۃُ-۹۸:۶)
- قرآن مجید کی ان آیاتِ مبارکہ میں مشرکین کا اہل کتاب پر عطف کرنے سے معلوم ہوا کہ مشرک اور اہل کتاب کے درمیان بھی تغایر ہے۔ کیونکہ زبان شرع میں مطلق مشرک کا لفظ اہل کتاب پر نہیں بولا جاتا۔ جیسا کہ
- امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الحجۃ جلد ۳ صفحہ ۳۳۸ کے حاشیے میں لکھا ہے : مطلق لفظ المشرك اذا ذکر فی لسان الشرع لا ینصرف الی اھل الکتاب و ان صح لغۃ فی طائفۃ [۱/۱] یعنی لسانِ شرع میں مطلق مشرک سے مراد اہل کتاب نہیں ہوتے۔ اگرچہ لغت کی رو سے اہل کتاب

کو مشرک کہنا درست ہے۔ جن مفسرین نے اہلِ کتاب کو مشرک کہا ہے انھوں نے لغت کے لحاظ سے ہی ان پر شرک کا اطلاق کیا ہے۔

○ نیز کتاب الحجۃ جلد ۲ صفحہ ۳۸۶ میں ہے: اطلاق اسم المشرکات لا یتناول الکتابیات یعنی مشرکات کا لفظ کتابی عورتوں کو شامل نہیں۔

○ نیز مُطلق مشرک سے مراد زبانِ شرع میں اہلِ کتاب نہیں تھے۔ ان مطلق الشرك اذا ذكر في لسان الشرع لا ينصرف الى اهل الكتاب۔ دیکھیے: قرطبی جلد ۳ صفحہ ۶۸، فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۳۷۲، البحر الرائق جلد ۳ صفحہ ۱۰۳، البدائع والصنائع جلد ۲ صفحہ ۲۷۱، تبیین الحقائق جلد ۲ صفحہ ۱۱۰، شرح نقایہ جلد ۲ صفحہ ۵ و ۷، جصاص جلد ۱ صفحہ ۳۳۳، طحطاوی جلد ۲ صفحہ ۲۱، ردّ المحتار جلد ۲ صفحہ ۲۹۷، عمدۃ الرعایہ جلد ۲ صفحہ ۱۵، کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۳ صفحہ ۲۲۲۔

○ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا: ان الشرك المطلق في القرآن لا يدخل فيه اهل الكتاب وانما يدخلون في الشرك المقيد قال تعالى: لم يكن الذين كفروا .... فوصفهم بأنهم مشركون. و سبب هذا ان اصل دينهم الذي انزل الله به الكتب و ارسل به الرسل ليس فيه شرك كما قال تعالى وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه انه لا اله الا انا فاعبدون .... وقال تعالى: ولقد بعثنا في كل امة رسولا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت ولكنهم بدلوا وغيروا فابتدعوا من الشرك مالم ينزل به الله سلطانا فصار فيهم شركا باعتبار ما ابتدعوا لا باعتبار اصل الدين۔

(مجموعۃ الفتاوٰی جلد ۲ صفحہ ۱۵۴)

یعنی قرآن مجید میں جہاں مطلق شرک بولا جاتا ہے تو اس میں اہلِ کتاب داخل نہیں۔ اہلِ کتاب تو شرک مقید میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لم یکن الذین کفروا ... اس آیت میں المشرکین کو اهل الکتب سے الگ

دوسری قسم بتایا۔ اسی طرح ان الذین امنوا۔۔۔ میں اہل کتاب کو الذین اشرکوا (المشرکون) سے الگ قسم بتایا۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ لا تنکحوا المشرکات' میں کتابی عورتیں داخل نہیں۔ اور والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم سے کتابی عورتوں کا استثناء کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ :

قاعدہ ہے کہ : "مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے"۔

ناسخ منسوخ کا قول محقق نہیں

○ قرآن مجید کے اندازِ بیان سے ثابت ہوگیا کہ مومن' مشرک' اور اہل کتاب تینوں کا اصطلاحًا باہم تباین کلی ہے۔ اس لیے بعض علماء کا اہل کتاب کو مشرکات کے حکم (نہی عن النکاح) میں داخل سمجھ کر نہی کے حکم کو مخصوص عنہ البعض قرار دینا یا مستثنیٰ کہنا یا منسوخ کہنا خلاف اصل ہے۔

○ اللہ تعالیٰ کے فرمان : والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم میں علماء متقدمین کے چار اقوال ہیں۔ بعض مستثنیٰ کہتے ہیں' بعض ناسخ' بعض مخصص اور بعض ان تینوں کے قائل نہیں۔

مخصوص عنہ البعض کہنا درست نہیں

○ مخصوص عنہ البعض کہنا تو اس لیے ٹھیک نہیں کہ اصطلاح اصول فقہ میں تخصیص کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکم عام کے تمام افراد میں سے مستقل عبارت کے ساتھ جو حکم عام کے ساتھ متصل ہو بعض افراد کے ساتھ بند کر دینا تخصیص کہلاتا ہے۔ اور ما نحن فیہ میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ حرمت نکاح المشرکات کا حکم سورۃ بقرہ میں ہے۔ یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اور حلتِ نکاح کتابیات کا حکم سورۃ مائدہ میں ہے۔ جو کئی سال بعد نازل ہوئی۔ اس لیے المشرکات کو عام مخصوص عنہ البعض کہنا صحیح نہ ہوگا۔

مُستثنیٰ کہنا بھی درست نہیں

○ اسی طرح سورت بقرہ کی آیت کو مستثنیٰ منہ اور سورت مائدہ کی آیت کو مستثنیٰ کہنا بھی صحیح نہیں۔ ہاں حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ جلد ۷ صفحہ ۱۷۱ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل فرمائی ہے: فی قولہ تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ثم استثنیٰ نسآء اھل الکتاب فقال والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتب من قبلکم احل لکم [۱] مگر اس استثناء سے مراد اصطلاحی معنیٰ نہیں۔ بلکہ یہ استثناء بمعنی نسخ ہے۔ جیسا کہ:

○ بحر العلوم عبد العلی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فواتح الرحموت فی شرح مُسلم الثبوت صفحہ ۲۲۸ و ۲۲۹ میں فرمایا ہے: وما وقع فی روایۃ البیہقی عنہ رضی اللہ عنہما لفظ استثنیٰ اللہ من ذلک فالمراد بہ النسخ اذلا حقیقۃ للاستثناء و المعنی انہ اخرج اللہ من ذلک التحریم الذی کان ثابتاً وھو النسخ۔

○ اور اس امر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو خود امام بیہقی نے السنن الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن نسخت و احل من المشرکات نساء اھل الکتاب یعنی لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن منسوخ ہے۔ اور مشرکات میں سے اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال قرار دیا گیا۔

فائدہ یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نسخ سے مراد بھی وہ نسخ نہیں جو اصطلاح اصولیین میں استعمال ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اصطلاح بعد میں آنے والے مجتہدین کی ہے۔ عہدِ صحابہؓ کے لوگ تخصیص عام اور تقییدِ مُطلق پر بھی نسخ کا اطلاق کرتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے پانچ سو آیات سے زائد آیات کو منسوخ قرار دیا گیا۔

نسخ کا قول بھی درست نہیں

○ اسی طرح نسخ کا قول بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ جو حضرت سعید بن جُبیر، مجاہد، سدی، اور مقاتل سے مروی ہے کہ لا تنكحوا المشركات میں مشرکات سے مراد بُت پرست ہیں۔ عن مجاهد فی قوله تعالٰی ولا تنكحوا المشركات حتی یؤمن یعنی نساء اهل مكة المشركات ثم احل لهم نساء اهل الكتاب ...... عن حماد قال سألت سعيد بن جبير عن قوله تعالٰی و لاتنكحوا المشركات حتی یؤمن قال اهل الاوثان قال الشيخ رحمه الله و بمعناه ذكره السدی و مقاتل بن سليمان المفسر

یعنی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ لا تنكحوا المشركات سے مراد اہلِ مکہ کی مشرک عورتیں ہیں۔ اس کے بعد اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا۔ نیز حماد نے سعید بن جُبیر سے پوچھا کہ لا تنكحوا المشركات سے کونسی عورتیں مراد ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد بُت پرست ہیں۔ اور شیخ رحمۃ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ سدی اور مقاتل بن سُلیمان مفسر نے بھی یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔

○ مفسرین کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں دو حکم ہیں۔ ایک حکم سورۂ بقرہ میں مذکور ہے کہ بُت پرستوں کی عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ اور ایک حکم سورۂ مائدہ میں ہے کہ جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب ملی ہے یعنی تورات والے اور انجیل والے اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ اور یہ دونوں حکم اپنی اپنی جگہ محکم ہیں۔ ان میں سے نہ کوئی حکم ناسخ ہے نہ منسوخ۔ (دیکھیے: بیہقی جلد ۷ صفحہ ۱۷۱)

بقرہ اور مائدہ کی آیات کے مُتعلق صحیح قول

○ سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ کی ان آیات کے متعلق صحیح قول وہ ہے جو حضرت امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ تابعین مفسرین سے نقل فرمایا ہے۔

○ امام شافعیؒ نے فرمایا: لا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن قیل فی هذه الأیة انها نزلت فی جماعة مشرکی العرب الذین هم اهل الاوثان یحرم نکاح نسائهم کما یحرم ان ینکح رجالهم المؤمنات۔

یعنی اس حکم میں تمام مشرک عورتیں آگئیں۔ کیونکہ یہ آیت عرب کی اس مشرک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بتوں کے پجاری تھے۔ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ہمارے لیے اسی طرح حرام ہے جس طرح ہماری مسلمان عورتوں سے مشرک مردوں کو نکاح کرنا حرام ہے۔ پھر فرمایا: فان کان هذا هکذا فهذه الأیة ثابتة لیس فیها منسوخ۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۱۷۱) کہ اگر یہ بات اسی طرح ہے تو یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ (نیز دیکھیے معالم التنزیل و روح المعانی) اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے۔ کیونکہ:

○ مابین الدفتین قرآن مجید میں جتنے احکام مذکور ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی منسوخ نہیں۔ بلکہ تمام احکام محکم اور تاقیامت ناقابل نسخ ہیں۔ جیسا کہ:

"لا تنکحوا المشرکات" میں کتابیات داخل نہیں

○ ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا **حسین علی الوانی** رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق عمیق و حقیق بالقبول ہے۔ اور یہی قول صحیح ہے۔ اور مفسرین نے واضح فرمایا ہے کہ لا تنکحوا المشرکات میں کتابیات سرے سے داخل ہی نہیں۔ بلکہ مشرکات سے مراد ماسوی الکتابیات ہیں۔ کیونکہ جب مطلق مشرک بولا جاتا ہے تو اس سے اہل کتاب مراد نہیں ہوتے۔ کیونکہ اصولی

قاعدہ ہے: المطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل۔ کہ جب مطلق بولا جائے تو اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں فرد کامل وہی مشرک ہیں جو غیر کتابی ہیں۔ جیسا کہ:

○ تفسیر رازی میں ہے: انما خص عبدة الاوثان فی هذه الأیات

بهذا الاسم تنبيها على كمال درجتهم في هذا الكفر یعنی ان آیات میں بت پرستوں کی تخصیص سے مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ وہ بت پرست کفر میں کامل ہیں۔ بخلاف اہل کتاب کے کہ وہ کہتے ہیں: التوحيد في التثليث والتثليث في التوحيد۔ وہ شرک بھی کرتے ہیں اور توحید کے بھی مدعی ہیں۔ اور مشرکین یعنی بت پرستوں کا تو کہنا ہی یہ تھا: اجعل الألهة الها واحداً ان هذا لشئ عجاب (ص-۳۸:۵) اس (محمد ﷺ) نے تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی کو لے لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک عجیب بات ہے جو دنیا بھر میں کوئی بھی نہیں کہتا۔

ناسخ و منسوخ کوئی نہیں

- اصولِ فقہ کی کتابوں میں آیاتِ قرآنیہ کے نسخ کی بابت علماء نے بہت طویل بحث لکھی ہے۔ اور تقریباً پانچ سو آیاتِ قرآنیہ کے منسوخ ہونے کا قول کیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ اس نسخ سے مراد اصطلاحی اور اصولی نسخ نہیں ہے۔ کیونکہ تخصیص عام تقییدِ مطلق اور اطلاق مقید پر بھی نسخ کا اطلاق کر دیا جاتا تھا۔ بلکہ اخبار میں بھی نسخ کا قول کیا جاتا تھا۔ جبکہ واقعات، اخبار، قصص اور امورِ قطعیہ عقلیہ (مثلاً: اللہ موجود) میں نسخ محال ہے۔
- اسی طرح امورِ حسیہ میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً دن کی روشنی اور رات کی تاریکی۔
- اسی طرح دعاؤں میں اور ان احکام میں جو اپنی ذاتی حیثیت سے واجب ہے۔ مثلاً: أمنوا لا تشركوا۔ اور ابدی احکام میں جو ابداً سے منصوص ہوں۔ جیسے: لا تقبلوا لهم شهادة ابداً یا الى يوم القيامة کا لفظ ہو، جیسے: الجهاد ماض الى يوم القيمة۔ میں نسخ واقع نہیں ہو سکتا۔
- جن احکام کا وقت معین ہے ان کا نسخ وقتِ معین سے پہلے محال ہے۔ جیسے فاعفوا واصفحوا حتى يأتي الله بامره جو مکی زندگی میں مسلمانوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ کفار کے ظلم و ستم کا جواب نہ دو۔ تاوقتیکہ جہاد کا حکم نہ آئے۔

اور ان مقامات میں متقدمین میں سے جنھوں نے منسوخ ہونے کا قول کیا ہے اس سے مراد اصطلاحی نسخ نہیں۔ جبکہ اصطلاح اصول میں نسخ کے معنے ہیں: کسی عملی حکم کی مدت کی انتہاء بتانا جو اپنی تمام شرائط کو جامع ہو۔ یعنی وجود اور عدم ہر دو کا احتمال رکھتا ہو۔ اور دائمی نہ ہو۔ اور نہ کسی وقت سے مخصوص ہو۔ اور ان احکامات کو احکاماتِ مُطلقہ کہتے ہیں۔ بشرطیکہ زمانہ، مُکلّف، اور صورت متحد نہ ہو۔ بلکہ تینوں میں یا بعض میں اختلاف ہو۔ یعنی جس زمانے میں جس شخص کو جس صورت کے ساتھ ایک کام کا حکم دیا گیا ہے یہ ناممکن ہے کہ اسی زمانے میں اسی شخص کو اسی صورت میں اس کام سے منع کر دیا جائے۔ بلکہ نسخ میں یا زمانہ بدلے گا یا وہ شخص یا صورت یا تینوں بدلیں گے۔

○ نیز اس نسخ کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دیا جس کا انجام معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رائے بدل گئی اس لیے وہ حکم ختم کر دیا۔ کیونکہ اس قول سے جہلِ باری تعالیٰ لازم آتا ہے، جو محال ہے۔ اگرچہ ہم یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو انجام تو معلوم تھا تب بھی اس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں قباحت کی نسبت لازم آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس عیب سے بلند و بالا ہے۔ بلکہ:

○ نسخ کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہی یہ بات معلوم تھی یہ حکم انسانوں پر فلاں وقت تک باقی رکھا جائے گا پھر اس حکم کی جگہ دوسرا حکم رکھا جائے گا پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرا حکم بھیج دیتا ہے جس سے اس حکم میں کمی بیشی ہونا یا اس حکم کا بالکل ختم ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے۔ تو درحقیقت یہ صرف پہلے حکم کی مدت اور انتہاء کا بیان اور اظہار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے۔ مگر بندوں کے سامنے پہلے حکم میں وقتِ اختتام کو ذکر نہیں کیا گیا اس لیے دوسرے حکم کے آنے پر ہم اپنی کوتاہیٔ فہم کی بنا پر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ حکم میں تبدیلی ہوئی ہے۔

عدم نسخ پر شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق

○ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں تحریر فرمایا ہے کہ علماء متقدمین مطلق تغیر و تبدل کو نسخ کہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے پانچ سو سے بھی زیادہ آیات کو منسوخ کہا ہے۔ یعنی خاص کو ناسخ عام کا کہا۔ اور مقید کو ناسخ مطلق کہا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن:

○ متاخرین آیت کا حکم مع التلاوت یا بدون تلاوت بدلنے کو نسخ کہتے ہیں۔ اس معنے کی رو سے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بیس سے زیادہ آیات کا نسخ نہیں مانا۔ جیسا کہ تفسیر اتقان میں ہے۔ اور امام الہند حضرت شاہ صاحبؒ نے ان بیس آیات میں سے بھی صرف پانچ کی نسخ مانی ہے اور باقی پندرہ آیات کا جواب علمی رنگ میں دیا ہے کہ ان پر نسخ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد ہمارے پیر و مرشد سلطان العارفین رئیس المفسرین حضرت مولانا **حسین علی الواں** رحمہ اللہ نے ان پانچ آیات کے نسخ کا بھی انکار کیا اور اسی انداز پر جواب دیا جس انداز پر حضرت امام الہندؒ نے جواب دیا تھا۔ دیکھیے تفسیر بلغۃ الحیران صفحہ ۲۱ و ۲۲۔

عدم نسخ پر شیخ الوانؒ کی تحقیق

۱ سورۃ بقرہ آیت ۱۸۰ میں مرنے والے کے ذمے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حکم پہلے دیا گیا تھا پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "لا وصیۃ لوارث" سے یہ حکم قرآنی منسوخ ہو گیا۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے۔ اور خبر واحد آیتِ قرآنی کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

○ قرآن مجید میں عام طور پر کُتِبَ بمعنیٰ فُرِضَ آتا ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ میں:

① کُتِبَ کا معنیٰ فُرِضَ نہیں۔ بلکہ اُستُحِبَّ ہے۔ اور:

② اَلْوَصِیَّۃُ میں الف لام عہد خارجی ہے۔ جس سے مراد وہ وصیت ہے جس کا ذکر سورۂ نساء کی آیت ۱۱ میں ہے۔ یعنی یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ۔ اور:

③ بِالْمَعْرُوْف کے معنے ہیں: "دستورِ شرع کے مطابق"۔

○ اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے ماں باپ اور دیگر وارثوں کے حق میں دستورِ شرع کے مطابق مال تقسیم کرنے کو کہہ مرے۔ جس کا ذکر سورت نساء کی آیت ۱۱ و ۱۲ اور ۱۷۶ میں کیا گیا ہے۔ اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۰ منسوخ نہیں۔ بلکہ پوری طرح قابلِ عمل ہے۔

لا وصیۃ لوارثٍ کا مطلب

○ اب رہی وہ حدیث جس میں لا وصیۃ لوارث آیا ہے۔ سو اس سے مراد وہ وصیت ہے جو تہائی مال متروکہ میں سے کسی کے حق میں کی جائے۔ وہ وصیت ورثاء کے حق میں کرنا منع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وارثوں میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا حصہ خود معین فرما دیا ہے۔ نیز یہ حدیث خبرِ واحد بھی نہیں۔ بلکہ سات صحابہؓ سے مروی خبرِ مشہور ہے۔

① سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

② سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

④ سیدنا خارجہ بن عمرو جمحی رضی اللہ عنہ

⑤ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

⑥ سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ

⑦ سیدنا عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ

دیکھیے: کنز العمال جلد ۱۶ صفحہ ۶۱۴ و ۶۱۵ و ۶۱۶ و ۶۱۷ و ۶۲۲ و ۶۲۶۔ و مسند ابی یعلیٰ جلد ۳ صفحہ ۷۸۔ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۶۴۔

○ علاوہ ازیں امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں اور علامہ نسفیؒ نے بھی تفسیر مدارک میں ایسے جواب دیے جس سے نسخ کا انکار ہوتا ہے۔

۲ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ان یکن منکم عشرون صٰبرون یغلبوا مائتین (الانفال-۸:۶۵)

پھر دوسری آیت میں فرمایا: فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین (الانفال-۸:۶۶)

کہا جاتا ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں آیتیں جملہ خبریہ ہیں۔ اور اصول کا

فائدہ ہے کہ: "اخبار میں نسخ نہیں ہوتا"۔ بلکہ اگر نسخ ہو تو احکام میں ہوتا ہے۔ اور یہاں حکم نہیں۔ بلکہ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دینا مقصود ہے۔

○ یعنی ان ہر دو آیات میں مجاہدینِ اسلام کے دو طبقوں کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں طبقۂ اولیٰ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم کافروں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر لڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری امداد اس طرح کرے گا کہ اگر تم ڈٹ کر لڑنے والے بیس بھی ہو گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے تم دو سو پر غالب ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم سو ہو گے اللہ تعالیٰ کی امداد سے ہزار کافروں پر غالب ہو جاؤ گے۔

○ اس کے بعد اگلی آیت میں مجاہدینِ اسلام کے دوسرے طبقے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ کافروں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر لڑو۔ اگر تم میں سے سو آدمی دشمن کے مقابلے میں ڈٹا رہے گا تو دو سو پر غالب ہو جائے گا۔ اور اگر تم میں سے ہزار مقابلہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار کافروں پر غلبہ پائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کا حامی و مددگار ہے جو کافروں کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں۔

○ اس تشریح سے معلوم ہوا کہ ان میں سے کوئی آیت نہ ناسخ ہے نہ منسوخ۔

۴ سورت احزاب آیت ۵۰ میں فرمایا: یاایھا النبی انا احللنا لك ازواجك (الآیہ) اور آیت ۵۲ میں ہے: لا یحل لك النساء من بعد یہاں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت منسوخ اور دوسری اس کی ناسخ ہے۔ کہ پہلی آیت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کرنے کی عام اجازت دی گئی ہے۔ اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ کو اب مزید عورتوں سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ لیکن نہ تو پہلی آیت منسوخ ہے اور نہ ہی دوسری آیت اس کی ناسخ۔ کیونکہ دوسری آیت میں من بعد کے معنے ہیں ما سواھا یعنی پہلی آیت میں عورتوں کی چار اقسام میں سے تو آپ ﷺ کو نکاح کرنے کی بدستور عام اجازت قائم ہے۔ مگر ان چار اقسام کے ماسوا اور کسی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور وہ چار اقسام یہ ہیں:

① جن بیویوں کا مہر آپ ﷺ ادا کر چکے ہیں۔

② آپ ﷺ کی مملوکہ باندیاں، خواہ تعداد میں کتنی ہی ہوں، ان کی کوئی حد نہیں۔

③ آپ ﷺ کی چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد بہنیں جو دین اسلام کی خاطر ہجرت کر کے مدینہ میں آگئی ہیں۔ خواہ وہ تعداد میں کتنی ہی ہوں۔

④ جو مومن عورت آپ ﷺ کو تن بخشی کر دے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نکاح کرنا چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ اور یہ اجازت بھی صرف آپ ﷺ کی ذات گرامی کے لیے مخصوص ہے۔ دوسرے مومنوں کے لیے اتنی عورتوں سے نکاح کرنے کی عام اجازت نہیں۔ بلکہ صرف چار تک اجازت ہے۔ بشرطیکہ باقاعدہ حقوق کی ادائیگی کی جائے۔ ورنہ ایک ہی کافی ہے۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں عورتوں کی چار قسموں میں سے جس سے چاہیں آپ ﷺ کو نکاح کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ان چار قسم کی عورتوں کے علاوہ اور کسی عورت سے آپ ﷺ کو نکاح کی اجازت نہ تھی۔

۴ سورت مجادلہ کی آیت ۱۲ میں مومنوں کو خطاب ہے: اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ یعنی اے مومنو جب تم کو پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہنی ہو تو کان میں عرضِ مطلب کرنے سے پہلے کچھ خیرات لاکر آگے رکھ دیا کرو۔ اور آیت ۱۳ میں فرمایا: فاذلم تفعلوا وتاب اللہ علیکم فاقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واطیعوا اللہ ورسولہ یعنی جب تم اس حکم کی تعمیل نہ کر سکو اور اللہ نے تمہارا یہ قصور معاف کر دیا اب اسلام کے ضروری احکام کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ بس نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے آیت ۱۲ کا حکم منسوخ ہوگیا۔ اور آیت ۱۳ کا حکم اس کا ناسخ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پہلا حکم وجوبی نہ تھا۔ بلکہ استحبابی تھا۔ اور دوسری آیت میں اس کی وضاحت ہوگئی۔ اور تاب اللہ علیکم کا معنیٰ قصور معاف کرنا نہیں بلکہ اس کا معنیٰ ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ اور نظرِ کرم ہے۔ اور اس حکم کے وجوبی حکم نہ ہونے کا قرینہ آیت ۱۲ میں ذٰلک خیر لکم واطہر ہے۔ یعنی یہ صدقہ کرنا تمہارے حق میں بہتر ہے اور دلوں کی صفائی میں اس کو بڑا دخل ہے۔ ایسا کلمہ وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہی آسکتا ہے۔ اور اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ: اگر تم صدقہ نہیں کر سکتے تو کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ کی تمہارے اوپر بڑی توجہ ہے بس فرض ادا کرتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔

۵ سورت مزمل کی آیت ۲ میں ہے: قم الیل الا قلیلاً یعنی کچھ حصہ رات کا چھوڑ کر باقی رات بھر نماز میں کھڑے رہو۔ پھر آیت ۲۰ میں فرمایا: فاقرءوا ما تیسر من القراٰن یعنی جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھو مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رات کو نماز پڑھنے کا حکم فرض تھا۔ پھر دوسری آیت میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ لیکن

دراصل بات اس طرح نہیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ پہلا حکم بھی فرض نہیں تھا۔ بلکہ استحباب کے لیے تھا جس کا قرینہ آیت ۲۰ کے شروع میں و طائفة من الذین معك ہے۔

فائدہ اصولِ فقہ کی درسی کتب میں بیان کیا گیا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۰ منسوخ ہے۔ جس میں حکم ہے کہ متوفیٰ عنہا زوجہا پورا سال خاوند کے گھر بیٹھے۔ اور مرنے والا خاوند وارثوں کو اپنی بیوی کے بارے وصیت کر جائے کہ اس کو گھر سے نہ نکالا جائے۔ پھر آیت ۲۳۴ ناسخ ہے۔ جس میں حکم ہے کہ متوفیٰ عنہا زوجہا صرف چار ماہ اور دس دن خاوند کے گھر عدت بیٹھے۔ تو ناسخ منسوخ دونوں قرآن میں موجود ہیں۔ مگر محققین نے اس کا جواب یہ دیا کہ دونوں میں سے کوئی حکم منسوخ نہیں۔ بلکہ محکم اور ناقابلِ نسخ ہیں۔ جن پر تا قیامت عمل رہنا چاہیے۔ وہ اس طرح کہ آیت ۲۳۴ میں حکم وجوبی ہے۔ اور آیت ۲۴۰ میں حکم استحبابی ہے۔ جیسا کہ حضرت مجاہد اور عطا بن ابی رباح نے فرمایا ہے۔ دیکھیے بخاری کتاب التفسیر باب والذین یتوفون منکم صفحہ ۶۵۰ مع حاشیہ۔

فائدہ وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم کی تفسیر میں چار قول ہیں۔

(۱) اکثر مفسرین جیسے سیدنا عبد اللہ بن عباس اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اور حسن بصریؒ مجاہدؒ ابراہیم نخعیؒ قتادۃؒ سدیؒ اور جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اہلِ کتاب کی ذبیحہ مراد ہے۔ بشرطیکہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ اور حضرت علیؓ عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت طاؤسؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے: وان کان النصرانی یقول عند الذبح باسم المسیح والیهودی یقول باسم عزیر وذلك لانهم یدینون علی الملة یعنی یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ اس صورت میں بھی حلال ہے کہ نصرانی ذبح کے وقت باسم المسیح کہے۔ اور اسی طرح

اگرچہ یہودی ذبح کے وقت باسم عزیر کہے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے طریقے پر ذبح کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا قول حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا ہے۔ جو فرماتے ہیں: کل من ذبیحۃ النصرانی وان قال باسم المسیح وان اللہ قد اباح ذبائحھم وقد علم ما یقولون یعنی نصرانی کا ذبح کیا ہوا جانور کھالے۔ اگرچہ اس نے ذبح کے وقت باسم المسیح کہا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے ان کی ذبیحہ مباح کی ہے۔ جبکہ اللہ تعالٰی کو علم تھا کہ وہ ذبح کے وقت کیا کہتے ہیں۔

○ اسی طرح حضرت قاسم بن مخیمرہؒ نے فرمایا: کل من ذبیحتہ وان قال باسم سرجس نصرانی کی ذبیحہ کھالے۔ اگرچہ اس نے ذبح کے وقت اپنے عبادت خانے سرجس کا نام لیا ہو۔ اور یہی قول ہے حضرت ابوالدرداء اور عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہما اور زہریؒ ربیعہؒ شعبیؒ اور مکحولؒ کا۔

(۴) چوتھا قول حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالٰی کا ہے۔ جو فرماتے ہیں: اذا ذبح الیہودی والنصرانی فذکر اسم غیر اللہ وانت تسمع فلا تأکلہ و اذا غاب عنک فکل فقد احل اللہ لک یعنی جب یہودی اور نصرانی غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے اور تو نے سن لیا ہے تب تو نہ کھا اور اگر تیری عدم موجودگی میں اس نے ذبح کیا ہے تو کھالے۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے تیرے لیے وہ حلال کر دیا ہے۔

کُتبِ منسوخہ سے کونسی کُتب مُراد ھیں

○ اب رہا یہ کہ کتب منسوخہ سے کونسی کتابیں مراد ہیں سو علماء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ وہ صرف توراۃ اور انجیل ہیں۔ جن کو ماننے والے کتابی یا اہل کتاب کہلاتے ہیں' ان کے سوا زبور وغیرہ مراد نہیں۔

○ اس لیے جو شخص قرآن شریف پر ایمان رکھ کر اور فرشتوں اور رسولوں پر ایمان رکھ کر کفر و شرک کرتا ہے تو وہ محقق علماء اسلام کے نزدیک اہل کتاب نہیں

ہے۔ کیونکہ قرآن مجید تاقیامت واجب العمل محکم ناقابلِ نسخ کتاب ہے۔ اس لیے جو لوگ اس کو مان کر پھر تحریف معنوی اور ہیرا پھیری کرتے ہیں تو وہ کسی طرح نہ اہلِ کتاب ہیں اور نہ اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں۔ بلکہ فی حکم المرتدین ہیں۔ جبکہ ان کے اکثر عقائد مشرکین مکہ کے سے ہیں۔ جیسے مخلوق میں سے کسی برگزیدہ ہستی کو قبل الموت یا بعد الموت عالم الغیب، حاضر ناظر، مختارِ کل، حاجت روا مشکل کشا ماننا۔

○ نیز جن علماء کے نزدیک محض میت کے سننے کا عقیدہ رکھنے والا یا اس سے متعلق روایت بیان کرنے والا شخص بھی زندیق ہے، اُن کے نزدیک میت کو حاجت براری کے لیے پکارنے والا تو بطریقِ اولیٰ کافر و زندیق ہونا چاہیے۔ جس کے ذبیحہ کو کسی طرح بھی حلال نہیں کہا جا سکتا۔

○ عقد العقیان فی عنق جواہر القرآن کے نام سے میرا فتویٰ جب نغمۂ توحید میں شائع کیا گیا تو اس پر ادارہ نغمۂ توحید کی طرف سے حاشیہ میں لکھا گیا کہ:

"جن روایات سے قبر مبارک کے نزدیک صلوٰۃ و سلام کے سماع اور جواب کا مسئلہ انھوں نے مشہور کر رکھا ہے ان کے رواۃ کا یہ حال ہے کہ قریباً ۲۴ ائمۂ عظام نے انھیں کذاب، زندیق، اکذب الناس، خبیث اور رافضی کے القابات دیے ہیں۔ ان ائمۂ عظام نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد رشید امام یحییٰ بن سعید القطان پھر ان کے تلامذہ میں سے امام یحییٰ بن معین امام احمد بن حنبل علی بن مدینی پھر ان کے تلامذہ امام بخاری امام مسلم امام ابو زرعہؒ وغیرہ شامل ہیں۔ اب قارئین کرام دنیوی حقیقی حیات اور سماع صلوٰۃ و سلام اور جواب نیز استشفاع کے بارے میں قرآن حکیم کی نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں ان مفتیانِ کراچی کی موضوع روایات سُن کر خود ہی اندازہ کر لیں ہم تو ان کے حق میں سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا عرض کر سکتے ہیں۔ (ادارہ نغمۂ توحید) دیکھیے: نغمۂ توحید جنوری ۱۹۹۳ء

مُسلمان اہلِ کتاب نہیں

○ نیز علماء نے بڑی وضاحت سے فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب کا لفظ مُسلمانوں پر اطلاق نہیں کیا جاتا جس طرح یہود و نصاریٰ کا لفظ مُسلمانوں پر نہیں بول سکتے۔ چنانچہ:

○ بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۴۲۲ میں ہے: اطلاق لفظ اهل الكتاب ينصرف الى اليهود و النصارىٰ دون المسلمين و دون سائر الكفار و لا يطلق على مسلم انه من اهل الكتاب كما لا يطلق عليه يهودى ولا نصرانى۔

○ جو لوگ اہلِ کتاب کا اطلاق مُسلمانوں پر جائز سمجھتے ہیں انھیں چاہیے کہ یہود و نصاریٰ کا اطلاق بھی مُسلمانوں پر جائز سمجھیں۔ کیونکہ جس طرح یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل شدہ آسمانی کتاب تورات پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر مُسلمان کامل طریقے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اولوا العزم پیغمبروں میں سے سمجھتے ہیں۔ اور تورات شریف کو بھی آسمانی کتاب سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اور انجیل مقدس کو برحق آسمانی کتاب مانتے ہیں مُسلمان ان سے کہیں بڑھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کما حقہ باسمائہ و صفاتہ اولوا العزم پیغمبروں میں سے برحق نبی مانتے ہیں۔ اور انجیل مقدس کو برحق آسمانی کتاب سمجھتے ہیں۔ جیسے وہ آسمان سے اتری تھی۔ مگر اس کے باوجود کوئی مُسلمان اپنے آپ کو یہودی یا نصرانی کہلانے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی گزشتہ چودہ صدیوں میں آج تک مُسلمانوں کو یہودی یا نصرانی کے لقب سے پکارا گیا۔

○ اور باوجود اس کے کہ یہود و نصاریٰ کا شرک اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً:

○ وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله

○ نیز فرمایا: لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم

○ نیز فرمایا: لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلثة

○ مگر باوجود ان کا شرک ثابت کرنے کے مشرک کا لفظ ان پر اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ کافر کا لفظ استعمال کیا۔ جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس طرح عرف عام میں اہل کتاب اور مشرک کے اطلاق میں فرق ہے اسی طرح زبان شرع میں بھی ان کے اطلاق میں فرق ہے۔ اور کفر کے اطلاق میں دونوں مساوی ہیں۔ یعنی جو مشرک لوگ اہل کتاب نہیں ان پر تو شرعاً و عرفاً مشرک کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ لیکن جو اہل کتاب شرک کریں تو باوجود ان کے شرک کرنے کے شرعاً و عرفاً ان پر کافر کا اطلاق تو کیا جاتا ہے مگر مشرک کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

اصل اہل الکتاب کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے نہ تو مشرک غیر اہل کتاب مراد ہوتے ہیں اور نہ ہی مومن۔ خواہ شرک سے تائب ہوکر مومن ہوئے ہوں خواہ اہل کتاب میں سے مومن ہوئے ہوں۔ بلکہ اہل کتاب کا لفظ تورات اور انجیل ماننے والوں پر ہی بولا جاتا ہے۔ اور عرف عام بھی یہی ہے۔

فائدہ روافض جو توحید کے بھی مدعی ہیں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق اور خاتم النبیین ماننے کے مدعی ہیں قرآن مجید کو بھی برحق کہتے ہیں۔ اور اپنی کتابوں میں قرآن مجید کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ اور اہل بیت رسول سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ البتہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو محض اس بہتان کے نتیجے میں نہیں مانتے کہ نعوذ باللہ انھوں نے قرآن مجید کے خلاف احکام نافذ کیے اور غیر شرعی خلافت قائم کی۔ مگر مع ہذا فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے روافض کے متعلق فرمایا: احکامھم احکام المرتدین یعنی ان کے احکام مرتدوں کے سے ہیں۔ اور نیز فرمایا: لا یحل ذبائحھم یعنی ان کی ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔ نیز فرمایا: لا ینکح نساؤھم یعنی ان کی عورتوں سے نکاح بھی نہ کیا جائے۔

○ اُس دور کے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اگر اس دور میں ان کلمہ گو مشرکوں کو دیکھ لیتے تو روافض و قرامطہ و جہمیہ کی طرح ان کے بارے بھی یہی کچھ فرماتے۔

تنبیہ خوب سمجھ لیں اور یاد رکھیں کہ جس طرح مشرکین عرب کو اہل کتاب کے زمرے میں شمار نہیں کیا جاسکتا اسی طرح وہ شخص بھی اہل کتاب کے زمرے میں داخل نہیں ہیں جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی دوسرے دین سے نکل کر یہودی یا نصرانی دین میں داخل ہو جائے۔ یا کوئی مسلمان اپنا دین مذہب چھوڑ کر مرتد ہو جائے اور یہودی یا نصرانی دین اختیار کرلے۔ حالانکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اہل کتاب کی تعریف

"من یؤمن بنبی و یقر بکتاب"

بظاہر ان پر بھی برابر صادق آتی ہے۔

- اور اسی طرح مسلمانوں میں پیدا ہونے والے فرقے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں اور قرآن مجید پر ایمان لانے کے مدعی ہیں۔ جیسے زنادقہ کے فرقے جن کی بابت فقہاء کرام نے اہل کتاب کی بجائے ان پر فی حکم المرتدین کے فتوے لگائے۔
- نیز یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ ہم نے فقہاء کا جو فتویٰ نقل کیا ہے اس میں فی حکم المرتدین کا لفظ ہے، مرتدین کا نہیں۔ کیونکہ مرتدین کی مشہور تعریف کی رو سے نسلی روافض کو مرتد کہنا درست نہ ہوگا۔
- تاہم بعض علماء اسلام نے نسلی روافض کو بھی مرتد ہی کہا ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں یعنی اگر انھیں مرتد کہا جائے تب بھی اور اگر مرتد نہ کہا جائے بلکہ زندیق کہا جائے تب بھی ان پر حکم مرتدین والا ہی جاری ہوگا۔ بلکہ علماء نے تو زندیق کا حکم مرتد سے بھی زیادہ سخت بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ زنادقہ کی بحث میں آئے گی۔
- بہرحال اہل کتاب صرف وہی ہیں جو کتب سابقہ منسوخہ کا اقرار کرتے ہوں اور کسی نہ کسی برحق نبی اللہ کو مانتے ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر من قبلکم کی قید لگا کر وضاحت بھی فرمادی ہے۔ مثلاً:

قرآن مجید میں مِنْ قَبْلِكُمْ کی قید

① والمحصنٰت من الذين اوتوا الكتٰب من قبلكم (۵ : ۵)
② ولتسمعن من الذين اوتوا الكتٰب من قبلكم (۳ : ۱۸۶)
③ ولقد وصينا الذين اوتوا الكتٰب من قبلكم واياكم (۴ : ۱۳۱)
④ لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزوا ولعبا من الذين اوتوا الكتٰب من قبلكم (۵ : ۵۷)
⑤ الذين اٰتينٰهم الكتٰب من قبله هم به يؤمنون (۲۸ : ۵۲)
⑥ والكتٰب الذى انزل من قبل (۴ : ۱۳۶)
⑦ ولا يكونوا كالذين اوتوا الكتٰب من قبل (۵۷ : ۱۶)
⑧ فاسئل الذين يقرؤن الكتٰب من قبلك (۱۰ : ۹۴)
⑨ ان الذين اوتوا العلم من قبله (۱۷ : ۱۰۷)
○ اور قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر جہاں من قبله کی قید نہیں وہاں پر یہی قید ملحوظ ہوگی۔ مثلاً :
① ما يود الذين كفروا من اهل الكتاب (اَلْبَقَرَة۔ ۲ : ۱۰۵)
② ود كثير من اهل الكتاب (اَلْبَقَرَة۔ ۲ : ۱۰۹)
③ قل يا اهل الكتٰب تعالوا (اٰلِ عِمْرَان۔ ۳ : ۶۴)
④ يا اهل الكتاب لم تحاجون (اٰلِ عِمْرَان۔ ۳ : ۶۵)
⑤ ودت طائفة من اهل الكتاب (اٰلِ عِمْرَان۔ ۳ : ۶۹)
⑥ يا اهل الكتاب لم تكفرون (اٰلِ عِمْرَان۔ ۳ : ۷۰)
⑦ قل يا اهل الكتاب لم تكفرون (اٰلِ عِمْرَان۔ ۳ : ۹۸)
⑧ يا اهل الكتاب لم تلبسون (اٰلِ عِمْرَان۔ ۳ : ۷۱)
⑨ قل يا اهل الكتاب لم تصدون (اٰلِ عِمْرَان۔ ۳ : ۹۹)
⑩ ولو اٰمن اهل الكتاب (اٰلِ عِمْرَان۔ ۳ : ۱۱۰)

(۱۱) لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب (اَلنِّسَآءُ - ۴:۱۲۳)

(۱۲) یسئلک اھل الکتاب (اَلنِّسَآءُ - ۴:۱۵۳)

(۱۳) وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ (اَلنِّسَآءُ - ۴:۱۵۹)

(۱۴) یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم (اَلنِّسَآءُ - ۴:۱۷۱)

(۱۵) قل یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم (اَلْمَآئِدَۃُ - ۵:۷۷)

(۱۶) یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا (اَلْمَآئِدَۃُ - ۵:۱۵و۱۹)

(۱۷) قل یا اھل الکتاب ھل تنقمون (اَلْمَآئِدَۃُ - ۵:۵۹)

(۱۸) ولو ان اھل الکتاب اٰمنوا واتقوا (اَلْمَآئِدَۃُ - ۵:۶۵)

(۱۹) قل یا اھل الکتاب لستم علی شیٔ (اَلْمَآئِدَۃُ - ۵:۶۸)

(۲۰) ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب (اَلتَّوْبَۃُ - ۹:۲۹)

(۲۱) ولا تجادلوا اھل الکتاب (اَلْعَنْکَبُوْتُ - ۲۹:۴۶)

(۲۲) وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب (اَلْاَحْزَابُ - ۳۳:۲۶)

(۲۳) لئلا یعلم اھل الکتاب (اَلْحَدِیْدُ - ۵۷:۲۹)

(۲۴) ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتاب (اَلْحَشْرُ - ۵۹:۲)

(۲۵) یقولون لاخوانھم الذین کفروا من اھل الکتاب (اَلْحَشْرُ - ۵۹:۱۱)

(۲۶) لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب (اَلْبَیِّنَۃُ - ۹۸:۱)

(۲۷) ان الذین کفروا من اھل الکتاب (اَلْبَیِّنَۃُ - ۹۸:۶)

(۲۸) لیستیقن الذین اوتوا الکتاب (اَلْمُدَّثِّرُ - ۷۴:۳۱)

(۲۹) ولا یرتاب الذین اوتوا الکتاب (اَلْمُدَّثِّرُ - ۷۴:۳۱)

○ ان سب آیاتِ قرآنیہ میں کتاب سے مراد قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابیں ہیں۔

○ اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ اصل قیود میں ان کا احترازی ہونا ہے اور اتفاقی ہونا کسی قرینہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر یہ قید اتفاقی ہوتی تو مفسرین میں سے کوئی تو

کہنا کہ یہ قید اتفاقی ہے۔ تاکہ قرآن مجید پر ایمان لانے والے بھی اہل کتاب میں شامل ہو سکیں۔

○ نیز جمہور کا کہنا کہ یہاں یہود و نصاریٰ ہی مراد ہیں' یہ صریح دلیل ہے اس امر کی کہ من قبلکم کی قید احترازی ہے' اتفاقی نہیں۔ نیز کوئی کہ سکتا ہے کہ من قبلکم بڑھانے میں نکتہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منزل کلام حِکَم سے خالی نہیں ہوتی۔ البتہ اگر کوئی عالم اپنی طرف سے کوئی نکتہ بیان کرے گا تو اسے کسی عالم کی سند بیان کرنی ہوگی۔ ورنہ تفسیر بالرائی کا مرتکب ہوگا۔

قرآن مجید میں بعض صحابۂ کرام پر اھلِ کتاب کا اطلاق

قرآن مجید میں بعض مقامات پر اہل کتاب میں سے مومن ہوجانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اہل الکتاب کا لفظ بولا گیا ہے۔ مثلاً:

من اهل الكتاب امة قائمة اور:

من اهل الكتاب من ان تأمنه بقنطار

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ماضی قریب میں اہل کتاب رہ چکے تھے' مجرد ایمان لا کر اپنے ایمان کے تقاضے پورے کرنے لگے۔ اس لیے باعتبار ماکان کے مجازی طور پر ان کو اہل کتاب کہا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ایمان لانے کے بعد بھی اہل کتاب ہی رہے۔ دیکھیے: کتاب الحجۃ جلد ۳ صفحہ ۳۳۳۔ البتہ یہودیت یا نصرانیت چھوڑ کر مسلمان ہوجانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی بجائے اہل الذکر فرمایا ہے۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

○ یہی وجہ ہے کہ جتنے فقہائے اسلام ہیں حنفیہ ہوں یا مالکیہ' شافعیہ ہوں یا حنابلہ کسی ایک نے بھی مرتد کو اہل کتاب کے حکم میں شامل کرکے اس کے ذبیحہ کو حلال نہیں کہا۔ جبکہ وہ مرتد اس ارتدادی کلمے کے سوا تمام اعمال و عقائد میں مسلمانوں جیسا ہے۔ کلمہ پڑھے' قرآن مجید کا حافظ ہو' نمازی' حاجی ہو اور نام بھی عبداللہ یا عبدالرحمن ہو۔

- مگر "الکتابی" کی جو تعریف فقہائے حنفیہؒ نے بیان کی ہے اگر اس کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو یہ تعریف مرتد پر بھی مکمل طور پر صادق آتی ہے۔ مثلاً:

- مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا قائل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتا ہوں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتا ہوں۔ اور اس قرآن مجید پر بھی اسے ایمان کا دعویٰ ہے۔ بلکہ اپنے کئی مزعومہ دعوے قرآن مجید سے ثابت کرتا ہے۔ اور منکرِ حدیث بھی نہیں۔ بلکہ اپنے کئی باطل دعوے اپنے زعم کے مطابق احادیثِ نبویہ کے حوالے سے ثابت کرتا ہے۔ اور باوجود اس کے علمائے کرام متفقہ طور پر اسے مرتد ہی قرار دیتے ہیں۔ اور اہلِ کتاب نہیں کہتے۔ کیونکہ "کتابی" کی تعریف میں نبی سے مراد نبی برحق ہے۔ اور کتاب سے مراد غیر منسوخ کتاب سماوی ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کے ماننے والوں کو اہلِ کتاب نہ کہا جائے گا۔ نہ کسی مجتہد نے انہیں اہلِ کتاب سمجھا اور نہ صحابہ کرامؓ و سلف صالحینؒ میں سے کسی نے انھیں اہلِ کتاب کہا اور نہ ہی کسی فقیہ نے ان پر اہلِ کتاب کا حکم لگایا۔

- اس مفصل تنقیح کے بعد یہ بات تو بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ "اہلِ کتاب" کی اصطلاح میں نہ تو قرآن مجید پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے بہتر فرقے شامل ہیں اور نہ ہی مطلقاً منسوب الی ملّتِ سماویہ مراد ہیں اور نہ ہی تمام دنیا کے دوسرے لوگ مراد ہیں۔ بلکہ صرف اور صرف وہ لوگ مراد ہیں جو برحق انبیاءِ سابقین کے دین پر ہونے کا دعویٰ کریں اور خود کو سابقہ منسوخ کتبِ سماویہ کی طرف منسوب کریں۔ اگرچہ شرک کے مرتکب ہوں۔

- اور مشرکینِ عرب اس لیے اہلِ کتاب کے زمرے میں نہیں آتے کہ اگرچہ وہ اپنے زعم میں ملّتِ ابراہیمؑ کے مدعی تھے اسی لیے خود کو حنیفی کہلاتے تھے۔ اور سوائے چند بدعملیوں کے عقائد و اعمال میں ملّتِ ابراہیمیؑ پر کاربند تھے۔ مگر ان کے پاس سوائے زبانی یادداشتوں کے کوئی کتاب نہ تھی۔

اہلِ کتاب کے اطلاق میں فقہاءؒ کے دو۲ گروہ

○ اب رہا یہ کہ قرآن مجید سے پہلے آنے والی جتنی کتابیں منسوخ ہیں ان میں سے کون کونسی کتاب کا اقرار کرنے والوں کا لقب "اہل الکتاب" ہے۔ سو اس میں ائمہ مجتہدینؒ اور فقہاء متقدمینؒ میں اختلاف ہے۔ اور اس مسئلے میں فقہاء کے دو۲ گروہ ہیں۔

○ ایک گروہ تو اس بات کا قائل ہے کہ اہلِ کتاب کی اصطلاح صرف یہود و نصاریٰ میں منحصر ہے۔

○ اور دوسرے گروہ کا قول ہے کہ قرآن مجید سے پہلے جتنی کتابیں یا صحیفے نازل ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کتاب یا صحیفے کے ساتھ اپنی وابستگی کا دعویٰ کرنے والے بھی اہلِ کتاب ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کو اہلِ کتاب نہیں کہتا۔ چنانچہ :

ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ
صرف یہود و نصاریٰ ہی اہلِ کتاب ہیں

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ

① رأس المفسرین ترجمان القرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

انما احلت ذبائح الیھود و النصاریٰ من اجل انھم اٰمنوا بالتوراۃ و الانجیل (اسنی المطالب جلد۱ صفحہ ۵۵۲ بحوالہ حاکم) یعنی یہود و نصاریٰ کی ذبیحہ اس لیے حلال کی گئی ہے کہ ان کا توراۃ انجیل پر ایمان تھا۔

○ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان سے جمہور نے یہی سمجھا ہے کہ تورات انجیل کو ماننے والے ہی اہلِ کتاب ہیں۔

امام شافعیؒ کے فتوے

(۲) حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام جلد ۴ صفحہ ۲۶۶ میں فرمایا ہے: کتابیات من اھل الکتاب المشھور من اھل التوراۃ و الانجیل وھم الیھود والنصارٰی یعنی اہلِ کتاب جو اہلِ تورات اور اہلِ انجیل کے نام سے مشہور ہیں ان کی عورتوں سے مسلمان کو نکاح کرنا جائز ہے۔ اور وہ اہلِ کتاب صرف یہودی اور نصرانی ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کا قاعدہ ہے کہ مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔ اور اس قانون کے تحت آپؒ کا کہنا کہ اہلِ کتاب یہودی اور نصرانی ہیں۔ یہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے علاوہ کتبِ منسوخہ میں سے کسی کتاب کے ماننے والے کو اہلِ کتاب میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اس لیے قرآن مجید کے ماننے والے کافر کو وہ کسی طرح اہلِ کتاب نہیں کہہ سکتے۔

(۳) نیز آپ نے فرمایا: لا یحل نکاح مشرکۃ غیر کتابیۃ یعنی جو عورت کتابی نہ ہو اور شرک کرے یعنی نہ اہلِ تورات میں سے ہو اور نہ اہلِ انجیل میں سے ہو تو اس سے نکاح جائز نہیں۔ (کتاب الام جلد ۴ صفحہ ۲۶۹)

فائدہ اُس دور میں وہ روافض بھی موجود تھے جو قرآن مجید پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے کے ساتھ ساتھ الوہیتِ علیؓ کے بھی قائل تھے۔ جیسے نصاریٰ الوہیتِ مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت امام شافعیؒ نے انکو اہلِ کتاب نہیں کہا۔

(۴) نیز آپ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لا تأکلوا ذبائح نصارٰی بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا من دینھم الا بشرب الخمر۔ یعنی بنو تغلب کے نصاریٰ کا ذبیحہ مت کھاؤ۔ کیونکہ وہ لوگ شراب خوری کے سوا نصرانیت کی اور کسی بات پر عمل نہیں کرتے۔ (کتاب الام جلد ۲ صفحہ ۲۳۲)

فائدہ ظاہر ہے کہ نصاریٰ بنی تغلب اپنی نسبت ملتِ سماویہ عیسویہ کی طرف کرتے

تھے۔ مع ہذا صحابیِ رسول حضرت امام علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اہلِ کتاب نہیں کہا۔ بلکہ ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا۔

○ نیز آپ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ما نصاری العرب باھل کتاب ولا تحل لنا ذبائحھم وما انا بتارکھم حتی یسلموا او اضرب اعناقھم یعنی عرب کے نصاری اہلِ کتاب نہیں۔ اور نہ ہی ان کی ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے۔ اور نہ ہی میں ان کو چھوڑوں گا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کریں۔ ورنہ میں ان کی گردنیں اڑادوں گا۔ (کتاب الام جلد ۲ صفحہ ۲۳۲)

فائدہ یہ اس قدر واضح تصریح ہے کہ گو بنی تغلب اپنے آپ کو نصاری کہہ کر اپنی نسبت ملتِ سماویہ عیسویہ کی طرف کرتے ہیں۔ مگر خلیفۂ رسول اللہ حضرت امام عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا: ما نصاری العرب باھل کتاب یعنی عرب کے نصاری اہلِ کتاب نہیں۔

امام ابن قدامہ حنبلیؒ کا فتویٰ

③ شیخ الاسلام حضرت امام ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن قدامہ المقدسی الحنبلیؒ نے المغنی جلد ۳ صفحہ ۳ میں فرمایا ہے: ویباح نکاح حرائر الکتابیات لقولہ تعالیٰ ﴿والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم﴾ وھم الیھود والنصاریٰ یعنی کتابی حرہ عورتوں سے نکاح کرنا مباح ہے۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم اور وہ صرف یہود و نصاری ہیں۔

امام مرداوی حنبلیؒ کا فتویٰ

④ حضرت امام علاؤالدین ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الانصاف جلد ۳ صفحہ ۲۱۷ میں تحریر فرمایا ہے: اھل الکتب وھم الیھود والنصاریٰ اہلِ کتاب یہود و نصاری ہی ہیں۔

فائدہ اس عبارت کی نحوی ترکیب میں غور فرمائیں۔ اس عبارت میں حصر کیا گیا ہے۔ کیونکہ مبتدا اور خبر دونوں معرفے ہیں۔ جو مفید حصر ہیں۔

امام تقی الدین حصنی کا فتویٰ

⑤ امام تقی الدین ابوبکر بن محمد حسینی حصنی الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الاخیار فی حل غایۃ الاختصار جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ میں فرمایا ہے: یعتبر فی الذابح لحل الذبیحۃ اما کونہ مسلما او کتابیا سواء کان یھودیا او نصرانیا یعنی ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا ضروری ہے۔ خواہ وہ کتابی یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ شیخ ادریسی یا ابراہیمی نہ کہا۔

○ نیز آپ نے فرمایا: والاصل فی ذلك قوله تعالى ..... وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم یعنی کتابی کا ذبیحہ حلال ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان وطعام الذين اوتوا الكتاب ــــــ ہے۔

○ نیز آپ نے مجوسیوں کے ذبیحہ کے متعلق تحریر فرمایا: واما تحريم ذبائح المجوس فالدليل عليه قوله عليه الصلوة والسلام سنوابهم سنة اهل الكتاب غير ناكحي نسائهم ولا آكلي ذبائحهم یعنی مجوسیوں کے ذبیحہ کو حرام کرنے کی دلیل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو سوائے اس کے کہ ذبیحہ کھائی جائے یا ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جائے

○ نیز آپ نے فرمایا: لا يحل ذبح نصارى العرب وهم بهراء وتنوخ و تغلب لانه عليه الصلوة والسلام نهى عن ذبح نصارى العرب کہ عرب کے رہنے والے نصاریٰ کی ذبح بھی حلال نہیں جو بہراء اور تنوخ اور بنو تغلب ہیں۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے نصاریٰ کا ذبیحہ کھانے سے منع کیا ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا: قال عمر رضی اللہ عنہ ليس نصارى العرب باهل كتاب

ولا تحل لنا ذبائحھم ولا تحل لنا ذبائح بنی تغلب لانھم لم یأخذوا من دین اھل الکتاب الا شرب الخمر و اکل الخنزیر کہ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عرب کے نصاریٰ اہلِ کتاب نہیں، اور نہ ہی ان کی ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے۔ اور بنو تغلب کی ذبیحہ بھی ہمارے لیے حلال نہیں۔ کیونکہ انھوں نے اہلِ کتاب کے دین میں سے سوائے شراب خوری اور خنزیر کھانے کے اور کچھ نہیں لیا۔

○ نیز آپ نے فرمایا: و اعلم ان الزنادقۃ کالمجوس و کذا الدروز لا تحل ذبائحھم کہ یاد رکھو کہ زندیق اور فرقہ دروز کے لوگ بھی مجوسیوں کی طرح ہیں اس لیے ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

امام قسطلانیؒ کا فتویٰ

(۶) حضرت امام ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد الساری شرح صحیح البخاری جلد ۸ صفحہ ۲۸۱ میں "باب جواز اکل ذبائح اہل الکتاب" کے تحت تحریر فرمایا: و المراد باھل الکتاب الیھود والنصاریٰ و من دخل فی دینھم قبل بعثۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فاما من دخل فی دینھم بعد المبعث فلا تحل ذبیحتہ کہ اہلِ کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں اور وہ لوگ بھی جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان کے دین میں داخل ہوئے تھے۔ اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہود و نصاریٰ کے دین میں داخل ہوئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ان پر اہلِ کتاب کا حکم نہیں لگایا۔

امام سیوطیؒ کا فتویٰ

(۷) حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے درِ منثور میں تحریر فرمایا ہے:
انما احلت ذبائح الیھود و النصاریٰ من اجل انھم اٰمنوا بالتوراۃ و الانجیل (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۵)

امام قرطبیؒ کا فتویٰ

⑧ حضرت امام قرطبیؒ نے تفسیر جامع احکام القرآن جلد ۶ صفحہ ۷۶ میں فرمایا ہے:

ان اللّٰہ سبحانہ اذن فی طعامھم و قد علم انھم یسمون غیرہ علی ذبائحھم و لکنھم لما تمسکوا بکتاب اللّٰہ و تعلقوا بذیل نبی جعلت لھم حرمۃ علی اھل الانصاب۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کو کھانے کی اجازت دی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ یہود و نصاریٰ اپنے ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ کتاب اللہ سے تمسک کرتے ہیں۔ اور ایک سابق نبی کا دامن پکڑ رکھا ہے۔ اس لیے ان کو بت پرستوں پر فوقیت دیتے ہوئے ان کا احترام کیا۔

○ نیز آپؒ "الذین اوتوا الکتاب من قبلکم" کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا: یعنی ذبیحۃ الیھود والنصاری و ان کان النصرانی یقول عند الذبح باسم المسیح والیھودی یقول باسم عزیر و ذلک لانھم یذبحون علی الملۃ۔ مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ تم مسلمانوں کے لیے کھانا جائز ہے، اگرچہ نصرانی ذبح کے وقت حضرت مسیحؑ کا نام لے۔ اور یہودی حضرت عزیرؑ کا نام لے۔ کیونکہ وہ اپنے دین مذہب پر ذبح کرتے ہیں۔

فائدہ: اس جگہ مفسرین کے مختلف قول ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ ذبح کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت عزیرؑ کا نام لیتے تھے۔ تو اس لحاظ سے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اور یہ کہنا غلط ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ ذبح کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ اور عزیرؑ کا نام نہیں لیتے تھے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کرنے کی وجہ سے ان کی ذبیحہ حلال ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے دین کے مطابق جیسے ان کے یہاں طریقہ رائج تھا ویسے ہی ذبح کرتے تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ان کی ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے۔ اور یہ

ان کی خصوصیت ہے۔

- نیز آپ نے فرمایا: وقال عطاء کل من ذبیحة النصرانی. وآن قال باسم المسیح لان اللہ عزوجل قد اباح ذبائحهم وقد علم مایقولون. کہ حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ نصرانی کا ذبیحہ کھالے۔ اگرچہ اس نے مسیح کا نام لے کر ذبح کیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحوں کو مباح کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ذبح کے وقت کیا کچھ کہتے ہیں۔
- نیز آپ نے فرمایا: وقال القاسم بن مخیمرة کل من ذبیحته. وآن قال باسم سرجس. اسم کنیسة لهم. کہ حضرت قاسم بن مخیمرہ فرماتے ہیں کہ نصرانی کا ذبیحہ کھالے۔ اگرچہ وہ بوقتِ ذبح سرجس گرجے کا نام لے۔
- حضرت قاسم بن مخیمرہ کا قول نقل فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا: وھو قول الزھری وربیعة والشعبی ومکحول۔ کہ حضرت امام زہری اور ربیعہ اور شعبی اور مکحول کا قول بھی یہی ہے۔
- نیز آپ نے فرمایا: وروی عن الصحابیین عن ابی الدرداء وعبادة بن الصامت. کہ دو صحابۂ کرام حضرت ابو الدرداء اور عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

فائدہ مذکورہ بالا صحابہؓ اور علماء تابعینؒ کے نزدیک جب یہود و نصاریٰ غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تو موحد مسلمان کے لیے اس کا کھانا جائز ہے۔ اب جو لوگ مشرکین زنادقہ کو اہلِ کتاب کہتے ہیں یا اہلِ کتاب کے حکم میں داخل کرتے ہوئے ان کی ذبیحہ کو حلال قرار دیتے ہیں ان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جس طرح غیر اللہ کے نام سے ذبح کی ہوئی اہلِ کتاب کی ذبیحہ بلا تامل کھالینے کا حکم ہے اسی طرح مشرکین زنادقہ کا اولیاءِ کرامؒ اور دیگر غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حلال قرار دیا جاسکتا ہے؟۔ اگر جواب نفی میں ہو تو یقین کرلیں کہ کلمہ گو زنادقہ نہ اہلِ کتاب ہیں اور نہ اہلِ کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔

○ دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ زنادقہ صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔ ان کے بارے میں کسی عالم نے یہ نہیں کہا ہے کہ وہ اہلِ کتاب ہیں یا اہلِ کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔ اور ان کی ذبیحہ حلال ہے۔ خواہ وہ بوقتِ ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے یا غیر اللہ کا۔

○ نیز قال الحسن اذا ذبح الیہود والنصرانی فذکر اسم غیر اللّٰہ وانت تسمع فلا تأکلہ و اذا غاب عنک فکل فقد احل اللّٰہ لک یعنی حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب ذبح کرتے وقت یہودی اور نصرانی نے غیر اللہ کا نام لیا ہو اور تو نے سن لیا ہو تو مت کھا۔ اور جب تیری غیر حاضری میں اس نے ذبح کیا ہو تو کھالے۔ کیونکہ اس کا کھانا تیرے لیے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ (خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا نہ لے)

امام ابن کثیرؒ کا فتویٰ

⑨ حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ثم ذکر حکم ذبائح اھل الکتابین من الیہود و النصاری (مختصر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۹۰) پھر اللہ تعالیٰ نے دو کتابوں والوں یعنی یہود و نصاریٰ کی ذبیحہ کا حکم ذکر کیا۔

امام بغویؒ کا فتویٰ

⑩ حضرت علامہ بغویؒ نے تفسیر معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۱۷ میں فرمایا ہے: یرید ذبائح الیہود والنصاری ومن دخل فی دینھم من سائر الامم قبل مبعث محمد حلال لکم۔ کہ الذین اتوا الکتاب من قبلکم سے یہود و نصاریٰ کے ذبائح مراد ہیں۔ اور ان لوگوں کے ذبائح بھی جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دوسری قوموں سے آکر ان کے دین میں داخل ہوگئے تھے۔

امام خازنؒ کا فتویٰ

⑪ حضرت امام علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل جلد ۱ صفحہ ۴۳۱ میں تحریر فرمایا ہے: وھم الیہود و

النصاریٰ ومن دخل فی دینھم من سائر الامم قبل مبعث النبی ﷺ فاما من دخل فی دینھم بعد مبعث النبی ﷺ وھو متنصر والعرب من بنی تغلب فلا تحل ذبیحتہ کہ الذین اتوا الکتاب من قبلکم سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ اور وہ لوگ بھی جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دوسری قوموں سے آکر ان کے دین میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن جو لوگ بعثت نبویؐ کے بعد ان کے دین میں داخل ہوتے ہیں۔ اور بنی تغلب کے عرب تو ان کی ذبیحہ حلال نہیں۔

امام بیضاویؒ کا فتویٰ

(۱۲) حضرت ابو سعید قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاویؒ نے تفسیر انوار التنزیل جلد ۲ صفحہ ۱۲ طبع مصر میں فرمایا: ویعم الذین اوتوا الکتاب الیھود و النصاریٰ۔ یعنی الذین اوتوا الکتاب کا لفظ یہود و نصاریٰ سب کو شامل ہے۔

علامہ شیخ زادہؒ کا فتویٰ

(۱۳) حضرت علامہ محمد محی الدین شیخ زادہ نے تکملہ جلد ا صفحہ ۵۹ میں تحریر فرمایا ہے: ویعم الذین اوتوا الکتاب الیھود و النصاریٰ کہ الذین اوتوا الکتاب کا لفظ یہود و نصاریٰ سب کو شامل ہے۔

امام ابو حیان اندلسیؒ کا فتویٰ

(۱۴) حضرت مفسر محمد بن یوسف ابو حیان اندلسی غرناطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں تحریر فرمایا: وظاھر قولہ ﴿ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ﴾ انہ مختص ببنی اسرائیل و النصاریٰ الذین نزل علیھم التوراۃ والانجیل (بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۴۳۱ وابن جریر وابن کثیر وعلیہ الصحابۃ والتابعون وجمہور الامۃ) کہ ظاہر عبارۃ الذین اوتوا الکتاب سے مراد یہ ہے کہ یہ حکم بنی اسرائیل اور ان نصاریٰ کے ساتھ مختص ہے کہ جن پر تورات و انجیل نازل ہوئی۔ اور صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور جمہور امت بھی اسی مسلک پر ہیں۔

⑭ نیز آپ نے فرمایا: اطلاق لفظ اهل الکتاب ینصرف الی الیهود و النصاری دون المسلمین و دون سائر الکفار۔ ولا یطلق علی مسلمٍ انه من اهل الکتاب کما لا یطلق علیه یهودی و لا نصرانی (بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۴۲۳) کہ مطلق اہل کتاب کے لفظ سے مراد یہود و نصاریٰ ہی ہوتے ہیں۔ مسلمان اور دیگر کفار مراد نہیں ہوتے۔ اور مسلمان کے لیے اہل کتاب کا لفظ بالکل اسی طرح استعمال نہیں کیا جاسکتا' جس طرح کہ مسلمان کے لیے یہودی یا نصرانی کا لفظ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

فائدہ حضرت ابو حیان اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر صراحت کے ساتھ صاف صاف بیان فرمایا کہ جس طرح مسلمان کو یہودی یا نصرانی نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح مسلمان پر اہل کتاب کا اطلاق بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کے برعکس اتنی وضاحت کے ساتھ کسی مفسر یا محدث یا فقیہ نے یہ بیان نہیں کیا کہ مسلمان پر بھی اہل کتاب کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

امام ابوبکر رازی جصاص حنفی کا فتویٰ

⑮ حضرت علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفیؒ فرماتے ہیں: علی طائفتین من قبلنا۔ قال ابن عباس والحسن و مجاهد و قتادة والسدی و ابن جریج اراد بهما الیهود و النصاریٰ۔ کہ رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' اور حضرت حسن بصری' مجاہد' قتادہ' سدی اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علی طائفتین من قبلنا سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

⑯ نیز آپؒ نے فرمایا: و فی ذٰلك دلیل علیٰ ان اهل الکتاب هم الیهود و النصاریٰ و ان المجوس لیسوا اهل کتاب لانهم لو کانوا اهل کتاب لکانوا ثلث طوائف و قد اخبر الله تعالیٰ انهم طائفتان۔ (احکام القرآن للجصاص جلد ۳ صفحہ ۳۲) یعنی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب صرف یہود و نصاریٰ ہی ہیں۔ اور مجوسی لوگ اہل کتاب نہیں۔

کیونکہ اگر وہ بھی اہلِ کتاب ہوں تو پھر اہلِ کتاب کے تین گروہ بنتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ صرف دو گروہ ہی ہیں۔

فائدہ اس عبارت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ زبور کو ماننے والے یہود و نصاریٰ سے الگ کوئی تیسرا فرقہ نہیں ہے۔ کیونکہ زبور کے ماننے والے وہی یہود تھے۔ جن کا ایمان تورات پر تھا۔ اور زبور امر و نواہی کی کتاب نہ تھی۔ وہ تو صرف نصائح مواعظ اور ادعیہ کا مجموعہ تھا۔

امام شیخ الاسلام ابویحیٰی انصاریؒ کا فتویٰ

(۱۶) شیخ الاسلام والمسلمین زین الملت والدین ابویحیٰی زکریا انصاریؒ نے اپنی کتاب اسنی المطالب شرح روض الطالب جلد ۳ صفحہ ۱۹۰ میں تحریر فرمایا ہے: تحرم مناکحۃ غیر اهل الکتابین التوراۃ و الانجیل ـــــ۔ فالمراد من الکتاب التوراۃ و الانجیل دون سائر الکتب قبلهما۔ یعنی کتابی ہونے کا مطلب ہے یہودی ہونا یا نصرانی ہونا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان تقولوا انما انزل الکتب علی طآئفتین من قبلنا۔ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ کتاب تو بس ان دو گروہوں پر اتاری گئی ہے جو ہم سے پہلے تھے۔ پس کتابی وہ نہیں جو زبور وغیرہ کے ساتھ تمسک کرتے ہیں۔ جیسے حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے ماننے والے۔ کیونکہ ایسوں کی عورتوں سے نکاح کرنا حلال نہیں۔ اس لیے کہ زبور وغیرہ میں شریعت کے احکامات نہ تھے۔ بلکہ احکامات کی محض حکمتیں بیان تھیں اور وعظ و نصیحت کی باتیں تھیں۔ پس کتاب سے مراد توراۃ اور انجیل ہی ہے۔ اور ان سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں ہیں وہ مراد نہیں۔

○ نیز آپ نے تصریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا: کعبدۃ الشمس والقمر والصور و النجوم و المعطلۃ و الزنادقہ و الباطنیہ یعنی دوسرے کافروں سے نکاح جائز نہیں ہے۔ جیسے سورج پرست، چاند پرست، مورت پرست،

ستارہ پرست، معطلہ اور زندیق اور باطنی فرقے ان سب سے نکاح حرام ہے۔
(اسنی المطالب جلد ۳ صفحہ ۱۶۰)

فائدہ معلوم ہوا کہ جب صرف تورات کو ماننے والے اور انجیل کو ماننے والے ہی اہل کتاب ہوئے تو ان کے علاوہ سب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ جبکہ وہ اشرف الکتب قرآن مجید کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

امام محمد بن احمد بن جزیؒ کا فتویٰ

⑰ الشیخ الامام حافظ مفسر محمد بن احمد بن جزیؒ نے اپنی کتاب التسہیل لعلوم التنزیل صفحہ ۱۶۹ میں تحریر فرمایا ہے: والذین اوتوا الکتاب ھم الیھود والنصاری کہ "والذین اوتوا الکتاب" سے مراد وہی یہود ونصاریٰ ہیں۔

ملا جیونؒ کا فتویٰ

⑱ حضرت ملا جیون حنفیؒ نے تفسیرات احمدیہ میں تحریر فرمایا ہے: ویعم الذین اوتوا الکتاب الیھود والنصاری۔ واستثنٰی علی رضی اللہ عنہ نصاری بنی تغلب ...... (تفسیرات احمدیہ صفحہ ۳۴۰) کہ "الذین اوتوا الکتاب" میں سب یہود ونصاریٰ شامل ہیں۔ البتہ امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ بنی تغلب کو اس حکم سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ یعنی ان سے نکاح بھی حرام ہے، اور ان کی ذبیحہ بھی حرام ہے۔ کیونکہ وہ لوگ محض نام کے نصرانی تھے، اور سوائے شراب نوشی کے نصرانیت کی اور کسی بات پر عامل نہیں تھے۔

امام شمس الدین رملیؒ کا فتویٰ

⑲ نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج جلد ۶ صفحہ ۲۹۰ میں شمس الدین رملی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: والکتابیۃ یھودیۃ او نصرانیۃ لقولہ تعالیٰ ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا لا متمسکۃ بالزبور وغیرہ کصحف شیث وادریس وابراھیم فلا تحل لہ۔ کتابی عورت یہودی ہے یا نصرانی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان تقولوا انما انزل الکتاب [الآیۃ]

○ نیز نہایۃ المحتاج جلد ۶ صفحہ ۲۹۱ کے حاشیہ میں ہے: ان الزبور و نحوہ حکم و مواعظ لا احکام و شرائع۔

مناظرِ اسلام حضرت مولانا عبدالحق حقانی کا فتویٰ

(۴۰) تفسیر حقانی میں حضرت مولانا عبدالحق حقانی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا: اہلِ کتاب سے جمہور کے نزدیک یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خاص بنی اسرائیل۔ اور جمہور کے نزدیک مجوس اہلِ کتاب نہیں۔

مولانا عبدالقادر حصاریؒ کا فتویٰ

(۴۱) حضرت مولانا عبدالقادر حصاریؒ نے فرمایا کہ: اہلِ کتاب شرع کی اصطلاح میں یہود و نصاریٰ ہیں۔ ان کے بغیر کوئی دوسرا اہلِ کتاب نہیں ہوسکتا۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ صفحہ ۱۷)

مولانا عبدالستار دہلویؒ کا فتویٰ

(۴۲) مولانا ابو محمد عبدالستار دہلویؒ نے بھی اسی طرح فرمایا۔ (دیکھیے: فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ صفحہ ۱۷)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا فتویٰ

(۴۳) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد دکن (ہندوستان) فرماتے ہیں: احکام کے لحاظ سے اسلام نے غیر مسلموں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اہلِ کتاب دوسرے عام غیر مسلم۔ اہلِ کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا کے وجود رسالت اور وحی والہام کے قائل ہوں اور کسی ایسے نبی اور ان کی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں جن کی نبوت کی خود اسلام توثیق کرتا ہو۔ ایسی قومیں دنیا میں دو ہی ہیں۔ یہودی اور عیسائی۔ (جدید فقہی مسائل حصہ ۱ صفحہ ۱۳۱)

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ

(۴۴) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن، جلد ۳

صفحہ ۷، میں تحریر فرمایا: وطعام الذین...... [۱۶] جو لوگ تم سے پہلے آسمانی کتاب دیے گئے ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ' ان کا ذبیحہ بھی تم کو حلال ہے۔

○ نیز آپ نے کافر کتابیہ عورت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ: "وہ کافر عورت کتابیہ ہو یعنی یہودیہ یا نصرانیہ ہو"۔ (بیان القرآن جلد ا صفحہ ۱۲)

○ نیز آپؒ نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

مسئلہ اسی طرح جو مرد ظاہری حالت سے مسلمان سمجھا جائے۔ لیکن عقائد اس کے کفر تک پہنچے ہوں' اس سے مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں۔ (بیان القرآن جلد ا صفحہ ۱۲)

فائدہ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جو شخص مسلمان ہونے کا نہ صرف دعویٰ کرے بلکہ اس کی ظاہری حالت بھی مسلمانوں جیسی ہو' یعنی وہ بظاہر شریعت کا پابند ہو' نماز روزہ بھی کرتا ہو' اس نے حج بھی کیا ہوا ہو' زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو' لیکن اگر عقائد قطعیہ ضروریہ میں سے کسی ایک عقیدے کا بھی انکار کردے گا' تو حضرت تھانویؒ نے اس کو اہل کتاب میں شامل کرنے کی بجائے اس کے ساتھ کافروں کا سا معاملہ کرنے کا حکم لگایا ہے۔ اسی طرح دیگر اکابرین اہل السنت والجماعت کا مسلک بھی یہی ہے۔ چنانچہ:

سحبان الہند مولانا احمد سعید واعظ دہلویؒ کا فتویٰ

(۲۵) مفسر قرآن سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید واعظ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کشف الرحمٰن میں فرمایا: ذبیحہ کے متعلق بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کتابی غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تب بھی جائز ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ اصلی کتابی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس نے ذبح کیا ہو' تو وہ ذبیحہ مسلمانوں کو کھانا جائز ہوگا۔ اصلی کتابی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی

مُسلمان مرتد ہو کر عیسائی نہ ہوا ہو۔ (۵ : ۵)

- نیز آپؒ نے فرمایا : اوتوا الکتاب سے مراد عام طور سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ اور یہی قید کتابی عورتوں کے ساتھ بھی ہے۔
- حضرت تحیان الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لاتنکحوا المشرکات کے تحت تفسیر تیسیر القرآن میں تحریر فرمایا : مطلب (اس آیت کا) یہ ہے کہ مُسلمان کسی مشرکہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ بت پرست ہو یا کواکب پرست ہو یا کسی اور مخلوق کو پوجتی ہو۔ اسی طرح مُسلمان عورت کسی مشرک اور کافر کے نکاح میں نہیں دی جا سکتی خواہ وہ بت پرست ہو یا کواکب پرست ہو۔ یا کسی اور مخلوق کو پوجتا ہو۔ اور خواہ وہ کافر اہلِ کتاب ہو۔ البتہ : مُسلمان ایک کتابیہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ میں آجائے گا۔ غرض یہ چار صورتیں ہیں :

① مرد مُسلمان ہو اور عورت مشرکہ ہو۔
② مرد مُسلمان ہو اور عورت کتابیہ ہو۔ مثلاً یہودیہ ہو یا نصرانیہ ہو۔
③ عورت مُسلمان ہو اور مرد مشرک ہو۔
④ عورت مُسلمان ہو اور مرد کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔

ان چاروں صورتوں میں صرف دوسری صورت جائز ہے۔ باقی تینوں صورتیں حرام ہیں۔ دوسری صورت جو جائز ہے اس میں اس امر کی پابندی ضروری ہے کہ وہ کتابیہ صحیح معنی میں کتابیہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ نہ وہ خدا کی قائل ہو، نہ حضرت عیسٰیؑ کو مانتی ہو، نہ انجیل پر ایمان رکھتی ہو۔ جیسا کہ آج کل ہمارے تعلیم یافتہ حضرات یورپ اور امریکہ کی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اہلِ کتاب ہیں۔ حالانکہ وہ نہ عیسائی ہوتی ہیں اور نہ صحیح معنی میں یہودی ہوتی ہیں۔ اس لیے بغیر تحقیق کے ان کا مذہب معلوم کیے بغیر ان سے نکاح کرنا نہیں چاہیے۔

○ اسی طرح بعض مسلمان بھی آج کل نئے نئے عقائد اختیار کر رہے ہیں اور عقائد' اعمال میں یورپین اقوام کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ نکاح سے پہلے ان کے بھی خیالات و عقائد کی خوب تحقیق کر لینی چاہیے۔ اور شرک کی بھی حالت یہی ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علم یا قدرت میں یا اور دوسری صفتِ خداوندی میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا مماثل سمجھتا ہو تو وہ مشرک ہے۔ خواہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا مدعی کیوں نہ ہو۔ نکاح کا معاملہ چونکہ اہم ہے' اس لیے نکاح سے پہلے ان امور کی تحقیق ضروری ہے۔
(دیکھیے کشف الرحمن مع تیسیر القرآن اَلْبَقَرَۃ-۲:۲۲۱)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا فتویٰ

(۲۶) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر عثمانی میں وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم کے تحت حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ:
کوئی یہودی یا نصرانی بشرطیکہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو۔ اگر حلال جانور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے تو اس کا کھانا مسلمان کو حلال ہے۔ مرتد کے احکام جداگانہ ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کا فتویٰ

(۲۷) اگر کوئی مسلمان معاذ اللہ مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی بن جائے تو وہ اہل کتاب میں داخل نہیں بلکہ وہ مرتد ہے۔ اس کا ذبیحہ باجماعِ امت حرام ہے۔ اسی طرح جو مسلمان ضروریات اور قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے اگرچہ وہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتا ہو تو وہ بھی مرتد ہے اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔ محض قرآن پڑھنے یا قرآن پر عمل کرنے کا دعویٰ کرنے سے وہ اہل کتاب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ (معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۵۹ و ۶۰)

○ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: اس زمانے میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی

موجود ہیں ان میں صرف یہود و نصاریٰ ہی دو قومیں ہیں جو اہلِ کتاب میں شمار ہو سکتی ہیں۔ باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہلِ کتاب میں داخل نہیں۔ آتش پرست یا بت پرست ہندو یا سکھ آریہ' بدھ وغیرہ سب اسی عموم میں داخل ہیں۔ کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اہلِ کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کے اتباع کے دعویدار ہوں جس کا آسمانی کتاب اور وحیِ الٰہی ہونا قرآن و سنت کی نصوص سے ثابت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ تو تورات و انجیل ہی ہیں۔ جن کی ماننے والی کچھ قومیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔

- باقی زبور اور صحف ابراہیم علیہ السلام نہ کہیں محفوظ و موجود ہیں نہ کوئی قوم ان کے اتباع کی دعویدار ہے۔ اور وید اور گرنتھ یا زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحیِ الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحفِ ابراہیمؑ کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا وید یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے یہ امکانِ محض اور احتمالِ محض ہے جو ثبوت کے لیے کافی نہیں۔
- اس لیے باجماعِ امت ثابت ہو گیا کہ موجودہ زمانے کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حلال ہے۔ اور کسی قوم کی عورت سے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے نکاح حرام ہے۔
- آیت قرآن مجید ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن اسی مضمون کے لیے آئی ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ اور اہلِ کتاب کے سوا دوسری قومیں سب مشرکات میں داخل ہیں۔ (معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۹۱)

مولانا سید عبد الدائم جلالیؒ کا فتویٰ

(۴۸) فاضلِ اجل حضرت مولانا سید عبدالدائم جلالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر بیان السبحان صفحہ ۱۱۳۰ پارہ ۶ میں و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم کے تحت تحریر فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے۔ طعام سے مراد ذبیحہ اور اہلِ کتاب سے صرف یہودی اور عیسائی ہیں۔ ابن عباسؓ، مجاہد، مکحول، ابو امامہ، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء، حسن، نخعی، سدی، مقاتل وغیرہ مفسرین نے بھی یہی معنے مراد لیے ہیں۔ دیکھو کمالین اور فتح البیان وغیرہ۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ دیگر اقوامِ عالم کا ذبیحہ حرام ہے۔ ہندو ہوں یا پارسی یا سکھ یا اور کسی مذہب والے۔

○ نیز آپؒ نے لغات القرآن جلد ا صفحہ ۳۰۷ میں فرمایا: قرآن مجید کی اصطلاح میں اہلِ کتاب سے صرف یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: اگر یہود و نصاریٰ کے علاوہ اہلِ کتاب میں کوئی تیسری جماعت اور داخل ہوتی تو پھر طائفتین کی بجائے طوائف ہونا چاہیے تھا۔ (دیکھیے لغات القرآن جلد ا صفحہ ۳۰۷)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا فتویٰ

(۴۹) شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۹۰ میں و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم (المآئدۃ۔۵:۵) کے تحت زیرِ عنوان مسائل و احکام تحریر فرمایا: اہلِ کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو مذہباً اہلِ کتاب ہوں۔ نہ کہ وہ صرف قومیت کے لحاظ سے یہودی یا نصرانی ہوں، خواہ عقیدۃً وہ دہریہ ہوں۔ اس زمانے کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں۔ ان میں بکثرت ایسے ہیں جو نہ خدا کے قائل ہیں اور نہ مذہب کے قائل۔ اور نہ

آسمانی کتاب کے قائل۔ ایسے لوگوں پر اہلِ کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کا حکم اہلِ کتاب کا سا نہ ہوگا۔

مولانا فتح محمد جالندھریؒ کا فتویٰ

(۳۰) حضرت مولانا فتح محمد خان جالندھری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم کے تحت حاشیہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تفسیر موضح قرآن کے حوالے سے تحریر فرمایا:

"پہلے مسلمان اور کافر میں نسبت ناتا جاری تھا، اس آیت سے حرام ٹھہرا۔ اگر مرد نے یا عورت نے شرک کیا اس کا نکاح ٹوٹ گیا..... یہود و نصاریٰ کی عورت سے نکاح درست ہے۔ ان کو مشرک نہیں فرمایا۔

(○) حضرت شاہ صاحبؒ کے یہی الفاظ فتح القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی تفسیر جواہر القرآن میں نقل فرمائے ہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا فتویٰ

(۳۱) شیخ الحدیث حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اعلاء السنن جلد ۱۱ صفحہ ۲۱ میں فرمایا: اهل الكتاب هم اهل التوراة و الانجيل اليهود و النصارى لا غير۔ یعنی اہلِ کتاب تورات انجیل والے یہود اور نصاریٰ ہی ہیں۔ دوسرا کوئی نہیں۔ (نیز دیکھیے الجوہر النقی جلد ۹ صفحہ ۱۹۰)

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کا فتویٰ

(۳۲) مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ معارف الحدیث جلد ۱ صفحہ ۲۹ میں فرمایا: قرآن کی زبان میں اہلِ کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہوتے ہیں۔

فائدہ گزشتہ چودہ صدیوں میں کسی عالم نے بھی ایسے بد عقیدہ شخص کو اہلِ کتاب نہیں کہا، البتہ ائمہ مجتہدینؒ اور فقہاءؒ میں سے بعض کا خیال ہے کہ وہ اقوام بھی اہلِ کتاب کہلانے کی مستحق ہیں جو بعثتِ نبویؐ سے قبل تورات و انجیل کے علاوہ دیگر کتبِ سماویہ منسوخہ کو ماننے کی دعویدار تھیں۔ مثلاً:

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ

سب منسوب الیٰ ملتِ سماویہ اہلِ کتاب ہیں

- ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا خیال ہے کہ اہلِ کتاب کا لفظ یہود و نصاریٰ میں ہی منحصر نہیں۔ بلکہ:
  ① صحفِ شیثؑ کے ماننے والے'
  ② صحفِ ادریسؑ کو ماننے والے'
  ③ صحفِ ابراہیمؑ کو ماننے والے'
  ④ زبور کو ماننے والے'
  ⑤ تورات کو ماننے والے'
  ⑥ انجیل کو ماننے والے'
- ان کے علاوہ دوسری کتبِ منسوخہ کے ماننے والے بھی اہلِ کتاب میں شامل ہیں۔ مگر ان کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں کہ وہ کتنے ہیں اور کون کونسے ہیں۔ بہرحال اہلِ کتاب کا لفظ سب کو حاوی ہے۔
- اور اگر مجوس پر بھی کوئی آسمانی کتاب اتری ہے تو اس کے ماننے والے بھی "اہل الکتاب" کے زمرے میں آگئے۔
- اور اگر صابئین پر بھی کوئی کتاب اتری ہے تو اس کے ماننے والے بھی "اہل الکتاب" کے زمرے میں آگئے۔ اور اگر مجوس اور صابئین پر کوئی کتاب نہیں اتری تو وہ "اہل الکتاب" نہیں۔
- بہرحال احناف نے جن کو اہلِ کتاب کہا ہے وہ انھی لوگوں کو کہا ہے جو منسوخ شدہ کتب و صحفِ آسمانی کے قائل تھے۔ مگر اس بات کی تصریح ائمۂ احناف میں سے کسی نے نہیں کی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جن لوگوں نے قرآن مجید مان کر کفر اختیار کیا ہے' جیسے اس دور کے

روافض و خوارج جو صدیوں تک حکومتیں کرتے رہے۔ ان کو اہلِ کتاب میں شمار کیا ہو۔ اور نہ کسی صاحبِ فتاویٰ حنفی نے لکھا ہے کہ خود امام ابو حنیفہؒ نے یا ان کے شاگردانِ گرامی حضرت امام محمدؒ یا امام ابو یوسفؒ یا امام زفرؒ یا امام حسنؒ وغیرہم نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ نے قرآن مجید کے ماننے والے کافروں کو اہلِ کتاب میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ ان کے دور میں روافض اور خارجیوں کی نسلیں چل پڑی تھیں۔ بلکہ صاحبِ فتاویٰ ظہیریہ متوفی ۶۱۹ھ اور صاحب شرح نقایہ عبدالعلی برجندی متوفی ۹۳۲ھ اور صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ متوفی ۷۸۶ھ وغیرہم ان کو مرتد ہی کہتے آئے۔

مُسلمان کو اھلِ کتاب کہنے کی ممانعت

- گزشتہ تحریر سے ثابت ہے کہ علماءِ حق کا ایک گروہ اہلِ کتاب کا اطلاق صرف یہود و نصاریٰ پر کرتا ہے اور دوسرا گروہ اہلِ کتاب کا اطلاق منسوخہ صحائف کتب میں سے کسی ایک کے ماننے والے فرقہ پر کرتا ہے۔ مگر منسوخہ صحائف کتب کے ماننے کا دعویٰ کرنے والوں میں بالفعل زمانۂ حال میں بلکہ گزشتہ چودہ سو سال میں روئے زمین پر سوائے یہود و نصاریٰ کے کوئی نہیں پایا جاتا۔ یعنی وہ فرقے افراد مقدرہ میں سے ہیں متحققہ الوجود نہیں۔
- مگر علماءِ اسلام میں سے کوئی تیسرا گروہ ایسا نہیں جو کتابِ مقدس قرآن مجید کو منزل من اللہ ماننے والے پر بھی اہلِ کتاب کا اطلاق کرتا ہو۔ اگرچہ صحفِ شیثؑ و ادریسؑ و ابراہیمؑ کو دل و جان سے مانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیثؑ و ادریسؑ و ابراہیمؑ پر جو صحیفے نازل فرمائے تھے وہ برحق اور قابلِ عمل تھے۔
- جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر ان کے دور میں تورات شریف نازل فرمائی تھی وہ برحق ہے اور اس عہد میں تا بعثت عیسیٰؑ قابلِ عمل رہی۔ اگر ہم بھی اس دور میں ہوتے تو بہ توفیقِ الٰہی اس پر عمل کرتے۔

- پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ پر انجیل مقدس نازل فرمائی تھی وہ بھی برحق ہے۔ اور اس عہد میں تا بعثت نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قابل عمل رہی۔ اگر ہم بھی اس دور میں ہوتے تو بہ توفیق الٰہی اس پر عمل کرتے۔ مگر:
- ان کتب منسوخہ کو ماننے اور برحق سمجھنے کے باوجود، ہم مسلمان نہ شیثی ہیں نہ ادریسی نہ ابراہیمی۔ نہ موسوی (اہل التورات) نہ عیسائی (اہل الانجیل) نہ اہل الصحف اور نہ ہی اہل الکتاب۔ بلکہ ہم مسلمان اہل القرآن ہیں۔ اور ہمارا یہ نام قدیم زمانہ سے اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام ہے۔ جیسا کہ:
- ارشاد باری تعالیٰ ہے: ملة ابیکم ابراهیم هو سماکم المسلمین من قبل (۲۲ : ۷۸) یعنی تمہارے لیے وہی دین تجویز کیا جو تمہارے باپ ابراہیمؑ کا تھا اسی اللہ تعالیٰ نے اگلی کتابوں میں پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے)
- نیز ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے ہمارے بارے دعا فرمائی تھی: ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك (۲ : ۱۲۸) اے ہمارے رب ہم کو مسلمان (اپنا فرمان بردار بندہ) بنا اور ہماری نسل سے امۃ مسلمۃ پیدا کر۔ یعنی ایک گروہ پیدا کر جو تیرا فرماں بردار ہو۔
- اور ہمارے روحانی باپ اشفق الناس اعلم الناس افضل الناس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا نام اہل القرآن رکھا۔ چنانچہ:
- امیر المؤمنین سیدنا علی و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عمرو و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ وتر یحب الوتر فاوتروا یا اهل القرآن (ترمذی صفحہ ۷۰) اللہ وتر ہے وتر کو پسند کرتا ہے اس لیے اے اہل القرآن (یعنی مومنو!) وتر پڑھا کرو۔ اسی لیے سب مومنوں پر وتر کا حکم برابر چلا آرہا ہے (وجوبا یا سنۃ)

○ پس ہم امت مسلمہ ہیں مسلمان ہیں اہل القرآن ہیں ہم اسی پر شکراً للہ فخر کرتے ہیں۔ ہمیں مسلمان کہلانے سے خوشی محسوس ہوتی ہے ہم نہ اہل الکتاب ہیں اور نہ اہل الکتاب کہلانے سے خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ ناراض ہوتے ہیں۔

○ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارا قرآن بھی کتاب ہی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذلک الکتاب لا ریب فیہ (۲:۲) اس کتاب میں کسی قسم کے شک و تردد کا کوئی احتمال تک نہیں ہو سکتا۔ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق (۴:۱۰۵) اے نبی ہم نے آپ ﷺ کی طرف یہ کتاب (قرآن) برحق اتاری۔ و ھذا کتاب انزلناہ مبارک (۶:۱۵۶) اور یہ کتاب (قرآن) بھی ہم ہی نے اتاری ہے بڑی برکت والی ہے۔ وغیر ذلک من الآیات۔

○ مگر ہمارا لقب اہلِ کتاب نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ہم کو اہل الکتاب کہہ کر پکارا جیسے ان کافر مشرک یہودیوں اور نصرانیوں کو بطور طنز عار دلانے کے لیے اہل الکتاب کہہ کر پکارا کہ اے یہودیو اور نصرانیو! تمھیں شرم آنی چاہیے کہ تم لوگ دعویٰ تو آسمانی کتاب پر ایمان رکھنے کا کرتے ہو لیکن تمھارے کرتوت ان پڑھ جاہلوں جیسے ہیں۔ چنانچہ:

○ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: کذلک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم۔ ایسی باتیں تو ان پڑھ مشرکین عرب بھی کہتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے۔ (۲:۱۱۳)

○ نیز مسلمانوں کو اہلِ کتاب کہنا منع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو اہلِ کتاب نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا لقب ہے۔ اور مسلمان کو یہ لقب اختیار کرنا تشبہ کی وجہ سے منع ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جس طرح دیگر امور میں تشبہ بالیہود والنصاریٰ ممنوع ہے اسی طرح یہود و نصاریٰ کا لقب اختیار کرنا بھی مسلمان کے لیے ممنوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

○ سلف صالحینؒ' ائمہ مجتہدینؒ' محدثینؒ' مفسرینؒ' اہل کلام میں سے (جہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے) کسی نے اپنے آپ کو اہل کتاب کے لقب سے ملقب نہیں کیا۔ اور امت محمدیہ ﷺ کے تمام علماء یہودی نصاریٰ ہی کو اہل کتاب کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان خود کو اہل کتاب نہ کہے۔ حدیث نبویؐ کی رو سے خود کو اہل کتاب کہنا ممنوع ہے۔

○ جب افضل الکتب خاتم الکتب کے ماننے والوں کو اہل کتاب نہیں کہا جاسکتا تو منکرین یا موولین یا محرفین کو کیونکر اہل کتاب یا اہل کتاب کے حکم میں کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کو مرتد کہا جائے گا یا زندیق۔

فقہاءِ حنفیہ کی عبارات سے تائید

○ اور فقہاء حنفیہؒ کی عبارتیں اپنے فتاویٰ میں اسی مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔ یعنی ایسے لوگوں کو مرتدین کے حکم میں بیان کیا جاتا ہے جو کلمہ پڑھ کر کافرانہ عقائد کے حامل ہوں۔ جیسے بعض رافضی' قرامطہ' اور بعض اصحاب اہواء۔ چنانچہ:

قدیم ترین فرقہ شیعہ روافض کے متعلق فتوے

مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کا فتویٰ

سوال ہمارے ملک میں جو فرقہ شیعہ اثنا عشریہ ہے' یہ مسلمان ہے یا کافر۔ اور ان کے ساتھ مناکحت جائز اور ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام۔ اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا یا اپنے جنازہ میں ان کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ نیز اگر شیعہ تعمیر مسجد کے لیے چندہ دینا چاہیں تو وصول کیا جائے یا نہیں۔۔۔

جواب شیعہ اثنا عشریہ رافضیہ قطعاً خارج از اسلام ہیں' ہمارے علماءِ سابقین کو چونکہ ان کے مذہب کی حقیقت کما ینبغی معلوم نہ تھی بوجہ اس کے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں اور کتابیں بھی ان کی نایاب تھیں۔

لہٰذا بعض محققین نے بنابر احتیاط ان کی تکفیر نہیں کی تھی، مگر آج ان کی کتابیں نایاب نہ رہیں اور ان کے مذہب کی حقیقت منکشف ہوگئی۔ اس لیے تمام محققین ان کی تکفیر پر متفق ہوگئے۔

- ضروریاتِ دین کا انکار قطعاً کفر ہے۔ اور قرآن شریف ضروریاتِ دین میں سب اعلیٰ و ارفع چیز ہے اور شیعہ بلا اختلاف ان کے متقدمین اور متاخرین سب کے سب تحریفِ قرآن کے قائل ہیں اور ان کی معتبر کتابوں میں زائد از دو ہزار روایات تحریفِ قرآن کی موجود ہیں جن میں پانچ قسم کی تحریفِ قرآن بیان کی گئی ہے۔

۱۔ کمی بیشی، ۲۔ تبدلِ الفاظ،
۳۔ تبدلِ حروف، ۴۔ خرابیِ ترتیب،
۵۔ خرابیِ ترتیب سورتوں، آیتوں اور کلمات میں بھی۔

- پھر ان پانچ قسم کی روایات کے ساتھ ان کے علماء کا اقرار ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں اور تحریفِ قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں اور انہی کے مطابق اعتقاد قائم ہے۔

- بانیانِ مذہب شیعہ نے جب سے اس مذہب کی بنیاد ڈالی ہے اب تک ان پر تین دور گزرے ہیں۔ دورِ اول میں شیعہ کا کوئی بھی متنفس عدمِ تحریف اور کاملیتِ قرآن کا قائل نہیں تھا۔ البتہ دورِ ثانی میں گنتی کے چار آدمی از روئے تقیہ عدمِ تحریفِ قرآن کے قائل ہوئے ہیں:

اول: ابو جعفر ثانی محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی علامہ صدوق متوفی ۳۸۱ھ۔
دوم: شریف مرتضیٰ ابو القاسم علی بن حسین بن موسیٰ بغدادی علم الہدیٰ متوفی ۴۳۶ھ۔
سوم: شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسین علی طوسی مفسر متوفی ۴۶۰ھ اور
چہارم: ابو علی طبرسی امین الدین فضل بن حسین بن فضل مشہدی مصنف تفسیر مجمع البیان متوفی ۵۴۸ھ۔

○ یعنی دورِ ثانی ۳۸۱ھ سے لے کر ۵۴۸ھ تک صرف ۴ آدمی عدمِ تحریف کے قائل ہیں۔ چونکہ ان کے اقوال محض بے دلیل اور روایات متواترہ کے خلاف ہیں' اس لیے دورِ ثانی کے شیعی علماء نے ان کو رد کر دیا ہے۔ پوری تحقیق اس بحث پر میری کتاب "تنبیہ الحائرین" اور "الاول من الماتتین" میں ہے۔ من شاء فلیطالعہ۔

○ علامہ بحرالعلوم فرنگی محلی پہلے شیعوں کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ مگر تفسیر مجمع البیان کے دیکھنے سے ان کو معلوم ہوا کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں' لہٰذا انھوں نے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں شیعوں کے کفر کا فتویٰ دیا اور لکھا کہ قرآن شریف کی تحریف کا جو قائل ہے وہ قطعاً کافر ہے۔

○ الحتصر شیعوں کا کفر بربنائے عقیدہ تحریف قرآن ہی محل تردد نہیں۔ بلکہ علاوہ اس کے دوسرے وجوہ کفر بھی ہیں۔ مثلاً عقیدۂ بدا و قذف ام المؤمنینؓ وغیرہ۔

○ لہٰذا شیعوں سے مناکحت ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام اور ان کا چندہ ناجائز اور ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازوں میں شریک کرنا شرعاً قطعاً ناجائز ہے۔ سنی جنازہ میں یہ لوگ میت کے لیے بددعا کرتے ہیں۔ کما فی کتبھم۔

(آتش کدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۶۸ تا ۷۰)

فائدہ امام اہلِ سنت محقق و مدقق حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحۃً شیعہ کی ذبیحہ کو حرام کہا ہے۔ جو تیرہ صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ چلے آرہے ہیں۔ مگر شیعہ کو اہلِ کتاب میں شامل نہیں فرمایا۔ اور نہ فی حکم اہل الکتاب کہا۔ اور اس کے ساتھ ماضی میں شیعوں پر فتویٰ نہ لگانے کی وجہ بھی احسن طریقہ سے بیان فرما دی۔ آپ کو براہِ راست شیعہ کے ساتھ سابقہ پڑتا رہا۔ ان کی تحقیق آخری ہے۔

فقہاءِ کرام کا متفقہ فتوے

خارجون عن ملۃِ الاسلام واحکامہم احکامُ المُرتدین

① فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۳ صفحہ ۲۶۱ طبع ہند میں فتاویٰ ظہیریہ (مصنفہ قاضی فقیہ ظہیرالدین ابوبکر محمد بن احمد قاضی بخارا متوفی ۶۱۹ھ) کے حوالے سے لکھا ہے کہ رافضی جو کہ مردوں کے دنیا کی طرف واپس آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے کفریہ عقائد بیان کرنے کے بعد تحریر فرمایا: و هؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین یعنی رافضیوں کو کافر سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں سے کئی رجعت کے قائل ہیں۔ اور تناسخ ارواح وغیرہ کے قائل ہیں۔ اور یہ لوگ ملتِ اسلامیہ سے خارج ہیں۔ اور ان کا حکم وہی ہے جو دوسرے مرتدین کا ہے۔

فائدہ قاضی ظہیرالدین کے دور تک پانچ صدیاں گزر گئیں۔ اور رافضی لوگ نسلاً بعد نسل کلمہ پڑھتے آرہے ہیں، اور نماز روزہ بھی کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی تفسیریں بھی لکھتے ہیں۔ پھر بھی علماء نے ان کو خارج از ملت اسلام قرار دیا۔ اور ان کے احکام مرتدین کے احکام بتائے۔ اہل کتاب نہیں کہا۔ اور اس فتوے پر شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر اور پانچ سو علماء کے دستخط ہیں۔

② حضرت علامہ عالم بن العلاء انصاری اندرپتی دہلوی ہندی متوفی ۷۸۶ھ نے فتاویٰ تاتارخانیہ جلد ۵ صفحہ ۵۳۸ میں فصل من یجب اکفارہ من اهل البدع (ان اہل بدعت کا بیان جن کو کافر کہنا ضروری اور واجب ہے) میں لکھا ہے: یجب اکفار الروافض فی قولهم برجع الاموات الی الدنیا۔۔۔ ۔۔۔ و هؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام و احکامهم

احکام المرتدین یعنی رافضیوں کو کافر سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں سے کئی رجعت کے قائل ہیں اور اموات کے منتقل ہونے اور تناسخ ارواح وغیرہ کے قائل ہیں۔ اور یہ لوگ ملتِ اسلامیہ سے خارج ہیں۔ اور ان کا حکم وہی ہے جو مرتدین کا ہے۔

فائدہ رافضیوں کی ابتدا امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہو چکی تھی۔ اور سات صدیاں گزر جانے کے بعد بھی صاحبِ فتاویٰ نے ان کو فی حکم المرتدین کہا۔ اور فی حکم اھل الکتاب نہیں کہا۔ جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔

(۳) حضرت علامہ عبد العلی برجندیؒ متوفی ۹۳۲ھ نے شرح نقایہ میں تحریر فرمایا ہے: و ھؤلاء خارجون عن ملۃ الاسلام و احکامھم احکام المرتدین۔ یعنی یہ غالی رافضی اور فرقہ اسماعیلی وغیرہما دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام وہی ہیں جو مرتدین کے احکام ہیں۔

فائدہ اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ قاضی برجندیؒ نے دسویں صدی تک نسلاً بعد نسلٍ غالی رافضی اور فرقہ اسماعیلیہ کو خارج از اسلام قرار دیا اور ان پر مرتدین کے احکام نافذ کیے لیکن ان کو اہلِ کتاب کے حکم میں شمار نہیں کیا۔

○ حضرت مولانا محمد ادریس بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصدیق و تصحیح کے ساتھ اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ اس فتویٰ پر حضرت مولانا محمد امان الحق رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستخط بھی موجود ہیں۔ سطورِ ذیل میں یہ فتویٰ بھی نقل کیا جاتا ہے:

سوال کتاب کبریٰ کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ درست ہے۔ چنانچہ اسی قاعدے کے موافق علماء کبار نے یہود و نصاریٰ کے ذبیحے کو درست فرمایا ہے۔ پس اہلِ تشیع کا فرقہ بھی داخل کتاب ہے یا نہیں۔ اور ان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں۔

جواب صورتِ مسئولہ میں جو روافض ایسے ہیں کہ ان کے عقائد منجر بارتداد و کفر ہیں۔ مثلاً غلاۃ (غالی شیعہ) اور فرقہ اسماعیلیہ وغیرہما ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہے۔ اس لیے کہ مرتد کا ذبیحہ حرام ہے۔ کتب فتاویٰ اس امر سے مشحون ہیں اور ایسے روافض کا ارتداد عامہ فتاویٰ میں مذکور ہے۔ چنانچہ برجندیؒ نے شرح نقایہ میں لکھا ہے: ھؤلاء خارجون من ملۃ الاسلام و احکامھم احکام المرتدین یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں۔ اور ان کے احکام وہی ہیں جو مرتدوں کے احکام ہیں۔ بلکہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تحفہ اثنا عشری سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روافض حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر فاروق یا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہوں یا ان کے دخول جنت و قابلیت و لیاقتِ خلافت کا باعتبار اوصاف دینی مثل علم و عدالت و تقویٰ و ورع انکار کرتے ہوں وہ کافر ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں بزبان فارسی تحریر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت امیر (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی تکفیر کرنے والے یا ان کے جنتی ہونے کا انکار کرنے والے یا ان کی لیاقتِ خلافت کا انکار کرنے والے اوصاف دینی کے اعتبار سے مثل علم و عدالت و تقویٰ و ورع کافر ہیں۔ اور ہم (شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں ایسا ہی حکم ہے حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرنے والوں کا بھی۔ انتہیٰ۔ اور جو روافض ایسے عقائد نہ رکھتے ہوں جیسے تفضیلیہ ان کا ذبیحہ درست ہے۔ واللہ اعلم۔

(مجموعہ فتاویٰ عبدالحی لکھنویؒ جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)

سوال اہل تشیع کیا باشندگان لکھنؤ اور کیا باشندگان جوارِ لکھنؤ جو فی زمانا موجود ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں۔ اور ان کے گھروں کا پکا ہوا کھانا کھانا درست ہے یا نہیں۔۔۔۔۔

جواب جو شیعہ ضروریاتِ دین کے منکر ہیں مثلاً جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہتے ہیں یا جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہیں

کافر ہیں۔ ان کا ذبیحہ ناجائز ہے۔ اور جو شیعہ ایسے نہیں اگرچہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دیتے ہوں کافر نہیں ہیں۔ بلکہ فاسق ہیں۔ ان کا ذبیحہ درست ہے۔

فائدہ سب صحابہ بھی کفر ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔ تاہم اسے ان کا ذاتی خیال کہا جا سکتا ہے۔ لیکن انھوں نے حلت ذبیحہ کے لیے شیعہ کو اہل کتاب کے زمرے میں تو شامل نہیں کیا۔ جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔

(۳) قرامطہ کے متعلق بھی ابو محمد عبد الکریم ابن محمد رحمہ اللہ کا فتویٰ فتاویٰ تاتارخانیہ جلد ۵ صفحہ ۵۳۰ میں منقول ہے: انهم (القرامطة) فی الحقیقة کفار مرتدون وفسادهم فی دین الاسلام اعظم الفساد وضررهم اشد الضرر یعنی قرامطہ درحقیقت کافر و مرتد اور دین اسلام میں ان کا فساد بہت بڑا فساد ہے۔ اور ان کا نقصان بہت سخت نقصان ہے۔ حالانکہ قرامطہ کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور توحید و ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار بھی کرتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہاء نے ان کلمہ گو کفار کو مرتدین کے حکم میں شمار کیا ہے۔ اور اہل کتاب نہیں سمجھا۔ نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز سمجھتے ہیں۔ اور نہ ان کا ذبیحہ حلال سمجھتے ہیں۔

فائدہ حضرت الفقیہ اندرپتی دہلوی ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ ۷۸۶ھ میں وفات پاتے ہیں۔ اور طائفہ قرامطہ کا بانی ابوسعید حسن بن بہرام جنابی تھا۔ جو دولت عباسیہ کے دور میں اپنے باطل دعوے کی وجہ سے ۳۰۱ھ میں قتل ہوا تھا۔ پھر اس کا بیٹا ابو طاہر سلیمان اس کا جانشین ہوا پھر نسلاً بعد نسل پھیلتے گئے۔ اس اثناء میں چار سو بیاسی برس کی طویل مدت میں ان کی کتنی نسلیں گزر چکی تھیں۔ مگر فقیہ العصر اندرپتی نے ان کے متعلق یہی فتویٰ لگایا: کفار مرتدون لیکن ان کو اہل کتاب نہیں کہا۔

سبِ صحابہؓ کفر ہے

① حضرت علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۱۳۶ میں فرمایا: الطعن فیھم ان کان مما یخالف الادلۃ القطعیۃ فکفر کہ صحابہؓ کو گالی دینا اور ان کو مطعون کرنا کفر ہے۔

② حضرت علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جامع صغیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ میں مسند احمد اور مستدرک حاکم کے حوالے سے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیثِ نبویؐ نقل فرمائی ہے: من سب علیًا فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللّٰہ یعنی جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس نے دراصل مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی۔

③ مسند ابویعلیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ کے حاشیہ میں ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورِ بالا روایت کے بارے میں لکھا ہے: ھو حدیث متواتر کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے اور گالی دینے کو بجائے جرم کے کارِ ثواب سمجھنے والے کو علمائے کرامؒ نے کافر کہا ہے۔

④ حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نبراس شرح شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۵۵۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ امام دارالہجرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: من شتم احداً من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر او عمر او عثمان او معاویۃ او عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم فان قال کانوا علی کفر و ضلال قتل۔ یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان یا معاویہ یا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کو بھی سب وشتم کرے یا پھر اگر یوں کہے کہ یہ صحابہؓ کفر اور گمراہی پر تھے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ جبکہ حکم قتل مرتد یا زندیق پر وارد ہوتا ہے۔

⑤ جامع صغیر جلد ۱ صفحہ ابن عساکر کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حب ابی بکر و عمر من الایمان و بغضهما کفر۔ و حب الانصار من الایمان و بغضهما کفر۔ و حب العرب من الایمان و بغضهما کفر۔ و من سب اصحابی فعلیه لعنة اللہ یعنی حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیار رکھنا ایمان کی جزو ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر ہے۔ اور انصار کے ساتھ پیار رکھنا بھی ایمان کی جزو ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر ہے۔ اور ان عرب مسلمانوں کے ساتھ پیار رکھنا بھی ایمان کی جزو ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر ہے۔ اور جو میرے اصحاب کو گالی دے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

(۹) تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۲۹۸ میں ہے: فمن نسبه او واحدا من الصحابة الى كذب فهو خارج عن الشريعة مبطل للقرآن طاعن على رسول الله ﷺ یعنی جو شخص کسی ایک صحابی کو بھی جھوٹا کہتا ہے وہ شریعت (دین اسلام) سے خارج ہے۔ قرآن مجید کو باطل قرار دینے والا ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنے والا ہے۔

(۱۰) نیز آپ نے صفحہ ۲۹۹ میں فرمایا کہ خلیفہ عباسی ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات کا جواب دیتے ہوئے عمر بن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: فيه ازدراء على رسول الله ﷺ و على ما جاء به۔ اذا كان اصحابه رضی اللہ عنہم كذابين فالشريعة باطلة والفرائض والاحكام في الصلوة والصيام والطلاق والنكاح والحدود كله مردود غير مقبول یعنی اس کلام میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ ﷺ کے تمام اس پیغام (قرآن و سنت) کی توہین کی گئی ہے۔ جو آپ ﷺ اللہ پاک کی طرف سے ہم تک لے آئے ہیں۔ جب آپ ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نعوذ باللہ کذاب اور جھوٹے ہوئے تو شریعت سب ہی باطل ہوئی اور فرائض اور نماز روزہ نکاح طلاق اور حدود کے سب احکام مردود اور نامقبول ٹھہرے۔

(۷) حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مالا بد منہ صفحہ ۱۲۴ میں فرمایا کہ شیخین کو گالی دینے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

(۸) اتحاف البصائر و الابصار طبع مصر جلد ا صفحہ ۱۸۶ میں ہے: کافر تاب فتوبتہ مقبولۃ فی الدنیا و الآخرۃ الا جماعۃ الکافر بسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سائر الانبیاء و بسب الشیخین او احدھما یعنی جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کو گالی دے اور شیخین یا ان میں سے ایک کو گالی بکے وہ کافر ہے۔ اس کی توبہ دنیا اور آخرت میں مقبول نہیں۔ اور اس کے علاوہ جو کوئی کافر توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔

(۹) فتاویٰ خیریہ طبع مصر جلد ا صفحہ ۹۴ و ۹۵ میں بھی اسی طرح ہے۔

(۱۰) علامہ ابن وہبان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نظم الفرائد منظومہ مع حاشیہ طبع مصر صفحہ ۴۰ میں فرمایا: ؎

و من لعن الشیخین او سب کافر

یعنی جو شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر لعنت بھیجے یا گالی بکے وہ کافر ہے۔

(۱۱) حضرت علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ کی کتاب السیر میں تحریر فرمایا ہے: الرافضی اذا سب ابابکر و عمر و لعنھما یکون کافراً رافضی جب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہے یا ان پر لعنت کرتا ہے تو وہ کافر ہوتا ہے۔

(۱۲) حضرت علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے در مختار کے حاشیہ طبع مصر جلد ا صفحہ ۲۴۴ میں اسی طرح لکھا ہے۔

(۱۳) صاحب بحر الرائق علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الاشباہ والنظائر فن ثانی کتاب السیر صفحہ ۲۶۳ طبع ہند میں تحریر فرمایا ہے: سب الشیخین و لعنھما کفر۔

(۱۴) خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۳۸۱ میں ہے: الرافضی ان کان یسب الشیخین و یلعنھما العیاذ باللہ فھو کافر۔

(۱۵) فتاویٰ بزازیہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۹ میں بھی یہی عبارت ہے کہ رافضی اگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا ہے تو والعیاذ باللہ وہ کافر ہے۔

(۱۶) فتاویٰ غرائب قلمی ورق ۱۳۳ میں بھی یہی عبارت ہے کہ الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنہما العیاذ باللہ فھو کافر۔

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عبدالعزیز العنقری الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الروض المربع کی شرح جلد ۳ صفحہ ۳۳۱ میں فرمایا: ومن سب الصحابۃ اوواحداً منھم..... فلا شك في كفر هذا بل لا شك في كفر من توقف في تكفيره یعنی جو شخص تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دے گا..... تو اس کے کفر میں کچھ شک نہیں ہے۔ بلکہ جو شخص اس کو کافر کہنے میں توقف کرے گا تو اس کے کفر میں بھی کچھ شک نہیں ہے۔

(۱۸) حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: واگر بر کسے سبِ شیخین العیاذ باللہ ثابت شود او را قتل باید کرد۔ (مکتوبات حاجی دوست محمد قندھاری ص ۱۰۶)

(۱۹) حضرت شاہ اہل اللہ برادر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "چہارباب" صفحہ ۷ میں تحریر فرمایا ہے: زہے حماقت فرقہائے ضالہ کہ سبِ اصحاب رضی اللہ عنہم ولعن احباب رضی اللہ عنہم را کیش خود قرار دادہ امید وار اجر جزیل می باشند وعداوت احبائے رسول را موجب ثواب جمیل می شناسند۔ یعنی گمراہ فرقوں کی حماقت کے کیا کہنے "جنھوں نے اصحاب رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور احباب رسول کو لعنت کرنا اپنی عادت بنا رکھا ہے۔ اس کے باوجود بہت بڑے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں کی عداوت کو ثواب جمیل کا باعث سمجھتے ہیں۔

(۲۰) شیخ المشائخ حضرت مولانا دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مکتوبات شریف میں مکتوب ۲۸ قاضی حیدر شاہ صاحب کے نام تحریر فرمایا۔ یہ مکتوب کافی طویل ہے۔ جس میں سے بعض عبارات پیش خدمت ہیں:

- از روایت امام مالکؒ معلوم ہے شود صریحا کہ کسیکہ سبّ اصحاب ازراہ غیظ کند کافر است۔ چہ جائی شیخین کہ ایشان بمزید مناقب آں صحابہؓ اند رضوان اللہ علیہم اجمعین۔
- نیز حضرت حاجی صاحبؒ نے قرآنی آیات اور بارہ صحابہؓ سے مروی احادیث نقل فرماکر ثابت کیا کہ شیخین کی محبت ایمان کی جزء ہے۔ اور ان کا بغض کفر ہے۔ پھر فرمایا:
- وما تلیت علیک عن قریب من الایات و الاحادیث و الروایات قد حکم کثیر من العلماء الکرام بکفر ساب الشیخین رضی اللہ عنہما و عدم قبول توبتہ فی تلک الایام۔ الرافضی اذا کان یسب الشیخین و یلعنہما العیاذ باللہ فھو کافر و ان کان یفضل علیا کرم اللہ تعالٰی وجہہ علی ابی بکر رضی اللہ عنہ لا یکون کافرا الا انہ مبتدع۔ (عالمگیری)
- او الکافر بسب الشیخین او بسب احدھما فی البحر عن الجوھرۃ معزیا للشھید من سب الشیخین او طعن فیھما کفر ولا تقبل توبتہ۔
- وبہ اخذ الدبوسی و ابو اللیث و ھو المختار للفتوی و جزم بہ فی الاشباہ واقرہ المصنفؒ قائلا وھذا یقوی القول بعدم قبول توبۃ الساب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو الذی ینبغی التعویل علیہ فی الافتاء و القضاء رعایۃ لجانب حضرۃ المصطفٰی ﷺ (الدر المختار)
- فی البزازیۃ عن الخلاصۃ ان الرافضی اذا کان یسب الشیخین و یلعنھما فھو کافر۔ (رد المحتار)
- و نقل بعضھم عن اکثر العلماء من سب ابابکر او عمر (رضی اللہ عنہما) کان کافرا (زواجر)

ازالہ مثبتا للمقدمۃ الممنوعۃ کہ سب شیخین کفر است و احادیث صحیح براں دال است کما اخرج المحامد و الطبرانی و الحاکم عن عویمر بن الساعدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان اللہ اختارنی و اختارلی اصحابا و جعل فیہم وزراء و انصارا و اصہارا فمن سبہم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا تقبل منہم صرفا ولا عدلا۔

○ و کما اخرج الدارقطنی عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم سیأتی من بعدی قوم لہم نبز یقال لہم الرافضۃ فان ادرکتہم فاقتلہم فانہم مشرکون قال قلت یا رسول اللہ ما العلامۃ فیہم قال یقرظونک بما لیس فیک و یطعنون علی السلف۔

○ و اخرجہ عنہ عن طرق اخری نحوہ۔ و زاد عنہ و آیۃ ذلک انہم یسبون ابابکر و عمر من سب اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ و الناس اجمعین۔

○ و امثال این احادیث بسیار آمدہ کہ این رسالہ گنجائش آں ندارد۔ و ایضا سب شیخین و بغض ایشاں کفر است بالخبر من ابغضہم فقد ابغضنی و من اذاہم فقد اذانی و من اذانی فقد اذی اللہ و ایضا اخرج ابن عساکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال حب ابی بکر و عمر ایمان و بغضہما کفر۔

(مکتوبات حاجی دوست محمد قندھاریؒ صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۶ ملخصاً)

صحابہؓ کی بے ادبی کفر ہے

(۴۱) حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے شیخ شبلی رحمہ اللہ کے حوالے سے فرمایا: ما آمن برسول اللہ ﷺ من لم یوقر اصحابہ رضی اللہ عنہم کہ اس شخص کا رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہی نہیں جو ان کے اصحابؓ کی توقیر و تعظیم نہیں کرتا۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۴ جلد ۲ صفحہ ۳۶)

(۴۲) حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے کہ جو شخص صحابۂ کرامؓ کا احترام نہیں کرتا اس کا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ایمان نہیں۔ (نسیم الریاض جلد ۳ صفحہ ۵۸)

تکفیرِ صحابہؓ کفر ہے

(۴۳) حضرت امام حافظ ابو الفضل عیاض بن موسیٰ قاضی یحصبی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۵۴۴ھ نے الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ میں فرمایا: نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ و تکفیر جمیع الصحابۃ یعنی ہم ایسی بات کہنے والے ہر شخص کو قطعی کافر کہتے ہے جس سے ساری امت محمدیہ ﷺ کی تضلیل یا تمام صحابہؓ کی تکفیر لازم آئے۔

(۴۴) حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السیف المسلول صفحہ ۱۹۷ میں تحریر فرمایا ہے: شیعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابو بکرؓ و عمرؓ اور جملہ اصحابؓ مرتد ہو گئے۔ یہ صریح کفر ہے۔ اور بے شمار آیاتِ قرآن کا انکار۔ جو کہ صریح ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

(۴۵) حضرت علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الزواجر صفحہ ۲۳ و ۲۴ میں فرمایا ہے کہ: من انواع الکفر...... تکفیر الصحابۃ یعنی صحابۂ کرام کو کافر کہنا بھی اقسامِ کفر میں سے ایک قسم ہے۔

(۴۶) حضرت امام ابو یحییٰ زکریا الانصاری الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح روض الطالب من اسنی المطالب جلد ۴ صفحہ ۱۱۸ و ۱۱۹ میں فرمایا: من... کفر الصحابۃ... کفر یعنی جو شخص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔

(۴۷) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد صفحہ میں فرمایا ہے کہ: رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم (نعوذ باللہ) کافر تھے۔ اس لیے سب کے سب رافضی بالاجماع کافر ہیں۔ اس میں کسی کو کوئی نزاع نہیں۔

خلافتِ شیخینؓ کا انکار کفر ہے

(۲۸) حضرت علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مراقی الفلاح طبع مصر صفحہ ۱۹۸ کے حاشیہ میں تحریر فرمایا: ان انکر خلافۃ الصدیق کفر۔

(۲۹) حضرت علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۳۱ میں فرمایا: یکفر بانکارہ صحبۃ ابی بکر و بانکارہ امامتہ رضی اللہ عنہ علی الصحیح۔

(۳۰) العقود الدریہ طبع مصر جلد ۱ صفحہ ۹۲ و ۹۳ میں ہے: الروافض کفرۃ جمعوا بین اصناف الکفر منها انهم ینکرون خلافۃ الشیخین و منها انهم یسبون الشیخین سود اللہ وجوههم فی الدارین فمن اتصف بواحد من هذہ الامور فهو کافر یعنی رافضی کافر ہیں۔ ان میں کفر کے کئی اصناف جمع ہیں۔ ایک تو شیخین کی خلافت کے منکر ہیں۔ دوسرے شیخین کو گالیاں دیتے ہیں۔ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ ان کے چہرے سیاہ کرے۔ اس لیے جس شخص میں ان باتوں میں سے ایک بات بھی پائی گئی تو وہ کافر ہے۔

(۳۱) حضرت علامہ احمد شلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ التبیین طبع مصر جلد ۱ صفحہ ۱۳۵ میں تحریر فرمایا ہے: وان انکر خلافۃ الصدیق او عمر رضی اللہ عنہما فهو کافر۔ یعنی اگر حضرت امام ابوبکر صدیق اور امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کی خلافت کا بھی منکر ہے تو وہ کافر ہے۔

(۳۲) حضرت امام کردری رحمۃ اللہ تعالیٰ الوجیز طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۳۱۸ میں فرماتے ہیں: من انکر خلافۃ ابی بکر فهو کافر فی الصحیح و من انکر خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ فهو کافر فی الاصح یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا منکر ہے تو صحیح مذہب میں وہ کافر ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا منکر بھی کافر ہے۔

(۳۳) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر طبع قسطنطنیہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ میں ہے: وان انکر خلافۃ الصدیق فهو کافر کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔

(۳۴) الدّرُ المختار طبع ہاشمی صفحہ ۶۳ میں ہے : ان انکر خلافۃ الصدیق کفر۔

(۳۵) خزانۃ المفتین میں بھی اسی طرح ہے۔

(۳۶) علامہ کمال بن ہمام نے فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۰۴ میں فرمایا : ان انکر خلافۃ الصدیق کفر۔

(۳۷) فتاویٰ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ملا احمد اللہ پشاوری نے تحفۃ الاخوان فی التفرقۃ بین الکفر و بین الایمان صفحہ ۴۹ میں فتاوی بدیعیہ ــ حوالے سے لکھا ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا انکار کرے وہ کافر ہے ــــ اسی طرح جو شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرے وہ بھی کافر ہے۔

صحابیتِ شیخینؓ کا انکار کفر ہے

(۳۸) ملا احمد اللہ پشاوریؒ نے تحفۃ الاخوان فی التفرقۃ بین الکفر و بین الایمان صفحہ ۶۳۱ میں فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے انکار کی وجہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اور آپ کی امامت اور خلافت کے انکار سے بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے انکار کی وجہ سے بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

(۳۹) علامہ سید ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ردّ المحتار جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ میں تحریر فرمایا ہے : نعم لا شك فی تکفیر من ـــــ انکر صحبۃ الصدیق رضی اللہ عنہ یعنی ہاں جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

صحابہؓ سے بغض رکھنا کفر ہے

(۴۰) حضرت امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے العقیدۃ الطحاویہ مع شرحہا صفحہ ۵۲۸ میں فرمایا : و بغضهم کفر و نفاق و طغیان یعنی صحابۂ کرام کے ساتھ بغض رکھنا کفر، نفاق اور حد اسلام سے باہر ہو جانا ہے۔

فائدہ اہلِ حق علماء نے جس طرح سبِ صحابہؓ کو کفر قرار دیا۔ اسی طرح صحابہؓ کی بے ادبی، ان کی تکفیر، اور خلافتِ شیخینؓ اور ان کی صحابیت کا انکار اور ان سے بغض رکھنے کو بھی کفر قرار دیا ہے۔ اور یہ تمام کفریات آج کل کے شیعوں میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ امت نے شیعوں پر بالاتفاق کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ البتہ جن علماء نے بعض شیعہ فرقوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کہا ہے ان کی مراد وہ تفضیلی شیعہ ہیں، جن میں تفضیلیت کے سوا اور کفریہ بات کوئی نہ ہو۔ اور جن علماء نے سبِ صحابہؓ کو کفر قرار نہیں دیا تو وہ جمہور کے خلاف ان کا تفرد ہے۔ حلال و حرام کے معاملے میں ان کے تفرد کا کچھ اعتبار نہیں۔

○ اب سطورِ ذیل میں شیعوں کے متعلق چند فتوے مزید نقل کیے جاتے ہیں۔ جن میں اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ شیعہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اور ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان کفار سے زیادہ خطرناک ہیں جو خود کو اسلام کے نام سے موسوم نہیں کرتے۔ اور ان کی ذبیحہ حرام اور ان کی عورتوں سے نکاح ناجائز ہے۔ چنانچہ:

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فتویٰ

○ امام العلماء والصوفیا عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی مفتیٔ اعظم بغداد متوفی ۵۶۱ھ نے شیعی عقائدِ کفریہ مثل تحریفِ قرآن، عصمتِ ائمہ، توہینِ ملائکہ وغیرہ کے بیان میں شیعہ کو کافر اور خارج از اسلام و ایمان کہا ہے۔ وصردوا علی کفرھم و ترکوا الاسلام وفارقوا الایمان۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۲۲۰ جلد ۱)

○ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا: جو شخص نبی پاکؐ کی سیرت، احادیثِ صحیحہ، آپؐ کے اقوال و افعال سے، آپؐ کے صحابہؓ کے آثار سے تفسیر کرے وہ ہمارے سر آنکھوں پر، لیکن جو شخص قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر خود گھڑے جو قرآن کریم کے متن، ارشاداتِ رسولؐ اور تفسیرِ صحابہؓ کے

خلاف ہو وہ فاسق و فاجر ہے ایسا شخص آسمان کی رفعتوں سے اڑتا ہوا آئے' پانی کی لہروں پر کشتی کے بغیر چلتا آئے اور اس کے پاؤں بھی نہ بھیگیں' اسی طرح دوسری کرامتیں بھی دکھاتا رہے تو میں واشگاف لفظوں میں کہوں گا کہ: وہ زندیق ہے' جہنم کا ایندھن ہے۔

(نغمۂ توحید فروری مارچ ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۴)

فائدہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کس قدر صاف اور واضح الفاظ میں زندیق کی تعریف بھی کر دی اور شیعہ پر زندقہ کا فتویٰ بھی لگا دیا۔ لیکن اہل کتاب کا حکم نہیں دیا۔ حالانکہ پانچ صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ اس عقیدہ کو اپنانے والے شیعہ آرہے تھے۔

امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ

○ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ "الصارم المسلول صفحہ ۵۷۵" میں فرماتے ہیں قال ابوبکر بن هانی لا توكل ذبيحة الرافضة والقدرية كما لا توكل ذبيحة المرتد مع انه توكل ذبيحة الكتابي. لان هولاء يقومون مقام المرتد. امام ابوبکر بن ہانی نے فرمایا کہ روافض اور قدریہ کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں جیسے کہ مرتد کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں۔ حالانکہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ روافض اور قدریہ کا ذبیحہ کھانا اس لیے جائز نہیں کہ شرعی حکم سے یہ مرتد کے قائم مقام ہیں۔

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۸۶)

فائدہ امام الموحدین حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے روافض اور قدریہ کو مرتد کے حکم میں داخل فرمایا کہ ان کا ذبیحہ جائز نہیں۔ جبکہ صدیوں سے اس عقیدے والے آرہے تھے۔ اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کو جائز فرمایا۔ لیکن ان کو نہ اہل کتاب کہا اور نہ اہل کتاب کے حکم میں داخل فرما کر ان کی ذبیحہ کو جائز قرار دیا۔

مولانا ریاض الدین دیوبندی کا فتویٰ

○ شیعوں کا حضرت صدیقؓ کی صحابیت کا منکر ہونا' حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ ام المؤمنینؓ پر قذف (تہمت کرنا) کافر کرتا ہے' علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں لا شك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ عنہا او انکر صحبة الصدیق (شامی جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ ۱۲۸۸ھ) علامہ موصوف نے دوسرے مقام پر اسی کتاب میں شیعوں کو مرتد اور واجب القتل لکھا ہے: فانه مرتد یقتل صفحہ ۲۸۳ جلد دوم شامی مطبوعہ ۱۲۸۸ھ۔

○ جو کلام اللہ کی تحریف کا قائل ہو وہ مرتد اور کافر ہے اہل کتاب بھی نہیں' ان سے مناکحت اور تعلقات رکھنا اشد حرام ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: ان الذین یحادون اللہ و رسوله اولئك فی الاذلین...... لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ و رسوله ولو کانوا آباء هم او ابناء هم او اخوانهم او عشیرتهم جو اللہ اور رسولؐ کا مقابلہ کرتے ہیں وہ بہت زیادہ ذلیل و خوار ہیں اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والوں سے آپ کسی ایک شخص کو بھی نہیں پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی کرے جو اللہ اور رسولؐ کے دشمن ہوں' اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے بھائی اور اہل کنبہ کیوں نہ ہوں۔ لہٰذا ان کی شادی غمی اور جنازہ میں شرکت نہ کی جائے ایسے عقیدہ کے شیعہ کافر ہی نہیں بلکہ اکفر ہیں۔ (آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۰)

مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ دیوبندی کا فتویٰ

○ مقاصد مذکورہ فی السوال کے روافض صرف مرتد اور کافر' خارج از اسلام ہی نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بھی اس درجہ کے ہیں کہ دوسرے فرق کم نکلیں گے مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے جمیع مراسم اسلامیہ ترک کرنا چاہییں بالخصوص مناکحت۔ کیونکہ اس میں خود یا دوسروں کو زنا اور فواحش میں مبتلا کرنا ہے۔ (آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۱)

مولانا اعزاز علیؒ دیوبندی کا فتویٰ

○ فرق الروافض كثيرة عقائدهم شتى وظنون باطلة فمنها ما يوجب تكفيرهم (كشيعة اثنا عشرية) وعدم الصحبة معهم بل عدم جواز جميع المراسم الاسلامية خذلهم الله تعالىٰ شیعہ روافض کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کے مختلف عقائد اور ظنون باطل ہیں۔ بعضوں کی تکفیر واجب ہے جیسے اثنا عشریہ شیعہ ہیں اس لیے ان سے مناکحت ناجائز بلکہ جمیع مراسم اسلامیہ کا ترک کرنا ضروری ہے۔

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۱)

صاحبِ نبراس الساری مولانا عبد العزیزؒ کا فتویٰ

○ شیعہ اثنا عشریہ کافر اور مرتد ہیں۔ کیونکہ یہ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔ فقط

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۱)

مولانا مسعود احمدؒ کا فتویٰ

○ شیعہ اپنے عقائد کی بنا پر خارج از اسلام اور کافر ہیں لہٰذا ان سے مراسم اسلامیہ مثلاً ① مناکحت کرنا' ② ان کا ذبیحہ استعمال کرنا' ③ ان کا جنازہ پڑھنا' ④ ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا' ⑤ قربانی میں ان کو شریک کرنا' ⑥ ان کو اپنے نکاحوں میں گواہ بنانا' ⑦ ان سے مسجد کے لیے چندہ لینا وغیرہ کا ترک کرنا واجب ہے۔ جو شخص شیعوں سے ترک مراسم نہیں کرتا وہ اسلام سے خارج اور انہی کی مثل کافر ہے۔ فہو کافر مثلہم فقط واللہ اعلم۔

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۱)

مفتیٔ اعظم ہند مولانا محمد کفایت اللہؒ کا فتویٰ

○ شیعہ واقعی کافر ہیں۔ کیونکہ وہ قذفِ ام المؤمنین اور سبِ شیخین کے علاوہ تحریف فی القرآن کے قائل ہیں۔ کما فی کتبھم۔

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۳)

مولانا محمد مالک کاندھلویؒ اور
مولانا ممتاز احمد مفتی جامعہ اشرفیہ کا فتویٰ

○ شیعہ حضرات تحریفِ قرآن کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس پردہ میں قرآن پاک کی قرآنیت کے انکار کرتے ہیں۔ ثبوت کے لیے دیکھیں صافی شرح کافی جلد ۶۶ صفحہ ۶۵ مراد بقرآن قرآن محفوظ نزد ائمہ علیہم السلام است کہ ہفدہ ہزار آیت است۔ یعنی قرآن سے مراد وہ قرآن ہے جو ائمہ کے پاس محفوظ ہے اور جس کی سترہ ہزار آیتیں ہیں۔ ان کے نزدیک یہ موجودہ قرآن 'قرآن ہی نہیں۔ چند کتابوں کے نام اور ان کے صفحات درج ہیں جن سے یہ مسئلہ محقق ہوجائے گا:

① احتجاج طبرسی (ایران صفحہ ۱۴۸)، ② فصل الخطاب (علامہ نوری صفحہ ۳۰) ③ رجال کشی (بمبئی) ④ اصول کافی صفحہ ۶۷۱، ⑤ تفسیر صافی مقدمہ ششم صفحہ ۱۰، ⑥ تفسیر قمی روضۃ کلینی صفحہ ۵۲، ۹۱ ⑦ اصول کافی صفحہ ۱۴۶، صفحہ ۳۳۹،

اصول کافی ایسی کتاب ہے جو اس مضمون سے بھری پڑی ہے۔ اب ان چار عاموں کا حال سنیے یا اور جو بھی یہ دعویٰ کرے کہ ہم موجودہ قرآن کو مانتے ہیں یہ کہنا از راہ تقیہ ہے۔ کیونکہ تقیہ ان کے نزدیک ایمان کا جزو ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۴۸۲) لا دین لمن لا تقیہ لہ صفحہ ۴۸۲ - لا ایمان لا تقیۃ لہ

○ معلوم ہوا جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے بے ایمان ہے۔ احتجاج طبرسی (صفحہ ۱۴۸ ایران) لو شرحت لك كل ما اسقط و حرف و بدل و مما يجرى هذا المجرى لطال وظهر و تحظر التقية اظهاره یعنی قرآن سے جو کچھ ظاہر نکالا گیا یا اس میں تحریف در دو بدل وغیرہ کی گئی ہے اگر میں ان سب کو بیان کروں تو بات لمبی ہوجاتی ہے اور وہ چیز ظاہر ہوجائے جس کے اظہار کی تقیہ اجازت نہیں دیتا۔

خلاصہ یہ کہ ضروریات دیا کا انکار کفر ہے۔ اور ضروریات دین میں سے قرآن اعلیٰ اور ارفع ہے۔ شیعہ بلا تفریق کیا ان کے متقدمین کیا ان کے متاخرین

سب کے سب تحریف قرآن کے معتقد ہیں۔ قرآن کی قرآنیت کے منکر ایسے لوگوں کے خارج از اسلام ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ اقرار کا اعتبار اس لیے نہیں تقیہ ان کے ہاں عبادت ہے۔ پس اقرار پر کیسے اعتبار کر لیا جائے۔ واللہ اعلم۔
(آتش کدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۸۱ و ۸۲)

مولانا عبد الستار تونسوی مدظلہ کا فتویٰ

سوال تبرائی رافضی شیعہ اثنا عشریہ جن کی معتبر کتابوں میں جن سے وہ اپنے احکام مسائل اخذ کرتے ہیں یہ مذکور ہے کہ موجودہ قرآن مجید محرف اور مبدل ہے اور اس میں کمی بیشی کی گئی ہے در ان کی روایات متواترہ صحیح کے مطابق شیعہ مشائخ کا اعتقاد ہے کہ موجودہ قرآن کامل مکمل نہیں بلکہ محرف مبدل و مغیر ہے اور شیعوں نے لکھا ہے ہماری زائد از زائد دو ہزار روایتیں تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں۔ ان الاخبار الدالۃ علی ذلک تزید علی الفی حدیث
(فصل الخطاب صفحہ ۲۵۱)

- اور شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اصلی قرآن اور پورا قرآن امام مہدی کے پاس ہے جب امام مہدی آئیں گے۔
- امام محمد باقر نے فرمایا "چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا بر او حد بزند"
(حق الیقین صفحہ ۳۴۷ حیات القلوب صفحہ ۶۱۱ جلد ۲)
- اور حضرت عباس و عقیل کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کا ایمان پورا نہیں تھا۔ ضعیف الیقین اور ذلیل النفس تھے۔ (حیات القلوب صفحہ ۶۱۸ و ۶۱۹ جلد ۲)
- اب ان عبارات اور عقائد کی موجودگی میں یہ مسلمان ہیں یا کافر؟ ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے یا نہیں؟ ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ اور ان کی نماز جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر شیعہ تعمیر مسجد کے لیے چندہ دیں تو ان سے وصول کیا جائے یا نہ؟

بینوا و توجروا

جواب رافضی تبرائی شیعہ جن کی معتبر کتابوں میں مذکورہ عبارات ہیں' خارج از اسلام ہیں' جن علماء نے اس کی تکفیر میں تامل کیا ہے ان کو ان کے تقیہ اور کتمان کی وجہ سے حقیقت کما ینبغی معلوم نہیں ہو سکی۔ مگر آج ان کی کتابیں نایاب نہیں رہیں' ان کے مذہب کی حقیقت منکشف ہو گئی ہے اس لیے تمام محققین ان کی تکفیر پر متفق ہو چکے ہیں۔ ضروریات دین کا انکار قطعاً کفر ہے۔ قرآن شریف ضروریات دین میں سے اعلیٰ و ارفع چیز ہے ان کی کتابوں میں معتبر صحیح اور متواتر زائد از دو ہزار روایتیں پائی جاتی ہیں کہ موجودہ قرآن پورا نہیں۔ ایک صحیح واضح روایت بھی کسی ایک امام سے نہیں ملتی جو اس بات پر دلالت کرے کہ موجودہ قرآن کامل مکمل صحیح ہے۔

المختصر شیعی تبرائیوں رافضیوں کا کفر بربناء عقیدہ تحریف قرآن ہی محل تردد نہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے وجوہ کفر بھی ہیں۔ مثلاً: عقیدہ بداء' و قذف ام المومنینؓ وغیرہ۔ لہٰذا شیعوں رافضیوں سے مناکحت ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ اور ان کا چندہ لینا ناجائز اور ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ سنی کے جنازہ میں بددعا کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ ابوبکرؓ کو پہلا خلیفہ مانتے ہیں کتے اور ولد الزنا سے بدتر ہیں۔ ان کی کتاب فروع کافی کتاب الروضہ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۳۵ مطبوعہ تہران صفحہ ۲۸۵ پر ہے کہ ان الناس کلھم اولاد بغایا ما خلا شیعتنا اور تفسیر بیان جز ۲ صفحہ ۸۷ پر بھی یہی الفاظ ہیں۔

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۸۳ و ۸۴)

فائدہ حضرت علامہ تونسوی مدظلہٗ نے نسلی شیعوں کو اہل کتاب قرار دے کر ان کی ذبیحہ کو حلال نہیں کہا بلکہ جمہور اہل السنت کے مطابق ان کے ذبیحہ کو حرام کہا۔ جبکہ وہ قرآن کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ بھی قرآن ہے لیکن یہ قرآن ناقص ہے پورا قرآن امام مہدی کے پاس ہے۔

مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کا فتویٰ

سوال چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو کہتا ہے کہ ذبیحہ اہل بدعت کا جن کی بدعت کفر تک پہنچ گئی ہو' حلال ہے' قیاسا علی اہل الکتاب۔ پس حکم ان کا مانند حکم اہل کتاب کے ہے' نہ مانند اہل ارتداد کے۔ اور زید کہتا ہے کہ قول عمرو کا سراسر خطا ہے۔ بلکہ کفر ہے۔ کیونکہ منکر ضروریات دین کا مرتد ہے۔ اور مرتد کو حکم اہل کتاب کا دینا سراسر انکار ہے ضروریات دین سے۔ پس ان دونوں سے کونسا مصیب ہے۔

جواب زید مصیب ہے۔ اہل بدعت جن کی بدعت کفر کو پہنچی ہے کسی صورت سے اہل کتاب کا حکم نہیں پاسکتے۔ بلکہ مرتد کہلائیں گے۔ اور ان کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جاوے گا۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینه فاقتلوه رواه البخاری و عنه ایضا مرفوعا من خالف دینه دین الاسلام فاضربوا عنقه اخرجہ الطبرانی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے دین کو بدل دے اس کو قتل کر دو۔ اور فرمایا جو دین اسلام سے پھر جائے اس کو قتل کر دو۔ (بخاری)۔

منکر ضروریات اسلام و مبتدع بہ بدعت مکفرہ کو اہل کتاب پر قیاس کرنا بالکل بے اصل بات ہے۔ نہ کسی نے سلف و خلف میں سے ایسا قیاس کیا اور نہ کوئی کچھ دار کر سکتا ہے۔ اگر کتابی پر قیاس کر لیا جائے اور اس کو مثلاً یہود اور نصرانی قرار دیا جائے تو بھی وہ از روئے شریعت محمدیہ مرتد مسدود ہوگا اور اس کا معاملہ مرتدین کا ہوگا۔ جیسا کہ اوپر والی حدیثوں سے ظاہر ہوا۔

عن معاذ بن جبل فی رجل اسلم ثم تهود لا اجلس حتی قتل قضاء اللہ و رسوله فامر به فقتل متفق علیه۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے متعلق کہا جو پہلے مسلمان تھا لیکن بعد میں یہودی ہوگیا' کہ میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے گا۔ پھر

اس کے قتل کے متعلق حکم دیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔ (بخاری و مسلم) واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ نذیریہ جلد ۳ صفحہ ۳۴۳)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا فتویٰ

○ یہ بات صحیح ہے کہ جن مبتدعین مسلمانوں کی بدعت کفر کو پہنچی ہے وہ اہل کتاب کا حکم نہیں پاسکتے۔ رہی یہ بات کہ وہ مرتد کہلائیں گے یا نہیں اور ان کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جاوے گا یا نہیں۔ سو اس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایسے امر کا انکار کرے جس کا ثبوت علی سبیل التواتر ہو اور اس کے ثبوت میں علماء کا اختلاف نہ ہو' بلکہ اس کا ضروریات دین سے ہونا متفق علیہ ہو تو ایسا شخص مرتد کہلاوے گا۔ اور اس کے ساتھ معاملہ مرتدین کا سا کیا جاوے گا۔ اور جو مسلمان شخص ایسا نہ ہو وہ نہ مرتد کہلائے گا اور نہ اس کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جاوے گا۔

○ حافظ ابن حجر شرح نخبۃ میں بدعت کی بحث میں جو اسباب جرح سے ایک سبب ہے لکھتے ہیں: والتحقیق انہ لا یرد کل مکفر ببدعۃ لان کل طائفۃ تدعی ان مخالفیھا مبتدعۃ وقد تبالغ فتکفر مخالفیھا فلو اخذ ذلک علی الاطلاق لاستلزم تکفیر جمیع الطوائف فالمعتمد ان الذی ترد روایتہ من انکر امرا متواترا من الشرع معلوما من الدین ضرورۃ و کذا من اعتقد عکسہ فاما من لم یکن بھذہ الصفۃ وانضم الی ذلک ضبط لما یرویہ مع ورعہ وتقواہ فلا مانع من قبولہ انتھی۔ تحقیق یہ ہے کہ ہر ایسے شخص کی روایت رد نہ کی جائے گی جسے کوئی آدمی بدعتی یا کافر کہہ دے۔ کیونکہ ہر فرقہ اپنے مخالفین کو بدعتی کہتا ہے تو اس طرح تو کوئی آدمی کفر اور بدعت کے فتویٰ سے نہ بچ سکے گا۔ ہاں جو شخص کسی امر متواتر یا شریعت کے کسی ایسے حکم سے منکر ہو جس کا اسلام سے ہونا یقینی ہو یا اس طرح کا عقیدہ رکھے تو اس کی روایت مردود ہوگی' اور جو اس طرح کا نہ ہو اور اس کے ساتھ

ہی متقی اور پرہیزگار بھی ہو تو اس کی روایت قبول ہوگی۔ حافظ کے اس کلام سے تفصیل مذکور کا ثبوت ظاہر ہے۔ (فتاوی نذیریہ جلد ۳ صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴)

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی اہلِ تشیّع گوسفند ذبح کرے تو اہلِ تسنن کو اس کا گوشت کھانا درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا

جواب ہوالموفق: اہلِ تشیّع میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو حضرت علیؓ کو خدا کہتے ہیں، جیسے فرقہ خطابیہ، اس فرقہ خطابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ بڑے خدا ہیں اور امام جعفر چھوٹے خدا ہیں، سو اہلِ تشیّع و دیگر اہلِ اہواء کے اس قسم کے مشرک و کافر فرقوں کا ذبیحہ ہرگز حلال نہیں ہے۔ (فتاوی نذیریہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۸)

مولانا عبد القادر حصاریؒ کا فتویٰ
و مولانا عبد الستار دہلویؒ کا فتویٰ

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ایسے شخص کے متعلق جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ماکان و مایکون سمجھتا ہے۔ نذر و نیاز غیر اللہ کا قائل ہے۔ باوجود سمجھانے کے اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتا۔ اور اپنے عقیدہ پر مضبوط رہتا ہے اور ساتھ ہی کلمہ پڑھتا ہے۔ کیا یہ شخص یا ایسا عقیدہ رکھنے والے اشخاص مشرک ہیں یا نہیں۔ اگر مشرک ہیں تو پھر مرتدین کی جماعت میں شمار ہوں گے اور ان کا ذبیحہ حرام ہوگا یا باوجود مشرک ہونے کے اہلِ کتاب کا حکم رکھتے ہیں۔

جواب ایسے عقیدہ اور اعمال مشرکانہ کرنے والا شخص مسلمان نہیں ہے۔ نہ اس کا ذبیحہ جائز ہے اور نہ اسکی جنازہ جائز ہے نہ ایسے کی اقتداء کرنی جائز ہے نہ اس سے مناکحت کرنا جائز ہے۔ اہلِ کتاب اصطلاح میں یہود و نصاریٰ ہیں۔ ان کے بغیر کوئی دوسرا اہلِ کتاب نہیں ہوسکتا۔ وہ کافر اسلام سے خارج کہلائے گا۔ خواہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھے۔

(فتاوی ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۱)

یہ کہ اہل کتاب کے اطلاق میں علماء کے دو گروہ ہیں۔

① ایک گروہ تخصیص کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ اہل کتاب صرف تورات یا انجیل کو ماننے والے ہیں۔ اور :

② دوسرا گروہ تعمیم کا قائل ہے جو کہتا ہے کہ اہل کتاب سے مراد صرف تورات اور انجیل والے ہی نہیں بلکہ قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والے تمام آسمانی صحیفوں اور کتابوں کو ماننے والے اس میں شامل ہیں۔ لیکن ان دونوں گروہوں کا باہمی اختلاف مثمر نہیں ہے۔ کیونکہ :

○ عہدِ نبویؐ میں تورات اور انجیل کے علاوہ دوسری کتابوں کے ماننے والوں کا وجود ہی نہ تھا۔ اور نہ ہی قرآن مجید میں ان کا کہیں ذکر ہے۔ البتہ صحفِ ابراہیمؑ کا ذکر موجود ہے۔ جن کے ماننے والوں کے متعلق کچھ علم نہیں کہ وہ کون تھے اور کہاں بستے تھے۔ صرف مکہ کے مشرک تھے جو خود کو ابراہیمؑ حنفی اور ملتِ ابراہیمؑ کا پیروکار کہتے تھے۔ مگر ان کے پاس صحفِ ابراہیمؑ میں سے ایک صحیفہ بھی نہ تھا۔ ممکن ہے کہ حوادثاتِ زمانہ سے وہ صحیفے ضائع ہو گئے ہوں۔ اب صرف اپنے آباؤاجداد کے دین کو ہی دینِ حق سمجھتے تھے۔ اور اس مذہب کے مخالف کو بے دین قرار دیتے تھے۔

○ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عمرو بن لحی کے آنے کی وجہ سے دو تین صدیاں شرک کی حالت میں گزری ہیں۔ اور اس سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تمام اولاد نسلاً بعد نسلٍ دینِ ابراہیمیؑ پر قائم تھی اور وہ لوگ موحد تھے۔ اور توحید کے علاوہ سوائے چند نااہلوں اور بدعملوں کے اعتقاداً و عملاً و اخلاقاً سب لوگ دینِ ابراہیمیؑ کے پابند تھے۔ جیسا کہ قبل ازیں مشرکینِ مکہ کے عقائد و اعمال میں گزر چکا ہے۔

○ اور تیسرا گروہ کوئی ایسا نہیں جو کہتا ہو کہ قرآن مجید کو ماننے والے یا قرآن مجید کو مان کر کفر کرنے والے بھی اہل کتاب ہیں۔

اسلام اور کفر کے درمیان فرق

○ اسلام اور کفر کے درمیان نسبت تباین کلی کی ہے۔ اور شرک' کفرہی کی ایک قسم ہے۔ جبکہ اسلام کی بس ایک ہی قسم ہے' جس کے قائل کو مُسلم' مؤمن یا مُسلمان کہا جاتا ہے۔

○ اگرچہ معاملات اور اعمال کے لحاظ سے مُسلمان کئی قسم کے ہیں۔ لیکن بلحاظ عقیدہ کے مُسلمان صرف موحد ہی ہوتا ہے اور اس کی کوئی دوسری قسم نہیں ہوتی۔ پڑھنے لکھنے میں یا یہ کہیں نہیں آیا کہ مُسلمانوں کی دو قسمیں ہیں:
(۱) ایک مسلمان موحد۔ اور (۲) دوسرے مسلمان مشرک۔
بلکہ شرک کا مرتکب تمام اہل اسلام کے نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

○ اور جو شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا وہ دائرۂ کفر میں داخل ہوگیا۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ وہ ہے تو کافر و مشرک مگر فرقِ اسلامی میں داخل ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شخص پہلے اسلامی فرقوں میں سے فلاں فرقہ میں تھا مگر کفر کا ارتکاب کر کے اب مُسلمانوں میں سے نکل کر کافر ہوگیا ہے۔

○ محقق علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ اسلامیات کے بیان کی بہ نسبت اس بات کا بیان زیادہ ضروری ہے کہ انسان کن کن باتوں سے کافر ہوجاتا ہے۔ اس لیے سطورِ ذیل میں اگرچہ اسبابِ کفر درج نہیں کیے جارہے تاہم کفر کی اقسام کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

کُفر کی اقسام (تمہید)

○ جمیع ماجاء بہ محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سچے دل سے ماننے والا عند اللہ مؤمن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰی علیم بذات الصدور ہے۔

○ اور اگر اس نے زبان سے بھی اقرار کرلیا ہے تو وہ مُسلمان ہے اور اس پر مُسلمانوں کے تمام احکام جاری ہوں گے۔

☒ اگر سچے دل سے مانتا ہو مگر زبان سے کچھ نہیں کہتا تو اس کی دو صورتیں ہیں :

① اگر وہ بچہ ہے تو اپنے ماں باپ کے تابع ہے۔

② اور اگر بڑا ہے تو اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا جب تک صاف صاف ہاں یا نہ نہ کرے۔

○ اور اگر سچے دل سے نہیں مانتا مگر زبان سے اقرارِ ایمان کرتا ہے تو وہ منافق ہے یا زندیق اور ملحد۔ جس کی تفصیل کتبِ عقائد میں مذکور ہے۔

○ اور اگر جمیع ماجاء بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے نہیں مانتا تو اس کی کئی قسمیں ہیں :

○ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا منکر ہے تو اسے بے دین' لامذہب یا دہریہ کہتے ہیں۔

○ اور اگر اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے کسی ایک صفت میں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو متصف کرتا ہے تو وہ مشرک ہے۔ جس کی کئی قسمیں کتبِ عقائد میں مذکور ہیں۔

○ اور اگر اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لا شریک لہٗ مانتا ہے' مگر نبوت و رسالت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ (جیسے یونان کے فلاسفہ) تو وہ بھی کافر ہے۔

○ اور اگر اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبیوں' رسولوں اور کتابوں کو بھی مانتا ہے۔ لیکن ان میں سے بعض انبیاء کا قائل ہے اور بعض کا منکر ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اس قسم کے کفار کئی ہوئے ہیں۔ مثلاً :

① حضرت شیث علیہ السلام اور صحفِ شیثؑ کو ماننے والے۔
② حضرت ابراہیم علیہ السلام اور صحفِ ابراہیمؑ کو ماننے والے۔
③ حضرت ادریس علیہ السلام اور صحفِ ادریسؑ کو ماننے والے۔
④ حضرت داؤد علیہ السلام اور زبور کو ماننے والے۔ مگر :

ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب نہیں کہا۔ نہ ہی ان پر یہود و نصاریٰ کے احکام نافذ کیے۔ اور نہ ہی عہدِ نبوی میں کوئی شیثی' ادریسی' یا داؤدی تھا۔

⑤ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کو ماننے والے۔ جنھیں یہود اہلِ کتاب کہا جاتا ہے۔

⑥ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو ماننے والے۔ جنھیں نصاریٰ اہلِ کتاب کہا جاتا ہے۔

اھلِ کتاب کی اقسام

○ پھر یہود و نصاریٰ میں سے بعض شرک بھی کرتے ہیں۔ جیسے:

① بعض اہلِ کتاب یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو "ابن اللہ" کہتے ہیں۔

② بعض اہلِ کتاب نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "ابن اللہ" کہتے ہیں۔

③ بعض تین خدا' خداوند خدا باپ' خداوند خدا ماں اور خداوند بیٹا کہتے ہیں۔

④ بعض خداوند خدا باپ' خداوند بیٹا اور خداوند روح القدس کہتے ہیں۔

⑤ بعض کہتے ہیں کہ آسمان وزمین سب میں حضرت عیسیٰؑ کا تصرف ہے۔

○ یہود و نصاریٰ کی ان تمام اقسام کو اللہ تعالیٰ نے اھل الکتاب یا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم یا طآئفتان من قبلنا سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے شرک کے باوجود ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی اور ان کی ذبیحہ کو جائز اور حلال قرار دیا۔ بشرطیکہ توراۃ و انجیل کو آسمانی کتاب مانیں۔ مگر زمانۂ حال میں ایسے لوگ گنتی میں بہت ہی نادر الوجود ہیں۔

بعثتِ نبوی سے پہلے والے یہود و نصاریٰ

○ اور بعض غیر قومیں عرب وغیرہ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے پہلے یہود و نصاریٰ کے دین میں داخل ہوگئیں ان کو بھی اہلِ کتاب کے حکم میں شامل فرمایا۔

بعثتِ نبوی سے بعد والے یہود و نصاریٰ

○ اور جو لوگ بعثتِ نبویؐ کے بعد یہود و نصاریٰ کے دین میں داخل ہوئے تو وہ کفار بھی دو قسم کے ہیں۔ مثلاً:

① اگر وہ پہلے غیر مسلم قومیں تھیں پھر یہودیوں یا نصرانیوں کا مذہب اختیار کیا۔ تو ان پر یہود و نصاریٰ کے وہ احکام جو مسلمین کے لیے بیان کیے گئے ہیں' یعنی ان کی عورتوں سے نکاح کا جواز اور ان کے ذبیحہ کی حلت' تو ان پر وہ احکام جاری ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

② اور اگر کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ کے دین میں داخل ہو گیا تو اسے اہل کتاب نہیں کہا جاتا' بلکہ وہ مرتد ہے۔ اور اس پر مرتدین کے احکام نافذ ہوں گے۔ ان کا ذبیحہ بھی بالاتفاق حرام ہے۔

مُرتد

○ اگر اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک کہتا ہے اور تمام انبیاء وکتب سماویہ کو مانتا ہے لیکن مع ہذا کسی اور نبی یا رسول کا اضافہ کرتا ہے وہ بھی کافر اور مرتد ہے۔

زندیق

○ اور اگر اسلام کا مدعی ہو اور اپنے کفریہ عقائد کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کفریہ عقائد کو اسلام قرار دیتا ہو تو وہ زندیق ہے۔ اور زندیق مرتد سے بھی زیادہ خطرناک اور مضر ہے۔

مُرتد کی تعریف

○ حضرت امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وھو الرجوع من الاسلام الی الکفر۔ یعنی کسی مسلمان کا دین اسلام سے پھر جانا۔ (المفردات صفحہ ۱۹۲)

○ ارتداد عام ہے' خواہ صریحاً اسلام سے منحرف ہو جائے اور کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلے۔ مثلاً یہودی ہو جائے یا نصرانی یا مجوسی وغیرہ۔ یا اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کردے۔ اور ضروریات دین وہ تمام قطعی احکام ہیں جو نص قرآنی سے ثابت ہوں یا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہوں' ان میں سے کسی ایک حکم کا انکار بھی کفر و ارتداد ہے۔ یا کوئی شخص دعوائے ایمان کے

باوجود تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے۔ یا ختم نبوت پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی کسی امتی میں نبی کی سی صفات تسلیم کرتا ہے' مثلاً اسے معصوم عن الخطاء اور افضل الانبیاء قرار دیتا ہے تو یہ شخص مرتد اور زندیق ہے جو عام کفار کی بہ نسبت کہیں زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح پورے دینِ اسلام کو ترک کر دینا کفر و ارتداد ہے ایسے ہی دین کی قطعی اور بدیہی باتوں میں سے کسی ایک بات کا انکار بھی کفر و ارتداد ہے' گو کہ ایسا شخص دین کی بقیہ تمام باتوں کو دل و جان سے تسلیم کرتا ہو' اپنے تئیں پابندِ عمل اور دیندار ہو۔ جیسا کہ:

○ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: کوئی قوم اگر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے' نماز قائم کرے' زکوٰۃ دے' رمضان المبارک کے روزے رکھے اور حج بیت اللہ کرے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کے متعلق یوں کہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟ یا اس حکم کے تسلیم کرنے میں دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرک و کافر ٹھہرے گی۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (اَلنِّسَآء-۴:۶۵) یارسول اللہ! آپ ﷺ کے رب ذوالجلال کی قسم کہ ایمان کے زبانی دعویدار اپنے متنازع امور میں شیطان یعنی غیر مسلموں کو فیصلہ کرنے کے لیے حکم تسلیم کرنے والے یہ کلمہ گو اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ یہ لوگ اپنے تمام باہمی جھگڑوں اور متنازع امور میں آپ ﷺ ہی کو منصف و حکم نہ بنائیں۔ پھر جو فیصلہ آپ ﷺ فرمادیں اس پر اپنے دلوں میں کسی قسم کی معاندانہ و منکرانہ گرانی اور تنگی بھی محسوس نہ کریں اور آپ ﷺ کے فیصلے کو کسی طرح کی ناگواری کے بغیر دل و جان سے پوری طرح تسلیم نہ کرلیں۔ (روح المعانی صفحہ ۷۱' جلد ۵)

زندیق کی تعریف

① کلیات ابو البقاء میں زندیق کی تعریف اس طرح لکھی ہے: وان کان مع اعتراف بنبوۃ النبی ﷺ یبطن عقائد ھی کفر بالاتفاق فھو الزندیق یعنی اگر وہ شخص حضرت نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے عقائد دل میں چھپائے ہوئے ہے جو باتفاق المسلمین کفر ہیں تو وہ شخص زندیق ہے۔

② البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۲۶ میں ہے: الزندیق من لا یتدین بدین و یظھر تدینہ بالاسلام یعنی زندیق وہ ہے جس کا کوئی دین مذہب نہیں ہوتا۔ اور اپنا تدین اور دینداری اسلام کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔

○ نیز فرمایا: الزندیق ــــ ان یکون مُبطناً کفرہ الذی ھو عدم التدین بدین و یظھر تدینہ بالاسلام۔

③ غیاث اللغات صفحہ ۲۱۰ میں "زندیق" کے معنے لکھے ہیں: آنکہ ایمان ظاہر کند و باطن کافر باشد۔

④ تاج العروس جلد ۶ صفحہ ۳۷۲ میں ہے: الزندیق من یبطن الکفر و یظھر الایمان والفرق بینہ وبین المنافق مشکل جداً۔

⑤ المنجد صفحہ ۳۰۸ میں ہے: الزندقۃ الکفر باطناً مع التظاھر بالایمان۔

⑥ رسالہ فی تحقیق معنی الزندیق وحکمہ لابن کمال باشا مفتی الدولۃ العثمانیہ صفحہ ۷ میں ہے: الزندیق من یکون مُبطناً للکفر معترفاً بنبوۃ نبینا ﷺ

⑦ سُلطان القلم حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسند الامام الاعظم صفحہ ۲۰۶ میں زندقہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: الزندقۃ وھی الخروج عن الشریعۃ باطناً مع انقیادھا ظاھراً یعنی زندقہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر شریعت کا منقاد متبع اور پابند رہنا۔ اور ذہنی طور پر شریعت کی حدود سے باہر رہنا۔

(۸) شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے میزان شعرانی جلد ۲ صفحہ ۱۶۵ میں فرمایا: ھو (الزندیق) الذی یسر الکفر و یتظاھر بالاسلام۔ یعنی زندیق وہ ہوتا ہے جو اپنا کفر چھپا رکھتا ہے اور عوام میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتا ہے۔

(۹) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وشک نیست کہ شیخین از اکابر صحابہؓ بلکہ افضل ایشاں پس تکفیر بلکہ تنقیص ایشاں موجب کفر و زندقہ و ضلالت باشد کما لا یخفی۔ یعنی اس میں شک نہیں کہ شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ بلکہ ان سب سے افضل ہیں۔ پس ان کی تکفیر بلکہ تنقیص موجب کفر و ضلالت اور زندقہ ہے۔ (مکتوبات مکتوب ۲۱)

(۱۰) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند صفحہ ۱۲ و ۱۳۸ میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ نے زندیق کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: دراصل ملحد اور زندیق اصطلاح میں وہ لوگ ہیں جو بظاہر تو اصولِ اسلام قرآن و حدیث کو ماننے کے مدعی ہیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر نصوصِ شرعیہ میں تحریفات کر کے ان کے ظواہر کے خلاف اور جمہور سلف کے خلاف نئے نئے معنے تراشتے ہیں۔

(۱۱) احسن الفتاویٰ جلد ۶ صفحہ ۳۸۷ میں مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی نے زندیق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"زندیق وہ ہے جو اسلام کا مدعی ہو اور اپنے عقائد کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کفریہ عقائد کو اسلام قرار دیتا ہو"۔

خلاصہ ان تمام اقوال کا یہ ہے کہ زندیق وہ بے دین ہے جو زبان سے کہتا ہے کہ میں نبوتِ محمدیہ ﷺ اور قرآن مجید کو دل و جان سے مانتا ہوں۔ مگر آیاتِ قرآنی کا وہ مطلب نہیں جو ملا لوگ سمجھے ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم وہ ہے جو میں کہتا ہوں۔ اس طرح اپنا کفر اسلام کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔

زندیق کا حکم

○ علماء اسلام نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ زندیق کا حکم مرتد سے بھی زیادہ سخت ہے کہ مرتد اگر توبہ کر لے تو اسے قتل کرنا جائز نہیں۔ لیکن زندیق کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ چنانچہ:

سیدنا امام علیؓ اور سیدنا ابن عباسؓ کا فتویٰ

○ حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کشف الغمہ عن جمیع الامہ فصل فی حکم الزنادقہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ میں تحریر فرمایا ہے: واُتي علیٌّ رضی اللہ عنہ بزنادقة فأحرقهم فبلغ ذلك ابن عباس رضی اللہ عنہما فقال لو كنت انا لم أحرقهم لنهي رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن التعذيب بالنار و كثيراً ما كنا نسمع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لا تعذبوا بعذاب الله وانما كنت اقتلهم بغير النار لقوله عليه الصلوة والسلام: "من بدل دينه فاقتلوه"۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضور میں زندیق لوگ پیش کیے گئے۔ تو آپؓ نے ان کو آگ میں ڈلوادیا جس سے جل کر وہ مر گئے۔ اس بات کی اطلاع حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ملی تو انھوں نے فرمایا کہ اگر میں اس موقع پر حاضر ہوتا تو میں ان کو جلانے کا حکم نہ دیتا۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کا عذاب دینے سے منع فرمایا ہے۔ اور میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آگ کا عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تم آگ کا عذاب کسی کو نہ دو۔ اس لیے میں تو انھیں آگ میں ڈالے بغیر صرف تلوار سے قتل کر دیتا۔ کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا دین بدل ڈالے تو اسے قتل کر دو۔

فائدہ خلیفۂ رابع امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں زندیق (خارجی) لوگوں کے بارے میں آج تک کسی نے نہیں کہا کہ وہ اسلام

لانے کے بعد پھر دائرۂ اسلام سے نکل کر مرتد ہوگئے تھے۔ بلکہ مرتے دم تک اپنے آپ کو پورا پورا پابندِ شریعت ظاہر کرتے تھے۔ اور ہر وہ شخص جس سے گناہ کبیرہ سرزد ہو جاتے (مثلاً جھوٹ بولے یا نماز چھوڑ دے) تو قرآن و حدیث کے حوالے سے اس پر کفر کا فتویٰ لگاتے تھے۔ حتیٰ کہ امیر المؤمنین سیدنا امام معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو یہ بہتان لگا کر کافر کہتے تھے کہ نعوذ باللہ ان کی حکومت میں قرآن و سنت کے خلاف احکام نافذ کیے جا رہے ہیں۔ بلکہ خود خلیفۂ برحق امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ پر بھی تحکیم قبول کرنے کی وجہ سے کفر کا فتویٰ جڑ دیا۔

(دیکھیے البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۲۸۵ تا ص۳۰۰)

○ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک عورت نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مسئلہ دریافت کیا کہ حیض و نفاس والی عورت پاک ہونے کے بعد رمضان کے فوت شدہ روزے تو قضا کرتی ہے لیکن نماز جو دین کا ستون ہے اس کی قضاء نہیں کرتی۔ یہ بات تو سراسر عقل و فہم کے خلاف ہے۔ اس کے جواب میں ام المؤمنینؓ نے فرمایا کہ کیا تو حرورا کی رہنے والی تو نہیں۔ (جو خارجی لوگوں کا مرکز ہے جو اپنے آپ کو بہت ہی پابندِ شریعت ظاہر کرتے ہیں) ہمیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس قسم کے عوارض لاحق ہوتے تھے تو ہمیں آپ ﷺ روزوں کی قضاء کا حکم فرماتے تھے مگر نمازوں کی قضاء کا حکم کبھی نہیں دیا تھا۔ (بس دین وہی ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں ملا ہے۔ اس پر اضافہ کرنے کا کسی مسلمان کو کوئی حق نہیں۔)

فائدہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد بدعت شکن ہے کہ جو عمل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا، خواہ وہ بظاہر کتنا ہی نیکی کا کام معلوم ہوتا ہو، اس کا کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ وہ بدعت ہے۔

امام مالک کا فتویٰ

○ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: معنی من بدل دینه فاقتلوه ان من خرج من الاسلام الی الردة يُستتاب فان تاب والا قتل. هذا اذا لم يكن زنديقاً واما الزنادقة فلا يستتابون لانه لا يعرف توبتهم لاسرارهم بالكفر واعلامهم بالاسلام. (کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۱) یعنی من بدل دینه فاقتلوه کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دینِ اسلام میں داخل تھا پھر دینِ اسلام سے نکل کر مرتد ہو جائے تو پہلے تو اس سے توبہ کروائی جائے اگر توبہ کرلے اور کفریہ عقیدے سے باز آجائے تو اس کو چھوڑدو اور کچھ نہ کہو۔ ورنہ اسے قتل کردو۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ شخص زندیق نہ ہو۔ اور زندیق لوگوں کا حکم یہ ہے کہ ان سے توبہ کا مطالبہ ہی نہ کیا جائے۔ کیونکہ زندیق لوگوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اپنا کفر اپنے اندر چھپائے رکھتے ہیں۔ اور خود لوگوں کے سامنے مسلمان اور اسلام کا پابند ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی توبہ کا علم نہیں ہوسکتا۔

امام ابوزرعہ کا فتویٰ

○ فتح المغیث صفحہ ۳۷۵ میں حضرت امام ابوزرعہ نے فرمایا: اذا رأيت الرجل ينقص احداً من اصحاب رسول الله ﷺ فاعلم انه زنديق وذلك ان القرآن حق والرسول حق وما جاء به حق وما ادى ذلك الينا كلا الا الصحابة رضی اللہ عنہم فمن جرحهم انما اراد ابطال الكتاب والسنة فيكون الجرح به اليق والحكم عليه بالزندقة والضلالة اقوم واحق یعنی جب تو دیکھے کہ کوئی شخص حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک کی تنقیص بیان کررہا ہے تو سمجھ لے کہ وہ زندیق اور بے دین ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید برحق ہے اور رسول بھی برحق ہیں اور جو کچھ وہ لائے ہیں وہ بھی برحق ہے۔ اور سارے کا سارا ہم تک صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کے سوا کسی ۔ نے نہیں پہنچایا۔ تو جو شخص ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح کرتا ہے تو اس کا اصل مطلب قرآن و سنت کو باطل قرار دینا ہے تو ایسا شخص اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس کی جرح کی جائے۔ اور اس پر زندقہ اور گمراہی کا حکم لگایا جائے۔

امام ابوالبرکات حنبلیؒ کا فتویٰ

○ شیخ امام مجدالدین ابو البرکات الحنبلی نے اپنی کتاب المحرر جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ میں تحریر فرمایا ہے: ولا تقبل توبۃ الزندیق وھو من یظھر الاسلام و یبطن الکفر۔ یعنی زندیق کی توبہ قبول نہیں۔ اور زندیق وہ ہے جو خود کو مسلمان ظاہر کرے اور اپنا کفر چھپائے رکھے۔

فائدہ زندیق کے متعلق شرعی حکم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپؒ نے زندیق کی مختصر الفاظ میں تعریف بھی بیان فرمادی ہے۔

علامہ تمرتاشیؒ کا فتویٰ

○ حضرت شیخ شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاشی غزی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تنویر الابصار متن درِ مختار طبع ہاشمی صفحہ ۳۱۹ میں تحریر فرمایا: کل مسلم ارتد فتوبتہ مقبولۃ الا الکافر لسب النبی او الشیخین او احدھما۔ یعنی جو مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ مقبول ہے سوائے اس کافر کے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا حضرت ابوبکر و عمر دونوں کو یا ایک کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول نہیں۔

○ علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں زندیق کا لفظ استعمال نہیں فرمایا لیکن ان کا مطلب یہی ہے کہ سبِّ شیخین کا مرتکب زندیق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے توبتہ مقبولۃ سے اسے بطورِ استثناء کے لکھا۔ اور فرمایا کہ اس کی توبہ قبول نہیں۔ یعنی توبہ کرے تب بھی اور توبہ نہ کرے تب بھی اسے ہر حال میں قتل ہی کیا جائے۔ جبکہ مرتد اگر توبہ کر لے تو اسے قتل کرنا جائز نہیں

فائدہ گزشتہ چودہ صدیوں میں جس قدر بھی زندیق ہوئے ہیں وہ سب خود کو ملت سماویہ محمدیہ ﷺ کی طرف ہی منسوب کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی نہ تو کلمۂ اسلام کا انکار کیا نہ رسالت محمدیہ ﷺ کا اور نہ ہی قرآن مجید کا۔ ان کا کام صرف یہ تھا کہ لوگوں کے سامنے خود کو مسلمان ظاہر کیا جائے۔ اور کفریہ عقائد کو قرآن مجید میں تأویل اور تحریف معنوی کر کے اسلام کے رنگ میں ظاہر کیا جائے۔ ایسے زنادقہ عہد صحابہؓ ہی میں ظاہر ہو چکے تھے۔ جیسا کہ:

شاہ ولی اللہؒ کا فتویٰ

○ امام الہند عالم ربانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح موطا امام مالکؒ المسوی جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ میں تحریر فرمایا:

قلت هؤلاء القوم هم الخوارج الذين خرجوا في زمن عليؓ حتى استاصلهم

قوله لا يجاوز حناجرهم معناه لا تقبل ولا ترفع في الاعمال الصالحة.

قوله يمرقون من الدين اى يخرجون و هذا حكم بكفرهم و اباحة لدمائهم.

○ و قد روى اصرح من ذلك في المتفق عليه و لفظه فاين لقيتموهم فاقتلوهم فان في قتلهم اجرا لمن قتلهم

قوله من الرمية هي الصيد الذي تقصده فترميه.

قوله تنظر الى اخره معناه مرمرا سريعاً في الرمية لم يعلق به شى من الفرث و الدم فكذلك دخول هؤلاء في الاسلام ثم خروجهم منه لم يتمسكوا منه بشئ.

○ قال الشافعيؒ و لو ان قوما اظهروا رأى الخوارج و تجنبوا الجماعات و اكفروهم لم يحل بذلك قتالهم. بلغنا ان علياًؓ سمع رجلا يقول لاحكم الا لله في ناحية المسجد. فقال عليؓ كلمة حق اريد بها

الباطل لکم علینا ثلث لا نمنعکم مساجد اللہ ان تذکروا فیہا اسم اللہ ولا نمنعکم الفیٔ ما دامت ایدیکم مع ایدینا ولا نبدأکم بقتال۔

○ وقال اھل الحدیث من الحنابلۃ یجوز قتلھم۔

اقول الظاھر عندی درایۃ و روایۃ قول اھل الحدیث اما روایۃ فلقولہ ﷺ فاین لقیتموھم فاقتلوھم۔ و اما قول علیؓ فمعناہ ان الانکار علی الامام و الطعن فیہ لا یوجب قتلا حتی ینزع یدہ من الطاعۃ فیکون باغیاً او قاطع طریق و اذا انکر ضروریاً من ضروریات الدین یقتل لذلک لا للانکار علی الامام۔

○ بیان ذلک ان المفتی اذا سئل عن بعض افعال زید حکم بالجواز واذا سئل عن بعضھا الآخر حکم بالفسق ثم اذا سئل عن بعضھا الآخر حکم بالکفر فھھنا لم یظھر ھذا الرجل عندہ الا الانکار فی مسئلۃ التحکیم فحکم حسب ما اظھر و لو انہ اظھر انکار الشفاعۃ یوم القیامۃ او انکار الحوض الکوثر و ما یجری مجری ذلک من الثابت بالدین بالضرورۃ یُحکَمُ بالکفر و اما حدیث اولئک الذین نھانی اللہ عنھم ففی المنافقین دون الزنادقۃ۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خوارج جو حضرت علیؓ کے دور میں ظاہر ہوئے تھے ان کے بارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ دین سے نکل جائیں گے۔ اس میں ان کے کفر کا حکم ظاہر ہوتا ہے۔ اور ان کے خون کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان کا قاتل اجر پائے گا۔

○ اور شکار میں سے تیر کے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تیر اس تیزی سے شکار سے نکلتا ہے کہ شکار کا گوبر اور خون نکلنے سے پہلے ہی باہر نکل جاتا ہے۔ اور گوبر خون اس کے ساتھ نہیں لگتا۔ یعنی وہ لوگ اسلام میں داخل ہو کر اسلام سے ایسے نکلے کہ اسلام کا کچھ حصہ بھی انھوں نے حاصل نہ کیا۔

- امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول میں کچھ نرمی ہے اور اہلِ حدیث حنبلی کہتے ہیں کہ ان کا قتل جائز ہے۔ اور میرے نزدیک یہی قول درست ہے۔ روایت کی روسے بھی اور درایت کی روسے بھی۔ روایت کی روسے اس واسطے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ وہ لوگ جہاں تمہیں ملیں ان کو قتل کر دو۔
- باقی رہا حضرت علیؓ کا کہنا کہ اس خارجی کا وہ قول لا حکم الا للہ ہے تو ٹھیک مگر اس کا مطلب غلط لے رہا ہے۔
- سو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی امامت کا انکار اور اس میں طعن کرنا یہ موجبِ قتل نہیں۔ جب تک امام کی اطاعت سے ہاتھ اٹھائے۔
- لیکن جب ضروریات دین میں سے کسی ضروری امر کا انکار کرے گا تو اس انکار کی وجہ سے اسے قتل کیا جائے نہ کہ امام کی امامت سے انکار کرنے پر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی کے بارے میں اس کے کسی کام کے متعلق سوال ہوتا ہے تو مفتی صاحب اس کے جواز کا حکم دیں گے۔ اور کسی دوسری بات کے متعلق سوال ہوتا ہے تو اس پر فسق کا فتویٰ لگائیں گے۔ اور جب کسی اور بات کے متعلق سوال ہوتا ہے تو کفر کا فتویٰ لگائیں گے۔
- اسی طرح یہاں بھی اس آدمی نے حضرت علیؓ کے سامنے صرف بظاہر مسئلہ تحکیم کا انکار کیا تھا۔ تو آپؓ نے صرف اس کے مطابق حکم لگایا۔
- اور اگر وہ اپنا عقیدہ ظاہر کرتا کہ قیامت کے دن شفاعت نہ ہوگی۔ حوضِ کوثر کوئی چیز نہیں یا اور کسی ایسی چیز کا انکار کرتا ہے جو دین میں یقیناً داخل ہے تو آپؓ اس پر کفر کا فتویٰ لگاتے۔
- باقی حدیث میں جو آیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے مجھے روک دیا ہے وہ منافقوں کے بارے میں ہے نہ کہ زندیقوں کے بارے۔

دلیل یہ کہ زندیق کا حکم مرتد سے زیادہ سخت ہے۔ اس لیے جو فتویٰ مرتد کے متعلق ہوگا زندیق پر اس کا اطلاق بطریق اولیٰ ہوگا۔

زندیق اور منافق کا فرق

○ محقق علماءِ کرام نے زندیق اور منافق کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ منافق تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا دل سے اعتراف نہیں کرتا۔ اور زندیق حضرت نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتا ہے۔ اور امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کافر، منافق، اور زندیق کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

○ بیان ذٰلک ان المخالف للدین الحق ان لم یعترف به و لم یذعن له لا ظاهرا و لا باطنا فهو کافر و ان اعترف بلسانه و قلبه علی الکفر فهو المنافق و ان اعترف به ظاهرا لکنه یفسر بعض ما ثبت من الدین ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة و التابعون و اجتمعت علیه الامة فهو الزندیق۔ کما اذا اعترف ان القرآن حق و ما فیه من ذکر الجنة و النار حق لکن المراد بالجنة الابتهاج الذی یحصل بسبب الملکات المحمودة و المراد بالنار هی الندامة التی تحصل بسبب الملکات المذمومة و لیس فی الخارج جنة و لا نار فهو الزندیق۔

○ و **قوله** صلی الله علیه و سلم اولئک الذین نهانی الله عنهم فی المنافقین دون الزنادقة۔ و اما درایةً فلان الشرع کما نصب القتل جزاء للارتداد لیکون مزجرة للمرتدین و ذبا عن الملة التی ارتضاها فکذٰلک نصب القتل فی هذا الحدیث و امثاله جزاء للزنادقة لیکون مزجرة للزنادقة و ذبا عن تاویل فاسد فی الدین لا یصح القول به۔ ثم التاویل تاویلان۔

○ تاویل لا یخالف قاطعا من الکتاب و السنة و اتفاق الامة

○ و تاویل یصادم ما ثبت بقاطع فذٰلک الزندقة فکل من انکر رویة الله تعالٰی یوم القیمة او انکر عذاب القبر او سوال المنکر و النکیر او انکر الصراط و الحساب سواء قال لا اثق بهولاء الرواة او

قال اتق بهم لكن الحديث مأوّل ثم ذكر تاويلاً فاسداً لم يسمع من قبله فهو الزنديق.

○ وكذلك من قال في الشيخين ابي بكر وعمر مثلاً ليسا من اهل الجنة مع تواتر الحديث في بشارتهما او قال ان النبي صلى الله عليه و سلم خاتم النبوة ولكن معنى هذا الكلام انه لا يجوز ان يسمى بعده احد بالنبي و اما معنى النبوة و هو كون الانسان مبعوثاً من الله تعالى الى الخلق مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب و من البقاء على الخطا فيما يرى فهو موجود في الائمة بعده فذلك هو الزنديق۔

○ وقد اتفق جماهير المتأخرين من الحنفية والشافعية على قتل من يجرى هذا المجرى۔ والله اعلم۔ (المسوی شرح موطا امام مالکؒ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰)

خلاصہ یہ کہ دینِ حق کا مخالف اگر ظاہری طور پر بھی اس دین کا اعتراف نہیں کرتا اور دل سے بھی قبول نہیں کرتا تو وہ کافر ہے۔ اور اگر زبان سے اعتراف کرتا ہے مگر اس کے دل میں کفر ہے تو وہ منافق ہے۔ اور اگر زبان سے اعتراف کرتا ہے لیکن اس حکم شرعی کی ایسی تاویل کرتا ہے جو صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور اجماع امت کی تفسیر کے خلاف ہے تو وہ **زندیق** ہے۔ مثلاً:

○ ایک شخص اعتراف کرتا ہے کہ یہ قرآن برحق ہے اور اس میں جنت دوزخ کا ذکر ہے وہ بھی برحق ہے لیکن جنت دوزخ کا خارج میں کوئی وجود نہیں بلکہ جنت سے مراد وہ خوشی ہے جو اچھے عمل کرنے کے بعد انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ اور دوزخ سے مراد وہ ندامت ہے جو انسان کو مذموم کام کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اور تاویلیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک ایسی تاویل جو قرآن کی قطعی الدلالۃ آیۃ اور سنتِ قطعیہ اور اجماعِ امت کے خلاف نہ ہو۔ اور دوسری ایسی تاویل جو قطعی الثبوت دلائل کے خلاف ہو، ایسی تاویل کرنا زندقہ ہے۔ اور ایسی تاویل کرنے والا **زندیق** ہے۔

○ اب جو شخص یہ بات نہیں مانتا کہ جنت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا یا عذابِ قبر کو نہیں مانتا یا عالمِ قبر میں انسان سے منکر نکیر کے سوال جواب کو نہیں مانتا یا پل صراط یا حساب کتاب کا منکر ہے۔ خواہ وہ کہے کہ مجھے ان روایات پر وثوق اور اعتماد نہیں جو احادیث میں وارد ہیں۔ یا کہے کہ اعتماد تو ہے مگر یہ حدیثیں ظاہر پر محمول نہیں۔ بلکہ مؤول ہیں پھر تاویل بھی ایسی کرتا ہے جو فاسد ہے اور اس سے پہلے کسی عالم سے منقول نہیں تو ایسا شخص زندیق ہے۔

○ اسی طرح جو کہے کہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جنتی نہیں ہیں تو وہ بھی زندیق ہے۔ کیونکہ ان کے جنتی ہونے کی بشارت احادیثِ متواترہ میں موجود ہے۔

○ اسی طرح جو کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی خاتم النبیین ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی کے نام سے نہ پکارا جائے گا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی طرف ایسے انسان مبعوث ہوتے رہیں گے جن کی اطاعت انسانوں پر فرض ہوگی اور گناہوں سے معصوم ہوں گے۔ تو ایسے ہی لوگ زندیق ہیں۔ اور انہی کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ اور اسی پر جمہور حنفیؒ شافعیؒ سب متفق ہیں۔

زندیق اور دہریہ کا فرق

○ دہریہ وہ کافر ہوتا ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتا۔ اور حوادثات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے سے انکار کرتا ہے۔ جبکہ زندیق، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار بھی کرتا ہے اور حوادثات کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے۔

زندیق اور مرتد کا فرق

○ مرتد اور زندیق میں نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے۔ بعض زندیق بھی

ہوتے ہیں اور مرتد بھی۔ اور بعض زندیق تو ہوتے ہیں لیکن مرتد نہیں ہوتے۔ اور بعض مرتد ہوتے ہیں مگر زندیق نہیں ہوتے۔ مثلاً :

○ "محض مرتد" وہ ہے جو دینِ حق کو بجھ کر مان لینے کے بعد اس کا انکار کردے۔ اور ادیانِ سماویہ باطلہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرلے۔ مثلاً کوئی مسلمان عیسائی یا یہودی بن جائے۔ یا باوجود ایمان کے باختیارِ خود کوئی کلمہ کفر کا بک دے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۵۳۔ شامی جلد ۳ صفحہ ۳۱۰۔ بحرالرائق جلد ۵ صفحہ ۱۱۹ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ میں ہے : رکن الردۃ اجراء کلمۃ الکفر بعد وجود الایمان۔ عاقل بالغ ہوکر اپنے اختیار کے ساتھ کفر کا کلمہ ظاہر کرے۔ اگرچہ ہنسی کے طور پر کہے۔

○ "محض زندیق" وہ ہے جو اپنا ارتداد ظاہر نہیں کرتا بلکہ دل ہی دل میں چھپائے رکھتا ہے۔ اور بظاہر کلمہ بھی پڑھتا ہے۔ نماز روزہ بھی کرتا ہے اور اپنے آپ کو دیندار ظاہر کرتا ہے۔

○ "مرتد زندیق" وہ ہے جو پہلے صحیح العقیدہ مسلمان تھا پھر زندیق ہوگیا۔ یعنی اپنے باطنی کفریہ عقیدے کی دعوت دیتا ہے۔ جیسے قرامطہ' باطنیہ' رافضی اور بعض اہلِ ہوا۔ دیکھیے : ہدایہ صفحہ ۶۷۴ و ۱۴۷

زنادقہ کی اقسام

○ زندیق تین قسم کے ہیں :

① جو اصلاً کافر ہو۔ جیسے مشرکینِ عرب مجوسی وغیرہ۔

② ذمی جو زندیق بن جائے۔

③ وہ مسلمان جو زندیق بن جائے۔ اور ان کی دو قسمیں ہیں۔

① زندیق بمعنی منافق۔ یعنی اسلام کا مدعی ہو اور کفریہ عقائد چھپاتا ہو۔

② جو شخص عقائدِ اسلام میں تاویلاتِ باطلہ کرتا ہو' اور اپنے عقائدِ کفریہ کو پوشیدہ رکھنے کی بجائے اسلام کے نام سے اس کی اشاعت بھی کرتا ہے۔

مرتد سے زندیق زیادہ خطرناک ہے

○ اور مرتد سے زندیق زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ مرتد نے اپنا کفر ظاہر تو کر دیا جو اس کی اپنی ذات تک محدود ہے۔ اور زندیق بظاہر بڑا مسلمان دیندار اور بزرگ بنا پھرتا ہے۔ عشقِ رسولؐ کا دعویٰ کرتا ہے نماز روزہ بھی کرتا ہے اور اپنے کفریہ عقیدہ کو دینِ اسلام کا رنگ دے کر عوام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جس سے لوگ بہک جاتے اور اسی کو حقیقی اسلام سمجھتے ہوئے اس کو اپنا مذہب بنا لیتے ہیں۔ اس لیے زندیق کا شر و فساد مرتد کے شر و فساد سے بڑھ کر ہے۔ اس کے ساتھ تعلقات رکھنے، رشتہ ناتا کرنے اور اس کا ذبیحہ کھانے میں اور زیادہ شر پھیلتا ہے۔

مُفتی ابنِ کمال پاشا کا فتویٰ

○ حضرت مفتی ابنِ کمال پاشا نے اپنے رسالہ تحقیق معنی الزندیق و حکمہ میں تحریر فرمایا ہے: و قتل مثل ھذا افضل من قتل مائۃ کافر اذ ضررہ فی الدین اعظم یعنی اس طرح کے زندیق کو قتل کرنے کا ثواب سو کافروں کو قتل کرنے سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ دین میں اس زندیق کا وجود بہت بڑا مضر اور نقصان دہ ہے۔

مُفتی رشید احمد لدھیانوی کا فتویٰ

○ احسن الفتاویٰ جلد ۶ صفحہ ۲۸۷ میں محقق العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا ہے: عوام بلکہ اکثر خواص بھی شیعہ اور قادیانی وغیرہ زنادقہ کو مرتد ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے احکام مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

○ سطورِ ذیل میں بعض زنادقہ کی تاویلاتِ فاسدہ کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں، تاکہ اچھی طرح وضاحت ہو جائے کہ یہ لوگ کس طرح اپنے باطل نظریات کو اسلام کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

زنادقہ کی تاویلات

ابو منصور عجلی کی تاویلات:

- ابو منصور عجلی مدعیٔ امامت قرآن مجید کی تفسیر اس طرح کرتا تھا کہ جہاں جنت و دوزخ کا ذکر آتا تو کہتا کہ یہاں جنت سے مراد دنیا کی نعمتیں ہیں۔ اور دوزخ سے مراد دنیا کی مصیبتیں ہیں۔ اور بعض مقامات پر کہتا کہ یہاں جنت سے مراد وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی محبت واجب ہے۔ اور وہ ائمۂ اہل بیت ہیں۔ اور دوزخ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی عداوت فرض ہے۔
- اور قرآن مجید میں جہاں فرائض کا ذکر آتا تو کہتا کہ اس سے مراد حضرت علیؓ اور ان کی اولاد ہے۔ اور جہاں محرمات کا ذکر آتا تو کہتا کہ اس سے مراد ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ وغیرہ ہیں۔
- نیز کہتا کہ قیامت تک نبی مبعوث ہوتے رہیں گے۔ اور قرآن مجید میں جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے اس کے وہ معنے نہیں جو عوام سمجھتے ہیں۔

قرامطہ کی تاویلات

- اسی طرح فرقۂ قرامطہ کے لوگ جو مصر کے علاوہ دیگر کئی علاقوں پر صدیوں تک حکمرانی کرتے رہے ہیں 'کلمہ نماز قرآن نبی سب کے قائل ہیں۔
- اس فرقہ کے بانی میمون کے بیٹے عبداللہ بن میمون کا کہنا تھا کہ اسلامی شریعت میں جس قدر احکام وارد ہیں ان کے ظاہری معنے قطعاً مراد نہیں۔ بلکہ شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے جسے تنزیل کہتے ہیں۔ اور ایک باطن ہوتا ہے جسے تاویل کہتے ہیں۔ ظاہر باطن کا مظہر ہے۔ اور باطن ظاہر کا مصدر ہے۔ اور کوئی ظاہر ایسا نہیں جس کا باطن نہ ہو۔ ورنہ وہ فی الحقیقت لاشے محض ہے۔ اور کوئی باطن ایسا نہیں جس کا ظاہر نہ ہو۔ ورنہ وہ محض خیالی

ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ مگر ظاہر جو لغت سے مفہوم ہوتا ہے ہرگز قابلِ اعتقاد و عمل نہیں بلکہ حقیقی مقصود اور قابلِ اعتقاد و عمل وہی ہے جو اس کا باطن ہے۔ مثلاً:

- نماز کا باطن امام وقت کی اطاعت ہے۔
- روزے کا باطن یہ ہے کہ اپنے مذہب اور مسلک کو اغیار سے مخفی رکھو۔
- حج کا باطن امام کے حضور میں پہنچنا ہے۔
- ملائکہ سے مراد باطنی فرقہ کے داعی ہیں۔
- جبرائیل سے مراد حضرت محمد ﷺ کی عقل و فراست ہے۔
- یاجوج ماجوج اور شیاطین سے مراد ہے ظاہر پر عمل کرنے والے۔
- جن سے مراد ہے گاؤدی اور گنوار لوگ۔
- نبی سے مراد ناطقِ حق۔
- وحی سے مراد اساسِ حق گوئی۔
- زکوٰۃ سے مراد دل کی صفائی اور پاکیزگی۔
- غسل سے مراد توبہ کر کے امام سے دوبارہ عہدِ وفا کرنا۔
- وضوء سے مراد امام سے آئینِ مذہب حاصل کرنا۔
- تیمم کے معنے امام کی غیبت میں نقیب سے آئینِ مذہب حاصل کرنا۔
- جنابت سے مراد بھید ظاہر کرنا۔
- احتلام سے مراد نادانستہ غیروں سے افشائے راز کرنا۔
- زنا سے مراد امام کا راز فاش کرنا۔
- طواف سے مراد ائمہ طاہرین کے گھر کا چکر۔
- تلبیہ سے مراد دعوت قبول کرنا۔
- باب سے مراد حضرت علیؓ۔
- کعبہ سے مراد حضرت محمد ﷺ۔

- اذان سے مراد لوگوں کو امام کی اطاعت پر آمادہ کرنا۔
- قیامت سے مراد کسی چیز کا اپنی اصل کی طرف عود کرنا۔
- طوفان نوح سے مراد نوحؑ کے علم کی کثرت۔
- کشتیٔ نوح سے مراد وہ جزیرہ جس میں نوحؑ کی امت محصور ہوئی۔
- عصائے موسیٰ سے مراد موسیٰؑ کی دلیل۔
- موسیٰؑ اور فرعون کے مکالموں سے مراد روح اور نفس کی کشمکش ہے۔
- نارِ ابراہیمؑ سے مراد نمرود کے غصے کی آگ۔
- ذبح اسماعیلؑ سے مراد اسماعیلؑ سے جدید عہد لینا۔
- مسیحؑ کا مردے زندہ کرنے سے مراد دلوں کو علم و ہدایت سے زندہ کرنا۔

بہائیوں کی تاویلات

- محمد علی باب مدعیٔ مہدویت کا خلیفہ بہاء اللہ بھی منسوب الی ملتِ سماویہ ہی تھا۔ قرآن مجید پر ایمان کا دعوے دار تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی قائل تھا۔ البتہ محمد علی باب کو اس کے دعویٰ کے موافق مہدی تصور کرتا تھا۔
- یاد رہے کہ محمد علی باب نے نہ تو نبوت کا دعویٰ ہی کیا تھا اور نہ ہی شریعت محمدیہ ﷺ کو منسوخ کرنے اور نہ ہی نئی شریعت لانے کا دعویدار تھا۔ البتہ اس نے قرآن مجید کے احکام میں اس قسم کی تاویلات کیں جن سے مستقبل میں کسی جھوٹے مدعیٔ نبوت کا رستہ ہموار ہوسکے۔ مثلاً:
- قیامت سے مراد ہے کسی نبی کا ظہور یا مظہر الٰہی کا عہدِ تبلیغ۔
- نفخ صور سے مراد ہے نئے نبی کا اعلانِ نبوت۔
- خلقِ جدید سے مراد ہے پہلی نبوت سے دست بردار ہو کر نبوتِ جدیدہ کو ماننا۔
- صراطِ مستقیم سے مراد شریعتِ جدیدہ ہے۔
- اشراقِ ارض سے مراد نبوتِ جدیدہ کی روشنی ہے۔

- یوم الحساب سے مراد نبوتِ جدیدہ کو ماننا یا انکار کرنا ہے۔
- جنت سے مراد ہے نبوتِ جدیدہ کو تسلیم کرنا۔ اور عباداتِ سابقہ سے دست بردار ہوجانا۔
- نار سے مراد ہے نبوتِ جدیدہ سے انکار اور عبادات میں پابندی۔
- کسوف و خسوف سے مراد ہے شریعتِ سابقہ کی عبادات میں تاثیر نہ رہنا۔
- تکویرِ شمس سے مراد ہے شریعتِ محمدیہ ﷺ کا منسوخ ہوجانا۔
- انکدارِ نجم سے مراد علماءِ اسلام کا بگڑ جانا۔
- لقاء اللہ سے مراد مدعیٔ نبوتِ جدیدہ کو تسلیم کرنا۔
- ارض و سماء سے مراد ہے دل اور اس کی ترقی۔
- سحاب سے مراد ہے پہلی شریعت کی ظلمت۔
- صوم سے مراد ہے مظہرِ الٰہی کی فرمانبرداری۔
- صلوٰۃ سے مراد ہے مظہرِ الٰہی کی طرف توجہ۔
- حج سے مراد ہے مظہرِ الٰہی کا قصدِ زیارت۔
- طواف سے مراد ہے مظہر کی خدمت میں حاضر باشی۔
- حشر سے مراد ہے تابعداروں کا مظہر کے پاس جمع ہونا۔
- نشر سے مراد شریعتِ جدیدہ مان کر نئی زندگی حاصل کرنا۔
- مظہر سے مراد ہے وہ انسان جو غیریت کے سات پردے اتار کر ذاتِ باری سے متحد ہوگیا ہو۔
- نبی سے مراد وہ انسان ہے جو فرشتے کے ذریعے خدا سے تعلیم پائے۔
- رجعت سے مراد کسی کا دوبارہ پیدا ہونا۔
- بروز کے معنے ہیں رجعتِ انسانی۔
- الربّ الاعلیٰ سے مراد جناب بہاء اللہ۔
- باب سے مراد باب العلوم یا باب الوصول الی اللہ۔

فائدہ جو زنادقہ خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں وہ دینی امور کا انکار براہِ راست نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ براہِ راست انکار کرنے سے کوئی آدمی ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اس لیے ان کا انکار اس نہج پر ہوتا ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ شخص شریعت کا بڑا پابند ہے۔ اور جو بات کر رہا ہے یہ دل کو بھاتی ہے۔ واقعی جس طرح یہ کہتا ہے شریعت کا حکم اسی طرح ہوگا۔ یعنی ان کا مطلب تسلیم کے رنگ میں حقیقی احکام شریعت کا انکار ہوتا ہے۔ مثلاً:

نیچریوں کی تاویلات

- نیچریوں کے نام نہاد ریفارمر Reformer نے بھی قرآن مجید کو ماننے کا دعوے کیا تھا۔ اس نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ جس میں امت کے مسلمہ معانی کے خلاف اپنی طرف سے نئے معانی بیان کیے ہیں۔ مثلاً:
- آدم علیہ السلام کے متعلق لکھا کہ آدم وہ نہیں ہے جسے ملّا بابا آدم کہتے ہیں۔ آدم سے مراد نوعِ انسانی ہے۔
- اسی طرح انسان مجموعہ قوائے ملکوتیہ اور قوائے بہیمیہ کا نام ہے۔
- انسان خدا کا نائب ہے۔
- اسماء سے مراد قوتیں ہیں۔
- انسان کا سن ورشد کو پہنچنا دراصل یہی معرفتِ خیر وشر کے درخت کا پھل کھانا ہے۔
- انسان کا بدیوں کو چھپانا ہی جنتی درخت کے پتے ڈھانکنا ہے۔
- قرآن مجید میں غیر مقصودی (بے مقصد) کلام کثرت سے ہے۔
- ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں (قوائے ملکوتی) کے ظہور کو کہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں پیدا کی ہیں۔
- شیطان قوتِ ذہنیہ کلیہ کا نام ہے۔ اور یہی نفس امارہ ہے۔
- ابلیس قوتِ ذہنیہ کی ذریات ہے۔

- جبرائیل و میکائیل وغیرہ یہودیوں کے گھڑے ہوئے نام ہیں۔ جن کا کوئی ثبوت نہیں۔
- جبریل دراصل ملکۂ نبوت ہے۔ جو باعثِ وحی ہے۔ اسی ملکہ کو جبریل کہو یا کچھ اور۔ فرشتے دراصل کوئی وجود نہیں رکھتے۔
- روح القدس سے مراد بھی ملکۂ نبوت ہے۔
- نبوت فطری چیز ہے۔ جو دوسری قوتوں کی طرح نبیوں میں پائی جاتی ہے۔ جو فطرت کے موافق فوارہ کی طرح اچھل کر اسی پر گرتی ہے۔ اور یہی معنے ہیں نزولِ وحی کے۔
- وحی اور الہام فطری خیالات کا جوش ہے۔
- نبوت تعلیم و تربیت کا فطری ملکہ ہے۔ جس طرح انسان میں صدہا فطری ملکات ہیں۔ پھر یہ پیغمبری کسی شخص اور کسی زمانے میں منحصر نہیں۔ بلکہ ہر ملک اور ہر زمانے میں ایسے لوگ جو ریفارمر کہلاتے ہیں نبی ہیں۔ جیسے ہندوستان میں دیانند سرسوتی اور بنگالہ میں باو کیسب چندرسین اور انگلستان میں بھی ایک دو نبی ہیں۔
- نبی ریفارمر جس میں وعظ گوئی کا ملکہ ہو۔
- نبوت ہر زمانے میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ ہر قوم اور پیشہ وروں میں۔
- لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔
- طبیب بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔
- اور شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ جیسے مشہور ہے کہ جامی اور نظامی پیغمبران سخن تھے۔
- نبی کے لیے معجزہ کوئی شرط نہیں۔ معجزہ ہونا پرانے خیالات ہیں۔
- جنت خوشی کا نام ہے۔ اور قرآن شریف میں محض رغبت دلانے کے لیے حور قصور باغات اور میووں کے ساتھ تشریح کر دی گئی ہے۔ ورنہ جنت کی حقیقت کو بیان کرنا خدا کو بھی محال ہے۔

- دوزخ غمی کو کہتے ہیں۔ اور قرآن شریف میں محض خوف دلانے کے لیے آگ، زقوم، حمیم وغیرہ کے ساتھ تشریح کر دی گئی ہے۔ ورنہ جنت سے مراد انسان کا غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا ہونا ہی ہے۔
- چین سے رہنا ہی بہشت میں رہنا ہے۔
- سماء آسمان کوئی مجسم چیز نہیں۔ بلکہ بلندی جو اور وسعت مراد ہے۔ جو ہر شخص اپنے سر کے اوپر دیکھتا ہے۔ چونکہ یہ بعد غیر متناہی اور متصل بایک دیگر ہے اس لیے اس کو سبع سماوات کے ساتھ تعبیر کر دیا۔
- رسالت اب تک رسالت ہی کا وجود ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ خدا اور بندوں کے درمیان مساوات نہیں۔ جبکہ رسول (ایلچی) اور جس کی طرف ایلچی بھیجا جاتا ہے ان کے درمیان مساوات ہوتی ہے۔
- جن سے مراد وہ جنگلی قوم جو لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔
- یہ دعویٰ کہ قرآن کی مثل کوئی نہیں کر سکتا یہ اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔
- معجزہ کوئی چیز نہیں۔ خرقِ عادت سے رسالت کو کیا تعلق ہے۔
- جنت میں مسلمانوں کی خاطر قرآن مجید میں جو ہر طرح کی آسائش اور آرائش کا ذکر ہے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے ڈرامائی انداز میں اس طرح بیان کیا: اگر یہی جنت ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجے بہتر ہے۔ دراصل بہشت کی چیزیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں محض تمثیلی ہیں ان کی کچھ حقیقت نہیں اور نہ تاحال جنت اور دوزخ کا کوئی وجود ہے۔
- موسیٰؑ نے پہاڑ میں بیٹھ کر تختیوں پر تورات کو کھود لیا تھا۔
- یہ کہنا کہ بحرِ قلزم سے موسیٰؑ نے لاٹھی مار کر آپ اور اپنی قوم کو خشک پار کر دیا یہ ملاّ کی سمجھ ہے۔ جو یہودیوں کی تورات کو دیکھ کر قرآن کی تفسیروں میں لکھ مارا۔ دراصل جوار بھاٹا تھا۔

- شجرۃ الخلد کے پھل تک نہ پہنچنے کا مطلب ہے دائمی بقا نہ ہونا۔
- ھذہ الشجرۃ سے مراد عقل و تمیز کا درخت ہے۔
- ترقیٔ تجارت کے لیے جو سود بینکوں سے لیا دیا جاتا ہے۔ مجھے قرآن پاک میں اس کی حرمت کی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ فقہاء نے بلاشبہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے ایسی قیدیں لگائی ہیں جن سے ربوٰا کا حکم تجارت کی ترقی کا مانع قوی ہوگیا ہے۔

منکرین حدیث کی تاویلات

- منکرین حدیث کا کہنا ہے کہ یہ ملا اپنی طرف سے حدیثیں بنا بنا کر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر بے جا الزام تراشی کرتے ہیں۔ جبکہ ایسی باتیں عقل سے کوسوں دور ہیں' کیا قرآن مجید عقل کے خلاف بھی کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ اور اگر ملا کی یہ باتیں برحق ہوتیں تو قرآن مجید میں کیوں نہ بیان ہوتیں۔ اور خود یہ ملا قرآن شریف کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔
- اسی طرح اقیموا الصلوۃ کے معنے جو روایتی ملا کرتا ہے کہ "نماز پڑھو"۔ یہ غلط ہے۔ پھر اسی کو دین کا اہم قرار دیا جاتا ہے۔ تاکہ اسلام کے اندر میری سرداری قائم رہے۔
- اسی طرح زکوٰۃ کے معنے صفائی ستھرائی کے ہوتے ہیں۔ روایتی ملا نے اس کی آڑ میں لوگوں کی جیبیں جھاڑنی شروع کر دیں اور کہا کہ یہ حکم الٰہی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اتوا الزکوٰۃ کا مفہوم یہ تھا کہ صاف ستھرے رہو۔
- اور بعض کہتے ہیں کہ عورت کے لیے چہرے کا پردہ نہ فرض ہے' نہ واجب' اور نہ ہی سنت۔ اور کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ساری زندگی کبھی بھی کسی عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا۔ ماحول و حالات کے مطابق عورت کو چہرے کا پردہ کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ شریعت نے اس بارے کوئی پابندی نہیں لگائی۔

قادیانی تاویلات

○ متنبی پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت و مہدویت نے بھی اپنے پیش رو بے دین ملاحدہ و زنادقہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن و حدیث میں بہت سی تاویلات و تحریفات کی ہیں۔ بعض آیات کا معنی ایسا کیا جو گزشتہ تیرہ صدیوں میں بڑے بڑے مؤولین و محرفین بے دین ملاحدہ و زنادقہ کی سمجھ میں بھی نہ آئے تھے۔ مثلاً:

○ خاتم النبیین سے مراد جامع النبوات اور چانسلر۔

○ خاتم النبیین کا معنے عدیم النظیر یعنی بے مثل۔

○ خاتم کا معنی انگوٹھی اور انگوٹھی کا معنی زینت۔
اور خاتم النبیین کا معنی زینت النبیین۔

○ خاتم بمعنی مہر اور خاتم النبیین کا معنی مہر زدہ نبی۔

○ خاتم بمعنی مہر اور مہر بمعنی سند اور خاتم النبیین کا معنی سند النبیین۔

○ خاتم بمعنی نمبردار جس کے پاس تصدیقی مہر ہو۔

○ خاتم الخلفاء تمام خلافتوں کا جامع۔

○ خاتم الاولاد کا معنی ہے صرف اپنی نسل چلانے والا۔

○ جن پوشیدہ رہنے والا۔

○ ظل ماتحت رہنا۔

○ مہدی اسم علم نہیں اس لیے مسیح موعود بھی مہدی بن سکتا ہے۔

○ دجالون حق پر پردہ ڈالنے والی جماعت۔
یا ملک میں پھیلنے والی مکار اور فریبی جماعت۔

○ دجال کا مطلب ہے ایک تاجرانہ جماعت۔

○ نبی اور مرسل خدا سے دعا یا باتیں کرنے والا۔

○ برزخ کا معنی اس کی کمائی انتہا کو پہنچ گئی۔

- یاجوج ماجوج آگ سے کام لینے والا۔
- بروز کسی کی مانند اخلاق حاصل کرنا۔
- عکس فوٹو یا تصویر بننا۔
- تجدید کے معنے ہیں اسلامی تعلیم کو بدل ڈالنا۔
- قیامت کے معنے دوسرے جہان میں چلے جانا۔
- جنت کے معنے دوسرے جہان میں روحانی لذت پانا۔
- نار کے معنے دوسری دنیا میں تکلیف اٹھانا۔
- زقوم ذق انك انت العزیز الکریم کا مختصر ہے۔
- کدعہ قادیان کا نام ہے۔
- لُد (مقتل مسیح الدجال) کا معنی ہے لُدھیانہ شہر۔
- زنجبیل زنا اور جبر سے مرکب ہے۔
- خنزیر اصل میں اراہ خنزاً یعنی نجساً۔
- صلب سے مراد پیٹھ کی ہڈی توڑنا۔ اور صلیب پر مرجانا۔
- وجیهاً فی الدنیا سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر کشمیر میں سکہ رائج ہوا۔
- اٰوینٰهما الی ربوۃ سے ثابت ہوتا ہے کہ کشمیر میں مسیحؑ اور مریمؑ دونوں نے یہودیوں سے ڈر کر پناہ لی تھی۔
- اہل الذکر سے مراد اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے پادری ہیں۔
- علاوہ ازیں مرزا قادیانی نے قرآن مجید کی تیس آیتوں میں تحریف کرتے ہوئے وفاتِ مسیحؑ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان تحریفات و تاویلات سے ہزاروں جاہل متأثر ہو کر مرتد ہوگئے۔ مرزا قادیانی کی ان تحریفات کا جواب میں نے "القول الاتم فی حیاتِ عیسٰیؑ ابنِ مریمؑ" میں تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔

دعاویٔ مرزا

- کہا جاتا ہے کہ ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اپنے جھوٹے دعویٰ نبوت کو ثابت کرنے کے لیے سینکڑوں جھوٹ بولے۔ اور وہ جھوٹ اپنی کتابوں' رسالوں اور اشتہاروں میں شائع بھی کرتا رہا۔ مثلاً :
- مبشراً برسول یأتی من بعد اسمہ احمد کا مصداق میں ہوں۔ (ازالۂ اوہام طبع اول صفحہ ۶۷۳)
- مسیح موعود جن کے آنے کی خبر احادیث میں آئی ہے وہ میں ہوں۔ (ازالۂ اوہام طبع اول صفحہ ۶۶۵)
- میں مہدی معہود ہوں۔ اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔ (معیار الاخیار صفحہ ۱۱)
- ان قدمی علی منارۃ ختم علیہ کل رفعۃ۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۳۵)
- لا تقیسونی بأحد ولا احداً بی۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۹)
- میں مسلمانوں کے لیے مسیح مہدی اور ہندوؤں کے لیے کرشن ہوں۔ (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۳)
- میں امام حسینؓ سے افضل ہوں۔ (دافع البلاء صفحہ ۱۳)
- و انی قتیل الحب لکن حسینکم
قتیل العدیٰ فالفرق اجلی و اظہر
(اعجاز احمدی صفحہ ۸۱)
- یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زناکار تھیں۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵)
- یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵)
- یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے۔ اس کے پاس بجز دھوکے کے اور کچھ نہ تھا۔ (ازالۂ اوہام صفحہ ۳۰۲، ۳۲۲، ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷)

- میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لیے مخصوص ہے۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

- مجھے الہام ہوا: یاأیہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔

(معیار الاخیار صفحہ ۱۱)

- میرا منکر کافر ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳)
- میرے منکروں بلکہ متأملوں کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں۔

(فتاوی احمدیہ اول)

- مجھے خدا نے کہا اسمع ولدی اے میرے بیٹے سن۔ (البشریٰ صفحہ ۴۹)
- لولاک لما خلقت الافلاک۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۹)
- میرا الہام ہے: وما ینطق عن الھویٰ (اربعین صفحہ ۳)
- وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۲)
- انک لمن المرسلین۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۷)
- أتانی ما لم یؤت احداً من العالمین۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۷)
- اللہ معک یقوم این ما قمت۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷۱)
- مجھے حوض کوثر ملا ہے۔ انا اعطیناک الکوثر۔

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۸۵)

- میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہو بہو اللہ ہوں۔ رئیتنی فی المنام عین اللہ وتیقنت انی ھو۔ فخلقت السموٰت والارض۔

(آئینہ کمالات مرزا صفحہ ۵۶۴، ۵۶۵)

- میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں۔ (فتاوی احمدیہ صفحہ ۷)

فائدہ مرزا قادیانی کے سینکڑوں بے بنیاد دعووں میں سے نمونہ کے طور پر چند دعووں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ اگر اس کے دعووں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب کی شکل بن جائے گی۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

اہل الذکر کی تعیین میں علماء کا اختلاف

○ اس میں شک نہیں کہ اہل الذکر کے مصداق کی تعیین میں علماء اسلام کا باہم اختلاف ہے۔ لیکن مرزا قادیانی نے تمام امت سے مختلف معنے کرتے ہوئے اہل الذکر سے مراد پادری وغیرہ بیان کیے ہیں۔ حالانکہ امت محمدیہ ﷺ میں سے کسی عالم یا مفسر یا محدث نے یہ معنی نہیں کیا۔

○ یاد رہے کہ اہل الذکر کی تفسیر میں علماء مفسرین کے کئی قول ہیں:

① بعض اہل کتاب مراد لیتے ہیں ② بعض اہل قرآن

③ بعض اہل توراۃ ④ بعض علماء یہود و نصاریٰ۔ اور

⑤ بعض نمیبث اہل علم، اہل تدبر، صاحب بصیرت، منصف مزاج اہل ایمان مراد لیتے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ البتہ:

○ ابن زید سے مروی ایک روایت میں آتا ہے کہ اہل الذکر سے مراد اہل قرآن ہیں۔ لیکن وہ بے سند ہے۔ اسی لیے صاحب بحر محیط نے جلد ۶ صفحہ ۲۹۸ میں ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: وقیل ھم اھل القرآن۔

○ اسی طرح امیرالمؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت ہے کہ آپ نے اپنے متعلق: نحن اھل الذکر۔ کے الفاظ استعمال فرمائے۔ لیکن یہ صحیح سند سے ثابت نہیں۔ بلکہ اس کا راوی جابر جعفی ہے۔ جس کی بابت حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ یہ کذاب ہے۔ لہٰذا یہ قول صحیح نہیں۔

○ نیز اہل الذکر سے اہل القرآن مراد لینا اس لیے بھی درست نہیں کہ مشرکین تو مسلمانوں کے دشمن تھے۔ ان سے سوال کرنا بے معنی ہے۔ جیسا کہ بحوالہ ابن عطیہ، صاحب بحر محیط نے فرمایا ہے: لا یصلح ان یکون المسئول اھل القرآن فی ذلک الوقت لانھم کانوا خصومھم۔ کہ اس وقت اہل قرآن کو مسئول ہونا مناسب نہ تھا۔ کیونکہ اہل قرآن تو مشرکین کے دشمن تھے۔ تو وہ اہل القرآن کی بات سے ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

○ نیز حضرت امام رازیؒ نے لا یبعد کہہ کر کلام چلائی ہے تو اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ یہ ضعف کے مقام پر بولا جاتا ہے۔ اس لیے یہ بات تو محقق ہے کہ اہل الذکر سے مطلق اہلِ قرآن ہرگز مراد نہیں۔

مرزا قادیانی کی تحریف

○ مرزا قادیانی نے فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۱ : ۷) میں تحریف کرتے ہوئے اس آیت کو وفاتِ عیسیٰؑ کی دلیل بنایا ہے۔ اور اس آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: "اگر تمھیں ان بعض امور (اشکال) کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں' تو اہلِ کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی کتابوں کے واقعات پر نظر ڈالو"۔ تو گویا مرزا قادیانی یہ کہنا چاہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب پر موت واقع ہونا' اور تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھنا اور پھر آسمان پر چلے جانا اور خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھ جانا اور خدائی میں "خداوند باپ" کا شریک ہونا' یعنی جو کچھ بھی بائیبل میں لکھا ہوا ہے اسے من وعن تسلیم کرکے تمام مرزائیوں کو اعتقادی طور پر عیسائی ہو جانا چاہیے۔

○ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے منکرین کو اہلِ علم و صاحبِ بصیرت لوگوں سے یہ بات دریافت کرنے کا مشورہ دیا ہے کہ ان سے پہلے جو رسول آئے وہ انسان ہی ہوا کرتے تھے یا وہ نوری فرشتے ہوتے تھے۔ کیونکہ ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ تصور نہایت پختگی کے ساتھ جاگزیں تھا کہ رسول کوئی نوری مخلوق یا فرشتہ ہوتا ہے' انسان رسول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس خاکی انسان پر وحی الٰہی کا نزول نہیں ہو سکتا' نوری مخلوق ہی وحی الٰہی کی متحمل ہو سکتی ہے اور یہ کام بشر کے بس سے باہر ہے۔

○ مرزا قادیانی نے قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ کا ایک جملہ لکھ کر اس آیت کا غلط معنی کرکے لوگوں کو عیسائیت کی ترغیب دینے کی بھونڈی کوشش کی ہے۔ جبکہ پوری آیتِ مبارکہ اس طرح ہے:

قرآن وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۱ : ۷)

- اللہ تعالیٰ اس آیتِ کریمہ کے شروع میں واؤ استینافیہ بیانیہ لائے ہیں جو سوال مقدر کے جواب میں لائی جاتی ہے۔ اور چونکہ اس مقام پر مشرکینِ مکہ کا سوال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے رسول کو انسان نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ انسان لوازماتِ بشریت سے متصف ہوتا ہے' بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے' کھاتا پیتا ہے اور شادی بیاہ کرتا ہے۔ جبکہ فرشتہ یا ایسی کسی نوری مخلوق میں یہ لوازماتِ بشریت نہیں پائے جاتے۔ اس لیے کسی نوری مخلوق کو رسول ہونا چاہیے جو ان عیوب سے پاک ہو۔ چنانچہ:
- مشرکین کے انہی لغو تصورات اور عقائد و نظریات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا:

ترجمہ یا رسول اللہ! ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ سب آدمی ہی ہوتے تھے' جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

- اس کے بعد منکرینِ رسالت اور مشرکین کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۱ : ۷) کہ اے منکرینِ رسالت! یہ تو ایسی واضح حقیقت ہے کہ کسی شخص کو بھی اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اس بات سے تو سب ہی واقف ہیں' لیکن اگر تمہیں اتنی آسان بات بھی معلوم نہیں اور تم اتنا بھی نہیں جانتے تو پھر اہلِ علم سے ہی پوچھ لو کہ کیا پہلے رسول بھی بشر ہی ہوا کرتے تھے یا وہ فرشتے یا کوئی اور نوری مخلوق ہوا کرتے تھے۔ اگرچہ اس آیت میں مسئول عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ مگر اس آیتِ کریمہ کے ابتدائی جملہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر مسئول عنہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جانے والا "رسول" انسان ہوتا ہے یا فرشتہ یا کوئی دوسری نوری مخلوق؟

- لیکن مرزا قادیانی نے اس آیت کا جو معنی کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل قرآن خواہ صحابہؓ ہوں یا من بعد ہم تمام مسلمانوں کو عقائد و اعمال سے متعلق ہر اس معاملے میں عیسائیوں اور یہودیوں کے پادریوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس میں مسلمانوں کو کسی قسم کا تردد ہو۔ حالانکہ یہ بات سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ :

- اول تو اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو نہیں بلکہ مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمھیں یقین نہیں آتا تو اپنے معتمد علیہ اہل الذکر سے پوچھ لو۔

- دوسرے یہ کہ دینی امور سے متعلق ہر بات بھی اہلِ کتاب سے دریافت کرنے کو نہیں کہا' اور نہ ہی خود مرزا قادیانی اہلِ کتاب کی ہر بات کو مانتا ہے۔

- اور یہ بھی ممکن ہے کہ "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" کے مصداق بظاہر تو مرزا نے یہی رٹ لگائے رکھی تھی کہ حضرت عیسٰیؑ صلیب پر سے زندہ ہی اتار لیے گئے تھے اور پھر مرہم عیسٰی کے استعمال سے تندرست ہو کر کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور ایک سو بیس برس کے ہو کر انھوں نے وفات پائی۔ لیکن فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ کا جو معنی مرزا نے کیا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلیب پر موت کے واقع ہونے کا جو تصور عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں مشہور ہے اسی پر مرزا کا ایمان ہے۔

- بہرحال یہ آیتِ کریمہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی موت و حیات سے متعلق نہیں ہے' اگر اس آیت کا تعلق حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ہے تو وہ صرف اتنا ہے کہ نہ صرف حضرت عیسٰی علیہ السلام بلکہ تمام انبیاءِ کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام انسان اور مرد ہوا کرتے تھے اور پیغامِ رسالت کو قوم کے سامنے مردانگی سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاحِ انسانیت کے لیے بذریعۂ وحی پیغام نازل ہوتے تھے۔

اہل الذکر سے مُراد پادری نہیں

○ نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منکرین رسالت کو تحریف شدہ انجیل اور محرف انجیل پادریوں سے مسئلہ دریافت کرنے کیلئے ہرگز مشورہ نہیں دیا۔ بلکہ "اہل الذکر" سے پوچھنے کو کہا ہے۔ یہودی اور عیسائی علماء سے مسائل معلوم کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیا۔ نیز یہودی اور عیسائی علماء اور پادریوں کو "اہل الذکر" کہنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ :

○ سید الانبیاء و آخر الرسل و الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اور پوپ پادریوں سے کسی بھی قسم کے مسائل دینیہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں تاریخی واقعات سے متعلق کسی قسم کا استفسار کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ :

اہل کتاب سے سوال کی ممانعت

○ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ فَإِنَّهُ لَنْ يَهْدُوكُمْ وَقَدْ ضَلُّوا فَإِمَّا أَنْ تُصَدِّقُوا بِبَاطِلٍ أَوْ تُكَذِّبُوا بِحَقٍّ فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ مُوسَىٰ حَيًّا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ مَا حَلَّ لَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۳۸) کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے دینی امور کے ساتھ متعلق کوئی چیز بھی نہ پوچھا کرو۔ کیونکہ وہ تمھیں کبھی سیدھا راستہ نہ بتائیں گے۔ جبکہ وہ تو خود بھی گم کردہ راہ اور بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس لیے جب تم ان اہل کتاب سے کوئی بات پوچھو گے تو اس میں دو طرح کا احتمال ہوسکتا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ وہ تمھیں جھوٹی اور من گھڑت بات بتادیں اور تم ان کی بتلائی ہوئی اس باطل اور غلط بات کی تصدیق کردو گے اور سمجھو گے کہ یہی حقیقت ہے تو اس طرح تمھارے ایمان میں خلل واقع ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ وہ لوگ تمھیں حقیقی اور سچا واقعہ بتائیں لیکن وہ

تمھاری سمجھ میں نہ آئے' جس کی وجہ سے تم ایسی بات کا انکار اور تکذیب کر بیٹھو گے' سو یہ بھی غلط ہے۔

○ اس لیے تمھیں چاہیے کہ صرف ان باتوں پر ایمان لاؤ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں' یا میں تمھیں بتلاتا ہوں۔ کیونکہ میری اتباع تم پر فرض ہے۔ بلکہ اب اگر تمھارے درمیان حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انھیں بھی میری اتباع کے بغیر کوئی کام حلال نہ ہوتا۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ ذی شان سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ "اہل الذکر" سے مراد یہود و نصاریٰ نہیں' بلکہ منیب اہل علم اور اہلِ تدبر و صاحب بصیرت منصف مزاج اہل ایمان مراد ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اوصافِ حمیدہ کسی مؤمن میں ہی ہوسکتے ہیں۔ کافر ان اوصاف کا اہل ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ:

○ مؤمنین کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولیعلم الذین اوتوا العلم انه الحق من ربك فیؤمنوا به فتخبت له قلوبهم و ان الله لهاد الذین اٰمنوا الی صراط مستقیم (الحج-۲۲: ۵۴) کہ جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کو اور یقین ہوجائے کہ وحی برحق ہے تمھارے رب کی طرف سے اتری ہے۔ اور یہ سمجھ کر اپنے اس ایمان پر پختہ رہیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑائیں گے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان مومنوں کو سیدھا راستہ دکھاتا رہتا ہے۔

○ اور کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا یزال الذین کفروا فی مریة منه حتیٰ تاتیهم الساعة بغتة او یاتیهم عذاب یوم عقیم (۲۲: ۵۵) اور یہ ڈھیٹ کافر تو قرآن مجید کی طرف سے ہمیشہ شک ہی میں پڑے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ایک بڑے منحوس دن کا عذاب یکایک ان پر آنازل ہو۔

○ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انهم قوم لا یفقهون (الْاَنْفَال - ۸: ۶۵) یعنی کافر تو ایسی قوم ہے جو سمجھتی ہی نہیں۔

○ ان آیاتِ کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ: "اہل الذکر" سے مراد نہ یہود نصاریٰ ہیں اور نہ دیگر کفار۔ بلکہ منیب اہلِ علم اور اہلِ تدبر و صاحب بصیرت منصف مزاج اہلِ ایمان مراد ہیں۔ جیسا کہ:

○ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو پہلے اہلِ کتاب یہودی تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھ عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کو "اہل الذکر" کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ نیز خود حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں فرمایا: انا من اهل الذکر (بحر محیط جلد ۶ صفحہ ۲۹۸)

○ اور اسی صورت میں یہ آیت جوازِ تقلید کی دلیل بھی بن سکتی ہے۔ جیسا کہ علماء کرام نے اس آیت سے تقلید کا مسئلہ مستنبط فرمایا ہے۔

فائدہ قادیانی کہتے ہیں کہ ہم اصلی مسلمان ہیں اور دوسرے سرکاری مسلمان ہیں۔ اور اپنے دعویٰ کے لیے قرآنی آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور کلمہ پڑھتے ہیں اور قبلہ رخ ہو کر نماز بھی پڑھتے ہیں اور تہجد نوافل اور درود کے پابند ہیں۔ اس فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مناظرے بھی کیے۔ اور ان کے خلاف بے شمار کتابیں رسالے تصنیف کیے۔ اور اس فرقہ کے علماء نے قرآن مجید اور حدیثوں کی شرح بھی کی اور یہ لوگ پابندیوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح حج کرنے بھی چلے جاتے ہیں۔ اور نکاح بھی اسلامی طریقے سے کرتے ہیں۔ اور غیر اللہ کو پکارتے بھی نہیں۔ اور نہ ہی غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ محض حیاتِ مسیح کے انکار، ترکِ جہاد اور دعوئ نبوت و مہدیت کے باعث پوری امتِ محمدیہ کے علماء نے ان کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کا مقالہ

○ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کا یہ مقالہ قادیانیوں اور دُوسرے کافروں کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے موضوع پر مشتمل ہے۔ جو دراصل حضرت لدھیانوی کی ایک پُر مغز تقریر ہے' جو آپ نے دبئی کی مسجد شیوخ میں یکم اکتوبر ۱۹۸۵ء کو بعد نمازِ عشاء فرمائی۔ اور اسے محترم منظور احمد الحسینی صاحب نے مرتب کیا اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان نے اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

○ حضرات! اس وقت مجھے بہت اختصار کے ساتھ چند باتیں گذارش کرنی ہیں۔ قادیانیوں اور دوسرے کافروں کے درمیان کیا فرق ہے؟ سب سے پہلے مجھے ایک سوال کا جواب دینا ہے۔ اور یہ سوال ہمارے بہت سے بھائیوں کے ذہن کا کانٹا بنا ہوا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ مان لیا جائے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ لیکن دنیا میں غیر مسلم تو اور بھی بہت ہیں۔ یہودی ہیں' عیسائی ہیں' ہندو ہیں' سکھ ہیں فلاں ہیں فلاں ہیں لیکن یہ کیا بات ہے کہ قادیانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مستقل تنظیم اور مستقل جماعت موجود ہے جس کا نام "عالمی مجلس ختم نبوت" ہے۔ جس نے یہ فرض اپنے ذمہ لے رکھا ہے کہ جہاں جہاں قادیانی پہنچے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد اور اپنے مسلمان بھائیوں کے تعاون کے ساتھ وہاں پہنچتے ہیں اور قادیانیوں کو بے نقاب کرتے ہیں' کسی اور کافر فرقہ کے مقابلے میں ایسی مستقل اور عالمی تنظیم موجود نہیں' تو آخر کیا بات ہے کہ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے لے کر شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ تک اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے لے کر حضرت اقدس مولانا مفتی محمودؒ تک سب اکابر نے قادیانی کفر کو اتنی اہمیت دی اور اس کے

تعاقب کے لیے عالمی سطح کی تنظیم "مجلس تحفظ ختم نبوت" قائم کی گئی۔۔۔
سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانیوں میں اور دوسرے غیر مسلموں میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب عرض کرنے سے پہلے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

○ آپ کو معلوم ہے کہ شریعت میں شراب ممنوع ہے شراب کا پینا' اس کا بنانا' اس کا بیچنا تینوں حرام ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ شریعت میں خنزیر حرام اور نجس العین ہے۔ اس کا گوشت فروخت کرنا' لینا دینا' کھانا پینا قطعی حرام ہے۔ یہ مسئلہ سب کو معلوم ہے۔ اب ایک آدمی وہ ہے جو شراب فروخت کرتا ہے یہ بھی مجرم ہے' اور ایک دوسرا آدمی ہے جو شراب فروخت کرتا ہے اور مزید ستم یہ کرتا ہے کہ شراب پر زمزم کا لیبل چپکاتا ہے۔ یعنی شراب بیچتا ہے اس کو زمزم کہہ کر مجرم دونوں ہیں۔ لیکن ان دونوں مجرموں کے درمیان کیا فرق ہے؟ وہ آپ خوب سمجھتے ہیں۔

○ اسی طرح ایک آدمی خنزیر فروخت کرتا ہے مگر اس کو خنزیر کہہ کر فروخت کرتا ہے۔ وہ صاف کہتا ہے کہ یہ خنزیر کا گوشت ہے جس کو لینا ہے لے جائے اور جو نہیں لینا چاہتا وہ نہ لے۔ یہ شخص بھی خنزیر بیچنے کا مجرم ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں ایک اور شخص ہے جو خنزیر اور کتے کا گوشت فروخت کرتا ہے بکری کا گوشت کہہ کر۔ مجرم وہ بھی ہے اور مجرم یہ بھی' مجرم دونوں ہیں۔ لیکن ان دونوں کے جرم کی نوعیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک حرام کو بیچتا ہے حرام کے نام سے' دوسرا حرام بیچتا ہے حلال کے نام سے۔ جس سے ہر شخص کو دھوکہ ہو سکتا ہے اور وہ اس کے ہاتھ سے خنزیر کا گوشت خرید کر اور اسے حلال اور پاک سمجھ کر کھا سکتا ہے۔ پس جو فرق خنزیر کو خنزیر کہہ کر بیچنے والے کے درمیان اور خنزیر کو بکری یا دنبہ کہہ کر بیچنے والے کے درمیان ہے۔ ٹھیک وہی فرق یہودیوں' عیسائیوں' ہندوؤں' سکھوں کے درمیان اور قادیانیوں کے درمیان ہے۔

کفر ہر حال میں کفر ہے۔ اسلام کی ضد ہے۔ لیکن دنیا کے دوسرے کافر اپنے کفر پر اسلام کا لیبل نہیں چپکاتے اور لوگوں کے سامنے اپنے کفر کو اسلام کے نام سے پیش نہیں کرتے مگر قادیانی اپنے کفر پر اسلام کا لیبل چپکاتے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ اسلام ہے۔ یہ میں نے عام فہم انداز میں بات سمجھائی ہے۔ اب علمی انداز میں اس بات کو سمجھاتا ہوں۔

یوں تو کفر کی بہت سی قسمیں ہیں مگر کفر کی تین قسمیں بالکل ظاہر ہیں۔ ایک کافر وہ ہے جو علانیہ کافر ہو' ایک کافر وہ ہے جو اندر سے کافر ہو اور اوپر سے اپنے آپ کو مسلمان کہے' اور ایک کافر وہ ہے جو اپنے کفر کو اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرے' پہلی قسم کے کافر کو مطلق کافر کہتے ہیں۔ اس میں یہودی' عیسائی' ہندو وغیرہ سب داخل ہیں۔ مشرکینِ مکہ بھی اسی میں داخل تھے۔ یہ کھلے اور پکے کافر ہیں۔

دوسری قسم والے کو منافق کہتے ہیں جو زبان سے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہتا ہے مگر دل کے اندر کفر چھپاتا ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ منافق جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔

منافقوں کا کفر عام کافروں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ انھوں نے کفر اور جھوٹ کو جمع کیا' پھر یہ کہ انھوں نے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر کفر اور جھوٹ کا ارتکاب کیا۔ حضرت امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں ابراہیم بن علیہ کا ہر چیز میں مخالف ہوں حتیٰ کہ اگر وہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھے اس میں بھی اس کا مخالف ہوں۔ مطلب یہ کہ

بعض لوگ جھوٹ میں اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ وہ کلمہ طیبہ میں بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر وہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھیں تب بھی وہ جھوٹے ہیں اور ان کا کلمہ بھی جھوٹ کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ ان منافقوں سے بڑھ کر تیسری قسم والوں کا جرم ہے کہ وہ کافر ہیں مگر اپنے کفر کو اسلام کہتے ہیں۔ ہے خالص کفر' لیکن یہ اس کو اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن کریم کی آیات سے' احادیث طیبہ سے' صحابہؓ کے ارشادات سے اور بزرگان دین کے اقوال سے توڑ موڑ کر اپنے کفر کو اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو شریعت کی اصطلاح میں "زندیق" کہا جاتا ہے۔ پس یہ کل تین ہوئے۔ ایک کھلا کافر' دوسرا منافق' تیسرا زندیق۔۔۔۔۔ پس اوپر کی تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ کافر وہ ہے جو ظاہر و باطن سے خدا اور رسول کا منکر یا علانیہ کفر کا مرتکب ہو۔

- منافق وہ ہے جو دل کے اندر کفر چھپائے ہوئے ہو اور زبان سے جھوٹ موٹ کلمہ پڑھتا ہو۔
- زندیق وہ ہے جو اپنے کفر پر اسلام کا ملمع کرے اور اپنے کفر کو عین اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرے۔
- اب ایک مسئلہ اور سمجھیے۔ ہماری کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے اور چاروں فقہوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو کر مرتد ہو جائے' نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ اسلام سے پھر جائے۔ اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے۔ اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسے سمجھایا جائے اگر بات اس کی سمجھ میں آجائے اور وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائے تو بہت اچھا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی زمین کو اس کے وجود سے پاک کر دیا جائے۔ یہ مسئلہ "قتل مرتد" کا مسئلہ کہلاتا ہے اور اس میں چاروں ائمہ دین میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

مرتد کی سزا

○ تمام مہذب ملکوں، حکومتوں اور مہذب قوانین میں باغی کی سزا موت ہے اور اسلام کا باغی وہ ہے جو اسلام سے مرتد ہو جائے۔ اس لیے اسلام میں مرتد کی سزا موت ہے۔ لیکن اس میں بھی اسلام نے رعایت دی ہے۔ دوسرے لوگ باغیوں کو کوئی رعایت نہیں دیتے۔ گرفتار ہونے کے بعد اگر اس پر بغاوت کا جرم ثابت ہو جائے تو سزائے موت نافذ کر دیتے ہیں۔ وہ ہزار معافی مانگے، توبہ کرے اور قسمیں کھائے کہ آئندہ بغاوت کا جرم نہیں کروں گا۔ اس کی ایک نہیں سنی جاتی اور اس کی معافی ناقابلِ قبول سمجھی جاتی ہے۔ اسلام میں بھی باغی یعنی مرتد کی سزا قتل ہے۔ مگر پھر بھی اتنی رعایت ہے کہ تین دن کی مُہلت دی جاتی ہے۔ اس کو تلقین کی جاتی ہے کہ توبہ کر لے، معافی مانگ لے تو سزا سے بچ جائے گا۔ افسوس ہے کہ پھر بھی اسلام میں مرتد کی سزا پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

○ اگر امریکہ کے صدر کا باغی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرے اور اس کی سازش پکڑی جائے تو اس کی سزا موت ہے اور اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ روس کی حکومت کا تختہ الٹنے والا پکڑا جائے یا جنرل ضیاء الحق کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والا پکڑا جائے تو اس کی سزا موت ہے اور اس پر دنیا کے کسی مہذب قانون اور کسی مہذب عدالت کو کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی پر اگر سزائے موت جاری کی جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ سزا نہیں ہونی چاہیے۔

○ اسلام تو باغی مرتد کو پھر بھی رعایت دیتا ہے کہ اسے تین دن کی مُہلت دی جائے۔ اس کے شبہات دور کیے جائیں اور کوشش کی جائے کہ وہ دوبارہ مسلمان ہو جائے۔ معافی مانگ لے تو کوئی بات نہیں اس کو معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر تین دن کی مُہلت اور کوشش کے بعد بھی وہ اپنے

ارتداد پر اڑا رہے توبہ نہ کرے تو اللہ کی زمین کو اس کے وجود سے پاک کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ ناسور ہے۔

○ خدا نخواستہ کسی کے ہاتھ میں ناسور ہو جائے تو ڈاکٹر اس کا ہاتھ کاٹ دیتے ہیں۔ اگر انگلی میں ناسور ہو جائے تو انگلی کاٹ دیتے ہیں اور سب دنیا جانتی ہے کہ یہ ظلم نہیں، بلکہ شفقت ہے۔ کیونکہ اگر ناسور کو نہ کاٹا گیا تو اس کا زہر پورے بدن میں سرایت کر جائے گا جس سے موت یقینی ہے' پس جس طرح پورے بدن کو ناسور کے زہر سے بچانے کے لیے ناسور کو کاٹ دینا ضروری ہے اور یہی دانائی اور عقلمندی ہے۔ اسی طرح ارتداد بھی ملّتِ اسلامیہ کے لیے ایک ناسور ہے۔ اگر مرتد کو توبہ کی تلقین کی گئی۔ اس کے باوجود اس نے اسلام میں دوبارہ آنے کو پسند نہیں کیا تو اس کا وجود ختم کر دینا ضروری ہے۔ ورنہ اس کا زہر رفتہ رفتہ ملّتِ اسلامیہ کے پورے بدن میں سرایت کر جائے گا۔

○ الغرض مرتد کا حکم ائمۂ اربعہ کے نزدیک اور پوری امت کے علماء اور فقہاء کے نزدیک یہی ہے کہ جو میں عرض کر چکا ہوں اور یہی عقل و دانش کا تقاضا ہے اور اسی میں امت کی سلامتی ہے۔

زندیق کا حکم

○ اور زندیق جو اپنے کفر کو اسلام ثابت کرنے پر تلا ہوا ہو۔ اس کا معاملہ مرتد سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ امام شافعیؒ اور مشہور روایت میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا حکم بھی مرتد کا ہے۔ یعنی اس کو موقع دیا جائے گا کہ وہ توبہ کر لے' اگر تین دن میں اس نے توبہ کر لی تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا' اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ بھی واجب القتل ہے۔ پس ان حضرات کے نزدیک تو مرتد اور زندیق دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ لیکن:

○ امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ "قبل توبۃ الزندیق" میں زندیق کی توبہ قبول

نہیں کروں گا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں اگر پتہ چل جائے کہ یہ زندیق ہے۔ اپنے کفر کو اسلام ثابت کرتا ہے اور پکڑا جائے پھر کہے کہ جی! میں توبہ کرتا ہوں۔ آئندہ میں ایسی حرکت نہیں کروں گا تو اس کی توبہ کا قبول کرنا نہ کرنا اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔ ہم تو اس پر قانون سزا نافذ کریں گے۔ اس کے وجود کو باقی نہیں رکھیں گے۔ جیسے :

○ زنا کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ بہر حال اس پر سزا جاری کی جاتی ہے۔ چاہے آدمی توبہ ہی کرلے۔ (خواہ خود اقرارِ جرم کرلے یا شہادت کے بعد) یا جیسا کہ چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا ملتی ہے اور یہ سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ کوئی شخص چوری کرنے اور پکڑے جانے کے بعد توبہ کرلے تب بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اسی طرح امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ "لا اقبل توبۃ الزندیق" کہ میں زندیق کی توبہ قبول نہیں کرتا۔ یعنی زندیق کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوگی اس پر سزائے موت لازماً جاری کی جائے گی خواہ ہزار بار توبہ کرلے۔ اور یہی ایک روایت ہمارے امام ابو حنیفہؒ سے اور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی منقول ہے۔

○ لیکن درمختار، شامی اور فقہ کی دوسری کتابوں میں ہے کہ اگر کوئی زندیق از خود آکر توبہ کرلے۔ مثلاً کسی کو پتہ نہیں تھا کہ یہ زندیق ہے۔ اسی نے خود ہی اپنے زندقہ کا اظہار کیا اور اس نے توبہ بھی کی تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ اسی طرح اگر یہ تو معلوم تھا کہ یہ زندیق ہے مگر اس کو گرفتار نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالےٰ نے اس کو ہدایت دے دی اور وہ اپنے آپ آکر تائب ہوگیا اور اپنے زندقہ سے توبہ کرلی۔ جی! میں مرزائیت سے توبہ کرتا ہوں تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اس پر سزائے ارتداد جاری نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرتا ہے تو توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ چاہے سو دفعہ توبہ کرے۔

مرتد اور زندیق میں فرق

○ تو مرتد کے لیے توبہ کی تلقین کا حکم ہے اگر وہ توبہ کرلے تو سزا سے بچ جائے گا۔ لیکن زندیق کے بارے میں امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور ایک روایت میں احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہیں۔ کیونکہ اس نے زندقہ کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ یعنی کفر کو اسلام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتے کا گوشت بکری کے نام سے فروخت کیا ہے۔ شراب پر زمزم کا لیبل چپکایا ہے' یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ اس پر قتل کی سزا ضرور جاری ہوگی۔ تو یہ بات۔۔۔۔۔ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ مرزائی زندیق ہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کافر ہیں۔ قطعاً کافر ہیں۔ جس طرح کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" میں شک نہیں کہ یہ ہمارا کلمہ ہے اور جو اس میں شک کرے وہ مسلمان نہیں۔

○ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کے کافر ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں' کوئی شک نہیں' اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی مسلمان نہیں۔ اس وقت مجھے یہ نہیں بتانا ہے کہ وہ کیوں کافر ہیں' ان کے کافر ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟ مجھے تو یہ بتانا ہے کہ وہ کافر اور پکے کافر ہونے کے باوجود اپنے کفر کو اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:

○ جی! ہم تو "جماعت احمدیہ" ہیں' ہم تو "مسلمان" ہیں' لندن میں اپنی بستی کا نام رکھا ہے "اسلام آباد"۔ اور کہتے ہیں کہ جی ہم تو اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ جب بھی کسی مسلمان سے بات کرتے ہیں تو یہ کہہ کر دھوکا دیتے ہیں کہ جی! مولوی تو ویسے ہی باتیں کرتے ہیں' دیکھو ہم نماز پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' یہ کرتے ہیں' وہ کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں۔ جی! ہمارے تو شرائط بیعت میں لکھا ہوا ہے کہ میں صدق دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا ہوں۔

مرزائی کیوں زندیق ہیں؟

○ تو مرزائی زندیق ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے کفر پر اسلام کو ڈھالتے ہیں۔ وہ شراب اور پیشاب پر نعوذ باللہ زمزم کا لیبل چپکاتے ہیں۔ وہ کتے کا گوشت حلال ذبیحہ کے نام سے فروخت کرتے ہیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ مسلمانوں کا وہ عقیدہ ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ "ایھا الناس انا اٰخر الانبیاء وانتم اٰخر الامم" "لوگو! "میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو"۔ دو سو سے زیادہ احادیث ایسی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف عنوانات سے مختلف طریقوں سے مختلف اسلوبوں سے مختلف انداز سے ختم نبوت کا مسئلہ سمجھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔

آخری نبی کا مفہوم

○ یہ مطلب نہیں کہ پہلے کا کوئی نبی زندہ نہیں اگر بالفرض پہلے کے سارے نبی آجائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں۔ اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم بن جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی آخری نبی ہیں۔ کیونکہ آپؐ کے بعد کسی کو نبوت نہیں دی گئی۔ انبیاء کرامؑ کے ناموں کی جو فہرست اللہ تعالٰی کے علم میں تھی اس میں آخری نام نامی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آپؐ کی تشریف آوری سے انبیاء کرامؑ کی وہ فہرست مکمل ہوگئی۔

آخری نبی اور آخری اولاد کا مفہوم

○ جس بچے کو ماں باپ کی آخری اولاد کہا جائے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ہاں سب اولاد کے بعد پیدا ہوا۔ اس کے بعد کوئی بچہ ان ماں باپ کے ہاں پیدا نہیں ہوا۔ آخری اولاد کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ

وہ سب اولاد کے بعد تک زندہ بھی رہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پیدا بعد میں ہوتا ہے لیکن انتقال اس کا پہلے ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود آخری اولاد کہلاتا ہے۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ میری آخری اولاد وہ بچہ تھا جو انتقال کر گیا۔

○ آخری نبی یا خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے سر پر تاج نبوت نہیں رکھا جائے گا۔ اب کوئی شخص نبوت کی مسند پر قدم نہیں رکھے گا۔ جو پہلے نبی بنا دیے گئے ان پر تو ہمارا پہلے سے ایمان ہے۔ وہ ہمارے ایمان میں پہلے سے داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص خلعت نبوت سے سرفراز نہیں ہوگا اور نہ امت کو ایسے نبی پر ایمان لانا ہوگا۔

خاتم النبیین میں قادیانیوں کی تحریف

○ لیکن قادیانی مرزائی کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کا یہ مطلب نہیں کہ آپ، آخری نبی ہیں' نہ یہ کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے' بلکہ یہ مطلب ہے کہ آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے نبی بنا کریں گے۔ ٹھپا لگتا ہے اور نبی بنتا ہے (حماقت تو دیکھیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھپے سے چودہ سو سال کی امت میں نبی بنا بھی تو صرف ایک' اور وہ بھی بھینگا اور ٹنڈا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نے صرف ایک نبی بنایا۔ (اور وہ بھی صرف قادیانی اعور دجال نعوذ باللہ)

○ الغرض خاتم النبیین کے معنی یہ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کی آمد سے نبیوں کی آمد بند ہو گئی۔ ان پر مہر لگ گئی۔ اب کوئی نبی نہیں بنے گا۔ لفافہ بند کر کے لفافے پر مہر لگا دیتے ہیں۔ جس کو "سیل کرنا" کہتے ہیں۔ ختم کے معنی "سیل کر دینا" خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی آمد سے نبیوں کی فہرست سربمہر کر دی گئی۔ اب نہ تو اس فہرست سے کسی کو

نکالا جاسکتا ہے اور نہ اس میں کسی اور کا نام داخل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مرزائیوں نے اس میں یہ تحریف کی کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں نبوت کے پروانوں کی تصدیق کرنے والا۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ جو کاغذ پر دستخط کرکے نیچے والے مہر لگا دیا کرتے ہیں کہ کاغذ کی تصدیق ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی معنوں میں خاتم النبیین ہیں۔ یعنی نبیوں کے پروانوں پر مہر لگا لگا کر نبی بناتے ہیں۔ پہلے نبوت اللہ تعالیٰ خود دیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ محکمہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مہریں لگائیں اور نبی بنائیں۔

○ یہ ہے زندقہ' کہ نام اسلام کا لیتے ہیں' لیکن اپنے کفریہ عقائد پر قرآن کریم کی آیات کو ڈھالتے ہیں۔ اسی طرح کے ان کے بہت سے کفریہ عقائد ہیں جن کو یہ اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ کہنا یہ ہے یہ مرزائی زندیق ہیں کہ عقائد ایسے رکھتے ہیں جو اسلام کی روسے خالص کفر ہیں۔ لیکن یہ اپنے کفریہ عقائد کو اسلام کا نام دیتے ہیں اور قرآن و حدیث کو اپنے کفریہ عقائد پر ڈھالنے کے لیے ان کی تحریف کرتے ہیں۔ یہ خنزیر اور کتے کا گوشت بیچتے ہیں مگر حلال ذبیحہ کہہ کر' اور شراب بیچتے ہیں۔ مگر زمزم کا لیبل چپکا کر۔

○ اگر یہ لوگ اپنے دین و مذہب کو اسلام کا نام نہ دیتے بلکہ صاف صاف کہہ دیتے کہ ہمارا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تو واللہ العظیم ہمیں ان کے بارے میں اس قدر متفکر ہونے کی ضرورت نہ ہوتی۔

بہائی مذہب

○ دنیا میں بہائی ٹولہ بھی موجود ہے۔ وہ ایران کے بہار اللہ کو رسول مانتا ہے۔ وہ دنیا میں موجود ہے۔ ہم ان کو بھی کافر سمجھتے ہیں لیکن انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اسلام کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ نہیں' ہمارا دین' اسلام سے الگ ہے۔ سو بات ختم ہوگئی۔ جھگڑا ختم ہوگیا۔ لیکن قادیانی اپنے تمام

کفریات کو اسلام کے نام سے پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔
اس لیے یہ صرف کافر اور غیر مسلم ہی نہیں بلکہ مرتد اور زندیق ہیں۔ مسلمانوں کی غیر مسلموں کے ساتھ صلح ہو سکتی ہے مگر کسی مرتد اور زندیق سے کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔

قادنیوں کو مسلمان کہلانے کا کیا حق ہے

○ قادیانیوں کو یہ حق آخر کس نے دیا ہے کہ وہ غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول سمجھیں اور پھر اسلام کا دعویٰ بھی کریں؟ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ کو منسوخ کر کے اس کی جگہ مرزا غلام احمد قادیانی کو محمد رسول اللہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اس کا کلمہ جاری کروائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی (قرآن کریم) کے بجائے مرزا کی وحی کو واجب الاتباع اور مدار نجات قرار دیں اور پھر ڈھٹائی کے ساتھ یہ بھی کہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور غیر احمدی کافر ہیں۔ مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے:

○ "ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا یا محمدؐ کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے"۔ (کلمۃ الفصل صفحہ ۱۱۰)

قادیانیوں کا کلمہ

○ قادیانی دعوے کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو دفعہ دنیا میں آنا مقدر تھا۔ پہلی دفعہ آپ مکہ مکرمہ میں آئے اور آپ کی یہ بعثت تیرہ سو سال تک رہی۔ چودھویں صدی کے شروع میں آپ مرزا قادیانی کے روپ میں قادیاں میں دوبارہ مبعوث ہوئے۔ اس لیے ان کے نزدیک غلام احمد قادیانی خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ سے مرزا مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

○ "مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہیں جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے' اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں! اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی"۔
(کلمۃ الفصل صفحہ ۱۵۸)

○ گویا "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے معنی ان کے نزدیک ہیں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مرزا رسول اللہ" (نعوذ باللہ) جو دوبارہ قادیان میں آیا ہے۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے۔ ہمارے نزدیک مرزا خود محمد رسول اللہ ہے اور ہم مرزا کو محمد رسول اللہ مان کر اس کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ اس لیے ہمیں نیا کلمہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

قادیانی' محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کو کفر کہتے ہیں

○ کہنا یہ ہے کہ انہوں نے نبی الگ بنایا' قرآن الگ بنایا (جس کا نام "تذکرہ" ہے اور جس کی حیثیت مرزائیوں کے نزدیک وہی ہے جو مسلمانوں کے نزدیک توریت' زبور' انجیل اور قرآن کریم کی ہے) امت الگ بنائی' شریعت الگ بنائی' کلمہ الگ بنایا' وہ اپنے دین کا نام اسلام رکھتے ہیں۔۔۔ ۔۔۔اور ہمارے دین کا نام کفر رکھتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا لایا ہوا دین قادیانیوں کے نزدیک (نعوذ باللہ) کفر ہو گیا اور مرزا کا دین ان کے نزدیک اسلام ہے۔ ہم قادیانیوں سے پوچھتے ہیں کہ تم ہمیں جو کافر کہتے ہو' ہم نے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دین کی کسی بات کا انکار کیا ہے؟ کیا مرزا کے آنے سے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دین کفر بن گیا؟ مرزا سے پہلے تو محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دین اسلام کہلاتا تھا اور اس کو ماننے والے مسلمان کہلاتے تھے۔ لیکن مرزا آیا اور اس کی سبز قدمی سے محمد رسول اللہ کا دین کفر بن گیا اور اس کو ماننے والے کافر کہلائے۔ (العیاذ باللہ)

- اس سے بڑھ کر غضب کیا ہو سکتا ہے؟ مرزا کے دو جرم ہوتے۔ ایک یہ کہ نبوت کا دعویٰ کر کے ایک نیا دین ایجاد کیا اور اس کا نام اسلام رکھا۔ دوسرا جرم یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو کفر کہا۔ مرزا کے دین کے ماننے والے مسلمان اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ان کے نزدیک کافر۔
- مجھے بتائیے کہ کیا کسی یہودی نے، کسی عیسائی نے، کسی ہندو و سکھ نے، کسی چوہڑے چمار نے، کسی پارسی مجوسی نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے؟
- اب تو آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ مرزا قادیانی اور مرزائیوں کا کفر کس قدر بد ترین ہے۔ اور یہ دنیا بھر کے کافروں سے بدتر کافر ہیں۔

مسلمانوں کا قادیانیوں سے رعایتی سلوک

- یہ زندیق ہیں جو اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام کہتے ہیں اور شریعت کے مطابق زندیق واجب القتل ہوتا ہے۔ یہ قادیانیوں کے ساتھ ہماری (حکومت پاکستان کی) رعایت ہے کہ ان کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے۔
- یہ دنیا میں شور مچاتے ہیں کہ پاکستان میں ہم پر ظلم ہو رہا ہے۔ یہ حکومت پاکستان کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ حکومت نے ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ ان کو صرف یہ کہا کہ تم محمد رسول اللہ کے دین کو کفر اور اپنے دین کو اسلام نہ کہو۔ قادیانیوں پر اس سے زیادہ اور کوئی پابندی نہیں لگائی۔
- شریعت کے فتویٰ سے تم واجب القتل ہو۔ حکومت پاکستان نے تمہیں رعایت دے رکھی ہے۔ تم پاکستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو۔
- اس کے باوجود کبھی اقوام متحدہ میں، کبھی یہودیوں اور عیسائیوں اور نہ معلوم کن کن لوگوں کی عدالتوں میں تم فریاد کرتے ہو کہ حکومت پاکستان نے ہمارے حقوق غصب کر لیے ہیں، حکومت پاکستان نے تمہارے کیا حقوق

غصب کر لیے؟ ہم نے تمھارا کیا قصور کیا ہے؟ پاکستان کی حکومت نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟

- تم سے صرف یہ کہا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" ہمارا ہے۔ ہم کیسے اجازت دیں کہ تم شراب پر زمزم کا لیبل چپکا کر بیچتے رہو؟ ہم کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ تم کتے اور خنزیر کا گوشت حلال ذبیحہ کے نام سے فروخت کرتے رہو؟
- ہم کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ تم مرزا کانے کو محمد رسول اللہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرو؟ ہم کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ تم اپنے کفر اور زندقہ کو اسلام کے نام سے پھیلاؤ؟
- تمھارے منہ سے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے منافقانہ الفاظ ادا کرنا ہمارے کلمہ طیبہ کی توہین ہے۔ ہمارے نبی کی توہین ہے' ہمارے اسلام کی توہین ہے۔ ہم تمھیں اس توہین کی اجازت کس طرح دیں؟ تم کلمہ پڑھ کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہو اور ہم اس کے جواب میں وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمائی۔

وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ

اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ منافقین جھوٹے ہیں

خلاصہ گفتگو

- اب تک میں ایک ہی سوال کا جواب دے سکا ہوں کہ قادیانیوں میں اور دوسرے غیر مسلموں میں فرق کیا ہے؟
- جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دوسرے کافر تو سادے کافر ہیں اور قادیانی صرف کافر اور غیر مسلم نہیں بلکہ وہ کفر کو اسلام کہنے اور اسلام کو کفر قرار دینے کے بھی مجرم ہیں لہٰذا یہ زندیق ہیں۔ اور زندیق مرتد کی طرح واجب القتل ہوتا ہے۔

مرتد کی نسل کا حکم

- اب میں ایک اور مسئلہ کا ذکر کرتا ہوں۔
- اصول یہ ہے کہ مرتد کو تین دن کی مہلت کے بعد قتل کر دیا جاتا ہے لیکن مرتدوں کی ایک جماعت بن جائے' ایک پارٹی بن جائے اور اسلامی حکومت ان پر قابو نہ پاسکے' اس لیے وہ قتل نہ کیے جاسکیں اور رفتہ رفتہ اصل مرتد مرکھپ جائیں اور ان مرتدوں کی نسل جاری ہوجائے۔ مثال کے طور پر کسی بستی کے لوگوں نے متفقہ طور پر عیسائیت قبول کرلی تھی (نعوذ باللہ) عیسائی بن گئے تھے۔ اب کسی نے ان کو پکڑ کر قتل نہیں کیا یا وہ پکڑ میں نہیں آسکے۔ اس کے بعد یہ لوگ جو خود عیسائی بنے تھے مرکر ختم ہوگئے۔ پیچھے ان کی نسل رہ گئی جو خود مسلمان سے عیسائی نہیں ہوئی تھی بلکہ انھوں نے اپنے آباؤ اجداد سے عیسائی مذہب لیا تھا۔ تو مرتد کی صلبی اولاد تو تبعاً مرتد ہے' اصالۃً مرتد نہیں۔ اس لیے اس کو حبس و ضرب کے ساتھ اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا۔ مگر قتل نہیں کیا جائے گا' اور مرتد کی اولاد کی اولاد نہ اصالۃً مرتد ہے اور نہ تبعاً بلکہ وہ اصلی کافر کہلائے گی ـــــ اور ان پر سزائے ارتداد جاری نہیں ہوگی کیونکہ اولاد کی اولاد مرتد نہیں وہ سادہ کافر ہے۔ اس لیے اس کا حکم مرتد کا نہیں۔ الغرض مرتد کی پیڑھی بدل جائے تو دوسری پیڑھی مرتد نہیں کہلاتی۔

زندیق مرزائی کی نسل کا حکم

- لیکن قادیانیوں کی سو نسلیں بھی بدل جائیں تو ان کا حکم زندیق اور مرتد کا رہے گا۔ سادہ کافر کا حکم نہیں ہوگا۔ کیونکر؟ اس لیے کہ ان کا جو جرم ہے یعنی کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر کہنا' یہ جرم ان کی آئندہ نسلوں میں بھی پایا جاتا ہے۔
- الغرض قادیانی جتنے بھی ہیں خواہ وہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوئے ہوں' قادیانی زندیق بنے ہوں یا وہ ان کے بقول "پیدائشی احمدی" ہوں' قادیانیوں کے

گھر میں پیدا ہوئے ہوں اور یہ کفر ان کو ورثے میں ملا ہو' ان سب کا ایک ہی حکم ہے۔ یعنی مرتد اور زندیق کا۔۔۔۔کیونکہ ان کا جرم صرف یہ نہیں کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر کافر بنے ہیں۔ بلکہ ان کا جرم یہ ہے کہ دین اسلام کو کفر کہتے ہیں۔ اور اپنے دین کفر کو اسلام کا نام دیتے ہیں اور یہ جرم ہر قادیانی میں پایا جاتا ہے خواہ وہ اسلام کو چھوڑ کر قادیانی بنا ہو یا پیدائشی قادیانی ہو۔۔۔ اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیجیے۔ بہت سے لوگوں کو قادیانیوں کی صحیح حقیقت معلوم نہیں۔

قادیانیوں کے بارے میں مُسلمانوں کو غیرت سے کام لینا چاہیے

◎ قادیانیوں کے جرم کی پوری وضاحت میں نے آپ حضرات کے سامنے کر دی۔ اب مجھے آپ حضرات سے ایک بات کہنی ہے۔ پہلے ایک مثال دوں گا۔ مثال تو بھدی سی ہے مگر سمجھانے کیلئے مثال سے کام لینا پڑتا ہے۔

◎ ایک باپ کے دس بیٹے تھے جو اس کے گھر پیدا ہوئے وہ ساری عمر ان کو اپنا بیٹا کہتا رہا۔ باپ مر گیا۔ اس کے انتقال کے بعد ایک غیر معروف شخص اٹھا اور یہ دعویٰ کیا کہ میں مرحوم کا صحیح بیٹا ہوں۔ یہ دسوں کے دس لڑکے اس کی ناجائز اولاد ہیں۔

◯ میں یہ مثال فرض کر رہا ہوں اور اس سلسلے میں آپ سے دو باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ دنیا کا کوئی صحیح الدماغ آدمی اس شخص کے دعوے کو قبول کرے گا۔ یہ غیر معروف مدعی جس نے مرحوم کی زندگی میں کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں فلاں شخص کا بیٹا ہوں' نہ مرحوم نے اپنی زندگی میں کبھی یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ کیا دنیا کی کوئی عدالت اس شخص کے دعویٰ کو سُن کر یہ فیصلہ دے گی کہ یہ شخص مرحوم کا حقیقی بیٹا ہے اور باقی دس لڑکے مرحوم کے بیٹے نہیں؟

○ دوسری بات مجھے آپ سے یہ پوچھنی ہے کہ یہ شخص جو باپ کے دس بیٹوں کو حرامزادہ کہتا ہے وہ ان کو ان کے باپ کے جائز اولاد تسلیم نہیں کرتا' ان دس لڑکوں کا ردِ عمل اس شخص کے بارے میں کیا ہوگا؟

○ ان دونوں باتوں کو ذہن میں رکھ کر سنیے!

ہم بحمد للہ! حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ آپ کے لائے ہوئے پورے دین کو مانتے ہیں۔ الحمد للہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد ہیں۔ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی مومنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

○ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امتی کو اپنی ذات سے اتنا تعلق نہیں جتنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر امتی کی ذات سے تعلق ہے۔

○ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ "اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں"۔۔ اور ایک قراءت میں ہے وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہماری مائیں بنیں' چنانچہ ہم سب ان کو "امہات المومنین" کہتے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ' ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ' ام المومنین میمونہ' ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہن ہم تمام ازواج مطہرات کے ساتھ ام المومنین کہتے ہیں۔ تو جب یہ ہمارے مائیں ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے روحانی باپ ہوئے۔۔۔ اولاد میں کوئی ماں باپ کا زیادہ فرمانبردار ہوتا ہے کوئی کم' کوئی زیادہ خدمت گذار ہوتا ہے کوئی کم' کوئی زیادہ ہنرمند ہوتا ہے کوئی کم' کوئی زیادہ سمجھدار اور عقلمند ہوتا ہے کوئی کم۔۔۔۔ اولاد ساری ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ان میں فرق ضرور ہوتا ہے لیکن ساری کی ساری باپ ہی کی اولاد کہلاتی ہے۔

○ تیرہ صدیوں کے مسلمان حضور ﷺ کی روحانی اولاد تھی۔ چودھویں صدی کے شروع میں مرزا غلام احمد قادیانی کھڑا ہوا۔ اس نے کہا کہ حضور ﷺ کی روحانی اولاد صرف میں ہوں۔ باقی سارے مسلمان کافر ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پوری امت کے مسلمان حضور ﷺ کی روحانی اولاد نہیں بلکہ نعوذ باللہ ناجائز اولاد ہیں۔ حرامزادے ہیں۔

○ مجھے معاف کیجیے! میں مرزا غلام احمد کے صاف صاف الفاظ نقل کر رہا ہوں۔

○ ہم پوری دنیا کی مہذب عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کر کے کہتے ہیں کہ اگر کسی مجہول النسب کا یہ دعویٰ لائق سماعت نہیں کہ میں مرحوم کا حقیقی بیٹا ہوں۔ باقی دس کے دس بیٹے ناجائز اولاد ہیں۔ تو غلام احمد کا یہ ہذیانی دعویٰ کیونکر لائق سماعت ہے کہ وہ (مجہول النسب ہونے کے باوجود) آنحضرت ﷺ کا روحانی بیٹا ہے' اور آنحضرت ﷺ کی ساری کی ساری امت کافر ہے۔ ناجائز اولاد ہے۔۔۔۔۔ آخر کس جرم میں پوری امت کا رشتہ آنحضرت ﷺ سے کاٹ کر ان کو کافر اور ناجائز اولاد قرار دیا گیا۔

○ ہم آنحضرت ﷺ کے پورے دین کو الف سے لے کر یا تک مانتے ہیں۔ ہم نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ ہم نے کوئی عقیدہ نہیں بدلا۔ عقیدہ غلام احمد نے بدلا' اور کافر اور حرامزادے پوری امت کو کہا۔

○ اور قادیانی سے میری گفتگو ہوئی' میں نے اس سے کہا کہ تیرہ صدیوں سے مسلمان چلے آتے تھے۔ مرزا غلام احمد کے دعوے پر ہمارا اختلاف ہوا اور چودھویں صدی سے یہ اختلاف شروع ہوا۔ اب میں آپ سے انصاف کی بات کہتا ہوں کہ اگر ہمارے عقیدہ تیرہ صدیوں کے مسلمانوں کے مطابق ہیں تو تم ان کو مان لو اور غلام احمد کو چھوڑ دو۔ اور تمھارے عقیدہ تیرہ صدیوں کے مسلمانوں کے مطابق ہیں تو ہم تم کو سچا مان لیں گے۔ لیجیے ہمارا تمھارا اختلاف فوراً ختم ہوسکتا ہے۔ یہ انصاف کی بات ہے اور دونوں فریقوں

کے لیے برابر کی بات ہے۔ وہ قادیانی سیالکوٹ کا پنجابی تھا۔ میری بات سن کر کہنے لگا کہ "جی پکی بات ایہہ ہے کہ اسی تاں مرزا صاحب توں سوا باقی ساریاں نوں جھوٹے سمجھنے آں" یعنی "پکی بات تو یہ ہے کہ ہم تو مرزا صاحب کے سوا باقی سب کو جھوٹا سمجھتے ہیں"۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے، مرزا یہ جھوٹا دعوی کرتا ہے کہ صرف میں حضور ﷺ کا روحانی بیٹا ہوں باقی سب مسلمان ناجائز اولاد ہیں اور یہ شخص اپنے آپ کو روحانی بیٹا کہہ کر پوری دنیا کو گمراہ کر رہا ہے۔

○ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر ان دس بیٹوں کا حرامزادہ ہونا کوئی شخص تسلیم نہیں کرے گا جو اس کے گھر پیدا ہوئے۔ اس کی بیوی سے پیدا ہوئے اور ایک غیر معروف اور مجہول النسب آدمی، جس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں کہ وہ کسی میراثی کی اولاد ہے، اگر وہ آ کر ایسا دعوی کریگا تو کوئی اس کے دعوے کو نہیں سنے گا۔

○ میں کہتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں میں ان دس "بیٹوں جتنی بھی غیرت نہیں۔ آپ قادیانیوں کی یہ بات کیسے سن لیتے ہیں۔ کہ دنیا بھر کے مسلمان غلط ہیں اور مرزا ٹھیک ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان کافر ہیں۔ اور مرزائی مسلمان ہیں۔ وہ تمھیں یہ سبق پڑھانے کے لیے تمھاری مجلسوں میں آتے ہیں اور آپ بڑے اطمینان سے ان کی باتیں سن لیتے ہیں۔

○ میں کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی عقلمند ایسا نہیں ہوگا جس کی عدالت میں یہ مقدمہ لے جایا جائے اور وہ ایک مجہول النسب شخص کے دعوے پر دس بیٹوں کے حرامزادے ہونے کا فیصلہ کر دے اور ان دس بیٹوں میں کوئی ایسا بے غیرت نہیں ہوگا جو اس مجہول النسب شخص کے دعوے کو سننا بھی گوارا کرے لیکن کیسے تعجب کی بات ہے ہمارے بدھو بھائی قادیانیوں کے اس دعوے کو سن لیتے ہیں۔ اور انہیں ذرا بھی غیرت نہیں آتی۔

○ میرا اور آپ کا ہر مسلمان کا فرض کیا ہونا چاہیے؟ قادیانیت نے ہمارا رشتہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں۔ حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مانتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جس کو ہم مانتے ہیں' وہ تو کفر نہیں ہوسکتا۔ جو شخص ہمیں کافر کہتا ہے' وہ ہمارے دین کو کفر کہتا ہے' وہ ہمارا رشتہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹتا ہے۔ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ سب ناجائز اولاد ہیں۔

○ اب مسلمانوں کی غیرت کا تقاضا کیا ہونا چاہیے؟ ہماری غیرت کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ دنیا میں ایک قادیانی بھی زندہ نہ بچے۔ پکڑ پکڑ کر خبیثوں کو مار دیں۔ یہ میں جذباتی بات نہیں کر رہا بلکہ حقیقت یہی ہے۔ اسلام کا فتویٰ یہی ہے۔ مرتد اور زندیق کے بارے میں اسلام کا قانون یہی ہے۔ مگر یہ دارو گیر حکومت کا کام ہے۔ ہم انفرادی طور پر اس پر قادر نہیں۔ اس لیے کم از کم اتنا تو ہونا چاہیے کہ ہم قادیانیوں سے مکمل قطع تعلق کریں۔ ان کو اپنی کسی مجلس میں' کسی محفل میں برداشت نہ کریں۔ ہر سطح پر ان کا مقابلہ کریں اور جھوٹے کو اس کی ماں کے گھر تک پہنچا کر آئیں۔

○ الحمد للہ! ہم نے جھوٹے کو اس کی ماں کے گھر تک پہنچا دیا ہے۔ برطانیہ قادیانیوں کی ماں ہے۔ جس نے ان کو جنم دیا۔ اب ان کا گرو مرزا طاہر اپنی ماں کی گود میں جا بیٹھا ہے اور وہاں سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو للکار رہا ہے۔

○ یورپ' امریکہ' افریقہ کے وہ بھولے بھالے مسلمان جو نہ پوری طرح اسلام کو سمجھتے ہیں نہ ان کو قادیانیت کی حقیقت کا علم ہے۔ وہ قادیانیت کو نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے؟ ان کو اہل علم کے پاس بیٹھنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔

○ ہمارے ان بھولے بھالے بھائیوں کو قادیانی' مرتد بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور وہ اس کا اعلان کر رہے ہیں۔ اس کے لیے اربوں کھربوں کے

مرزائی بنا رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" نے بھی حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا پوری دنیا میں بلند کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

○ جس طرح پاکستان میں قادیانیوں کی حقیقت کھل چکی ہے' اور وہ مسلمانوں سے کاٹے جا چکے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز پوری دنیا میں' دنیا کے ایک ایک حصے میں قادیانیوں کی قلعی کھل کر رہے گی۔

○ ایک وقت آئے گا کہ پوری دنیا اس حقیقت کو تسلیم کرے گی کہ مرزائی مسلمان نہیں۔ بلکہ:

یہ اسلام کے غدار ہیں۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غدار ہیں۔

پوری انسانیت کے غدار ہیں۔

○ انشاء اللہ پوری دنیا میں قادیانیت کے خلاف تحریک چلے گی اور آخری فتح محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے غلاموں کی ہوگی۔

○ پاکستان میں بھی یہ لوگ ایک عرصے تک مسلمان کہلاتے رہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی قربانیاں رنگ لائیں اور قادیانی ناسور کو جسد ملت سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا۔ انشاء اللہ پوری دنیا میں دیر سویر یہی ہوگا۔

○ الحمد للہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے عالمی سطح پر کام شروع کر دیا ہے۔ میں ہر اس مسلمان سے' جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا خواستگار ہے' یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ ختم نبوت کے جھنڈے کو پورے عالم میں بلند کرنے کے لیے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے بھرپور تعاون کرے۔ اور تمام مسلمان قادیانیوں مرزائیوں کے بارے میں ایمانی و دینی غیرت کا مظاہرہ کریں۔۔۔۔ ہر مسلمان اس سلسلے میں جو قربانیاں پیش کر سکتا ہے وہ پیش کرے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

کلمہ گو مشرکین کی تاویلات

○ جس طرح مرزا قادیانی نے خاتم النبیین کے وہ معنے کیے جو سلف صالحین و دیگر تمام اہل اسلام کے بیان کردہ معنے کے خلاف ہیں' اسی طرح کلمہ گو مشرکین کے علماء نے بھی قرآن مجید میں کئی مقامات پر سلف صالحینؒ و دیگر تمام اہل اسلام کے بیان کردہ معنے کے خلاف معنے کر کے قرآن مجید میں معنوی تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ اور قادیانیوں کی طرح اسی کو اصل اسلام اور امتِ محمدیہ ﷺ کے مسلّمہ معانی کو کفر قرار دیتے ہیں۔ مثلاً:

ایاک نستعین کے معنے میں تحریف

○ "ایاك نستعین میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالٰی کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عونِ الٰہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے۔ اور ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارکن دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے' عقیدہ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربانِ حق کی امداد امدادِ الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنے ہوتے جو وہابیہ سمجھے' تو قرآن پاک میں اعینونی بقوۃ اور استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کیوں وارد ہوتا۔ اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی"۔

○ حالانکہ یہ معنے سلف صالحین و دیگر تمام اہلِ اسلام کے مسلّمہ معنے کے خلاف ہیں۔ اور اولیاءؒ و انبیاءؑ سے استعانت کو شرک کی بجائے عین توحید قرار دینا شرک کی تعلیم اور سراسر زندقہ والحاد ہے۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے: طلب الحوائج منھا اثبات الالوھیة لھا۔ یعنی مافوق الاسباب امور میں کسی سے حاجات طلب کرنا اس میں صفتِ الوہیت ثابت کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا صریح شرک ہے۔

○ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں دو جملے بیان فرمائے: ① ایاك نعبد اور ② ایاك نستعین دونوں ایک ہی طرز کی عبارتیں ہیں۔ یعنی دونوں میں حصر ہے۔ جس طرح ایاك نعبد کے معنے ہیں "ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں"۔ یعنی تیرے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اور جس طرح اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی اور ولی کی عبادت اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہے۔ اسی طرح ایاك نستعین کے معنے ہیں "ہم صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں"۔ لیکن یہاں وفات یافتہ نبی ولی سے استعانت کو اللہ ہی سے استعانت قرار دینا قرآن مجید میں کھلی تحریف ہے۔

○ اصل بات یہ ہے کہ استعانت کی دو قسمیں ہیں: ① ایک مافوق الاسباب امور میں جیسے اولاد دینا' بارش برسانا' فتح دینا' وغیرہ۔ اور ② دوسرے وہ امور ہیں جو ماتحت الاسباب ہیں۔ جیسے کھانے کو روٹی دینا' پینے کو پانی یا دودھ پکڑانا' وغیرہ۔ اور قرآن و سنت سے ماتحت الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت کا جواز ثابت ہے۔ جیسے اعینونی بقوۃ مگر مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت حرام ہے۔ جس کی تعلیم نہ نبی نے دی نہ کسی صحابی نے اور نہ کسی مفسر' محدث نے دی۔

○ اور یہ حقیقت ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ پیغمبروں کی اولاد نہ ہوتی تو اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارتے کسی نبی ولی کو نہیں کہا کہ مجھے اولاد دے۔ یا اللہ سے دلوا دے۔

○ اسی طرح قحط میں بارش اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی۔ کسی نبی ولی سے نہیں مانگی۔ نہ بالواسطہ نہ بلاواسطہ۔

○ درحقیقت خود اللہ تعالیٰ نے ایاك نعبد کی تشریح و تفسیر یہ کے ذریعے ایاك نستعین کے ساتھ بیان کر دی کہ ایاك نعبد کا مفہوم ایاك نستعین ہے۔ یعنی ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مافوق

الاسباب تمام امور میں ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ یعنی مثلاً :

- اولاد کا حصول مافوق الاسباب ہے۔ اس لیے اولاد صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں۔ نہ نبی سے نہ ولی سے۔ اسی طرح بارش برسنا مافوق الاسباب ہے بارش کا سوال بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے کرتے ہیں۔ اسی طرح فتح دینا بھی مافوق الاسباب ہے اس لیے فتح کی دعا بھی اللہ تعالیٰ ہی سے کرتے ہیں۔ البتہ :
- اتنا ضرور ہے کہ جس طرح مافوق الاسباب امور میں ہم خود اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔ اسی طرح کسی زندہ ولی سے کہہ دیا جائے کہ آپ بھی ہمارے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد عطا فرما دے یا بارش برسا دے یا فتح دے دے۔ تو یہ جائز ہے۔ مگر اس کو استعانت بالولی نہیں کہتے۔
- اور جو نبی ولی وفات پا چکے ہیں ان سے استعانت کا جواز نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں ہے۔ اور نہ کسی مسلمان کا عقیدہ ہے۔ اور جو غیر معتبر کتابوں میں قصے کہانیاں بیان ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔ ان کو عقیدہ کی بنیاد بنانا درپردہ قرآن و سنت کی تکذیب ہے۔
- یہ کہنا کہ اولیائےؒ و انبیاءؑ مظہر عون الٰہی ہیں۔ یہ عقیدہ اہل اسلام کا نہیں۔ نہ ہی قرآن مجید کی کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی حدیث سے۔ اور علم عقائد کی کتابوں میں بھی اس کا بیان کہیں نہیں۔ البتہ :
- صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۶۳ میں ایک حدیث آتی ہے : لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احببته فکنت سمعه الذی یسمع بی و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها۔ یعنی میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرا قرب چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

○ اس حدیث سے غالیوں نے یہ عقیدہ نکالا ہے کہ جب انسان خوب عبادت اور ریاضت کرتا ہے تو وہ اللہ کا عین ہو جاتا ہے یا عین اللہ ہو جاتا ہے۔ یعنی ظاہر میں تو وہ صورتِ بشری میں ہوتا ہے۔ لیکن باطن میں وہ اللہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس حدیث سے حجت پکڑنا اور اسے اپنے عقیدۂ بد کی بنیاد بنانا ہی غلط ہے۔ کیونکہ:

○ اول تو یہ حدیث خبرِ واحد ہے۔ اور اس کا مخرج صرف امام بخاری ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۳۰۱) جبکہ اثباتِ عقیدہ کے لیے دلیل قطعی ضروری ہے۔ جو قرآن مجید کی نصِ قطعی ہو یا حدیثِ متواتر ہو۔

○ دوسرے یہ کہ اس کا راوی خالد بن مخلد غالی بھی شیعہ تھا۔ صحابہ کرام کو گالی دیتا تھا۔ اور اپنے مذہب بد کا کھلم کھلا اعلان کرتا تھا۔ جب اس سے پوچھا جاتا کہ تیرے پاس مناقب صحابہؓ کی حدیثیں ہیں تو کہتا کہ مناقب نہیں میرے پاس تو مثالبِ صحابہ کی روایات ہیں۔ (دیکھیے: میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۳۰۰ و تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۱۷)

○ تیسرے یہ کہ اس نے ایسی حدیث بیان کی ہے جس میں اس کے مذہب شیعیت کی تائید ہوتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ امیر المؤمنین امام علیؓ اور دیگر ائمہ اللہ تعالیٰ کی زبان، منہ، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور پسلیاں ہیں۔ جیسا کہ اصول کافی جلد ا صفحہ ۱۹۹ میں ہے کہ: امام ابو جعفر محمد باقر نے فرمایا کہ ہم خدا کی حجت ہیں۔ ہم خدا کا دروازہ ہیں۔ ہم خدا کی زبان منہ اور آنکھ ہیں۔

○ نیز اس نے کہا کہ امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم خدا کی آنکھ، خدا کا ہاتھ، خدا کا پہلو، اور خدا کا دروازہ ہیں۔

○ تفسیر عزیزی جلد ا صفحہ ۲۴۲ میں ہے کہ یہودیوں اور ہندوؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے

قاعدہ ہے کہ جو مبتدع راوی ایسی حدیث بیان کرے جس سے اس کے عقیدۂ بد کی تائید ہوتی ہو تو وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوتی۔ (دیکھیے نخبۃ الفکر صفحہ ۲۰)

- چوتھے یہ کہ خالد بن مخلد غالی ہی شیعہ کا استاذ صرف شریک ہے وہ حافظ الحدیث نہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۳۰۱)

- بہرحال اسلامی فرقوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ نبی ولی مظہر عون الٰہی ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ تو دراصل نصاریٰ کا عقیدہ تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ کبریائی کی قسم کھا کر فرمایا: لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم کہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم اللہ ہی ہے۔

دعاء کے معنے

- لا تدع مع اللہ الٰھا اٰخر کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: دعاء بمعنے عبادت ہے۔ جب کہ یہ معنیٰ نہ لغۃً ثابت ہے نہ اصطلاحًا و شرعًا۔ کیونکہ عبادت کے معنے تو دعاء آتے ہیں، جیسا کہ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: اے عن دعائی۔ یعنی یہاں عبادت کا معنیٰ دعاء ہے۔ اور دعاء کے بارے میں فرمایا الدعاء مخ العبادۃ کہ دعاء عبادت کا مغز ہے۔ لیکن دعاء کے معنے عبادۃ نہیں ہوتے۔

- اس آیت میں ایک عالم نے دعاء بمعنیٰ عبادت کر کے اپنے زندقہ کا اظہار کیا ہے کہ غیراللہ کو غائبانہ طور پر اپنی حاجات و مشکلات میں پکارنا شرک نہیں۔ بلکہ شرک تب ہوگا جب ان کی عبادت کی جائے۔ حالانکہ:

قاعدہ ہے: طلب الحوائج منھا اثبات الالوھیۃ لھا۔ تو اس قاعدہ کی رو سے کسی کو طلب حاجت کے لیے پکارنا ہی عبادت ہے۔ اور یہ سراسر شرک ہے۔ اور یہ معنیٰ قرآن مجید کی کھلی تحریف ہے اور اس پر زندقہ کی تعریف پوری طرح صادق آتی ہے۔

نبی کے معنے

○ اسی طرح نبی کے معنے "غیب کی خبریں بتانے والا"۔ کیے جاتے ہیں۔ جب کہ یہ معنی بھی نہ لغۃً ثابت ہے اور نہ ہی اصطلاح شرع میں۔ بلکہ غیب کی خبریں بتانے کو عربی زبان میں "کہانت" اور غیب کی خبریں بتانے والے کو "کاہن" کہتے ہیں۔ جبکہ حضرت نبی کریمؐ کو کاہن کہنا کفر ہے۔ لیکن سادہ لوح عوام اس زندقہ کو عین محبت بلکہ عشق رسول قرار دیتے ہیں۔ اور اس زندقہ پر جان قربان کرنے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں۔

بشر کے معنے

○ اسی طرح بشر کے معنے کرتے ہیں: "ظاہری صورت میں انسان"۔ ان کا کہنا ہے کہ دراصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے نور میں سے نور ہیں مگر ظاہری صورت ان کی انسان والی ہے۔ اور یہ تاویل تاویل فاسد ہے۔ جو قرآن و حدیث اور اجماع امت مسلمہ کے خلاف ہے۔ اور یہ قول کہنے والا محمد رسول اللہ کا منکر ہے جو کلمہ کی جز ہے اور قرآن مجید میں صراحۃً موجود ہے۔

رسول کے معنے

○ رسول کے معنے ہیں: انسان بعثہ اللہ تعالی الی الخلق لتبلیغ الاحکام ولہ کتاب وشرع یعنی رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ انسان کامل ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے احکام پہنچانے کے لیے کتاب اور شریعت دے کر مخلوق کی طرف مبعوث فرماتا ہے۔

○ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول انسان نہیں ہوتا بلکہ وہ نورانی مخلوق ہے جو انسانی صورت میں ظاہر ہو کر (جنوں اور) انسانوں کو تبلیغ کرنے کیلیے مبعوث ہو۔ کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں اور عرش معلی تک تشریف لے گئے۔ اور انسان کی وہاں تک پہنچ نہیں ہو سکتی۔ اور یہ عقیدہ مرزا قادیانی کے عقیدہ سے بالکل الٹ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ انسان تھے۔ اور کوئی انسان آسمانوں پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہ دونوں عقیدے زندقہ ہیں۔

○ اسی طرح انما انا بشر مثلکم کے معنے کیے جاتے ہیں: "تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تواضع کے لیے حکم فرمایا گیا۔ اور سورۃ بقرہ کی آیت ۸ میں من الناس کے تحت لکھا:

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام ؑ کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ اور در حقیقت انبیاء ؑ کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔

○ یہ بات پیچ دے کر نص قرآنی کا در پردہ انکار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بارے دو جگہ بشر کا اطلاق فرمایا۔ سورت حجر آیت ۲۸ میں فرمایا: انی خالق بشراً من صلصال من حماٍ مسنون یعنی میں آدمی کو بنانے والا ہوں بجتی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے۔

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انی خالق بشراً من طین (صٓ-۳۸:۷۱) میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔

○ کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو بشر کہہ کر خلاف ادب بات کہی؟

○ اور دو جگہوں پر بشر کو بطور احسان جتانے کے بیان فرمایا۔ خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون (الرّوم-۳۰:۲۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم انسان ہو کر روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہو۔

○ نیز فرمایا: هو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا (الفرقان-۲۵:۵۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی کی بوند سے بشر بنایا۔ پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کیے کہ نسل چلے۔

○ اور بشر کی شان اس قدر بلند ہے کہ اسے عرفِ عام میں اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اور امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہلِ ایمان کا عقیدہ ہے: ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

○ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کریں یا عقیدۂ توحید میں شرک کی ملاوٹ کریں تو اللہ تعالیٰ نے ایسے بدعمل لوگوں کے متعلق فرمایا: اولٰئك كالانعام بل هم اضل (اَلْاَعْرَاف - ۷: ۱۷۹) یعنی وہ بدعمل لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ۔

○ یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ میں بعض قوموں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کو انسانی شکل پر رہنے ہی نہیں دیا۔ بلکہ ان کو بندروں کی شکل میں بدل دیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: و لقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لهم كونوا قردة خاسئين (اَلْبَقَرَة - ۲: ۶۵) اور بیشک ضرور تمھیں معلوم ہے کہ تم میں کے وہ لوگ جنھوں نے ہفتے میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا کہ ہوجاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔

○ جبکہ انسانی شکل کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۹۵: ۴) بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔

○ نیز فرمایا: ولقد کرمنا بنی آدم (بَنِیْ اِسْرَآءِیْل - ۱۷: ۷۰) اور بیشک ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے کہ صورت معتدل قامت اور عقل و علم اور گویائی وغیرہ عطا فرمائی۔

○ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے بشر کا لفظ بولنا بے ادبی نہیں۔ البتہ انبیاء کرام کا مرتبہ و مقام بوجہ قربِ الٰہی باقی انسانوں سے بہت بلند ہے۔ اسی لیے باقی انسانوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

علم غیب

○ علمِ غیب کے متعلق بھی بڑی تاویلیں کرتے ہیں۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاءؑ و اولیاءؒ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس عقیدہ سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ مثلاً:

① وحی جلی و خفی کا انکار
② کشف و الہام اور رؤیائے صالحہ کا انکار
③ نسیانِ انبیاءؑ سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
④ انبیاءؑ میں عوارضاتِ بشریہ کا انکار
⑤ انبیاءؑ پر خوف و غم طاری ہونے سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
⑥ تنبیہ النبیؐ سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
⑦ تسلیۃ النبیؐ سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
⑧ انبیاءؑ و اولیاءؒ کی طرف کذب بیانی کی نسبت
⑨ انبیاءؑ و اولیاءؒ میں خداداد اجتہادی قوت کا انکار
⑩ انبیاءؑ کے قتل و زخمی ہونے سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
⑪ انکار حدیث بصورت نسبۃ کذب بہ محدثین
⑫ آمدِ دجال کے متعلق ایک حدیث کا انکار
⑬ غضِ بصر سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
⑭ ولی کو اشکال پیدا ہونے سے متعلق احادیث کا انکار
⑮ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مامور و منہی ہونے سے متعلق آیات و احادیث کا انکار۔
⑯ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نفی علمِ غیب سے متعلق آیات و احادیث کا انکار۔

○ عقیدۂ علمِ غیب کی مذکورِ بالا خرابیوں کا تفصیلی بیان دیکھنے کے لیے "الادلۃ المنصوصہ فی صفات اللہ المخصوصہ" کا مطالعہ کیجیے۔

- یہ لوگ اسماعیلی، آغاخانی، روافض، اور مرزائیوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے عقائدِ باطلہ پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے آپ کو اہل سنت و جماعت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اعمال میں تصنع کرتے ہیں۔ بدعات کو سنت کا نام دیتے ہیں۔ مستحبات و نوافل اور صدقہ خیرات کی ترغیب دیتے ہیں۔ راستے میں، چوراہوں میں، سٹیشنوں پر، کچہریوں اور اڈوں پر جہاں عوام کی زیادہ آمد و رفت ہو عوام سے چندے مانگ کر مسجدیں تعمیر کرتے ہیں۔ لوگ ان نیک کاموں کو دیکھ کر متاثر ہوتے اور ان کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔ اور اسی کو اصل اسلام سمجھنے لگتے ہیں۔

- اسی طرح یہ لوگ شریعت میں غیر ضروری پابندیاں عائد کرکے اپنی مسلمانی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور جو شخص ان کی خود ساختہ پابندیوں پر عمل نہ کرے اس کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہابی کا لفظ گالی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جب اللہ کی توحید اور اس کی قدرتوں کا ذکر آتا ہے تو خاموش رہتے ہیں۔ اور جب بزرگوں کی کرامتوں کا ذکر آجائے تو عش عش کر اٹھتے ہیں۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق سیدنا عمر فاروق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کا ذکر آجائے تو جب تک ترغیب نہ دی جائے اپنی زبان سے رضی اللہ عنہم کا دعائیہ کلمہ بھی ادا نہیں کرتے۔ اور جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام آجائے تو بے ساختہ یا علی مدد کا نعرہ بلند کرنے لگتے ہیں۔ موحدین پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، اولیاء اللہ اور پیروں فقیروں کی گستاخی کا بے جا الزام لگاتے ہیں۔ بزرگوں کے مقامات کا ادب و احترام عملاً اللہ تعالیٰ کے گھر سے بڑھ کر بجالاتے ہیں۔ مسجد میں جوتا رکھنے کو معیوب نہیں سمجھتے مگر بزرگ کے مزار پر جوتا ہاتھ میں رکھنا یا فرش پر رکھنا بھی گناہِ عظیم اور بزرگ کی بے ادبی سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض تو بزرگ کے مزار پر جانے کے لیے ننگے پاؤں دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ مسجد میں اونچی آواز سے چیخ چیخ کر بولتے ہیں مگر کسی بزرگ کی قبر کے پاس

بیٹھ کر بالکل خاموش رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہاں بزرگ آرام فرما رہے ہیں۔ لہٰذا آواز کا بلند کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ انھیں ہماری سب حرکات وسکنات نظر آتی ہیں۔

○ نیز کہتے ہیں کہ ان وفات یافتہ ہستیوں کی جگہ پر کوئی ہدیہ رکھ جائے تو یہ بزرگ دعائیں دیتے ہیں اور خوش ہوکر اللہ تعالیٰ سے کام کروا دیتے ہیں اولاد تک دلوا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری دعا براہِ راست تو سنتا نہیں مگر ان بزرگوں کی رد نہیں کرتا۔ گویا ان بزرگوں کو لالچی سمجھا جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا وہ بے ایمان اور پیروں فقیروں اور اولیاء اللہ اور انبیاء کا گستاخ ہے۔ اور جن آیات میں غیر اللہ کے حاضر وناظر، مختارِ کل یا عالم الغیب ہونے اور غیر اللہ کو غائبانہ پکارنے کی نفی ہے ان سب میں ہیرا پھیری سے قرآن مجید میں تحریف کرتے ہیں۔ پھر دعویٰ یہ ہے کہ ہم سچے پکے مسلمان ہیں۔

○ پھر جب ان کے ساتھ تعلقات قائم کیے جائیں گے اور ان کی شادیوں بیاہوں میں آمد ورفت عام کی جائے گی اور ان کے ساتھ خورد ونوش کی عام اجازت دی جائے گی تو ان زندیقوں کو عوام میں تلقین کرنے کا خوب موقعہ مل جائے گا۔ اور ان کا معاملہ یہود ونصاریٰ کے معاملے کے برعکس ہے۔ یہود ونصاریٰ کی لڑکیوں سے نکاح کی اجازت تو تھی مگر علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ مکروہ ہے۔ بغیر اشد ضرورت کے ان کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے۔ جیسے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الوجیز میں تحریر فرمایا ہے۔

○ اور آج کل کے یہود ونصاریٰ اس دور کے یہود ونصاریٰ کی طرح نہیں جن کی لڑکیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کی اجازت دی تھی۔ بلکہ یہ آج کل کے یہود ونصاریٰ نام کے یہود ونصاریٰ ہیں۔ ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور نہ ہی ان کی ذبیحہ حلال ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ماجدی وجدید فقہی مسائل جلد ا صفحہ ۱۳۲۔

کلمہ گو مشرکین کا حکم

- گزشتہ بحث کی روشنی میں یہ بات تو بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ کلمہ گو مشرکین نہ منافق ہیں، نہ دہریہ، نہ مرتد، نہ اہلِ کتاب۔
- منافق تو اس لیے نہیں کہ منافق حضرت نبی کریمؐ کی نبوت و رسالتؐ کا دل سے یقین ہی نہیں کرتا صرف مصلحۃً مسلمانوں کے سامنے اظہارِ اسلام کرتا ہے۔ اور یہ لوگ آپؐ کی نبوتؐ کا دل سے یقین اور زبان سے اقرار کرتے ہیں۔
- اور دہریہ اس لیے نہیں کہ دہریہ نبیؐ کی رسالت و نبوت کے بھی منکر ہیں اور حوادثات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کے بھی منکر ہیں۔ لیکن یہ لوگ ان دونوں چیزوں کے قائل ہیں۔
- اور مرتد اس لیے نہیں کہ مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے دینِ حق (یعنی اسلام) پر قائم ہو اور پھر دینِ اسلام ہی سے پھر جائے یا کوئی کفر کا کلمہ قصداً کہہ دے اور اس پر پختہ ہو جائے۔ جبکہ یہ لوگ نسلاً بعد نسلٍ اپنے مشرکانہ عقیدے پر چلے آرہے ہیں۔
- اور اہلِ کتاب اس لیے نہیں کہ اہلِ کتاب وہ ہوتا ہے جو قرآن مجید سے پہلے کی کسی منسوخ آسمانی کتاب کو ماننے کا مدعی ہو۔ اور قرآن کو نہ مانتا ہو۔ لیکن یہ لوگ تو منسوخ آسمانی کتابوں کو بھی مانتے ہیں اور قرآن مجید کو بھی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید تا قیامت ناقابلِ نسخ اور محکم کتاب ہے۔
- ان کی مثال ایسی ہے جیسے صحابۂ کرامؓ کے دور سے آج تک کفار مختلف رنگوں میں مختلف روپ دھار کر سامنے آتے رہے۔ بظاہر کلمہ گو مسلمان ہوتے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار بھی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں۔ اور قرآن مجید کو بھی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور سادہ لوح عوام ان کے دامِ تزویر میں آجاتے ہیں۔ اس لیے یہ لوگ **زندیق** ہیں۔

زنادقہ اہلِ کتاب نہیں

○ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ زنادقہ اہلِ کتاب ہیں، تو یہ درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کا اطلاق ان لوگوں پر کیا ہے جن کو اس قرآن مجید سے پہلے کتاب دی گئی ہے۔ البتہ مجتہدین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اہلِ کتاب کی اصطلاح صرف یہود و نصاریٰ پر منحصر ہے یا قرآن مجید سے پہلے جتنی کتابیں یا صحیفے نازل ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کتاب یا صحیفہ پر ایمان کا دعویٰ کرے۔ مگر کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ جو شخص قرآن مجید کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہوئے کفر کا ارتکاب کرتا ہے وہ بھی اہلِ کتاب ہے۔ یا اس کی اولاد یا اولاد در اولاد اہلِ کتاب کے حکم میں شامل ہیں۔ بلکہ ان کو تیرہ صدیوں میں مُرتد یا مُرتد کے حکم میں یا زندیق ہی قرار دیا ہے۔ البتہ:

○ تیرھویں چودھویں صدی میں بعض علماء نے اپنے فتاویٰ میں ایسے نسلی کلمہ گو کافروں کو اہلِ کتاب کے حکم میں شامل فرمایا ہے۔ مگر اس کی دلیل انھوں نے نہیں دی۔ بلکہ انہی صدیوں میں کئی علماء نے ان کو اہلِ کتاب کی بجائے زندیق کہا یا فی حکم المرتدین۔ اس لیے اصولِ فقہ کے لحاظ سے ترجیح کا قول کرنا پڑے گا۔ یعنی یا تو ان علماء کے قول کو ترجیح دی جائے گی جو ان لوگوں کو اہلِ کتاب کے حکم میں شامل کرتے ہیں یا ان علماء کے قول کو ترجیح دی جائے گی جو ان لوگوں کو اہلِ کتاب کے حکم میں شامل نہیں کرتے۔

○ نیز یہ لوگ بھی قادیانیوں کی طرح اسلام کو کفر اور اپنے کفریہ عقائد کو اسلام کہتے ہیں۔ ان کے علماء پوری دنیا میں انہی کفریہ عقائد کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ پاکستانی موحدین کو کافر کہتے ہیں بلکہ سعودی عرب اور دیگر عرب ریاستوں کے موحدین کو بھی بے دین اور کافر قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ حج کے موقع پر نمازیں بھی سعودی امام کی اقتداء نہیں کرتے۔ اپنی نماز علیحدہ پڑھتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

○ جو شخص دین کی باتوں سے بالکل کورا ہے سوائے زبانی کلمہ کے اور کچھ نہیں جانتا' جب اسے دین کی بات بتائی جائے تو کہتا ہے مجھے کچھ علم نہیں۔ کیونکہ وہ بھی قرآن پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تم بھی قرآن پڑھ پڑھ کر سناتے ہو۔ ہمیں کچھ نہیں آتی کہ کون سچا ہے۔ اس لیے نہ تو میں تمھیں غلط سمجھتا ہوں اور نہ ہی ان کو۔ اور وہ اہل حق کو برا بھلا بھی نہیں کہتا۔ قبروں پر سجدہ بھی نہیں کرتا۔ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز بھی نہیں دیتا۔ مشرکین کے مخصوص نعرے بھی نہیں لگاتا۔ اور نہ ہی مشرکین کی مالی امداد کرتا ہے۔ اور نہ ہی کسی مشرک پیر کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی ہے۔ تو اس شخص پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ البتہ دینِ اسلام کا سیکھنا ہر عاقل بالغ پر فرض ہے۔ یعنی :

توحید اور اس کے متعلقات کا سیکھنا' رسالت اور اس کے متعلقات کا سیکھنا' ایمان کی شرائط اور صفتیں سیکھنا' پاکی پلیدی اور نماز روزے کے مسائل سیکھنا ہر عاقل بالغ پر فرض ہے۔ (خواہ وہ لکھا پڑھا ہو یا ان پڑھ) اگر نہ سیکھے گا تو وہ معذور نہ ہوگا۔ اور قیامت میں اس کی پوچھ ہوگی۔ پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو چاہے کرے۔

○ لیکن آج کل کے عوام ایسے نہیں۔ ان کو توحید کی آیات پڑھ کر سنائی جائیں تو بحث کرنے لگتے ہیں۔ اپنے علماء کی بتلائی ہوئی شرکیہ باتوں کا حوالہ دے کر اپنے عقائد کو صحیح اور علماء حق کے بیان کردہ عقائد کو غلط قرار دیتے ہیں۔ موحدین کو وہابی بلکہ کافر کہتے ہیں' اور ان سے اظہارِ نفرت کرتے ہیں۔ موحد علماء کی توہین کرتے ہیں۔ شرکیہ افعال پابندی سے بجالاتے ہیں۔ شرک و بدعت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ سنتوں کے نام سے بدعات بلکہ شرک کو رواج دیتے ہیں۔ اپنے مخصوص مشرکانہ شعائر کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ شرکیہ نعرے لگاتے ہیں۔ شرکیہ کلمات اکثر وردِ زبان رکھتے ہیں۔ مشرکین کی محفلوں' جلسوں

اور جلوسوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ مشرکین کی مالی امداد کرتے ہیں۔ مشرک پیروں سے بیعت کرتے ہیں۔ شادی غمی میں غیر اسلامی رسوم بد کو پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ ہندوانہ رسوم کو اسلامی رسوم کا نام دے کر ان کی پابندی کرتے ہیں۔ اور ان رسوم سے منع کرنے والے کو وہابیت کا طعنہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ اس قسم کے جاہل نہیں ہیں جن پر کفر و زندقہ کا فتویٰ نہ لگایا جاسکے۔ ان کو معذور نہیں کہا جاسکتا۔

○ موجودہ دور کے وہ کلمہ گو مشرک جو آباء واجداد سے اسی عقیدۂ باطلہ پر چلے آرہے ہیں اور اسی کو اسلام سمجھتے ہیں' سمجھانے سے سمجھتے بھی نہیں اور موحدین کو بے دین سمجھتے ہیں وہ زندیق ہیں۔ البتہ اگر کوئی صحیح العقیدہ شخص کسی زندیق کی چکنی چپڑی تقریر سے متاثر ہو کر صحیح مسلک چھوڑ دے اور اس زندیق کا مسلک اختیار کرتے ہوئے غیر اللہ کی نذر و نیاز دینی شروع کردے' اولیاء اللہ کی قبروں پر سجدہ کرنا شروع کردے' یا شرکیہ نعرے لگانا شروع کردے' تو وہ مرتد ہوجائے گا۔ لیکن اسے زندیق نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس پر زندیق کی تعریف صادق نہیں آتی۔

○ یاد رہے کہ لفظ زندیق ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ جیسا کہ مرتد' مشرک' کافر' اہل کتاب وغیرہ اصطلاحی الفاظ ہیں۔ اب اگر کوئی عالم کسی شخص کو اس کے کفریہ عقائد کی بناء پر مرتد کہتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اب اس کے ساتھ مسلمانوں کو کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ رشتہ ختم کردینا چاہیے۔ اس کے ہاتھ کی ذبیحہ کو حرام سمجھنا چاہیے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی متبحر عالم دین کسی شخص کو زندیق قرار دیتا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ نہ تو مناکحت جائز ہے اور نہ ہی اس کے ہاتھ کی ذبیحہ حلال ہے۔ اور وہ شخص نماز روزہ وغیرہ کرنے کے باوجود بے دین اور کافر ہے۔ اور اس پر مرتدین والے تمام احکام نافذ ہوں گے۔

کلمہ گو مشرکین کے متعلق فتوے

(۱) دارالعلوم کراچی کے مفتی حضرت مولانا محمد اقبال صاحبؒ نے اس قسم کے ایک استفتاء کے جواب میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب ظلہ کی تصدیق سے فتویٰ تحریر فرمایا: "مسلمانوں میں سے جو لوگ بدعقیدہ مشرک اور بدعتی ہیں اگر تحقیق سے ان کے عقائد و اعمال سے ان کا کافر و مشرک ہونا ثابت ہوجائے تو وہ مرتد کے حکم میں ہوں گے۔ جس کا ذبیحہ حرام ہے اور نکاح ایسی عورت سے ناجائز ہوگا۔ اور جن کا کافر و مشرک ہونا ثابت نہ ہو ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا معاملہ ہوگا"۔ (فتویٰ نمبر ۱۲۱۳۳۲، ۸، ۱۴۰۲ھ)

(۲) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب ظلہ کا اس بارے میں فتویٰ ہے کہ: "اہلِ اسلام کی طرف نسبت رکھنے والا کوئی شخص اگر عقائدِ کفریہ رکھتا ہو تو اس کا حکم اہلِ کتاب کا نہیں' بلکہ مرتد کا ہے"۔ (۲۹ شوال ۱۴۰۰ھ)

(۳) حضرت مولانا مفتی ضیاء الحق دہلوی صاحب ظلہ نے دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا کہ: "اہلِ کتاب یعنی تورات و انجیل کے ماننے والوں کے علاوہ سب قوموں کے ساتھ نکاح حرام ہے"۔ (۷ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ)

(۴) حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مفتی دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد فرماتے ہیں کہ اہلِ تشیع کے بعض فرقے وہ ہیں جن کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ مثلاً جو لوگ حضرت علیؓ کو خدا مانتے ہوں' ام المؤمنین حضرت عائشہؓ پر تہمت لگاتے ہوں یا قرآن کی صحت اس کے غیر محرف اور ترمیم و حذف سے پاک ہونے میں شک کرتے ہوں وہ کافر ہیں۔ اور ظاہر ہے ان سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔۔۔۔۔۔ان الرافض ان کان یسب الشیخین و یلعنھما فھو کافر۔ (خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۳۸۱) اس لیے اہلِ تشیع سے نکاح سے احتراز کرنا چاہیے۔ (جدید فقہی مسائل حصہ اول صفحہ ۱۴۵)

○ نیز آپ نے فرمایا: کمیونزم' فکر و اعتقاد سے لے کر معیشت تک ہر باب میں ایک مستقل نظام اور تصور رکھتا ہے۔ اس کی فکری بنیاد الحاد اور مذہب و آخرت کے انکار ہے۔ اسی طرح جو آدمی ان تمام نظریات کے ساتھ کمیونسٹ ہو وہ نہ مسلمان ہی باقی رہتا ہے اور نہ اس کا شمار اہل کتاب ہی میں کیا جاسکتا ہے' وہ کافروں کے زمرہ میں ہے۔ اور ان سے نکاح مطلقاً جائز نہیں ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا: جو لوگ اسلام سے قادیانیت کی طرف گئے ہیں وہ مرتد ہیں اور ان سے نکاح کے جواز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جو لوگ نسلی طور پر قادیانی ہیں وہ بھی زندیق اور بد دین ہیں۔ اور ان سے بھی نکاح جائز نہیں ...... قادیانی اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں بلکہ زندیق ہیں۔ اور ان سے کسی قسم کا شادی بیاہ کا تعلق جائز نہیں۔ (جدید فقہی مسائل حصہ ا صفحہ ۱۳۶)

⑤ دارالافتاء والارشاد کراچی کے مفتیانِ کرام حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب' حضرت مولانا احمد صاحب اور حضرت مولانا موسیٰ صاحب نے اپنے مشترکہ فتویٰ مطبوعہ ہفت روزہ ضرب مومن کراچی بابت ۷ر ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ میں تحریر فرمایا کہ: جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب' حاضر ناظر اور مختارِ کل سمجھتے اور ان کی بشریت کے انکار کا عقیدہ رکھتے ہیں' ان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں' یہ لوگ زندیق ہیں۔ لھذا ان کا ذبیحہ حرام ہے۔

○ نیز مسائل قربانی کے بیان میں چند سنگین غلط فہمیوں کا ازالہ کے زیر عنوان ہفت روزہ ضرب مومن ۷ر تا ۱۳ر ذی الحج ۱۴۱۸ھ میں حضرت مولانا مفتی محمد صاحب استاذ دارالافتاء والارشاد کراچی نے تحریر فرمایا کہ: شرکاء میں سے ہر شریک کا صحیح العقیدہ مسلمان ہونا صحت اضحیہ کیلیے شرط ہے۔ اگر کوئی ایک شریک بھی غیر مسلم ہو تو کسی ایک شریک کی قربانی بھی درست نہیں ہوگی۔ سب کی قربانی ضائع ہو جائے گی۔ اس لیے اچھی طرح یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ ہر شریک صحیح العقیدہ مسلمان ہو۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

○ صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی تمام ضروریاتِ دین پر کامل ایمان رکھتا ہو۔ کسی امر ضروری کا منکر نہ ہو۔ کسی امر ضروری کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے' اس قاعدہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل عقائد رکھنے والے دائرۂ اسلام سے خارج ہیں' ان کو اپنے ساتھ قربانی میں شریک نہ کیا جائے :

① عقیدۂ ختم نبوت کا منکر۔

② حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو نعوذ باللہ مرتد کہنے والا' قرآن کے محرف ہونے کا عقیدہ رکھنے والا' ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والا۔

③ منکرِ حدیث۔

④ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نفع نقصان کا مالک سمجھنے والا۔

⑤ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا منکر یا اس جیسے دوسرے عقائد رکھنے والا۔

○ نیز آپ نے ۷؍ تا ۱۳؍ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ کو شائع ہونے والے ضرب مومن میں مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

○ شرک یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات یا کسی صفت میں مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔ مثلاً غیر اللہ کو مختارِ کل یا نفع و نقصان کا مالک سمجھنا یا ہر جگہ حاضر و ناظر خیال کرنا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو دین کے کسی ایسے حکم کا انکار کرتا ہو جس کا ثبوت قطعی اور اس کا دینی حکم ہونا ہر عام و خاص کو معلوم ہو۔

○ مندرجہ بالا عقائد رکھنے والوں کا ذبیحہ بھی حرام ہے' ان سے ذبح نہ کرائیے' ورنہ قربانی نہیں ہوگی۔

مولانا رشید احمد لدھیانوی کی وضاحت

○ نیز دارالافتاء والارشاد کے بانی و سرپرستِ اعلیٰ فقیہ العصر مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلۃ العالی نے احسن الفتاویٰ جلد ۶ صفحہ ۳۸۷ پر زنادقہ اور ان کے احکام بیان کرتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ :

○ عوام بلکہ اکثر خواص بھی شیعہ اور قادیانی وغیرہ زنادقہ کو بھی مرتد ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے احکام مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

زندیق کی تعریف

○ جو اسلام کا مدعی ہو اور اپنے عقائد کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کفریہ عقائد کو اسلام قرار دیتا ہو۔

دورِ حاضر کے زنادقہ

① شیعہ، یہ زنادقہ کا قدیم ترین فرقہ ہے اور سب سے بڑا دشمن اسلام اور سب سے زیادہ بدترین خبیث، زنادقہ کے اس اخبث الخبائث فرقہ نے اسلام اور مسلمانوں کو جتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے اور پہنچا رہے ہیں اتنا نقصان زنادقہ کے دوسرے سب فرقوں کا مجموعہ بھی نہیں پہنچا سکا۔ بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر سکا۔

② مرزائی، قادیانی ولاہوری
③ آغاخانی، اسماعیلی
④ بوہری
⑤ بہائی
⑥ مہدوی، اور اس کی شاخیں ذکری وغیرہ
⑦ منکرین حدیث، چکڑالوی اور پرویزی وغیرہ
⑧ انجمن دینداران، مدعی الوہیت "چن بسویشور" کے بندے۔

زنادقہ کے احکام

① حکومت پر فرض ہے کہ ان کے قتل کا حکم دے، خواہ کوئی خود زندیق بنا ہو یا باپ دادا سے اس مذہب میں چلا آتا ہو، جبکہ مرتد کی اولاد واجب القتل نہیں، اسی طرح عورت مرتدہ ہو جائے تو واجب القتل نہیں۔ مگر زندیقہ عورت بھی واجب القتل ہے۔

② گرفتار ہونے کے بعد ان کی توبہ قبول نہیں، جبکہ مرتد کی توبہ گرفتاری کے بعد بھی قبول ہے۔

③ ان کے کسی مرد یا عورت سے کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں۔

④ ان کا ذبیحہ حرام قطعی ہے۔

⑤ ان سے کسی قسم کا کوئی معاملہ بھی جائز نہیں۔ تجارتی لین دین میں سخت مجبوری کا حکم "کتاب الحظر والاباحۃ" میں ہے۔

⑥ ان کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں۔

⑦ مسلمانوں بلکہ کافروں کے قبرستان میں بھی دفن کرنا جائز نہیں، کہیں گڑھا کھود کر اس میں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے۔ واللہ الهادی الی سبیل الرشاد۔

مفتی صاحب کا شیعہ کو اہلِ کتاب کہنے سے رجوع

○ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب ظلہ سے شیعوں کے اہلِ کتاب ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: "معتزلہ کے بارے میں تحریر شامیہ کی بنا پر میں شیعہ کو اہلِ کتاب کہتا تھا۔ بعد میں تنبہ ہوا کہ یہ لوگ زندیق ہیں۔ اس لیے انھیں اہلِ کتاب میں داخل کرنا صحیح نہیں"۔ (احسن الفتاوی جلد ا صفحہ ۸۸)

فائدہ عہدِ نبی و صحابہؓ کے یہود و نصاریٰ نے اگرچہ توراۃ و انجیل میں تحریف جیسے جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا، کفر و شرک سے اپنی عاقبت خراب کی۔ اور ان جرائم کے باعث عذابِ جہنم کے مستحق قرار پائے۔ مگر اس کے باوجود نہ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں مرتد قرار دیا۔ نہ ہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور نہ کسی امام مجتہد یا محدث نے۔ اور نہ کسی نے مشرکینِ مکہ کو مرتد کہا۔ لیکن جو لوگ قرآن مجید اور انبیاءِ کرامؑ اور فرشتوں اور آخرت پر ایمان لانے کا اقرار کرنے کے بعد قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے کسی صریح اور قطعی حکم میں تحریف کے مرتکب ہوں تو انھیں اصطلاحِ شریعت میں یا مرتد کہا جاتا ہے یا زندیق۔ اور یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ گزشتہ چودہ سو سال میں آج تک کسی محقق نے محرفینِ قرآن مرتدین اور زنادقہ کو اہلِ کتاب میں شمار نہیں کیا۔

اساطین اشاعۃ التوحید والسنۃ کے فتوے

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کا فتویٰ

- جو شخص .... یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ ہماری تمام پکاروں کو سنتے جانتے ہیں اور ہمارے کام کرا دیتے ہیں اس کے متعلق حضرت پیر صاحب بغدادی یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ کافر و مشرک ہے اور اس کا کوئی نکاح نہیں ہے۔ (مقدمہ تفسیر جواہر القرآن جلد ا صفحہ ۴۱)
- نیز آپؒ نے موجودہ مشرکین کے عقائدِ باطلہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: ایسے عقائدِ باطلہ پر مطلع ہو کر جو انہیں کافر و مشرک نہ کہے وہ بھی ویسا ہی کافر ہے۔ کوکب الیمانی .... کالا کافر" ان سب کتابوں میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسے عقائد والے لوگ بالکل پکے کافر ہیں۔ اور ان کا کوئی نکاح نہیں۔ (مقدمہ تفسیر جواہر القرآن جلد ا صفحہ ۴۲)
- نیز آپؒ نے شرک فی الدعاء کے زیر عنوان تحریر فرمایا کہ: یہی شرک مشرکین مکہ میں تھا۔ (مقدمہ تفسیر جواہر القرآن جلد ا صفحہ ۴۴)
- نیز دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب میں خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: .... فتنہ و فساد اور الحاد و زندقہ کی ان آندھیوں اور طوفانوں میں نانوتویؒ اور فرزندانِ نانوتویؒ نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے چراغ روشن کیے۔ (صراطِ مستقیم شوال ۱۴۰۹ھ صفحہ ۱۲)

فائدہ حضرت شیخ القرآنؒ نے کلمہ گو مشرکین کے شرک کو اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے شرک سے تشبیہ نہیں دی بلکہ مشرکین مکہ کے شرک سے تشبیہ دے کر بات واضح فرما دی کہ ان کے نزدیک کلمہ گو مشرکین پر اہلِ کتاب کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ملحد و زندیق یعنی فی حکم المرتدین ہیں۔

شیخ القرآن امام محمد طاہر پنج پیری کا فتویٰ

○ شیخ القرآن حضرت مولانا امام محمد طاہر پنج پیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر اپنے فتویٰ میں ایک شبہ کا جواب اس طرح تحریر فرمایا:

○ آج کل اس مسئلہ میں اکثر لوگوں کو شبہ پڑ گیا ہے کہ نص صریح میں تو اھل کتاب کے ذبائح کو حلال اور تزویج نسائھم کو سورۃ مائدہ میں جائز قرار فرمایا ہے۔ اور سورۃ بقرہ میں آیت: لاتنکحوا المشرکات سے نکاح حرام فرمایا ہے۔

○ یہ شبہ اس وجہ سے پڑ گیا کہ ان لوگوں نے اہل کتاب کو مشرکین کا مقابل اور دونوں کو ضدان لایجتمعان سمجھا ہے۔ حالانکہ ان میں تقابل مراد نہیں۔ بلکہ اھل کتاب ایک قسم کفار و المشرکین سے ہے۔

○ اور اہل کتاب اور مشرکین میں عموم خصوص من وجہ ہے اگر سابقہ اہل کتاب مراد ہوں۔ یا عموم خصوص مطلق ہے اگر موجودہ اہل کتاب مراد لیا جائے۔

○ خداوند کریم جل مجدہ نے اہل کتاب کو یہ دو خصوصیتیں عطاء فرمائی ہیں: "حِلّتِ ذبائح" اور "تزویج نسائہم" جو اور (دیگر) کفار اور مشرکین کو نہیں دیا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مشرکین نہ تھے یا کفار' بلکہ باوجود ان کے کفر اور شرک کے یہ خصوصیت ان کو دی گئی ہے' اس پر اور کفار یا مشرکین کو قیاس کرنا "تشریع من عند نفسہ" ہے۔ جیسا کہ مغرب کی تین رکعات فرض پر نوافل یا اور اوقات کے سُنن کو قیاس کرنا غلط ہے۔

○ جو لوگ موجودہ عقائدِ شرکیہ والوں کو جیسے بریلوی وغیرہ کو اہل کتاب کہتے ہیں یہ ان کی صریح نادانی اور غلطی ہے۔ بلکہ اگر یہ لوگ اول سے ایسے عقائد پر آئے ہوں تو وہ کمشرکی عرب ہیں اور اگر اسلام لانے کے بعد ایسے عقائد شرکیہ غیر اللہ کو غائبانہ پکار کر معتقدین لسمعھم و نصرھم او ینذرون باسماءھم تو وہ مرتدین ہیں۔

○ اور آیت سورۂ مائدہ سے ومن یرتد منکم سے یہی لوگ مراد ہیں، اگر مرتد نہ ہوں تو فقہاء نے باب مرتدین کیوں باندھا ہے۔ اور اگر حضرت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے بعد مرتدین نہیں تو اس آیت اور حدیث: لا یزالون مرتدین سے آخر کیا مراد ہے۔

○ اہل کتاب کو یہ درجہ حرمۃ علی اہل الانصاب دیا گیا ہے۔ ان اللہ سبحانہ اذن فی طعامہم و قد علم انہم یسمون غیرہ علی ذبائحہم و لکنہم لما تمسکوا بکتاب اللہ و تعلقوا بذیل نبی جعلت لہم حرمۃ علی اہل الانصاب۔ کما فی احکام القرآن لابن العربی جلد ۲ صفحہ ۵۵۶۔ و ھکذا فی القرطبی جلد ۶ صفحہ ۷۶۔ (۲۲ جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ)

فائدہ حضرت شیخ القرآن پنج پیریؒ نے نہایت واضح الفاظ میں اس خیال کی تردید فرمادی جو آج کل لوگوں میں مشہور ہورہا ہے کہ کلمہ گو مشرکین اہل کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔ بلکہ حضرت شیخ القرآن امام محمد طاہر پنج پیریؒ تو اپنی زندگی میں ہر سال دورۂ تفسیر القرآن کے دوران اس بات کی وضاحت فرمایا کرتے تھے کہ موجودہ مشرکین کا ذبیحہ مردار ہے۔ چنانچہ:

سورۃ مائدہ کی آیت چار میں
درسِ قرآن کی پشتو تقریر

د سورۃ المائدہ آیۃ څلورم درس:

○ هغه شیخ چه ګیره ئے منکز کړے وی او بریت ئے خریلی وی او پینسے ئے اوچتے کړے وی او مسواك ورسره وی خوچه مشرك وی نو دهغه ذبیحه مرداره ده او هغه سپے چه تعلیم والا وی نو د هغه حلاله ده نو مشرك د سپی نه هم بد تر شو۔

یعنی دورۂ تفسیر القرآن میں سورۃ مائدہ کی آیت ۴ کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا امام محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ:

وہ صوفی جس نے داڑھی میں کنگھی بھی کی ہوئی ہو اور مونچھیں بھی کٹوائی ہوئی ہوں اور پائنچے بھی ٹخنوں سے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں اور مسواک بھی اس کے پاس ہو (ان تمام خوبیوں کے باوجود) اگر وہ مشرک ہو تو اس کا ذبیحہ مردار ہے۔ اور وہ کتا جو سدھایا ہوا ہو تو اس کی ماری ہوئی حلال ہے۔ اس لیے مشرک کتے سے بھی بدتر ہوا۔

فائدہ حضرت شیخ القرآن پنج پیریؒ نے یہ وضاحت کلمہ گو مشرکین کی عام ذبائح کے متعلق فرمائی ہے۔ ما اهل به لغیر الله والی ذبیحہ کے متعلق نہیں فرمائی۔ کیونکہ وہ حضرت شیخ الوانیؒ کے خصوصی تلامذہ اور تربیت یافتہ لوگوں میں سے تھے۔ اور عام طور پر واں بھچراں میں اپنے قیام کے دوران پیش آنے والے بعض ناقابلِ فراموش واقعات بیان فرماتے رہا کرتے تھے۔ مثلاً:

واں بھچراں کا کھیر والا واقعہ

○ څه چه کله د حضرت صاحب (مولانا حسین علی الوانی ﷫) سره وومر. نو ځما یو استاذ وو. مولانا عبد الحلیم صاحب فارسی بان. نو ما ورته خط اولیکلو چه راشه څه بیمار یم. (که ما داسے وئیلے وے چه راشه. نو عالم وو. بیا خو نه راتلو) نو چه هغه راغے. نو ما ورته اووئیل چه څه بیمار نه یم خو ما دے له را اوغوښتې چه دا د قرآن یو ډیر لوئې عالم دے. نو قرآن ترینه او وایه بیا به ملك ته ځے. نو هغه ما ته کنځل شروع کړو چه ځما پشان څوك عالم شته؟ ډیر اوقاریدو. څه غلے وومر. نو ما ورته وے چه خیر دے. ته ئے درس واوره. نو هغه اووئیل چه دے پنجابي وائی. نو ما اووئیل چه خیر دے فارسی به وائی.

○ نو ما حضرت صاحب ته اووئیل چه نن به مونږ ته فارسی کښې درس کئے. (داسے مے نه وئیل چه ملا راغلے دے) او

حضرت صاحب له فارسي ډيره خه ورتله. او مونږ هم پښځه شپږ کسان وو او په فارسي پوهېدو. نو مغه سورة النساء واوريده نو ما ترينه تپوس اوکړو. نو مغه اووئيل چه دے ځما غونتې پوهه دے اوبيا بله ورځ مے ترينه بيا تپوس اوکړو نو مغه اووئيل چه خه عالم دے. خوکه په فارسي کښې درس کوی نوخه به ياتے شم.

○ نو دے چه کله راغے نو ځما يو ملګرے وو ملتاڼے. او مونږ پنځه ميانشتے تيرے شوے وے او مونږ غوښه نه وه ليدلے او د کلو غوښه مونږ نه خوړه. ځکه مغه مشر کان وو. نو مونږ په پنځه آنے يوه چرګه واغسته او په لس پيسے مونږ سير غوړي واغستو چرګه پخه شوه مونږ ډوډئ نه کيناستو نو دا ملتاڼے وائي چه ځه مولانا له "کهير راوړم". نوما ورته په خوله لاس کيخودو چه چپ شه سړيه خير مغه بيا اووئيل نو مولانا ورته اووئيل چه "کهير درزن کن"

○ نو ملتاڼے خفه شو چه ماته ئې تخل اوکړو او مولانا هم خفه شو چه ماته ئې تخل اوکړو. او مغه د طبيعت نه سخت وو. دواړه پاسيده (او ما ترينه نيمه چرګه او خوړه) او بيا مے دواړه پوهه کړو چه ستاسو د خبرے مطلب دا دے. نو دواړه خفه شو.

○ چه دا خو واقعي مونږ غلطي کړے ده. بيا مے روغ کړو ما اووئيل چه ژبه نه درځي نو مه وايه.

○ دا واقعه او بيان د سورة ابراهيم اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ باندے بيان کړے ده.

اردو ترجمه جب میں حضرت صاحب (مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ) کے یہاں رہتا تھا. تو میرے ایک استاذ مولانا عبدالحکیم صاحب فارسی بان تھے. میں نے

انھیں خط لکھا کہ میں بیمار ہوں۔ لہٰذا آپ تشریف لائیں۔
(میرے وہ استاذ صاحب عالم تھے اگر میں ان کو یہ نہ لکھتا کہ میں بیمار ہوں تو شاید وہ تشریف نہ لاتے)

○ تو جب وہ تشریف لائے تو میں نے کہا کہ میں بیمار نہیں ہوں مگر میں نے آپ کو اس لیے زحمت دی کہ یہ (مولانا حسین علی) قرآن مجید کے بہت بڑے عالم ہیں۔ لہٰذا آپ بھی ان سے قرآن مجید پڑھ لیں۔ تو اس پر وہ مجھ سے ناراض ہونے لگے اور کہا کہ بھلا مجھ سے بھی بڑا کوئی عالم ہے؟۔ لہٰذا میں ان کی یہ بات سن کر خاموش ہوگیا۔ اور کہا کہ خیر ہے جی آپ درس قرآن پاک سن تو لیں۔

○ تو اس پر انھوں نے فرمایا کہ یہ تو پنجابی میں تفسیر بیان کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ خیر ہے حضرت صاحب فارسی میں تقریر فرمائیں گے۔ تو میں نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ آج ہمیں فارسی میں درس دیں۔ (میں نے حضرت صاحب سے یہ نہ کہا کہ ایک عالم تشریف لائے ہوئے ہیں) اور حضرت صاحب کو فارسی پر مکمل عبور حاصل تھا اور ہم پانچ چھ ساتھی بھی فارسی سمجھتے تھے۔

○ تو استاذ (عبدالحکیم صاحب) نے سورۃ النساء کا درس سنا تو میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت صاحب کیسے عالم ہیں؟

○ اس پر انھوں نے فرمایا کہ مجھ جیسے عالم ہیں۔

○ پھر دوسرے دن میں نے ان سے پوچھا تو فرمانے لگے کہ یہ اچھے عالم ہیں۔ اگر حضرت صاحب روزانہ فارسی میں ہی درس دیں تو میں رہنے کو تیار ہوں۔

○ جب میرے یہ استاذ (مولانا عبدالحکیم صاحب) تشریف لائے تو میرے ساتھ ایک ملتانی ساتھی بھی رہا کرتے تھے۔ اور ہم نے پانچ ماہ سے گوشت کا منہ تک نہ دیکھا تھا اور بستیوں کا گوشت ہم نہیں کھاتے تھے۔ کیونکہ وہ (بستیوں میں رہنے والے لوگ) مشرک تھے۔

- لہٰذا ہم نے پانچ آنے کی مرغی اور دس پیسے کا گھی خریدا۔ مرغی تیار ہوئی اور ہم کھانے کے لیے بیٹھے تو ملتانی ساتھی نے کہا کہ میں استاذ صاحب کے لیے کھیرا لاتا ہوں۔ تو میں نے منہ پر انگلی رکھ کر اس ملتانی ساتھی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔
- اس کے باوجود اس ملتانی ساتھی نے پھر کہا کہ میں مولانا صاحبؒ کے لیے "کھیرا لاتا ہوں"۔
- تو مولانا صاحب نے اسے کہا: "کیشر درزن کن"۔
- تو ملتانی ساتھی ناراض ہونے لگے کہ مولانا صاحب نے مجھے گالی دی ہے۔ اور مولانا صاحب بھی اپنی جگہ ناراض ہوئے کہ اس نے مجھے گالی دی ہے۔ اور استاذ صاحب طبیعت کے بھی سخت تھے۔ لہٰذا دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ (اور میں آرام سے مرغی کھاتا رہا)
- پھر میں نے دونوں کو سمجھایا کہ (کھیرا اور کیشر میں یہ فرق ہے) تو اس پر دونوں پشیمان ہوئے کہ واقعی ہم نے غلطی کی ہے۔ اور میں نے دونوں کی باہم صلح کروادی۔
- اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ کو زبان نہیں آتی تو نہ بولا کریں۔
- شیخ القرآن حضرت مولانا طاہر صاحب پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہ واقعہ سورۃ ابراہیم کی آیۃ الا بلسان قومه کے تحت بیان فرمایا کرتے تھے۔

فائدہ شیخ القرآن امام محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم بستیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے کیونکہ وہ مشرک تھے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ بستیوں کا گوشت نہ کھانے کی وجہ یہی تھی کہ ذبح کرنے والے مشرک تھے۔ لیکن یہ وجہ نہ تھی کہ بستی کہیں دور ہے۔ اور اب ظاہر ہے کہ ان کو یہ سبق حضرت پیر و مرشد ہی سے ملا تھا۔ ورنہ وہ ایسا لفظ نہ کہتے۔ کیونکہ حلال کو حرام کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ جیسا کہ:

○ ہمارے پیر و مرشد شیخ الوانی عام طور پر یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا ایمان کی شرطوں میں سے ہے۔

○ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ اسی طرح کسی حرام کام کو حرام سمجھتے ہوئے بلاعذر قصداً اس کا ارتکاب کرنا بھی کفر ہے۔ البتہ غیر ارادی طور پر سہواً کسی حرام کام کا مرتکب ہوجانے سے کفر لازم نہیں آتا۔ اس لیے ان کا کہنا بجا تھا کہ مشرک کی ذبیحہ حرام ہے۔

○ اور اس وقت ان کو یہی سبق ملا تھا اور آخر دم تک اسی پر عامل رہے۔ اور فتوے بھی اسی کے مطابق دیتے رہے کہ مشرک کا ذبیحہ حرام ہے۔ اور آپؒ نے موجودہ دور کے مشرکوں کو نہ اہل کتاب کہا، نہ اہل کتاب کے حکم میں فرمایا، بلکہ اس کی پرزور الفاظ میں تردید فرمائی۔

○ یاد رہے کہ اس واقعہ میں حضرت شیخ القرآنؒ نے جس گوشت کا ذکر کیا ہے اس سے وان بھچراں کے عام مشرک قصائیوں کی ذبیحہ مراد ہے، جو بازار میں فروخت کرنے کی غرض سے ذبح کیا جاتا تھا۔

○ اس سے مراد ما اھل بہ لغیر اللہ والا ذبیحہ نہیں۔ اس کا مسئلہ تو اس مسئلے سے بالکل مختلف اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کے حرام ہونے میں تو شاید کسی کو بھی اختلاف نہ ہو۔ بلکہ تاویل کے بعد اس مسئلہ میں تو کلمہ گو مشرکین کو بھی اختلاف نہیں۔

○ یہ واقعہ شیخ محمد طاہر صاحب پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب پٹھان کالونی کراچی والوں نے پشتو میں بیان کر کے اس کا ترجمہ بھی کیا۔ اور کہا کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اپنی آواز میں کیسٹ پر بھی یہ بیان محفوظ ہے۔ اور اس کی تصدیق مولانا حافظ ولی سید رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

واں بھچراں کا ایک اور واقعہ
بروایت مولانا حافظ ولی سید رحمۃ اللہ تعالیٰ

○ شیخ القرآن حضرت امام محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد خاص حضرت مولانا حافظ ولی سید رحمۃ اللہ تعالیٰ (کالوخان ضلع صوابی) ایک مرتبہ مجھ سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت انھوں نے سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مجھ سے سوال کیا۔ (ان کے سوال کا جواب ماہنامہ گلستان شیخ جنوری فروری ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا تھا) اور دوران گفتگو واں بھچراں میں حضرت شیخ القرآن کے قیام کے دوران گوشت نہ کھانے کے متعلق انھوں نے ایک واقعہ سنایا:

○ شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت صاحب (مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ) سے پوچھا کہ کئی ماہ سے گوشت نہیں دیکھا' اس کی کیا وجہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا: "نیک بختا! مشرکاں دی کٹھی حرام ہوندی اے"۔ یعنی مشرکوں کی ذبیحہ حرام ہوتی ہے۔

فائدہ اس واقعہ میں بھی "مشرکاں دی کٹھی" سے مشرکین کے ہاتھ کی وہی ذبیحہ مراد ہے جو بازاروں میں فروخت کرنے کی غرض سے کی جاتی ہے۔ اس سے مراد ما اهل به لغير الله والی ذبیحہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ جن لوگوں نے حضرت صاحبؒ کو اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا وہ نذر لغیر اللہ کے جانور ذبح کر کے طلباء کے لیے حضرت صاحبؒ کے ڈیرے پر بھیجیں۔ ان کی حالت تو یہ تھی کہ اگر کوئی دور دیس کا مسافر حضرت صاحبؒ کی ملاقات کے لیے آتا تو ڈیرے کا رستہ بھی نہیں بتلاتے تھے۔ مسافر کو کسی دوسرے رستے پر ڈال دیتے تھے۔ تاکہ یہ حضرت صاحبؒ سے ملاقات کر کے ان سے قرآن مجید کی تفسیر نہ سن لے۔

شبہ کی بناء پر حرام کو حلال سمجھنے والوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہو

⓪ شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مضمون "مشتبہ چیزوں کو ترک کرنا دین کا حصہ ہے" میں مشتبہ چیزوں سے بچنے کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے محقق علماءِ اعلام کے فتووں کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

① دارمی نے امام اوزاعیؒ سے نقل کیا ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ: "عبادت کے بغیر فقیہ ہونے کا دعویٰ کرنے والوں اور شبہ کی بناء پر حرام کو حلال سمجھنے والوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہو"۔ (الدارمی صفحہ ۳۶)

② اور دارمی نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ولاتتبعوا السبل" (یعنی کئی ایک راستوں پر مت چلو) کے ذیل میں امام مجاہد سے "السبل" کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ: "اس سے مراد "وہ بدعتیں اور شبہات" (کھٹکنے والی چیزیں) ہیں"۔ (الدارمی صفحہ ۳۸)

③ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: حسان بن ابی سنانؒ کہتے ہیں کہ: "میں نے "ورع" اور پرہیزگاری سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی (یعنی یہ کہ) کھٹکے کی چیزوں کو چھوڑ دو اور بے کھٹکی چیزوں کو اختیار کرو"۔

④ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: امام خطابی کا ارشاد ہے کہ: "ہر وہ چیز جس میں تجھے شک ہو جائے تو پرہیزگاری یہی ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے"۔ (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۵۰ وکذا فی شرح العینی جلد ۱ صفحہ ۳۵۰)

⑤ پس وہ امور جن کے حلال اور حرام ہونے میں اشتباہ ہو تو ان سے اجتناب ہی مناسب ہے۔ خیال رہے کہ یہ اشتباہ ایسے علماء پر نہیں ہوتا جو علم کے اعتبار سے پختہ ہوں۔ (قال ابن رجب فی جامع العلوم والحکم صفحہ ۵۶)

(دیکھیے: نغمۂ توحید اپریل ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۶ و ۱۷)

مولانا ولی اللہ کابلگرامی کی شہادت

○ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ اور شیخ القرآن حضرت امام محمد طاہر پنجپیریؒ کے شاگرد اور اپنے علاقہ کے مشہور عالم دین اور نفاذ شریعت کے امیر حضرت مولانا ولی اللہ صاحب کابلگرامی مدظلہ العالی سے محترم رضوان اللہ صاحب کابلگرامی نے یکم شوال ۱۴۱۹ھ کو دریافت فرمایا:

سوال

① اہل کتاب شرک کرتے تھے یا نہیں؟

② باوجود شرک کے ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

③ اگر باوجود شرک کے ان کا ذبیحہ حلال ہو تو آیا موجودہ مشرکین کو اہل کتاب پر قیاس کر کے ان کے ذبیحہ کو حلال کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

④ موجودہ مشرکین کو اہل کتاب پر قیاس کر کے ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

⑤ مندرجہ بالا سوالات کے بارے شیخ محمد طاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نظریہ کیا تھا؟

رضوان اللہ کابلگرامی

الجواب واللہ الھادی والموفق للصواب

① اہل کتاب شرک کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید و ھم صاغرون ○ وقالت الیھود عزیر ن ابن اللہ و قالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ذٰلک قولھم بافواھھم یضاھئون قول الذین کفروا من قبل قاتلھم اللہ انّی یؤفکون ○ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ و المسیح ابن مریم و ما امروا الا لیعبدوا الٰھا واحدا لا الٰہ الا ھو سبحانہ عما یشرکون ○ (التوبۃ - ۹: ۲۹-۳۱)

(۲) ذبیحہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم (المآئدۃ-۵:۵)

(۳) موجودہ مشرکین کو اہل کتاب پر قیاس کر کے ان کے ذبیحہ کو حلال نہیں کہا جاسکتا۔ یہ مشرکین اہل کتاب نہیں ہیں۔ مقیس جزئیہ میں خود نصوص حرمت موجود ہیں۔ پہلی آیت میں تخصیص حلت ذبیحہ اہل کتاب دلیل ہے۔ عدم حلت ذبیحہ مشرکین پر۔

(۴) قیاس صحیح نہیں موجودہ مشرکین اہل کتاب نہیں ہیں۔ یا ذمی ہیں یا مرتد ہیں۔ اور ان دونوں کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے۔

(۵) پہلی بات کہ یہ کتابی نہیں اس لیے کہ اہل کتاب بحیثیت صفتی نام کے صرف یہود و نصاریٰ کے لیے اصطلاح شریعت میں خاص ہے۔ دوسرے کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

(۶) دوسری بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ۔۔۔ ولا تنکحوا مشرکین حتی یومنوا (البقرۃ-۲:۲۱۷)

(۵) یہی قول حضرت شیخ (امام محمد طاہر پنج پیری) نور اللہ مرقدہ کا تھا۔ اور یہی تعلیم تھا ان کا۔ واللہ اعلم

مزید تحقیق کے لیے علماء ربانیین سے رجوع کرلیں۔

(حضرت مولانا) **ولی اللہ کابلگرام** ۲ر شوال ۱۴۱۹ھ

فائدہ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب ظلہ کا یہ فتویٰ بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔ اس میں آپ نے سائل کے جواب میں اس بات کی وضاحت بھی فرمادی کہ حضرت شیخ القرآن پنج پیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی تھا کہ موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین اہل کتاب نہیں اور نہ ہی ان کی ذبیحہ حلال ہے۔ جیسا کہ خود حضرت شیخ القرآن پنج پیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ سے واضح ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

شیخ التفسیر مولانا محمد امیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

○ حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ رشید شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ بانی جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا نے اپنی مایہ ناز تصنیف **دعوۃ الحق** صفحہ ۴۸ سے صفحہ ۶۰ تک آیات دربیان علوم مختصہ باری تعالیٰ بیان کرنے کے بعد فائدہ میں فرمایا:

○ آیات مذکورہ سے یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ علم غیب کلی جمیع اشیاء ماکان و مایکون کا ایک ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ کسی نبی اور ولی فرشتہ اور جن کو قدرت اور قبضہ علم الغیب پر نہیں دیا۔ یہ خاصہ واجب الوجود کا ہے۔ کوئی ممکن الوجود اس کے لائق نہیں۔ اگر کسی نبی یا ولی میں اس علم غیب کا عقیدہ رکھے یا جن اور فرشتے کو عالم الغیب سمجھے کہ ان کو ہر چیز معلوم ہے حتیٰ کہ مغیبات خمسہ کا بھی ان کو علم دیا گیا ہے۔ اور جمیع ماکان وما یکون میں سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ ان کو تمام غیوبات پر قدرت ہوتی ہے۔ تو: ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک اور کافر ہے۔ نصوص قطعیہ کا منکر کتاب اللہ کا محرف زندیق اور بے دین ہے۔

فائدہ مندرجہ بالا عبارت میں شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرکیہ عقائد بیان کرنے کے بعد "ایسا عقیدہ رکھنے والا" کے الفاظ استعمال فرمائے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ: "وہ پہلے موحد ہو پھر شرکیہ عقیدہ اختیار کرلے"۔ یعنی وہ توحید کا اقرار کرنے کے بعد مرتد ہو جائے۔ بلکہ فرمایا: "ایسا عقیدہ رکھنے والا"۔ یعنی نسلی طور پر باپ دادا کی اتباع میں ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص زندیق اور بے دین ہے۔

○ اس مقام پر حضرت بندیالوی نے نسلی مشرک کے بارے میں ہی قرآنی آیات کی روشنی میں اپنا مسلک بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگ مرتد نہیں بلکہ زندیق ہیں جن کا حکم مرتدین سے زیادہ سخت ہے۔

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا خوب اچھی طرح علم تھا کہ زندیق کون ہوتا ہے اور اس کے بارے میں کیا شرعی احکام کیا ہیں۔ وہ بہت بڑے اور متبحر عالم دین تھے۔ وہ محدث بھی تھے مفسر بھی تھے فقیہ بھی تھے مناظر بھی تھے اور خطیب بھی تھے۔ حکمت کے ساتھ بات کرنے اور سمجھانے کا سلیقہ انھیں وراثۃً ملا تھا۔ وہ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ کونسی بات اس وقت عوام کے لیے قابلِ برداشت ہے اور کونسی بات کو کس انداز میں تدریجاً بیان کرنا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ دعوۃ الحق آپؒ کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے۔ جو انھوں نے سرگودھا تشریف لانے سے قبل ڈیرہ جاڑہ میں تحریر فرمائی تھی۔ اس علاقہ میں اکثریت انہی جاہل عوام کی ہے جو قبر پرستی اور ندا لغیر اللہ برائے استعانت واستمداد مافوق الاسباب میں مبتلا ہیں۔ اور اس کتاب میں انھوں نے انہی کلمہ گو مشرکین کے شرکیہ عقائد بیان کرنے بعد ان پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگایا۔ اس کے بعد اگر زندگی وفا کرتی تو یقیناً پوچھنے والے بھی ان سے پوچھتے کہ زندیق کسے کہتے ہیں اور اس کے احکام کیا ہیں۔ اور وہ یقیناً زندیق کی وہی تعریف بیان کرتے جو ان کے پیش رو اکابرین امت بیان کر گئے ہیں۔ جیسا کہ آج ہم سے پوچھا جا رہا ہے۔

اس کے بعد صفحہ ۱۱۱ سے صفحہ ۱۲۷ تک : "تحقیق ما اھل بہ لغیر اللہ" کے زیرِ عنوان مسئلۂ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت امام رازیؒ کے حوالے سے آپؒ نے فرمایا: قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ و قصد بذبیحتھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتداً و ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد یعنی جو مسلمان کوئی ذبیحہ ذبح کرے اور ذبح کرنے سے مقصد اس کا یہ ہو کہ جس کے نام پر اس کو ذبح کیا گیا ہے وہ خوش ہوگا۔ اور اس ذبح میں اس کی رضا مقصود ہے۔ وہ میری ذبح کو جان رہا ہے۔ پس اس ذبح سے وہ شخص

مرتد ہوگیا۔ اور اس کی ذبح مرتد کی ذبح کے برابر ہے۔ یعنی وہ شخص اس عقیدہ تقرب الی غیر اللّٰہ سے مرتد ہوجائے گا۔

- نیز آپؒ نے صفحہ ۱۲۵ پر بھی یہی عبارت تفسیر نیشاپوری کے حوالے سے نقل فرمائی۔ یہاں انھوں نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا کہ اگر بالفرض مسلمان ذبح کرے اور ذبح کرنے سے اس کا مقصد تقرب الی غیر اللّٰہ ہے تو اس عقیدے سے وہ مسلمان مرتد ہوجائے گا۔ اور اس کی ذبیحہ مرتد کی ذبیحہ ہوگی۔
- لیکن جہاں انھوں نے کلمہ گو مشرکین کی بات کی ہے وہاں انھیں مرتد نہیں بلکہ زندیق اور بے دین کہا ہے۔ (دیکھیے: دعوۃ الحق ص ۶۰، ۶۱)
- نیز جس طرح آپؒ نے موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین کو زندیق قرار دیا ہے اسی طرح آپؒ نے صفحہ ۲۳ پر مشرکین عرب کو بھی زندیق کہا ہے۔ چنانچہ:
- حضرت مولانا محمد امیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے دعوۃ الحق صفحہ ۲۳ پر حضرت شاہ ولی اللّٰہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب حجۃ اللّٰہ البالغہ کے حوالے سے مشرکین مکہ کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: جو اصول اہلِ جاہلیہ میں مسلَّم تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آسمان اور زمین اور جو چیز آسمان اور زمین کے درمیان ہے ان سب کا خالق خدا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ بے شک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ سب کہہ دیں گے کہ خدا نے پیدا کیا ہے۔ لیکن ان کے **زندیق** ہونے کی ایک بات یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ بعض فرشتے اور ارواح ایسے ہیں جو علاوہ بڑے بڑے انتظامات کے امورِ اہلِ زمین کے مدبر ہوا کرتے ہیں۔
- پھر صفحہ ۱۵ پر عرب کے ان زنادقہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین کے بارے میں فرمایا: جو کوئی کسی ولی کو یا جن یا فرشتہ کو، یا امام و امام زادے کو، یا پیر و شہید کو، یا نجومی و رمال کو، یا جفار کو، یا

فال دیکھنے والے کو، یا برہمن کو، یا بھوت پری کو، ایسا جانے، یا اس کے حق میں یہ عقیدے رکھے سو وہ ابوجہل کی طرح مشرک و کافر ہے۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت مولانا محمد امیر بندیالوی رحمۃ اللہ تعالٰی کا مسلک یہی تھا کہ موجودہ زمانے کے کلمہ گو مشرکین دائرۂ اسلام سے خارج اور مشرکین مکہ کی طرح زندیق اور بے دین ہیں جن کے ہاتھ کی ذبیحہ بھی حرام ہے اور ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح بھی کسی مسلمان کا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین تو شرک میں ان مشرکین عرب سے دو قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ:

○ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر رحمۃ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اُس زمانہ کے مشرک عین مصیبت میں ایک اللہ کو پکارا کرتے تھے اور مصیبت کے ٹل جانے کے بعد پھر اپنے معبودوں کو اللہ کے شریک ٹھہرا کر مشرک بن جاتے اور توحید کو بھول جاتے تھے۔ لیکن آج کل کے مشرکوں کا تو یہ حال ہے کہ ہر حال میں سختی ہو یا نعمت، دریاؤں میں ہوں یا جنگلوں میں اوروں کو پکارتے ہیں۔ کوئی شیخ عبدالقادر کو پکارتا ہے، کوئی شاہ عبدالحق کو پکارتا ہے، کوئی یا علیؓ اور یا حسینؓ کے نعرے لگاتا ہے، کوئی اپنے پیر کو پکارتا ہے۔ یہ پیر پرست، نام کے مسلمان اُس زمانہ کے مشرکوں سے شرک میں دو قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں اور شرک میں زیادہ پکے ہیں اور پھر باوجود زیادہ شرک کرنے کے اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

○ نیز آپؒ نے "التوحید" صفحہ ۴۸ میں فرمایا کہ: "انبیاء اور اولیاء کے معجزات و کرامات سنا کر اختیار ان کا ثابت کرنا یہ کتاب اللہ کی صریح تحریف ہے"۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپؒ کے نزدیک موجودہ زمانہ کے کلمہ گو مشرکین زندیق ہیں۔ کیونکہ زندیق اسی کو کہا جاتا ہے جو نصوص شرعیہ کے مسلّمہ معانی میں تحریف کرے۔

○ نیز آپ نے التوحید صفحہ ۹ پر ارشادِ باری تعالیٰ لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن (الآیہ) نقل فرمائی۔ جو صریح دلیل ہے اس بات کی آپ کے نزدیک موجودہ زمانہ کے کلمہ گو مشرکین مکہ کے مشرکوں کی طرح کے شرک میں مبتلا ہیں جن کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود آپ نے ردِ شرک پر متعدد قرآنی آیات نقل کرنے کے بعد صفحہ ۱۲ پر **تبصرہ** کا عنوان قائم کرکے فرمایا:

○ اگرچہ اس قسم کے مضمون کی آیات کتاب اللہ میں اکثر ہیں، لیکن یہاں تو بمنزلہ مشتے نمونہ از خروارے ہدیہ ناظرین ہیں۔ قارئین پر سطورِ بالا میں اتنا واضح ہو چکا ہوگا کہ ذاتِ بابرکات باری تعالیٰ نے باوجود بے پایانی رحمت اور بے انتہائی شفقت کے مشرک پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔ جو ایک بڑی رحمت کا مقام ہے۔ اور اس کیلئے مغفرت کا وعدہ فرمایا اور مشرک کو تعمیر مسجد اللہ سے روکا گیا بلکہ قربِ مساجد سے بھی منع فرمایا گیا۔ اور شرک کو ظلم عظیم فرمایا۔ اور مشرک کے جمیع اعمالِ صالحہ کے حبط کا حکم دیا۔ اور مومن و مشرک کو رشتہ مناکحت کرنے سے روکا۔ اور مشرک کے لیے استغفار اور جنازہ اور دعائے مغفرت اور قیام علی قبور المشرکین وغیرہ معاملاتِ شرعیہ سے منع فرمایا۔

فائدہ اس مقام پر حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر واضح الفاظ میں کلمہ گو مشرکین کی مشرکین عرب سے مماثلت بیان کرنے کے بعد قرآنی آیت کی روشنی میں مومن و مشرک کو رشتہ مناکحت سے روکنے کا ذکر فرما کر مسئلہ کھول دیا ہے۔ اگر اب بھی کسی کے پلے بات نہ پڑے اور اب بھی اگر کوئی کلمہ گو مشرکین کے ساتھ مناکحت کو جائز سمجھے یا ان کی ذبیحہ کو حلال قرار دے تو اس میں حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قصور نہیں۔ انھوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور انھیں جنت کے اعلیٰ مقام میں ترقی عطا فرمائے۔ اظہارِ حق میں ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلائے۔ آمین۔

○ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی آیت کریمہ :
و جعلوا للّٰہ مما ذرء من الحرث و الانعام (الانعام۔ ۶ : ۱۳۰) کی تفسیر میں
فرمایا : اس آیت میں مشرکین کے شرک فعلی کا بیان ہے۔ جو کھیتی باڑی اور
مویشی جانوروں میں اللہ کے سوا اوروں کے حصے مقرر کرکے شرک کرتے ہیں۔

○ کھیتی میں اللہ کے نام کے حصے دیتے۔ کیونکہ وہ اللہ کو مانتے تھے۔ اور
اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق، مالک، محیی، ممیت، مدبر، جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ
کے نام کے حصے دے کر خدا کو بھی خوش کرتے اور کھیتوں میں حضرت
ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور لات بزرگ کے حصے مقرر کرکے بعقیدہ
تقرب الی اللہ اور شفیع مان کر ان کو بھی راضی کرتے اور بزرگوں کے نام پر بھی
چھوڑتے تھے۔ فرق اتنا ہوتا تھا کہ اگر کوئی جانور اچھا دیکھا جو اللہ کے نام کا
دیا ہوا ہوتا وہ بزرگوں کے نام کی طرف بدل دیا۔ مگر بتوں کے نام کی چیز اللہ
کی طرف نہیں بدلا کرتے تھے۔ کیونکہ ان سے زیادہ ڈرتے تھے کہ یہ
بزرگ ناراض ہوگئے تو پھر جو چاہیں کریں، یہ مختار ہوتے ہیں، ان کو پھر کوئی
روکنے والا نہیں۔ لہٰذا ان سے زیادہ ڈر رکھتے تھے۔ علیٰ ہٰذا القیاس غلہ وغیرہ
میں بھی یہی صورت اختیار کر رکھی تھی۔

○ یہاں نذر و نیاز کا بیان ہے جو غیر اللہ کے نام پر غلہ اور جانوروں کی نذریں
مانتے تھے۔ اس کو قرآن نے شرک فرمایا ہے۔

○ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح آج کل اللہ کے نام کے بھی حصے دیے
جاتے ہیں، مثلاً زکوٰۃ، عشر، صدقات، قربانی وغیرہ اور غیر اللہ کے نام پر بھی
چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ اور جانور مقرر کیے جاتے ہیں۔ دودھ،
کپڑے، مرغے، آٹے، شیرینیاں دی جاتی ہیں۔ مثلاً بکرا شیخ سدو کا، گائے
شیخ کبیر کی، صحنک بی بی فاطمہؓ کی، گیارھویں حضرت پیرؒ کی، کونڈے امام جعفرؒ
کے، وغیر ذلک۔ زندیق مولوی عوام کو نیکی کا کام کہہ کہہ کر ان سب

کاموں کی ترغیب دیتے رہتے ہیں

○ جس طرح سابقہ زمانہ میں بطورِ تقرب اور محبت ان اشیاء کو بزرگوں کے نام کی طرف منسوب کرتے تھے اسی طرح آج کل بھی محبت اور خوشنودی کی خاطر یہ نذر دی جاتی ہیں۔ نظریہ بھی ایک اور طریقہ بھی ایک۔ نام میں فرق ہے کام میں نہیں۔

○ آیات مذکورۃ الصدر میں مختلف قسم کے نظریات و افعال شرکیہ بیان کیے گئے۔

خلاصہ جن کا یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی جزء بنانا یا اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں شریک ٹھہرانا' مثلاً ان کو عالم الغیب سمجھنا باں طور کہ دنیا کے ذرہ ذرہ کا ان کو علم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں' ان سے بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام عالم کے غیوبات اور مستورات پر اطلاع دی ہے۔ ہماری کوئی آواز اور ہماری کوئی حرکت ان سے مخفی نہیں ہے۔ یہ حاضر و ناظر ہیں۔ پھر ان کو مختارِ کل سمجھنا کہ جو چاہیں سو کریں جس طرح اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر مختار ہے یہ عطائی طور پر مختار ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر سنتا دیکھتا ہے' یہ عطائی طور پر سنتے دیکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے آگے سفارشی بنتے ہیں اور کام کروا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا بہت بڑا لحاظ ہے۔ ان کی سفارش کو موڑتا نہیں۔ جب ان کو پکارا جائے' یہ ہماری پکاریں سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ ہمیں دیکھتے ہیں اور جب ان کے نام کی نیازیں دی جائیں اور ان کے نام پر مویشی چھوڑے جائیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور جب ان کی مزاروں پر طواف کیا جائے اور بوسہ دیا جائے یا ہاتھ لگایا جائے یا غلاف چڑھایا جائے تو راضی ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنتے ہیں۔ وغیر ذلک۔ ان تمام حرکات اور خیالات و ظنونات کو اللہ تعالیٰ نے شرک فرمایا ہے۔ (التوحید مولفہ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر رحمۃ اللہ تعالیٰ صفحہ ۴۳ تا ۴۵)

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں خوبصورت اندازِ تحریر میں مشرکین عرب اور کلمہ گو مشرکین کی باہم مماثلت بیان کر کے حکم کا فیصلہ قارئین پر چھوڑا ہے۔ وہاں قرآنی الفاظ میں خدائی فیصلہ بیان کرتے ہوئے انہی کلمہ گو مشرکین کو دعوت توحید اور شرک کو چھوڑنے کی ترغیب دیتے ہوئے التوحید صفحہ ۹ پر اپنے مخصوص انداز میں آیت: لاتنکحوا المشرکات تحریر فرمائی۔

اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے انہی کلمہ گو مشرکین کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کی عورتوں سے مسلمان کو نکاح کرنا حرام ہے۔ لہٰذا جب ان کی عورتوں سے نکاح حرام ہے تو ان کی ذبیحہ بھی یقیناً حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسائل قربانی کے بیان میں آپ اس مسئلہ کا واضح الفاظ میں ذکر فرمایا کرتے تھے کہ کلمہ گو مشرکین سے جانور ذبح نہ کرایا جائے۔ اور اس کے لیے اول تو خود ذبح کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ بصورت دیگر موحد قصائی سے ذبح کرانے کا حکم فرماتے تھے۔ چنانچہ:

حضرت مولانا محمد امیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں مدرسہ ضیاء العلوم سرگودھا کی طرف سے مسائل قربانی کے موضوع پر شائع ہونے والے اشتہار میں ذبح کرنے کا طریقہ اس طرح لکھا جاتا تھا کہ: "اگر ذبح کرنا جانتا ہو تو خود ذبح کرے ورنہ مسلمان موحد سے ذبح کرائے۔ اہل کتاب کی ذبح مکروہ ہے۔ مرتد اور مجوسی کی ذبح حلال نہ ہوگی"۔ (یہ اشتہار ہمارے پاس موجود ہے)

نیز آپ نے رسالہ "احکام قربانی" صفحہ ۱۹ و ۲۰ میں تحریر فرمایا: اگر ذبح کرنا جانتا ہو تو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے ورنہ کسی اور سے ذبح کرا لے۔ بشرطیکہ مسلمان موحد ہو اور ذبح کا طریقہ جانتا ہو۔ اور آپ پاس کھڑا دیکھے۔ اگر پردہ دار عورت پردے کی وجہ سے سامنے کھڑی نہیں ہو سکتی تو حرج نہیں۔

اہل کتاب کا قربانی ذبح کرنا مکروہ ہے۔ مرتد اور مجوسی وغیرہ ذبح کرے تو اس کی ذبح حلال نہ ہوگی۔

فائدہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کے ساتھ فرمادیا کہ اگر آپ ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو دو شرطوں کے ساتھ کسی اور سے ذبح کروالے: (۱) ذبح کرنے والا مُسلمان موحّد ہو۔ (۲) ذبح کا طریقہ بھی جانتا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ شرط وہی ہوتی ہے جس کے بغیر مالہ الشرط کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اور:

قاعدہ ہے: اذا فات الشرط فات المشروط۔ جب شرط مفقود ہو تو مشروط بھی مفقود ہوتا ہے۔ اس شرط سے واضح ہوگیا کہ اگر ذبح کرنے والا مُسلمان موحّد نہ ہو بلکہ مشرک ہو تو ذبح حلال نہ ہوگی۔ اسی مسئلہ کی وضاحت میں آپؒ نے فرمایا کہ: مرتد، مجوسی وغیرہ کی ذبح حلال نہ ہوگی۔ البتہ شبہ ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید میں تو و طعام الذین اوتوا الکتب حل لکم آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔ جبکہ اہلِ کتاب تو شرک بھی کرتے تھے۔ جن کے شرک کا ذکر صراحۃً قرآن مجید میں موجود ہے۔ سو جواب شبہ کے طور پر فرمایا کہ: اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کا ذبیحہ حلال تو ہے مگر حسبِ تصریح علماءِ متقدمین و متأخرین مکروہ ہے۔ جیسا کہ:

○ شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ میں تحریر فرمایا کہ: ان آیات میں ذبیحہ کی حلت اور نکاح کی اباحت سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ چیزیں فی حد ذاتہٖ جائز ہیں۔ معاذاللہ ترغیب دینا مقصود نہیں کہ تم خواہ مخواہ مُسلمان عورتوں کو اور اپنے خاندان کی لڑکیوں کو چھوڑ کر کتابیات سے نکاح کیا کرو۔ بلکہ تنگی دفع کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی وقت ضرورت اور مصلحت داعی ہو تو اہلِ کتاب کی عورتوں سے فی حد ذاتہٖ نکاح جائز ہے۔ بشرطیکہ خارجی اثرات اور حالات سے کسی مضرت اور مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اگر خدانخواستہ یہ اندیشہ ہو کہ ان کے جال میں پھنس کر اپنے دین و ایمان کو تباہ کرے گا تو ان حالات میں کتابیات سے نکاح کی حلت مبدل بہ حُرمت ہوجائے گی۔ جو چیز شرعاً حلال ہو مگر اس حلال

سے منتفع ہونے میں حرام کا ارتکاب کرنا پڑے تو وہ حلال بھی حرام ہوجاتا ہے۔

○ مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۶۲ میں فرمایا کہ: ایک مرتبہ میمون بن مہران نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ہم ایک ایسے ملک میں آباد ہیں جہاں اہلِ کتاب زیادہ بستے ہیں۔ تو کیا ہم ان کی عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو جواب میں یہ دونوں آیتیں پڑھ کر سنادیں۔ ایک وہ جس میں مشرکات کے نکاح کو حرام فرمایا ہے (لاتنکحوا المشرکات) دوسری یہ آیت مائدہ جس میں اہلِ کتاب کی عورتوں کی حلت بیان کی ہے (والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم) میمون بن مہران نے کہا یہ دونوں آیتیں تو میں بھی قرآن مجید میں پڑھتا ہوں اور جانتا ہوں۔ میرا سوال تو یہ ہے کہ ان دونوں (آیتوں) کے پیشِ نظر میرے لیے حکم شرعی کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پھر یہی دونوں آیتیں پڑھ کر سنادیں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کے نزدیک اگرچہ از روئے قرآن اہلِ کتاب کی عورتوں سے فی نفسہٖ نکاح حلال ہے۔ لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اور خرابیاں اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے بلکہ پوری امتِ اسلامیہ کے لیے از روئے تجربہ لازمی طور پر پیدا ہوں گی ان کی بناء پر اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

○ جصاص نے احکام القرآن میں شقیق بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کرلیا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دیدو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لیے حرام ہے؟۔ تو پھر امیرالمؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر

فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا۔ لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے۔ اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہوجائے۔

○ اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں اس واقعہ کو بروایت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو اس کے یہ الفاظ تھے: اعزم علیك ان لا تضع کتابي حتی تخلی سبیلها فانی اخاف ان یقتدیك المسلمون فیختاروا نساء اھل الذمة لجمالھن وکفی بذلك فتنة لنساء المسلمین (کتاب الآثار صفحہ ۱۵۶) یعنی آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دیکر آزاد کردو۔ کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتداء کریں اور اہلِ ذمہ اہلِ کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں۔ تو مسلمان عورتوں کے لیے اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی۔

○ اس واقعہ کو نقل کر کے حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فقہاءِ حنفیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ اس نکاح کو حرام تو نہیں کہتے لیکن دوسرے مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں۔

○ اور علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے کہ حذیفہؓ کے علاوہ طلحہؓ اور کعب بن مالکؓ کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ انھوں نے آیتِ مائدہ کی بنا پر اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کرلیا۔ تو جب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو سخت ناراض ہوئے۔ اور ان کو حکم دیا کہ طلاق دیدیں۔

○ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ ہے۔ جب اس کا کوئی احتمال نہ تھا کہ کوئی یہودی، نصرانی عورت کسی مسلمان کی بیوی بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کرسکے۔ اس وقت تو صرف یہ خطرات

سامنے تھے کہ کہیں ان میں بدکاری ہو تو ان کی وجہ سے ہمارے گھرانے گندے ہو جائیں۔ یا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے لوگ ان کو ترجیح دینے لگیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمان عورتیں تکلیف میں پڑ جائیں۔ مگر فاروق نظر دور بین اتنے ہی مفاسد کو سامنے رکھ کر ان حضرات کو طلاق پر مجبور کرتی ہے۔ اگر آج کا نقشہ ان حضرات کے سامنے ہوتا تو اندازہ کیجیے کہ ان کا اس کے متعلق کیا عمل ہوتا۔ اول تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدے کی رو سے یہودیت و نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں۔ نہ ان کا تورات و انجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر۔ وہ عقیدے کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دہریے ہیں۔ محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں۔

○ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمان کے لیے کسی طرح حلال نہیں۔ اور بالفرض اگر وہ اپنے مذہب کے پابند بھی ہوں تو ان کو کسی مسلمان گھرانے میں جگہ دینا اپنے پورے خاندان کے لیے دینی اور دنیوی تباہی کو دعوت دینا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اس راہ سے اس آخری دور میں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ جن کے عبرت نامے روز آنکھوں کے سامنے آتے ہیں کہ ایک لڑکی نے پوری مسلم قوم اور سلطنت کو تباہ کر دیا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ حلال و حرام سے قطع نظر بھی کوئی ذی ہوش انسان اس کے قریب جانے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔

○ الغرض قرآن و سنت اور اسوۂ صحابہ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں۔

○ اور حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ میں فرمایا: بلکہ موجودہ زمانے کے یہود اور نصاریٰ کے ساتھ

بے ضرورت اختلاط اور ان کے ساتھ بیٹھ کر طیبات کا کھانا بھی خالی از فتنہ نہیں۔ مناکحت تو بڑی چیز ہے ان کے ساتھ تو محض مواکلت اور مشاربت (کھانے پینے) کا یہ اثر ہے کہ کفر سے مانوس اور اسلام سے بیزار اور اہل اسلام سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اعوذ باللّٰہ من الکفر والفقر آمین۔

○ راقم الحروف کہتا ہے کہ آج کے دور کا مُسلمان یہود و نصاریٰ کو اچھا نہیں سمجھتا۔ بلکہ یہودی اس کے نزدیک گالی ہے۔ اس کے باوجود مشاہدہ ہے کہ یہی مُسلمان جب یورپ اور امریکہ میں چلا جاتا ہے تو قطع نظر ایمان باللّٰہ و الرسول و القرآن' یہود و نصاریٰ کے ظاہری اخلاق و عادات و معاملات کو دیکھ کر بہت متأثر ہو جاتا ہے اور ان کا مداح بن جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ فراڈ نہیں کرتے۔ معاملات میں کھرے ہیں وغیرہ۔ اور یہ چیز دیکھ کر بعض تو وہیں کی شہریت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور وہیں کی میموں سے شادی کر لیتے ہیں۔ اور اگر ان کی پہلی بیوی ہو تو اس کا خرچہ بند کر دیتے ہیں۔ بالآخر طلاق بھی دے ڈالتے ہیں۔

کتابی کا ذبیحہ اور نکاح کی حلت خلافِ قیاس ہے

○ اہلِ کتاب کی ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کے بارے قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جیسے ان کی نماز' نماز نہیں اور ان کی کوئی عبادت مقبول نہیں۔ بلکہ ان کے تمام اعمالِ صالحہ ضائع ہیں۔ ایسے ہی ان کی ذبیحہ بھی حلال نہ ہونی چاہیے اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہونا چاہیے۔ لیکن بایں ہمہ نصِّ قرآنی نے ان دونوں حکموں کو اس قیاس سے خارج کر دیا اور اللّٰہ تعالیٰ نے اس امتِ مُسلمہ پر ان کے ذبیحہ کے استعمال کرنے کی رُخصت مرحمت فرمائی۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا۔ جیسا کہ:

○ تفسیر قرطبی جلد ۶ صفحہ ۷۷ میں ہے: فلما کان القیاس ان لا تجوز ذبائحهم کما نقول انهم لا صلوٰۃ لهم ولا عبادۃ مقبولة رخص اللّٰه تعالیٰ فی

ذبائحهم على هذه الامة واخرجها النص عن القياس على ما ذكرناه من قول ابن عباس۔

○ اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن جلد ۱۱ صفحہ ۳۱ میں تحریر فرمایا: فاذا كان جواز نكاح الكتابيات على خلاف القياس بأية المائدة لابد ان يقتصر على الكتابيات۔

○ نیز فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۵۲۰ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح فرمایا ہے۔

○ اور جو حکم خلاف قیاس وارد ہو تو اس کو اپنے مورد پر بند رکھا جاتا ہے۔ اور اس کی علت متعدیہ نہیں نکالی جاتی۔ جیسا کہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے۔ جیسے:

○ نماز کاملہ (ذات رکوع و سجود) میں اونچا ہنسنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اب اس پر ان لوگوں کو قیاس کرنا کہ جو خارج از نماز اونچا ہنسے یا نابالغ ہنسے یا نماز جنازہ میں ہنسے تو یہ قیاس صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ حکم قیاس کے خلاف ہے۔ اور اس کی علت نکالنا غلط ہوگا۔ نیز دیکھیے: ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۳، ۱۹۹، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۹۶۔

○ اسی طرح واقعہ بدر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر پر کھڑے ہو کر مرے ہوئے کافروں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقًا فهل وجدتم ما وعد ربكم حقًا۔ تو اس حدیث میں مرے ہوئے کافروں کو خطاب اور ان کا سننا معجزہ ہے۔ اس پر قیاس جائز نہیں۔ یعنی یہاں سے قیاس کرنا کہ سب مردوں کو خطاب کیا جاسکتا ہے اور وہ سنتے ہیں۔ یہ قیاس فاسد ہوگا۔

قربانی اور غیر قربانی کا فرق

○ بعض لوگوں نے قربانی کا جانور مرزائی رافضی اور مشرک کے ذبح کرنے سے حلال نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ قربانی عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب بھی کافر ہے۔ اس دلیل کی رو سے اس کی ذبیحہ بھی حلال نہ ہونی چاہیے۔ جبکہ:

○ کتاب الاضحیہ میں علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ کتابی سے قربانی کا جانور ذبح کروایا جائے تو اس کی ذبح مکروہ ہے (حرام نہیں) کیونکہ قربانی قربت اور عبادت ہے۔ اور کتابی عبادت کے اہل نہیں۔ البتہ :

○ اگر مالک نے کتابی کو قربانی کا جانور ذبح کرنے کا حکم دیا تو اس کتابی کی ذبیحہ حلال ہوگی۔ کیونکہ حلت اور کراہت جمع ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ :

○ حضرت شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا کہ : "کتابی کی ذبیحہ مکروہ ہے"۔ (یعنی حلال مع الکراہت ہے)

○ پھر فرمایا کہ : "مرتد مجوسی وغیرہ کی ذبح حلال نہیں"۔ اس "وغیرہ" میں قادیانی، مشرک، اور دیگر اسلام کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے بھی آگئے۔ نیز علماءِ کرام کی عبارت ذبیحة المسلم و الکتابی حلال سب ذبیحوں کو شامل ہے۔ خواہ ذبیحہ قربانی کا ہو یا غیر قربانی کا۔ اس میں کسی کی تخصیص یا استثناء نہیں۔

○ یہاں سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ حلت اور کراہت جمع ہوتی رہتی ہیں۔ اور جب مطلق مکروہ بولا جائے تو مراد مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ کیونکہ اصولی

قاعدہ ہے : المُطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل۔

○ نیز فقیہ کبیر ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کنز الدقائق کتاب الکراہیۃ صفحہ ۴۲۲ میں تحریر فرمایا : المکروہ الی الحرام اقرب کہ مکروہ حرام کے زیادہ قریب ہے۔

○ اور بعض قرائن کی وجہ سے بعض مقامات پر مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہوتی ہے۔ لیکن اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔ جیسا کہ نام حق میں مولانا شرف الدین نے فرمایا : ع

دز مکروہ مباش بے اندوہ
یعنی مکروہ سے بھی بے غم نہ ہو

○

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ کے فتوے

○ خطیب اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جامع مسجد تھڑے والی لالہ موسیٰ میں ۲۱ر جنوری ۱۹۸۳ء کو بعد نمازِ عشاء، قرآن کریم کی اہمیت کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس طرح بیان فرمایا کہ: پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا: جو شخص نبی پاکؐ کی سیرت، احادیثِ صحیحہ، آپؐ کے اقوال و افعال سے، آپؐ کے صحابہؓ کے آثار سے تفسیر کرے وہ ہمارے سر آنکھوں پر لیکن جو شخص قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر خود گھڑے جو قرآن کریم کے متن، ارشادات رسولؐ اور تفسیر صحابہؓ کے خلاف ہو وہ فاسق و فاجر ہے ایسا شخص آسمان کی رفعتوں سے اڑتا ہوا آئے، پانی کی لہروں پر کشتی کے بغیر چلتا آئے اور اس کے پاؤں بھی نہ بھیگیں، اسی طرح دوسری کرامتیں بھی دکھاتا رہے تو میں واشگاف لفظوں میں کہوں گا کہ: وہ زندیق ہے، جہنم کا ایندھن ہے۔

○ نیز حضرت شاہ صاحب نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا یہ فتویٰ بیان کرنے کے بعد مزید ارشاد فرمایا کہ: "یہی فتویٰ ہے:

(۱) حضرت جنید بغدادیؒ کا،

(۲) صوفیائے کرام کے امام و پیشوا، سہروردی سلسلے کے رہنما، عوارف المعارف والے حضرت امام سہروردیؒ کا، اور

(۳) حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کا، خدا کی رحمتوں کی بارش ہو ان بزرگانِ دین کی قبروں پر، ان سب کا یہی فیصلہ ہے۔ (یعنی جو شخص قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر خود گھڑے جو قرآن کریم کے متن، ارشادات رسولؐ اور تفسیر صحابہؓ کے خلاف ہو وہ زندیق ہے۔)

دیکھیے: نغمۂ توحید فروری مارچ ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۴۔

فائدہ دیکھیے حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح صاف واضح الفاظ میں زندیق کی تعریف بیان فرمادی۔ جو موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین پر سولہ آنے صحیح صادق آتی ہے۔ بال برابر فرق نہیں۔ ہر اہلِ علم اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ انصاف شرط ہے۔ ولا یفلح الظلمون ○

کلمہ گو مشرکین قرآن مجید کو نہیں مانتے

○ حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت: و اذ صرفنا الیک نفرا من الجن (الاحقاف۔۴۶: ۲۹) پر جامع مسجد مدنی کھاریاں میں ۱۳ر مارچ ۱۹۸۷ء کو بعد نمازِ عشاء تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

○ ذرا سوچیے! جنات کی جماعت کو قرآن کتنا پیارا لگا۔ وہ قرآن کی آواز سن کر خاموش ہوگئے۔ لیکن کتنے بدبخت ہیں آج کل کے وہ مُلا اور پیر، جنھیں قرآن راس نہیں آتا۔ وہ قرآن کریم کے مقابلہ میں مختلف کتابیں لے آتے ہیں۔ اور ان کتابوں پر تو پورا یقین رکھتے ہیں' لیکن اللہ کی کتاب کی آیات ماننے کو تیار نہیں۔ (نغمۂ توحید جنوری ۱۹۹۳ء صفحہ ۵۸)

فائدہ جو لوگ کلمہ گو مشرکین کو اہلِ کتاب کہتے ہیں ان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جو لوگ بقول حضرت شاہ صاحبؒ سرے سے قرآن مجید کو مانتے ہی نہیں بلکہ قرآن مجید کے مقابلہ میں مختلف کتابیں پیش کرتے ہیں' وہ بدبخت کس اصول اور قاعدے کی رو سے اہلِ کتاب ہوسکتے ہیں۔ جن کی ذبیحہ کو حلال قرار دیا جاسکے۔ فافہم

کلمہ گو مشرکین کی مشرکین مکہ سے تشبیہ

○ حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص انداز میں "اپر کلاس" اور "لوئر کلاس" مشرکین کی قسموں کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اپر کلاس مشرک :

○ کچھ لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے خود انبیاءؑ و اولیاءؒ کو اختیارات دے رکھے ہیں۔ وہ جسے چاہیں نفع دیں' جسے چاہیں نقصان دیں۔ یہ اپر کلاس مشرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید یوں فرمائی :

قرآن مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (اَلْقَصَصُ-۲۸: ۶۸)

ترجمہ "وہ اختیار نہیں رکھتے"۔

لوئر کلاس مشرک :

○ دوسرے درجے کے مشرک کہتے ہیں کہ انبیاءؑ و اولیاءؒ حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہیں۔ ہم انھیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کی قبروں پر نہیں جاتے۔ بلکہ ہم ان سے درخواست کرتے ہیں وہ ہماری درخواست سن کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ یہ لوئر کلاس مشرک ہیں۔ یہ مشرکینِ مکہ کی طرح کہتے ہیں :

قرآن هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (يُوْنُسَ-۱۰: ۱۸)

ترجمہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

(نغمۂ توحید جنوری ۱۹۹۳ء صفحہ ۶۰ و ۶۱)

کسیکہ فعلِ حرام را مُستحسن داند مرتد می گردد

○ نیز آپؒ نے شجرۂ بدعات صفحہ ۱۸ میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ :

① حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں : "عملِ صوفیاء در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم۔ اینجا قول امام ابی حنیفہؒ و امام ابی یوسفؒ و امام محمدؒ معتبر است نہ عمل ابی بکر شبلی و ابی حسن نوری' صوفیان خام ایں وقت عمل پیرانِ خود را بہانہ ساختہ سرود رقص را دین و ملت خود گرفتہ اند و طاعت و

عبادت ساختہ اولئك الذين اتخذوا دينهم لهواً ولعباً واز روایتِ سابق معلوم شدہ است: کہ بعلہ فعل حرام را مستحسن داند از زمرۂ اہل اسلام برمے آید و مرتد مے گردد۔"

یعنی صوفیوں کا عمل حرام اور حلال میں سند نہیں ہے۔ یہی بات کافی ہے کہ ہم انھیں معذور جانیں اور ملامت نہ کریں۔ ان کا معاملہ خدا کے سپرد کریں۔ یہاں (یعنی حلال و حرام کے مسائل میں) تو فقہاء امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے فیصلے معتبر ہیں نہ کہ صوفیاء ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کے۔ کچھ صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر گانا اور ناچنا مذہب میں داخل رکھا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ اور سابقہ روایت سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص فعلِ حرام کو اچھا جانے زمرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔

(مکتوبات جلد ا مکتوب ۲۶۶ صفحہ ۱۷۰)

فائدہ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا جو فتویٰ نقل فرمایا ہے اس میں نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ کسی قسم کے حرام کام کو اچھا سمجھنے والا شخص دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے۔ جس کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات رکھنا جائز نہیں۔ نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے نہ اس کے ساتھ رشتہ قائم کیا جائے اور نہ ہی اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے۔

تعامل حجت نہیں

○ جو کام پہلے سے ہو رہا ہے اسے سند بنانے کے متعلق فرماتے ہیں: "تعامل دلیل استحسان نیست تعاملے کہ معتبر است ہماں است کہ از صدر اول آمدہ است یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ الا تری لو تعاملوا علی بیع الخمر و علی الربوا لا تفتی بالحل۔ (مکتوبات جلد ۲ صفحہ ۱۰۳)

یعنی کسی کام کا پہلے سے چلے آنا اس کے اچھا ہونے کی دلیل نہیں۔ تعامل وہی معتبر ہے جو صدرِ اول سے آرہا ہو یا اجماع امت سے حاصل ہو۔ اگر شراب کے کاروبار یا سود پر لوگ تعامل کرنا شروع کر دیں' تو اس کی حلت کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ (شجرۂ بدعات صفحہ ۱۸ و ۱۹)

○ اس وقت صوفی اگر انصاف پر آئیں تو بناوٹی چیزوں کو پیروں کے عمل کے بہانہ سے نہ کریں۔ سنت کی اتباع یقیناً نجات دینے والی ہے۔
(مکتوبات شریف دفتر ۲ مکتوب ۲۳ صفحہ ۹۲)

کلمہ گو مشرک مرتد ہیں

"اگر اہل کتاب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے تھے تو آج کا مشرک بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا ہے۔ پھر یہ کیا بات ہوئی کہ موجودہ دور کے مشرک کو مرتد کہا جائے اور پہلے دور کے مشرکین کے بارے میں فتویٰ نرم ہو"۔ (نغمۂ توحید اپریل ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۰)

○ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے یہود و نصاریٰ کا کفر و شرک قرآن مجید کی آیاتِ مقدسہ سے ثابت کر کے مسئلہ واضح فرمادیا۔ لہٰذا ان لوگوں کو اپنے اس قول سے رجوع کر لینا چاہیے جو:

① پہلے دور کے یہود و نصاریٰ کے مشرک و کافر ہونے میں شک کرتے ہیں۔ یا:
② ان کے بارے میں کسی طرح سے بھی نرم رویہ رکھتے ہیں۔ یا:
③ اس زمانے میں موجود بدمذہب زندیق قسم کے نام نہاد یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کو جائز اور ان کی ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ یا:
④ یہودیوں اور عیسائیوں پر قیاس کرتے ہوئے موجودہ دور کے کلمہ گو مشرک زنادقہ کی عورتوں سے نکاح کو جائز اور ان کی ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں۔

فائدہ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس فرمان میں کلمہ گو مشرکین کے مرتد ہونے کی نفی نہیں بلکہ تصویب فرمائی ہے۔

- نیز حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارات میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ وہ کلمہ گو مشرکین کو اہلِ کتاب کی بجائے زندیق اور مرتدین کے حکم میں ہی سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کی یہ عبارات بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں۔ پھر ان کے ساتھی اور پیر بھائی شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ' شیخ القرآن حضرت امام محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ علیہ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا عبدالرؤف بوچھالوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی تھا کہ یہ کلمہ گو مشرکین اہلِ کتاب نہیں۔ اس لیے بعض حضرات کا یہ کہنا کسی غلط فہمی پر مبنی ہوگا کہ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کلمہ گو مشرکین کو اہلِ کتاب کہتے تھے۔ جبکہ خود حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تحریر میری نظر سے ایسی نہیں گزری جس میں انھوں نے اس قسم کا کوئی لفظ استعمال کیا ہو۔ تاہم حلال و حرام کے معاملے میں اگر پیر کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے جو اجماعِ امت کے خلاف ہو تو اسے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ جیسا کہ
- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے البلاغ المبین صفحہ ۵۵ میں فرمایا: فعلِ مشایخ حجت نہ باشد"۔ کہ پیر کا فعل شرعی حجت نہیں تھا۔
- اسی طرح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا: "مشربِ پیر حجت نیست' دلیل از کتاب و سنت می باید"۔ یعنی عقائد و شرعی امور میں پیرو مرشد کا مسلک حجت نہیں۔ شرعی امور میں ہمیشہ قرآن و سنت سے ہی دلیل لینی چاہیے۔ (دیکھیے: اخبار الاخیار صفحہ ۹۳)
- اسی طرح مشہور صوفی شاعر حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور مثنوی میں تحریر فرمایا ہے: ؎

نیست حجت قول و فعلِ ہیچ پیر
قول حق و فعل احمد را بگیر

مودودی صاحب کا مسلک

○ نغمۂ توحید میں ہے کہ : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم ایک دفعہ گجرات میں منظور خاں صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔ انھوں نے خطیب اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کو بھی دعوت دی۔ حضرت شاہ جیؒ تشریف لے گئے۔ باتوں باتوں میں یہ مسئلہ چلا کہ جن کلمہ گو لوگوں کے عقائد و اعمال صریح مشرکانہ ہیں ان کی اقتداء میں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

○ مولانا مودودی مرحوم کہنے لگے : "میں تو انھیں مشرک نہیں کہتا بلکہ اہل کتاب سمجھتا ہوں۔ اور اہل کتاب اگرچہ شرک میں مبتلا تھے لیکن قرآن پاک میں ان کے لیے مشرک کا لفظ استعمال نہیں ہوا"۔

○ حضرت شاہ جیؒ نے فرمایا : "قرآن پاک میں شرک کرنے والے اہل کتاب کے لیے مشرک کا لفظ استعمال ہوا ہے"۔ اس کے بعد حضرت شاہ جیؒ نے قرآن مجید منگوا کر سورۃ توبہ کی آیت ۳۰ تا ۳۳ اور سورۃ انعام کی آیت ۱۲۱ کی تلاوت فرما کر ثابت کیا کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے لیے قرآن مجید میں مشرک کا لفظ استعمال ہوا ہے"۔

○ مودودی صاحب اور حضرت شاہ جیؒ کے اس مکالمے سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اس مکالمہ سے قبل مودودی صاحب کلمہ گو مشرکین کو اہل کتاب قرار دے کر نہ صرف مناکحت اور ذبیحۂ مشرک کو حلال سمجھتے رہے، بلکہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے رہے تھے۔ پھر حضرت شاہ جیؒ کے سمجھانے سے بات سمجھ آگئی تو مودودی صاحب کہنے لگے : "شاہ صاحب! بات سمجھ آگئی ہے۔ میں خود تو پہلے ہی ایسے لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے احتیاط برتتا ہوں، آئندہ دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کو کہوں گا"۔ (دیکھیے : نغمۂ توحید ستمبر ۱۹۹۰ء صفحہ ۷۶)

○ اس مکالمہ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کا مسلک یہ

تھا کہ کلمہ گو مشرکین باوجود شرک کرنے کے مشرک نہیں بلکہ اہل کتاب ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ انھیں اہلِ کتاب سمجھنے کے ساتھ ساتھ مشرک بھی سمجھتے تھے۔ حالانکہ بات ایسی نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ مودودی صاحب اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کو شرک میں مبتلا ہونے کے باوجود مشرک نہیں کہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک نہیں کہا۔ جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مودودی صاحب کے اس قول کی اصلاح فرمائی ہے۔ اور قرآنی آیات سے ثابت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک کہا ہے۔ اس مکالمہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کلمہ گو مشرکین کو اہلِ کتاب کہتے تھے۔ کیونکہ اول تو انھوں نے یہ کہا ہی نہیں کہ کلمہ گو مشرک اہلِ کتاب ہیں۔ نیز اہلِ کتاب کی جو تعریف علماءِ عقائد نے بیان کی ہے وہ ان پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ یہ لوگ قرآن مجید پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید محکم اور ناقابلِ نسخ کتاب ہے۔ اور اہلِ کتاب وہ ہوتا ہے جو کتبِ منسوخہ میں سے کسی پر ایمان لانے کا مدعی ہو۔ جیسے تورات و انجیل۔ اور قرآن مجید پر ایمان لانے کے مدعی کافر و مشرک کو متقدمین میں سے کسی نے اہلِ کتاب نہیں کہا بلکہ زندیق کہا، یا فی حکم المرتدین۔

○ نیز مودودی صاحب کے استدلال سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مودودی صاحب اہلِ کتاب کی اقتدار میں نماز پڑھنے کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر مودودی صاحب کراچی میں یہودیوں کی عبادت گاہ میں تشریف لے گئے تھے۔ گو انھوں نے ان کی اقتدار میں نماز پڑھنے کا ذکر تو نہیں کیا مگر مشینی ذبح کے جواز یا عدمِ جواز پر یہودیوں سے گفتگو کی۔ اور اس سلسلے میں ان سے معلومات حاصل کرتے رہے۔ یہ واقعہ مزنگ چونگی ٹمپل روڈ لاہور کی مسجد میں برادرم مولانا عبدالحلیم قاسمیؒ، شیخ التفسیر مولانا محمد انظر اور میرے سامنے خود مودودی صاحب نے بیان کیا تھا۔

4/16

اہل الکتاب اور اہل الشرک دو مختلف شرعی اصطلاحیں ہیں

○ اصل بات یہ ہے کہ اہل الکتاب اور اہل الشرک یہ علماءِ کرام کی مخصوص اصطلاحیں ہیں۔ اہل الکتاب اگرچہ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مگر اصطلاح علماء میں بلکہ قرآنی زبان میں ان کا لقب اہل الکتاب ہے۔ اور اہل الکتاب ہی کے لقب سے ان کو پکارا جاتا ہے۔ جیسا کہ:

اہل الکتاب

○ شیخ ابو القاسم حسین بن محمد بن فضل الراغب الاصفہانیؒ نے اپنی کتاب مفردات القرآن صفحہ ۴۳۲ میں تحریر فرمایا ہے: و حیث ما ذکر اللہ تعالی اہل الکتاب فانما اراد بالکتاب التوراۃ و الانجیل و ایاھم جمیعاً۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں اہل الکتاب کا ذکر فرمایا ہے وہاں وہاں کتاب سے توراۃ اور انجیل مراد لی ہے۔ اور اہلِ کتاب تمام یہود و نصاریٰ ہیں۔

○ بلکہ احادیثِ مبارکہ میں بھی جہاں اہلِ کتاب کا ذکر ہے وہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہود و نصاریٰ ہی مراد لیے ہیں۔ جیسا کہ ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: فقال اہل الکتاب ھٰؤلاء اقل عملا منا و اکثر اجرا ای قال اہل التوراۃ (مجمع بحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۲۶) یعنی یہود نے کہا کہ یہ مسلمان عمل میں تو ہم سے کم ہیں اور اجر میں ہم سے بڑھ گئے ہیں۔

○ اسی طرح ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: رجل من اہل الکتاب۔ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہی لیا ہے۔

○ اسی طرح تتبع کرنے سے بہت سی احادیث مل سکتی ہیں۔ اور:

اہل الشرک

○ اصطلاحِ شرع میں اہل الشرک کا لفظ ان مشرکوں پر بولا جاتا ہے جن کے پاس کتاب نہیں۔ اگرچہ بعض مقامات پر مشرک بمعنی کافر لے کر کتابی و غیر کتابی

سب پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے تمتع کا لفظ قرآن مجید میں بالمعنی الاعم قران کو بھی شامل ہے۔ مگر اصطلاح شریعت میں تمتع اور قران میں فرق ہے۔ اسی طرح لاتنکحوا المشرکین میں مشرکین بالمعنی الاعم مطلق کافر مراد ہیں۔ خواہ کتابی ہوں یا غیر کتابی۔ مگر اصطلاح شرع میں اہل الشرک ان لوگوں پر بولا جاتا ہے جو لوگ کتابی نہ ہوں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے تحریر فرمایا ہے: "باب نکاح المشرك"۔ اس سے مراد صاحب عنایہ نے صفحہ ۵۰۲ پر اور بدرالدین عینی نے صفحہ ۱۸۴ اور محمد حسن سنبھلی نے جلد ۲ صفحہ ۴۲ پر تحریر فرمایا ہے: وھم اھل الشرك الذی لا کتاب لھم یعنی اہل شرک سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس آسمانی کتاب نہ ہو۔ اور صاحب فتح القدیر نے اہل الشرک سے بالمعنی الاعم مطلق کافر مراد لیا ہے۔ جس کا قرینہ یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے باب نکاح اھل الشرك میں یہود و نصاریٰ کے نکاح کے احکام بھی بیان کیے ہیں۔ اور دوسرے علماء نے اصطلاحی معنے کو ملحوظ رکھا اور یہود و نصاریٰ کا ذکر تبعاً کیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ "ان کو مشرک نہیں فرمایا"۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو المشرکون کے لفظ سے مخاطب نہیں فرمایا۔ جیسا کہ کوئی شخص اگر اپنے کپڑے دھوئے تو اسے دھوبی کا خطاب نہیں دیا جاتا۔ اپنے لیے روٹی پکانے والے کو نان بائی کے نام سے مخاطب نہیں کیا جاتا۔ اپنے لیے جانور ذبح کرنے والا ہر شخص قصائی نہیں، چٹھی لکھنے سے ہر آدمی کاتب نہیں کہلا سکتا، دو جھگڑنے والوں کے بیان سن کر فیصلہ کرنے والے ہر شخص کو مجسٹریٹ یا جج نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح مطلق مشرک بولا جائے تو اس سے مراد یہود و نصاریٰ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ پر اہل الشرک کا اطلاق نہ تو قرآن مجید میں ہوا ہے نہ حدیث نبوی میں اور نہ ہی اصطلاح علماء میں۔ اسی طرح مطلق اہل کتاب کہا جائے تو اس سے مراد یہود و نصاریٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اہل الکتاب اور اہل الشرک کے درمیان نسبت

○ اہل الشرک اور اہل الکتاب کے مابین نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے۔ جس کے تین مادے ہوتے ہیں۔ جن میں سے دو مادے افتراقی ہیں۔

① ایک تو یہ کہ مشرکینِ مکہ، بت پرست، آتش پرست وغیرہ پر اہل الشرک کا لفظ صادق آتا ہے۔ اہل کتاب کا لفظ ان پر صادق نہیں آتا۔

② دوسرا مادہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بہت سے موحد یہود و نصاریٰ پر اہل الکتاب کا لفظ صادق آتا تھا اور اہل الشرک کا لفظ ان پر صادق نہیں آتا تھا۔

③ اور ایک مادہ اجتماعی ہے۔ یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کثرت کے ساتھ یہود و نصاریٰ پر اہل الکتاب کا لفظ اللہ تعالیٰ نے خود اطلاق فرمایا اور کئی مقامات پر ان کا شرک بھی بیان فرمایا۔ اس طرح یہ لوگ اہل الکتاب بھی ہوئے اور اہل الشرک بھی ہوئے۔ البتہ:

○ عند الجمہور اہل الکتاب یہود و نصاریٰ کا لقب ہے۔ اور ان کے علاوہ سب کافروں کا لقب اہل الشرک ہے۔ لیکن کسی مسلمان کا لقب اہل الکتاب نہیں۔ کیونکہ:

○ اگر وہ توحید کا قائل ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا قائل ہے۔ اور جمیع ما جاء بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے تو وہ مومن اور مسلم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ورنہ وہ یا مشرک ہے یا مرتد یا زندیق۔ البتہ:

○ یہود میں سے مسلمان ہونے والے صحابہ کرامؓ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، ثعلبہ، ابن یامین، اسد بن کعب، اسید بن کعب، سعید بن عمرو، قیس بن زید اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم وغیرہ پر اہل کتاب کا اطلاق کیا گیا ہے تو وہ مجاز ہے باعتبار ماکان کے۔ نہ کہ اب بھی ان کا لقب اہل کتاب ہے۔

اہل اسلام کا قرآنی لقب

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کو متعدد مقامات پر اہل الکتاب کے لقب کے ساتھ یاد فرمایا اور ہم کو مُسلمون کا لقب دیا۔ چنانچہ :

○ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران۔۳: ۶۴) یا رسول اللہ! آپ ﷺ فرمادیں کہ اے اہلِ کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف رجوع کرو جو تمہارے اور ہمارے درمیان یکساں مانی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ سمجھے۔ چنانچہ :

○ توراۃ شریف، انجیلِ مقدس اور قرآن مجید میں یہ مسئلۂ توحید برابر موجود ہے۔ مثلاً :

○ استثناء ۶ : ۱۴۔۱۵ میں ہے : لا تسيروا وراء الٰهة اخرىٰ من الٰهة الامم التي حولكم۔ لان الرب الٰهكم اله غيور في وسطكم لئلا يحمى غضب الرب الٰهكم عليكم فيبيدكم عن وجه الارض۔ "تم اور قوموں کے معبودوں میں سے جو تمہارے آس پاس ہیں پیروی نہ کرو، کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تمہارے درمیان ہے غیور خدا ہے۔ سو ایسا نہ ہو کہ خداوند تیرے خدا کے قہر کی آگ تجھ پر بھڑکے اور تمہیں روئے زمین سے فنا کردے"۔

○ نیز استثناء ۵ : ۷۔۹ میں ہے : لا يكن لك الٰهة اخرىٰ امامي۔ لا تصنع لك تمثالا منحوتا صورة ما مما في السماء من فوق و ما في الارض من اسفل وما في الماء من تحت الارض۔ لا تسجد لهن ولا تعبدهن لاني انا الرب الٰهك اله غيور۔ یعنی میرے آگے تو اور معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت

کرنا۔ کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔

○ اور انجیل متی ۴ : ۱۰ میں ہے : للرب الهك تسجد و اياه وحده تعبد "تو خداوند خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر"۔

○ اور قرآن مجید ۱۷ : ۲۳ : وقضى ربك ان لا تعبدوا الا اياه یعنی تیرے رب نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی ایک رب کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا۔

○ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میں فرمایا : فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (۳ : ۶۴) یعنی اتنا سمجھانے کے بعد اب بھی اگر یہ اہل کتاب روگردانی کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں۔

○ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اسی مقام پر لکھا ہے کہ مسلمون کے لفظی معنی "فرمانبردار" کے ہیں اور یہی اصطلاحی نام بھی اس امت کا پڑ گیا ہے۔ اور اشھدوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس بات پر گواہ رہو۔۔۔ کیا شان ہے یہود و نصاریٰ آج بھی مسلمانوں کی توحید خالص کی شہادت دے رہے ہیں۔

فائدہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کے لفظ سے یاد فرمایا اور ہم کو مسلمین کا لقب دیا۔ نہ کہ اہل کتاب کا۔

○ اسی طرح قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ہمارا لقب مسلمون رکھا ہے۔ مثلاً :

○ هو سمٰكم المسلمين من قبل وفى هذا (الحج ۲۲ : ۷۸) یعنی اسی اللہ تعالیٰ نے اگلی کتابوں میں پہلے ہی سے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ یعنی فرمانبردار بندے۔ اور اس قرآن مجید میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا۔

○ ولا تموتن الا وانتم مسلمون (۳ : ۱۰۲) یعنی مسلمانی کی حالت پر ہی مرنا۔

○ فاعلموا انما انزل بعلم الله و ان لا اله الا هو فهل انتم مسلمون (۱۱ : ۱۴) اب جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے علم کے ساتھ قرآن مجید اترا ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو کیا اب اس حجت کے تمام

ہونے کے بعد بھی تم مسلمان ہوگے یا نہیں۔

- قل انما یوحیٰ الی انما الٰهکم اله واحد فهل انتم مسلمون (۲۱ : ۱۰۸) یارسول اللہ! آپ ﷺ فرما دیجیے کہ میری طرف تو اسی بات کی وحی آتی ہے کہ صرف اللہ واحد ہی تمہارا معبود ہے۔ کیا اب بھی تم مسلمان ہوگے یا نہیں۔
- لا شریک له و بذلک امرت و انا اول المسلمین (الانعام ۶ : ۱۶۳) اس رب العالمین کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے پہلا مسلمان ہوں۔
- و امرت ان اکون اول المسلمین (۱۰ : ۷۲ و ۲۷ : ۹۱) اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں سب مسلمانوں میں سے اول میں ہوں۔
- و امرت لان اکون اول المسلمین (۳۹ : ۱۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔
- و من احسن قولا ممن دعاء الی الله و عمل صالحًا و قال اننی من المسلمین (۴۱ : ۳۳)
- ہمارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے مسلم کا نام عطا فرمایا: ما کان ابراهیم یهودیا و لا نصرانیًا ولکن کان حنیفا مسلمًا (۳ : ۶۷)
- مسلمانوں کو مؤمن کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ جیسے: انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبهم و اذا تلیت علیهم اٰیته زادتهم ایمانًا و علی ربهم یتوکلون الذین یقیمون الصلوة و مما رزقنهم ینفقون اولٰئک هم المؤمنون حقًا (۸ : ۲-۴)
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے فرمایا کہ آپ ﷺ یوں کہیں: امرت ان اکون من المؤمنین (۱۰ : ۱۰۴)
- اسی طرح اور بہت سی آیات میں اہلِ ایمان کا نام مسلمان اور مومن آیا ہے۔

مولانا عبد الرؤوف بوچھالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

(۱) رئیس المفسرین و المحدثین حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے معتمد علیہ مرید اور اشاعت التوحید والسنۃ کے مشہور مبلغ حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب بوچھالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

(۲) اگر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو حاضر ناظر سمجھ کر اور یہ عقیدہ رکھ کر کہ میری پکار فریاد اور حاجت کی اس بندۂ بزرگ کو خبر ہے کیونکہ وہ ہر وقت میرے حال پر مطلع ہے۔ یا جس وقت ارادہ کرے جان لیتا ہے۔ یہ فاسد عقیدہ خواہ پیغمبر کے حق میں رکھے یا فرشتہ یا بزرگ پیر ولی یا بت جن وغیرہ کے حق میں رکھ کر پکارے گا تو کافر مشرک ہوگا۔

فائدہ اور ایسا عقیدہ رکھ کر بکرا مرغا روٹ طعام شیرنی مٹھائی اُچھاڑ دانہ پیسہ یارھویں دودھ چاول وغیرہ منت نذر مانے گا تو ماننے والا مشرک ہوگا اور وہ منذورہ یعنی نذر منت جو چیز بھی ہو حرام مثل خنزیر کے ہے۔ اب بسم اللہ پڑھ کر حرام سؤر کو حلال نہیں کر سکتا۔ بسم اللہ پڑھ کے حرام مردار کتّا کو کھانے والا تو جاہل یہودی ہے یا کوئی اور بلا۔ (یاد رہے کہ یہودی کا لفظ اس علاقہ میں بطور گالی کے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بھی اسی معنے میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد فی حکم اہل الکتاب نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ ایسے مشرک کا حکم اس کے بعد خود انھوں نے بتلادیا ہے کہ کلمۂ توحید کے منکر کا معاملہ مرتد جیسا ہوگا) ــــ اور اگر توحید کے دلائل سمجھانے کے بعد بھی اس گندہ شرکیہ عقیدہ کو ترک نہ کرے تو ایسا شخص قطعاً کافر مشرک ہے۔ اور جو اس کی تکفیر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس فافہم۔ اور اس کلمۂ توحید کے منکر کا معاملہ مرتد (جیسا) ہوگا۔ مثلاً نکاح جنازہ طلاق امامت پیری مریدی نماز حج روزہ زکوۃ ذبیحہ شادی غمی سب مثل دیگر کفار کے ہوگا۔

(رؤفیہ تشریح کلمہ طیبہ صفحہ ۴۷)

فائدہ حضرت بوچھالویؒ کے الفاظ اس قدر واضح ہیں کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ اشاعت التوحید والسنۃ کے قافلۂ اولین کے شاہسوار کلمہ گو مشرکین کی ذبیحہ کو حلال سمجھتے تھے۔

مولانا میاں محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان

○ حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ رشید و خلیفۂ مجاز حضرت مولانا علامہ ابو السیف میاں محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب السم النافذ فی کبد المشرک والقاذف المعروف بہ "التوحید المقبول" صفحہ ۸۹ میں فرمایا: غیر اللہ کو غیب دان جانے اور حاجات میں ان کو پکارے ان کی نذر و نیاز مانے اموال میں ان کے حصے مقرر کرے ان کا سجدہ طواف غلاف چراغ جلانے بوسہ چاننا بوسہ دینا روا رکھے ان کے نام کا ورد کرے اور ان کو وسائل مقرب الی اللہ فی الحاجات سمجھ کر امور تعظیمیہ عبادتیہ بجا لائے اسی طرح ہزارہا امور شرکیہ جو اہل البدعۃ والاہواء میں مروج ہیں بجالائے تو وہ بلا شک کافر ہے۔ گو وہ نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ احکام شرعیہ بھی پابندی سے ادا کرتا رہے اور کلمہ طیبہ کا ورد بھی جاری رکھتا ہو کیونکہ وہ کلمہ طیبہ کی اول جزو کا معنیٰ منکر ہے اگرچہ بظاہر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی ثانی جزو کلمہ طیبہ کا معترف ہے۔ بلکہ ابوجہل و ابولہب اور ایسے مشرک میں بالکل فرق نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

فائدہ حضرت مولانا میاں محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین کو اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ نہیں دی۔ اور نہ ہی ان کو اہل کتاب فرمایا۔ اور نہ ہی اہل کتاب کے حکم میں۔ بلکہ انہوں نے زمانۂ حال کے مشرکوں کو ابوجہل ابولہب (مشرکین مکہ) کے ساتھ تشبیہ دے کر فاعتبروا یا اولی الابصار کے الفاظ سے سمجھا دیا کہ جس طرح ابوجہل اور ابولہب کی ذبیحہ حرام ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح حرام ہے اسی طرح کلمۂ اسلام پڑھنے والے ان مشرکوں کا ذبیحہ بھی حرام ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی حرام ہے۔

مولانا سید ضیاء اللہ بخاری کا فرمان

○ جمعیت اشاعت التوحید والسنت گجرات کی طرف سے شائع ہونے والے ماہنامہ نغمۂ توحید کی خصوصی اشاعت نظریۂ پاکستان کانفرنس جلد ۸ شمارہ ۷ دسمبر ۱۹۹۶ء صفحہ ۲۰ تا ۲۳ "مجھے ہے حکم اذاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے زیر عنوان مدیر اعلیٰ (مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری) کا مضمون صراط مستقیم مئی ۱۹۸۷ء کے حوالے سے شائع ہوا۔ جس میں آپ نے فرمایا:

○ فرعونی نظام میں بت پرستی کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی تو ہمارے ہاں بھی صدر وزیر اعظم اور وزرائے اعلیٰ کی طرف سے مزارات پر غلاف چڑھانے کی تقریبات ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے مشتہر کر کے شرک و بدعت کی سرپرستی کی جارہی ہے۔ اور پھر ستم یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے دعویدار حکمران کررہے ہیں۔

○ فرعونی قوم سے اس کلی مماثلت کے بعد بادلِ نخواستہ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کے تمام صوبوں میں تخریب کاری اور بموں کے دھماکوں کے واقعات کے بعد مجرموں کا انتظامیہ اور عدلیہ کی گرفت سے بچ نکلنا یہ بتا رہا ہے کہ صرف فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حق میں دعاؤں کی قبولیت کے صدقہ ہم مکمل تباہی سے محفوظ ہیں۔ وگرنہ ہمارا نظام اور اس نظام کا پروردہ ہمارا مزاج تو ہمیں اس بریکٹ میں فٹ کر رہا ہے جس میں فرعونی فٹ تھے۔ نصرتِ الٰہی ہمارے شاملِ حال نہیں' وگرنہ پنجاب پولیس اس طرح ناکام نہ ہوتی کہ تخریب کار انسانی جانوں اور املاک کی تباہی کے بعد بچ نکلتے اور پولیس عمارتوں کے ملبے اور انسانی اعضاء کے بکھرے ہوئے ٹکڑے چھپاتی پھرے' تاکہ عوام انھیں دیکھ کر بھڑ نہ جائیں۔ براہِ راست اس درندگی کا شکار ہونے والے طبقے جلے جلوس کے ذریعے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کررہے ہیں۔

○ ہم بھی پورے زور و شور سے اور صدقِ دل سے اس مطالبہ کی حمایت کرتے ہیں۔ ہمیں ایسے سازشیوں کو جلد از جلد ڈھونڈ نکالنا چاہیے جو ہمارے پیارے وطن کی بربادی کی سازشیں تیار کر رہے ہیں۔ ان بکاؤ بد قماشوں کا جلد از جلد گرفتار ہونا ضروری ہے جن کو زیادہ مہلت دینے سے ملک کی سلامتی خطرے میں ڈالنے کا سبب بن سکتی ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اگر ہمیں اس گھناؤنی سازش کو واقعۃً ناکام بنانا ہے تو ہمیں بنیادی طور پر فرعونی نظام سے مماثلت رکھنے والے نظام کو ترک کر کے نظامِ مصطفےٰ کو اپنانا ہوگا۔ جس میں سربراہ ایک اللہ کی عبادت کے مراکز تعمیر کرتا اور ان کی سرپرستی کرتا ہے۔

○ مندروں' گرجوں' اور مزاراتِ اولیاءؒ کے پردے میں بنے ہوئے شرک کے مراکز کی سرپرستی اس کے لیے جائز نہیں ہوتی۔ وہ داماد پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کیوں نہ ہو' اسے عدالت ایک عام آدمی کی طرح طلب کر سکتی ہے۔ وہ یک مثالی حکمران عمر ہی کیوں نہ ہو' اسے ایک بڑھیا بھی بر سر منبر ٹوک سکتی ہے۔

○ اس نظام کے حامل ملک میں کوئی بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے والا غیر خدا کی عبادت کا مرتکب ہو تو وہ مرتد اور واجب القتل گردانا جاتا ہے۔ اسے وزارت یا عدالت کے منصب سے سرفراز کیے جانے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

نوٹ حضرت مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحبؒ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ان کا مسلک بھی یہی ہے کہ کوئی بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے والا غیر خدا کی عبادت کا مرتکب ہو تو وہ مرتد اور واجب القتل ہے۔ وہ اس کافرانہ فعل کے ارتکاب کے بعد اہل کتاب میں شامل نہیں ہو جاتا۔ مزید تفصیل کے لیے شاہ صاحبؒ سے رجوع کریں۔

مشرکوں سے نکاح کی ممانعت

ماہنامہ نغمۂ توحید کے ابتدائی صفحات میں قوم کی اصلاح کے لیے تنبیہ کے طور پر "عرش و کرسی" اور "منبر و محراب" کے عنوان سے دو صفحات تقریباً ہر ماہ مختص کیے جاتے ہیں۔ اور ان میں پہلے صفحہ پر قرآن مجید کی کوئی آیت اور دوسرے صفحہ میں ایک حدیث نبوی تحریر کی جاتی ہے۔ اسی سلسلے میں مئی ۱۹۹۱ء کے نغمۂ توحید صفحہ ۲ پر "عرش و کرسی" کے زیر عنوان "مشرکوں سے نکاح کی ممانعت" کے متعلق سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۱ : وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ مع ترجمہ کے نقل کی گئی ہے۔ جس میں مشرکین سے مناکحت کی ممانعت کا حکم دیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نغمۂ توحید کے سرپرست اعلیٰ پیر طریقت حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نغمۂ توحید کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی کا مسلک بھی یہی ہے کہ کلمہ گو مشرکین اہل کتاب نہیں۔ اور نہ ہی اہل کتاب کے حکم میں ہیں۔ اور اس دور میں اس آیت کریمہ کا مصداق یہی کلمہ گو مشرک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ :

نغمۂ توحید مارچ ۱۹۹۵ء میں حضرت مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب ظلہ نے امام الموحدین حضرت شیخ الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید اور میرے خالہ زاد بھائی حضرت مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہور صاحب ظلہ مدرس دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کا مضمون "شرک اور اس کی حقیقت" شائع فرمایا۔ جس میں کلمہ گو مشرکین کو پوری طرح اس آیت کریمہ کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ :

مشرک مرد اور عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت

- شرک انسان کی تمام خوبیاں ختم کر دیتا ہے۔ ذاتی اور خاندانی عظمت و بزرگی، کسی کمالات اور موروثی خصوصیات کو مٹا دیتا ہے اور انسان کسی سوسائٹی میں عزت و احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔
- اسلام نے مشرک سے خواہ مرد ہو یا عورت، مومن مرد اور مومنہ عورت کو رشتہ گانٹھنے، ازدواجی تعلقات جوڑنے اور آپس میں اس قسم کا ربط و راہ و رسم بڑھانے سے منع کیا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۲۷
- تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن لونڈی مشرکہ آزاد شریف زادی سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تمھیں بہت پسند ہو۔ اور اسی طرح مشرک مردوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اپنی عورتوں کا نکاح بھی نہ کرنا۔ کیونکہ مشرک (مرد) سے خواہ وہ تم کو کیسا ہی بھلا لگے مومن غلام بہتر ہے۔ یہ (مشرک لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اپنی مہربانی سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔
- کیونکہ جو لوگ تمھارے دین کی وجہ سے تمھارے دشمن ہوگئے ہیں اور تمھیں صراطِ مستقیم سے برگشتہ اور راہِ حق سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے ساتھ تمھارا ازدواجی رشتہ کبھی فلاح و سعادت کا موجب نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ ایک لونڈی سے جو اولاد ہوگی وہ بھی غلام بن کر اسی کی مِلک میں چلی جائے گی جس کی لونڈی ہے۔ مگر نسل کے غلام بن جانے کا نقصان اور محکومی کی ذلت برداشت کیے جاسکتے ہیں اور ایک مشرکہ عورت کو گھر میں لا کر تمام خاندان اور آئندہ نسل

کو نجاستِ شرک سے ملوث کرنا نہیں برداشت کیا جاسکتا۔

○ میاں بیوی کا ساتھ عمر بھر کے لیے ہوتا ہے دونوں نے مل کر راحت و آرام سے زندگی کی گاڑی کو چلانا ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے دکھ سکھ، خوشی اور غمی میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی عزت و آبرو نام و ناموس اور جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ جو قرب و اتصال لباس کو وجود سے ہوتا ہے وہی زوجین کو ایک دوسرے سے ہے۔

○ اس لیے میاں بیوی کی رفاقت کو پائیدار بنانے کے لیے ضروری ہے کہ زوجین میں دلی رافت و رفق اور باہمی قلبی مناسبت اور موانست ہو، دونوں کا تعلق اتنا پُر خلوص اور اس قدر گہرا اور مضبوط ہو کہ کسی بھی قیمت پر ایک دوسرے کی جدائی اور مفارقت قبول نہ کرسکیں۔ دنیوی مال و دولت، سیم و زر، جاہ و حشمت اگر سدِ سکندری بن کر بھی میاں بیوی کے درمیان پھوٹ ڈالنا چاہیں تو ان کی محبت، الفت اور مناکحت کا رشتہ منقطع نہ ہونے پائے۔ کسی قسم کی تکلیف و امتحان کیوں نہ ہو، مصائب کے پہاڑ کیوں نہ ٹوٹ پڑیں، حوادث کی بجلیاں کیوں نہ برسیں مگر وہ ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہ ہوں۔

○ دیکھیے جب مدینہ طیبہ کے آس پاس یہود کی زمینوں اور ان کے املاک کے مالک بفضلہٖ تعالیٰ مسلمان ہوگئے اور فتح خیبر وغیرہ سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت اچھی ہوگئی اور سب صحابہؓ نہال اور آسودہ حال ہوگئے تو اس وقت ازواج مطہرات نے بھی (جو کہ اب تک فقر و فاقہ اور تنگ دستی کی زندگی بسر کر رہی تھیں) اپنے نان و نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ مطالبہ اگرچہ ناجائز نہیں تھا۔ مگر حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی فطری سادگی اور قناعت کی وجہ سے بہت تکلیف محسوس فرمائی اور مہینہ بھر تک گھر تشریف نہ لائے۔ بالآخر خداوند تعالیٰ کی طرف سے آیۂ تخییر نازل ہوئی جس میں واضح طور پر

ازواج مطہرات کو ہدایت کردی گئی کہ :

إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ○ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب۔۳۳:۲۸۔۲۹)

○ یعنی تم دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت اور اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی ذات اور دار آخرت کے درجات میں سے ایک کا انتخاب کرلو۔

○ پہلی صورت میں دامنِ رافت و سایۂ رحمت سے محرومی ہوگی اور اپنے مہربان آقا اور شفیق و رحیم خاوند سے جدائی ہوگی۔ دوسری صورت میں حضور ﷺ کی ابدی معیت اور جاودانی رفاقت کے علاوہ آخرت کے درجاتِ عالیہ بھی ہوں گے۔ تو ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات نے ساری دنیا اور اس کی زیب و زینت اور دنیا کے عیش و عشرت کو تو قربان کردیا مگر اپنے سراپا رحمت اور سرمایۂ دنیا و آخرت شوہر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن زوجیت نہ چھوڑا۔

○ لیکن اس قسم کی وابستگی اور غایت درجہ کے قرب و اتصال کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب عقائد میں اتفاق اور خیالات میں یک جہتی ہے۔ اگر بیوی کو شوہر سے اس قدر مغایرت ہو اور اس درجہ منافرت ہو کہ وہ اس کی ساری شعوری اور اختیاری زندگی کے اصل اصول یعنی توحید کے عقیدہ ہی میں اختلاف رکھتی ہو تو دونوں میں باہمی کم سے کم درجہ میں مناسبت اور قلبی تعلق موجود ہوگا۔ زندگی کے کسی موڑ پر جا کر یہ سلسلہ منقطع ہوجائے گا۔ لہٰذا مومن مرد کو ایسی مشرکہ عورت کے ساتھ عمر بھر نباہ کرنے کا خیال ہی ترک کردینا چاہیے۔

○ نیز اگر مشرک اور مومن کے مابین ازدواجی رشتہ قائم ہوجائے۔ تو جہاں اس امر کا امکان ہے کہ مومن شوہر یا بیوی کے اثر سے مشرک شوہر یا بیوی پر اور

اس کے خاندان اور آئندہ نسل پر اسلامی عقائد اور طرزِ زندگی کا نقش ثابت ہوگا۔ وہیں یہ بھی امکان ہے کہ مشرک شوہر یا بیوی کے خیالاتِ فاسدہ اور عقائدِ باطلہ سے نہ صرف مومن شوہر یا بیوی بلکہ اس کا خاندان اور دونوں کی نسل تک متاثر ہوں گے۔ اور اس امر کا بھی قوی امکان ہے کہ ایسے ازدواج سے اسلام اور کفر و شرک کی ایک ایسی معجونِ مرکب اس گھر اور خاندان میں تیار ہوگی جس کو اسلام کسی طرح پسند کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جو شخص صحیح معنوں میں مومن ہو وہ محض اپنی خواہشاتِ شہوانی اور جذبات کی تسکین کے لیے کبھی بھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ اس کے گھر اور اس کے خاندان میں کافرانہ و مشرکانہ خیالات اور طور وطریقے پرورش پائیں اور وہ خود بھی نادانستہ اپنی زندگی کے کسی شعبے اور پہلو میں کفر و شرک سے متاثر ہو جائے۔ ایمان کا اقتضاء تو یہی ہے کہ اگر بالفرض کوئی مرد مومن کسی مشرک کے عشق و محبت میں بھی مبتلا ہو جائے تو وہ اپنے خاندان، اپنی نسل، اور خود اپنے دین، اخلاق پر اپنی شخصی خواہشات و جذبات کو قربان کر دے۔ مگر آج مرد اور عورت کو آپس میں بنیادی اور اعتقادی مناسبت کا خیال کیے بغیر جکڑ دیا جاتا ہے۔ محض مال و منال، جاہ و جلال اور حسن و جمال ہی کی جستجو اور تلاش رہتی ہے اور پرواہ نہیں کی جاتی کہ ایک بداعتقاد اور بداخلاق مرد یا عورت کے اختلاط سے خطرناک اور موذی جراثیم پھیلتے رہیں گے۔

فائدہ اور یہ بات مشاہدہ میں آچکی ہے کہ قادیانی لوگ کسی کو اپنے مذہب پر لانا چاہیں تو ان کے حربوں میں سے ایک کارگر حربہ یہ ہے کہ اپنی قادیانی لڑکی کا اس سے نکاح کر دیتے ہیں۔ اس چکر میں آکر وہ مسلمان آدمی قادیانی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آغاخانیوں اور اسماعیلیوں کا بھی یہی مجرب حربہ ہے۔

○ قادیانیوں اور اسماعیلیوں سے بڑھ کر کلمہ گو مشرک ہشیار ہیں۔ سادہ لوح مسلمان کو دلائلِ شرعیہ پیش کرنے کی بجائے اکابر کی بعض ذو معنیین عبارتیں

ان کی کتابوں سے دکھا کر اور چکر دے کر انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی گستاخی کا الزام اہل حق اکابر پر ثابت کرتے ہیں۔ جیسے ہندو قرآن مجید میں سے مکر اللہ اور اللہ یستھزء بھم اور اس جیسی دوسری عبارتیں دکھا کر کہتے ہیں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی توہین کی گئی ہے۔ پھر جب ان کے ساتھ مناکحت کا سلسلہ جاری ہو گیا تو مرد کو سسرال والے گمراہ کرنے کی پوری کوشش کریں گے اور اگر وہ خود گمراہ نہ ہوا تو اس کی اولاد کو ضرور گمراہ کر لیں گے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ مشرکین کی لڑکی لے لینی چاہیے مگر مشرک کو موحد لڑکی نہ دی جائے تو یہ محض زبانی بات ہے۔ عمل اس کے خلاف ہے۔ اگر بالفرض موحد آدمی مشرک خاندان میں شادی کرتا ہے تو جیسے عام دستور بنا ہوا ہے کہ مشرک خاندان والے موحد لڑکی مانگ سکتے ہیں۔ اب اگر انکار کریں تو فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہے کہ لیتے ہو اور دیتے نہیں۔ پھر جو اولاد پیدا ہوگی ننھیال کا اس کے ساتھ پیار ہوگا وہ اس اولاد کو غلط پٹڑی پر لگائیں گے۔ مشرکوں کے مدرسوں میں تعلیم دلا کر اولاد کو مشرک مبلغ مناظر بننے میں مدد دیں گے۔ اور اگر موحد لڑکی عام دستور کے مطابق مشرک خاندان میں بیاہی گئی تو اس کی اولاد اور اولاد در اولاد مشرک ہی بنے گی بلکہ مشرکوں کے مدرسے میں تعلیم حاصل کر کے ڈبل مشرک مبلغ اور پیر بن بیٹھیں گے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

بخلاف عہد سلف صالحین کے کہ وہ لوگ بفضلہ تعالیٰ اپنے دین پر مضبوط تھے اور شریعت پر کما حقہٗ عمل پیرا ہونے کی سعی بلیغ کرتے تھے۔ جن کو دیکھ کر غیر مسلم متاثر ہو جاتے تھے۔ تو اہل کتاب کی لڑکی مسلم خاندان میں بیاہ کر دوسرے غیر مسلم لوگوں کے اسلام پر لانے کا داعیہ بن جاتی تھی۔ اس طرح غیر مسلم کشاں کشاں دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔ مگر باوجود اس بات کے سلف صالحین اہل کتاب لڑکی کو نکاح میں لینے کو پسند نہیں کرتے

تھے مکروہ کہتے تھے۔ دیکھیے المدونۃ الکبریٰ اور کتاب الام وغیرہ۔

مگر آج کا ماحول بالکل اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ منطقی کلیہ (الناس تبع للاخس الارذل ...... یعنی لوگ نتیجے کی طرح رذیل اور خسیس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ (میر ایسا غوجی للسید الشریف علی بن محمد الجرجانی) کے مطابق لڑکی لیں تب بھی ننھال کے پیار کی وجہ سے اولاد کے بے دین ہونے کا احتمال ہے۔ اگر لڑکی دیں تو اس سے بڑھ کر فساد دین ہے۔

یہ فتویٰ علیٰ سبیل التنزل ہے۔ یعنی اس صورت میں کہ جب ان کلمہ گو مشرکین کو اہل کتاب کے زمرے میں داخل کریں۔ جبکہ گزشتہ چودہ صدیوں میں علماءِ حق میں سے کسی نے بھی اہل اسلام کو تو سرے سے اہل کتاب کہا ہی نہیں۔ اسی طرح بدعقیدہ مدعیانِ اسلام کے متعلق بھی گزشتہ ایک دو صدیوں سے پہلے تک کبھی کسی نے اہل کتاب کا لفظ استعمال نہیں کیا اور نہ فی حکم اہل الکتاب کہا۔ البتہ : بالکتاب

اس دور کے بعض علماءِ کرام نے اسلام کا دعویٰ کرنے والے کفار و مشرکین کو اہلِ کتاب یا اہلِ کتاب کے حکم میں داخل سمجھا ہے۔ جبکہ اس دور میں بھی اکثریت انہی علماء کی رہی ہے جو ایسے لوگوں کو نہ تو اہل کتاب سمجھتے ہیں اور نہ ہی اہلِ کتاب کے حکم میں۔ اور یہی مسلک قوی اور احق بالقبول ہے۔

نیز مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ العالی نے قادیانیوں سے متعلق اپنے تحقیقی مقالہ میں اس مسئلہ کی خوب وضاحت فرمائی ہے۔ جو اوراقِ سابقہ میں نقل کیا گیا ہے۔ اگر حضرت لدھیانوی مدظلہ العالی کی اس تقریر میں قادیانیوں کی جگہ کلمہ گو مشرکین یا اہلِ تشیّع کے عقائدِ باطلہ اور ان کی تاویلات و خرافات کا خیال ذہن میں رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان فرقِ ضالہ کو بھی زندیق اور فی حکم المرتدین قرار دیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

پروفیسر صاحبزادہ صفی الرحمٰن کی گواہی

○ رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پوتے پروفیسر صاحبزادہ صفی الرحمٰن بن صاحبزادہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایم اے کے مقالہ میں تحریر فرمایا کہ: "فقہ میں بھی آپؒ (مولانا حسین علی الوانیؒ) نے بڑا نام پایا، طلباء کو فقہی مسائل بڑی محنت سے پڑھاتے۔ حلال و حرام کی تمیز پوری طرح سمجھاتے۔ مثلاً جانور ذبح کرتے تو طلباء کو حلقوم اور اس کی وریدوں کے بارے میں آگاہ کرتے"۔ (تعلیم توحید اپریل ۱۹۹۲ء صفحہ ۲۹)

فائدہ پروفیسر صاحبزادہ صفی الرحمٰن صاحبؒ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے جدِ امجد رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ طلباء کو خصوصیت کے ساتھ ذبح کا طریقہ سمجھاتے تھے۔ جس کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ طالب علم ذبح کا طریقہ سمجھ لیں۔ عقدہ یعنی گھنڈی کے نیچے سے ذبح کریں۔ کیونکہ اگر گھنڈی نیچے رہ گئی تو دو رگیں کٹنے سے رہ جائیں گی اور ذبیحہ حرام ہو جائے گی۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اکثر قصاب بد عقیدہ اور مشرک ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی ذبیحہ حرام ہوتی ہے لہٰذا تم خود ذبح کرنا سیکھو۔ اور مشرکوں کے ذبح کیے ہوئے جانور سے پرہیز کرو۔ آپؒ اس قدر شفیق تھے۔ دوسرے علماء دین سے زیادہ شفقت کرتے ہوئے طالب العلموں کو گھر سے کھانا دیتے۔ زمینداری کا کام خود کرتے۔ طالب العلموں کو مفت پڑھاتے۔ اور جو بات مشاہدہ کی محتاج ہو اس کا مشاہدہ کرا دیتے۔ جیسا کہ یہی ذبیحہ کا مسئلہ ہے تو ذبح کرکے سمجھا دیتے۔

○ صاحبزادہ صاحبؒ کے بیان سے شیخ القرآن حضرت امام محمد طاہر پنج پیریؒ کے اس بیان کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے۔ جس میں آپؒ نے فرمایا کہ بستیوں کا گوشت ہم نہیں کھاتے تھے کیونکہ وہ مشرک تھے۔ جبکہ قبل از بعثت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اسی طرح ملتا ہے۔ چنانچہ:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

- قبل از بعثت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود شکار کر کے گوشت تناول فرمایا کرتے تھے۔ اور اس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ معاذ اللہ آپ ﷺ مشرکین کی ذبیحہ کھاتے ہوں گے۔ کیونکہ وہ مشرکین اپنے مزعومہ معبودوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اس لیے ہم وثوق سے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ خود شکار کرتے تھے۔ اور بنفس نفیس خود اپنے مبارک ہاتھوں سے ذبح فرماتے تھے۔ (دیکھیے تکملہ بحرالرائق جلد ۸ صفحہ ۱۶۸)

- اور اگر کہیں اتفاق سے کسی مشرک کی دعوت پر چلے بھی جاتے تو وہاں کھانا نہ کھاتے۔ بلکہ اس دور میں بعض عرب موحد بھی دعوتوں میں شریک ہوتے تو کھانا نہ کھاتے۔ چنانچہ ایک دعوت کے موقع پر کوئی عرب موحد بھی آگیا۔ لیکن کھانا نہ کھایا۔ اس پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تو پیچھے کیوں ہٹ گیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ نذر غیر اللہ کی ہے' جو میں نہیں کھاتا۔ تو آپ ﷺ نے اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے عمل کی تصویب فرمائی۔ بلکہ:

- آپ ﷺ نے قبل از بعثت تو کسی اہل کتاب کافر یہودی یا نصرانی کی ذبیحہ بھی نہیں کھائی۔ البتہ بحیرا۔ راہب نے آپ ﷺ کی دعوت کی تھی' وہ مسلمان تھا۔ حضرت عیسیٰ کی نبوت کا قائل تھا۔ اور آخر الزمان پیغمبر کی آمد کا بھی قائل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قریش سے کہدیا تھا کہ تم اس کی پوری طرح حفاظت کرو۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ وہی آخر الزمان نبی ہوگا جس کے یہود و نصاریٰ اور باقی مشرک دشمن ہوجائیں گے۔

- اور بعد از ہجرت غزوۂ خیبر کے بعد ایک یہودی عورت کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ جب گوشت کی بوٹی زبان پر رکھی تو فوراً قدرت الٰہی سے بوٹی بولی کہ مجھے نہ کھانا مجھ میں زہر شامل کیا گیا ہے۔ اور ایک صحابیؓ بیچارہ تو اسی گوشت کو کھانے کی وجہ سے شہید ہوگیا تھا۔

شیخ القرآن مولانا محمد طیب طاہری مدظلہ کا فتویٰ

○ اشاعت التوحید و السنۃ کے امیر شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طیب طاہری صاحب مدظلہ سے خود احقر نے موجودہ زمانہ کے کلمہ گو مشرکین کی ذبیحہ کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں ان کا مسلک دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ: میں (موجودہ دور کے کلمہ گو) مشرک کا ذبیحہ نہیں کھاتا اور ان کی ذبیحہ کو حرام سمجھتا ہوں۔ پھر انھوں نے بطورِ تائید مجھے سعودی عرب سے شائع ہونے والا اللجنۃ الدائمہ للبحوث العلمیۃ و الافتاء کا مطبوعہ فتاویٰ دکھایا۔ جس میں اس موضوع پر کئی فتوے موجود تھے۔ مثلاً:

سعودی علماء کے فتوے

○ سعودی عرب سے شائع ہونے والا فتاویٰ اللجنۃ الدائمہ للبحوث العلمیۃ و الافتاء جلد ا صفحہ ۱۳۱ میں سعودی عرب کے محقق مفتیانِ کرام نے موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین کی ذبیحہ کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنے متفقہ فتویٰ میں تحریر فرمایا:

○ غیر اللہ کا ذکر جپنا اور غیر اللہ کو غائبانہ طور پر پکارنا شرک ہے۔ اور ایسے شخص کے ذبیحہ کا حکم مردار کا حکم ہے۔ اور اس کا کھانا حلال نہیں۔ اگرچہ بوقت ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے۔

غیر اللہ کو پکارنے والے بڑے مشرک ہیں

○ فتاویٰ اللجنۃ الدائمہ للبحوث العلمیۃ و الافتاء ج ۲ ص ۲۶۵ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ان محقق مفتیانِ کرام نے تحریر فرمایا کہ: جب واقعہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے ذکر کیا کہ وہ لوگ غیر اللہ یعنی علی حسن حسین (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کو پکارتے ہیں وہ بڑے مشرک ہیں ملۃ اسلامیہ

سے خارج ہیں۔ اس لیے اپنی مسلمان عورتوں کا ان کو نکاح میں دینا حلال نہیں۔ اور ان کی مشرک عورتوں سے نکاح کرنا ہمیں حلال نہیں۔ اور ان کا ذبیحہ کھانا ہمارے لیے حلال نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن۔ الخ

اس کے بعد حضرت امیر صاحب ﷾ نے سعودی علماء کا ایک اور فتویٰ بھی دکھایا۔ جس میں دورِ حاضر میں متنازعہ فیہا مسئلہ کے متعلق حد سے بڑھ جانے والے لوگوں کے لیے احتیاط کا درس موجود ہے۔ چنانچہ:

ذبیحۂ مشرک کو حلال کہنے والا کافر نہیں

سوال من احل ذبیحۃ المشرك وھو یحتج بقول اللہ تعالیٰ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ الآیۃ ویقول ان ھذہ الآیۃ لاتحتاج الی تفصیل وھو دائم علی ھذہ الآیۃ ولم یسمع قول احد بعد ھل یکون کافرا

ترجمہ جو شخص مشرک کا ذبیحہ حلال سمجھے اور دلیل میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھے: فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ الآیۃ اور کہے کہ آیت تفسیر کی محتاج نہیں اور وہ اسی بات پر قائم ہے اور کسی کی نہیں سنتا کیا وہ کافر ہے۔

الجواب من احل ذبیحۃ مشرك الشرك الاکبر لذکر اسم اللہ علیہا فھو مخطئ لکنہ لیس بکافر لوجود الشبھۃ و لا حجۃ لہ فی الآیۃ لان عمومہا مخصص بالاجماع علی تحریم ذبیحۃ المشرك

ترجمہ جو شخص شرکِ اکبر کرنے والے مشرک کی ذبیحہ کو حلال کہتا ہے کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے تو غلطی پر ہے۔ مگر کافر نہیں۔ کیونکہ اس کو شبہ پڑ گیا ہے۔ اور یہ آیت اس کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ آیت (فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ) بالاجماع مخصوص عنہ البعض ہے۔ کیونکہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ مشرک کی ذبیحہ حرام ہے۔

(فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء جلد ۱ صفحہ ۱۳۰)

خلاصہ یہ کہ علمائے متقدمین و متأخرین مجتہدین و مقلدین میں سے سبھی نے زنادقہ کو خارج از اسلام قرار دیا اور احکامھم احکام المرتدین بتایا اور ان کے ذبیحہ کو حرام بتایا اور ان کی عورتوں سے نکاح حرام کہا خواہ وہ زندقہ کے بانی تھے یا ان کے متبعین یا ان کے بعد نسلاً بعد نسلٍ آنے والے ان کے پیروکار۔ اور صدیوں ان کا سلسلہ جاری رہا مگر کسی نے ان کی نسل کو اہلِ کتاب نہیں کہا۔ فتاویٰ عالمگیری تک تمام اہلِ فتویٰ ان لوگوں کو خارجون عن الاسلام و احکامھم احکام المرتدین۔ ہی کہتے آئے۔ حالانکہ:

○ تمام زنادقہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ جبکہ اسلام ملتِ سماویہ ہے جس کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی مخالفت کو کفر کہتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ چونکہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے فیصلے نصوصِ قرآنیہ کے خلاف ہیں اس لیے ان کی خلافتیں منہاج النبوت پر نہ تھیں۔ اور معاذاللہ ابوبکرؓ اور عمرؓ خارج از اسلام ہوگئے۔

○ ان میں سے بعض وہ تھے جو خلافتِ شیخین کو برحق سمجھتے تھے۔ اور حضرت عثمانؓ پر یہ اعتراض تھا کہ ان کی خلافت پہلے چھ سال صحیح رہی، اس کے بعد خلافِ قرآن کرکے معاذاللہ حضرت عثمانؓ بھی کافر ہوگئے۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت کے متعلق وہ کہتے تھے کہ سنتِ نبویہ کے خلاف ہے۔ اور حضرت علیؓ کی خلافت کو برحق اور سنتِ نبویہ کے موافق سمجھتے تھے۔ مگر جب ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو حکم بنایا گیا تو حضرت علیؓ بھی کافر ہوگئے۔ کیونکہ انھوں نے قرآن مجید کا حکم ان الحکم الا للہ کی مخالفت کی۔ اس دور کے صحابۂ کرامؓ نے ایسے لوگوں کے ساتھ مناظرے کیے لڑائی تک نوبت پہنچی پھر ان لوگوں کو زندیق قرار دے کر حضرت علیؓ نے آگ میں جلانے کا حکم دیا۔

○ اور بعض اہلِ اعتزال ایسے تھے کہ اس دور کے فقہاء اور علمِ عقائد والوں کا اس

بات پر اجماع ہوگیا کہ اگر نماز پڑھانے والا امام معتزلی ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ اور اگر وہ مرجائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ اور اس کی ذبیحہ حلال نہیں۔ اور اس کو سلام کا جواب نہ دیا جائے۔ اور کئی ایسے بھی تھے جو اہل السنّت والجماعت کے پیچھے جمعے اور عیدیں نہیں پڑھتے تھے۔ تو ان کی بداعتقادی کی وجہ سے علمائے حق نے ان کے متعلق مرتدین کا سا حکم نافذ کیا۔ اور امام ابویوسفؒ نے ان پر زندیق کا حکم لگایا۔ اور تابعین ہی کے دور میں ان کے خلاف کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ:

زنادقہ کے خلاف علماء متقدمین کا قلمی جہاد

- خلیفۂ برحق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے خلاف رسالہ تصنیف کیا۔ اور زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے رد میں رسالہ لکھا۔ اور عامر شعبی اور ابن شہاب زہری نے بھی ان کے خلاف فتوے دیے۔ پھر حضرت جعفر صادق نے بھی ان کے خلاف تین رسالے لکھے۔ ایک رسالہ قدریہ کے رد میں۔ ایک رسالہ خوارج کے رد میں۔ اور ایک رسالہ غالی رافضیوں کے رد میں۔ اور فقہاء مجتہدین میں سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی الفقہ الاکبر لکھوائی اور ایک اور رسالہ لکھوایا جس میں اہل السنّت والجماعت کے عقیدے کی تائید ہوتی تھی۔
- حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی علمِ عقائد میں دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک میں براہمہ کا رد تھا۔ اور دوسری میں اہل اہواء کا رد تھا۔ جن میں خوارج، رفضہ اور قدریہ، جہمیہ، نجاریہ، مجسمہ وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اہل اہوا میں سے جن لوگوں میں ان خوارج اور روافض وغیرہ کی سی بدعات مکفرہ ظاہر نہ ہوں ان کا حکم حکم المؤمنین والا ہے۔ اور جن فرقوں میں بدعات مکفرہ پائی گئیں انھیں اہل کتاب میں شمار نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کی ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کو مباح قرار دیا۔

زنادقہ کے متعلق علماء کا فتویٰ

○ متقدمین کے اس دور کے بعد مناظروں اور تصنیفات کا سلسلہ جانبین سے عام ہوگیا۔ خلافتِ اسلامیہ کے خاتمہ تک یہی حال رہا۔

○ اس کے بعد جو نئے نئے فرقے پیدا ہوئے جیسے قادیانی وغیرہ۔ ان میں سے جس جس فرقے نے کفریہ کلمات کہے اس کے متعلق علماءِ حق نے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا۔ اور نسلی یا غیر نسلی کی قید کے بغیر اس بات کی صراحت کی ہے کہ کلمہ گو مرتدین و مشرکین اہلِ کتاب نہیں ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ نہ تو نکاح درست ہے اور نہ ہی ان کے ہاتھ کی ذبیحہ حلال ہے۔ اور ان علماء میں درج ذیل نام نمایاں ہیں :

① مولانا ریاض الدین دیوبندیؒ
② مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ
③ مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ
④ مولانا عبدالعزیزؒ
⑤ مولانا مسعود احمدؒ
⑥ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
⑦ مولانا عبدالستار تونسوی
⑧ سید نذیر حسین دہلویؒ
⑨ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ
⑩ مولانا عبدالقادر حصاریؒ
⑪ مولانا عبدالستار دہلویؒ
⑫ شیخ القرآن پنج پیریؒ
⑬ مولانا حافظ ولی سیدؒ
⑭ مولانا ولی اللہ کابلگرامی
⑮ مولانا محمد طیب طاہری صاحب
⑯ مولانا مفتی محمد اقبال
⑰ مولانا مفتی ضیاء الحق دہلوی
⑱ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
⑲ مولانا محمد یوسف لدھیانوی
⑳ مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی
㉑ مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب
㉒ مولانا مفتی احمد صاحب
㉓ مولانا مفتی محمد صاحب
㉔ مولانا مفتی موسیٰ صاحب

○ مگر ان کے علاوہ بعض علماء نے ان کلمہ گو مرتدین و مشرکین کی اولاد کے متعلق دائرۂ اسلام سے خارج ہونے اور کفر کا فتویٰ تو برقرار رکھا۔ لیکن

اختلاف اس بات میں کیا جاتا ہے کہ ان کو اہلِ کتاب کے حکم میں شامل کیا جائے یا ان پر زندقہ وارتداد کا حکم نافذ کیا جائے۔ اور ان علماء میں میرے استاذ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور میرے دادا استاذ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ گرامی بھی شامل ہیں۔ اور انھوں نے کسی دلیل کے بغیر ایسا حکم لگایا ہے۔ جس کی وجہ بظاہر کچھ معلوم نہیں ہوسکی۔ لیکن ان میں سے کسی مفتی نے زنادقہ کو اہلِ کتاب تو سرے سے کہا ہی نہیں۔ مسئلہ صرف حکم کا ہے کہ:

① ان نسلی مرتدین کا حکم مرتد والا ہے، جس کی ذبیحہ حرام اور ان کی عورتوں سے نکاح ناجائز ہے۔ یا:

② کچھ نرمی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے ان پر ارتداد کی بجائے اہلِ کتاب والا حکم نافذ کیا جائے۔

موجودہ دور کے علماء کی رائے

○ لیکن زمانۂ حال کے بعض مفتیان موجودہ شیعوں اور مرزائیوں کو فی حکم اہلِ الکتاب کی بجائے اس سے بھی نرمی میں ایک قدم آگے بڑھ کر انھیں اہلِ کتاب کہنے لگے ہیں۔ سو ان کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ:

○ علماءِ حق نے صراحت فرمائی کہ زنادقہ، اسماعیلیہ، سبائیہ بھی اہلِ کتاب نہیں ہیں۔ جبکہ وہ لوگ صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ اپنے مذہب پر پختہ ہیں اور اپنے آپ کو برملا مسلمان کہنے کے ساتھ ساتھ:

① کلمۂ اسلام بھی پڑھتے ہیں۔

② آسمانی کتاب قرآن مجید کو امام منتظر کے پاس محفوظ مانتے ہیں۔ اور سنیوں کے پاس جو قرآن مجید ہے اسے محرف کہتے ہیں۔

③ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔

④ کماحقہ نہ سہی توحیدِ باری تعالیٰ کے بھی قائل ہیں۔

⑤ حُبِّ اہلِ بیت کو جُزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض بتقاضائے محبت حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ جیسے اہلِ کتاب نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور ان کی ذبیحہ حلال ہے۔ مع ہذا ان کلمہ گو قائلینِ الوہیتِ علیؓ کو مرتد زندیق بے دین کہنے کی اور اہلِ کتاب نہ کہنے کی کیا وجہ ہے؟ فاعتبروا یااولی الابصار

فائدہ شامی نے لکھا ہے کہ مجوسی اگر کہہ دے کہ میں مُسلم ہوں یا مُسلمان ہوں یا دینِ محمدیہ پر ہوں یا حنیفی ہوں تو اس کو مُسلمان سمجھا جائے گا۔ کیونکہ مجوسی لوگ مُسلمان کا لفظ بطور گالی کے استعمال کرتے ہیں۔ اگر وہ اسلام کا اقرار کرتا ہے تو ہم اسے سچا مُسلمان سمجھیں گے۔

○ اسی طرح اگر آج کے دور کے یہود و نصاریٰ کہہ دیں کہ ہم مُسلمان ہیں تو ان کا اسلام قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسلام اور مُسلمان کو برا سمجھتے ہیں۔ بخلاف ان زنادقہ کے کہ وہ اپنے آپ کو مُسلمان سمجھتے ہیں اور مُسلمان کہلاتے ہیں اور اپنی نسبت ملتِ سماویہ محمدیہ کی طرف کرتے ہیں۔ اور خود کو مُسلمان کہتے ہیں۔ اور پھر اصل مُسلمان اہل السُّنّت والجماعت کو بطور گالی کے سرکاری مُسلمان کہتے ہیں۔

نسلی مرتدین کے مُتعلق حکم کا اختلاف

○ نسلی مرتدین یعنی زنادقہ مثلاً قادیانی وغیرہ کے حکم سے مُتعلق فرنگی عہد کے مفتی صاحبان رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف الرائ ہیں۔

① بعض شیعہ اور قادیانیوں کو کافر کہنے کے ساتھ ساتھ اہلِ کتاب کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔

② اور بعض ان پر مرتدین کا حکم نافذ کرتے ہیں۔

○ اس لیے پہلے تو ہم ان دونوں قسم کی آراء کو الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ پھر اصولی قاعدے کو نظر میں لاتے ہوئے ترجیح کا راستہ تلاش کریں گے۔

مولانا عبد الحی لکھنویؒ کے فتوے

کلمہ گو مشرک اہل کتاب کے حکم میں نہیں

ہمارے شیخ الشیخ حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی موضوع پر ایک استفسار کے جواب میں اپنا تحقیقی فتویٰ تحریر فرمایا۔ یہ فتویٰ مع سوال کے سطورِ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

سوال زید کہتا ہے کہ کسی بدعتی اور مشرک اور کافر کا ذبیحہ حلال نہیں ہے سوائے موحد باللہ اور متبع سنت رسول اللہؐ کے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ مجھے اس امر کی تصدیق کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ سے نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ اس کو کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اس آیت میں محض اللہ کے نام کی قید ہے نہ کافر یا مشرک یا بدعتی کی اور حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ان قوما حدثوا عهدا بجاهلية يا تونا بلحمان لا ندری ذكروا اسم الله عليها ام لم يذكروا انا كل منها فقال رسول الله ﷺ سموا الله و كلوا ایک قوم نے پوچھا کہ عہدِ جاہلیت کے مطابق ہمارے پاس لوگ گوشت لاتے ہیں جس کے متعلق ہم کو یہ نہیں معلوم کہ انھوں نے اس پر خدا کا نام لیا ہے یا نہیں ہم اسے کھائیں یا نہ کھائیں پس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا نام لو اور کھاؤ۔ پس میرے نزدیک آیت کے عام ہونے کی وجہ سے اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق اور علمائے محققین مثل علامہ شوکانی وغیرہ کی تحقیق کے موافق اس کی حرمت معلوم نہیں۔ پس مشرک ہو یا بدعتی یا کافر جب اس پر اللہ کا نام لیگا تو میں اسے کھاؤں گا پس دونوں کے درمیان میں آپ کے نزدیک قول فیصل کیا ہے؟

جواب عمرو کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے: وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔ اور یہاں بالاتفاق طعام سے ذبیحہ مراد ہے پس اگر ہر شخص کا ذبیحہ حلال ہوتا حتیٰ کہ مشرکین کا بھی تو اہل کتاب کے تخصیص کی کوئی وجہ نہ تھی اور فکلوا مما ذکر اسم اللہ اور ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وغیرہ میں صرف شرط حلت ذبیحہ کے وقت ذبح کی بیان ہے اور ان سے فقط اسی قدر مقصود ہے کہ بے بسم اللہ کے ذبیحہ حلال نہیں اور ذابح کا عموم و خصوص اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا ہے اور اگر ایسا ہی ان آیات کے اطلاق سے استناد لیا جائے تو باب اطلاق مذبوح میں اس پر عمل کرنا پڑیگا۔ کیونکہ ان آیتوں میں مذبوح کو خاص نہیں کیا بلکہ جس پر اسم اللہ کا ذکر ہو اس پر حلت کا حکم ہو پس لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کتا یا سؤر یا اور کوئی جانور جس کا گوشت حلال نہیں ہے بسم اللہ کہ کے ذبح کرے تو اس کا کھانا درست ہو جائے۔ اس تقریر سے کہ اللہ نے ان آیتوں میں صرف اسم اللہ کی قید کی ہے' نہ کسی خاص ذبیحہ کی۔ حالانکہ اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے۔

الحاصل ان آیتوں میں فقط ذبح کی کیفیت کا اور ذبح کے وقت شرط حلت کا بیان ہے ذابح اور مذبوح کے اطلاق و تخصیص سے ان میں کچھ غرض نہیں ہے پس جس طرح مذبوح کی تخصیص دوسری آیات و احادیث سے ثابت ہوئی۔ اسی طرح سے ذابح کی تخصیص بھی اور جگہ سے ثابت ہوئی ایک تو آیت سابقہ' دوسری وہ حدیث جو مصنف عبد الرزاق میں مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آتش پرست کے حق میں فرمایا ہے: من اسلم منہم قبل و من لم یسلم ضربت علیہ الجزیۃ غیر ناکحی نسائہم ولا اٰکلی ذبائحہم جو ان میں سے اسلام لائے گا اس کا اسلام مقبول ہوگا اور جو اسلام نہ لائے گا اس سے جزیہ لیا جائے گا۔ مگر ان کی عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے گا اور ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا۔

○ اسی طرح اور احادیث و آثارِ صحابہؓ بھی اس باب میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سوا اہلِ کتاب کے کسی کافر کا ذبیحہ درست نہیں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ ذبیحہ ہر فردِ مسلم کا حلال ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ان لوگوں کے ذبیحہ سے سوال کیا گیا ہے جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور جاہلیت کی رسموں میں پھنسے ہوئے تھے نہ ذبیحۂ کافر سے اور علامۂ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا انتقال ۱۲۵۰ھ یا ۱۲۵۵ھ میں ہوا ہے گو علم ادب میں ان کی تحقیق اچھی ہے مگر ان کا اجتہاد اور فتوے ائمۂ اربعہ اور مجتہدین سابقین رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجتہاد اور فتوے کے مقابلہ میں اعتبار کے قابل نہیں ہے اور اس مسئلہ میں ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ بلکہ اکثر مجتہدین یہی تحقیق کر گئے ہیں کہ مسلمان اور کتابی کے سوا کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

○ پس اب شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ جو اس صدی کے علماء میں سے تھے اگر اس کے خلاف لکھیں تو ان کے لکھنے کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

فائدہ اس فتویٰ میں حضرت مولانا لکھنویؒ نے مسلمان اور کتابی کے ماسوا سب کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا خواہ کوئی ہو۔ نسلی اور غیر نسلی کا کوئی فرق نہیں کیا۔

○ اسی طرح آپؒ کا ایک اور فتوے بھی لائقِ مطالعہ ہے۔ یہ فتویٰ بھی مع سوال کے نقل کیا جاتا ہے:

کس قسم کے شیعہ کافر ہیں

سوال شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں۔ اور ان کے ساتھ اکل و شرب کرنا اور ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنا چاہیے یا نہیں۔ ان امور کی حلت اور حرمت کا حکم اسنادِ متصل اور مرفوع اور متواتر سے بحوالۂ کتب اس طرح ثابت فرمائیے کہ پھر چون و چرا کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور امرِ حق ثابت ہو جائے۔ یہ بھی واضح رہے کہ جواب ایسا ہونا چاہیے جس میں نفسانیت اور تعصب ذرہ برابر بھی داخل نہ ہو۔ آج کل یہاں اس امر پر مباحثہ اور مناظرہ ہو رہا ہے۔ سنی غُنیۃ

الطالبین کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ اور ان کے ساتھ اکل و شرب کرنا اور ان کی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنا بھی درست نہیں ہے۔ بلکہ جن سنیوں نے شیعوں کے یہاں کھایا پیا ہے ان کو سُنیت کے دائرے سے خارج کر دیا ہے۔ اور سُنی انھیں اپنی مساجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ بلکہ ان کو کافر اور مرتد کہتے ہیں۔ اور ان سنیوں کے ساتھ دوسرے سُنی کھانے پینے میں اجتناب کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ جو دائرۂ سُنیت سے خارج کیے گئے ہیں یہ دلائل پیش کرتے ہیں کہ:

○ کیا اہلِ تشیّع اہلِ قبلہ نہیں ہیں۔ یا توحید یا نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ یا ان کے یہاں سوا تکبیر معلومہ اور مروجہ کے کوئی اور تکبیر مروج ہے۔ پس اہلِ تشیّع کے ساتھ کھانے پینے سے سُنی لوگ کیوں ہم کو دائرۂ سُنیت سے خارج کرتے ہیں۔

○ ہندوستان میں امورِ مذکورہ پر کبھی ایسی بحث نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ وہاں برابر ایک دوسرے میں شادیاں ہوتی ہیں۔ اور شیعہ سُنی باہم کھانے پینے میں پرہیز نہیں کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ میرے یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ تو جائز اور شیعوں کا ذبیحہ ناجائز ہو۔ اب کس کا قول آپ کے نزدیک صحیح ہے۔ اور ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے۔

جواب اگرچہ فقہاء کے ایک گروہ نے سبِ شیخین رضی اللہ عنہما کی وجہ سے مطلقاً اہلِ تشیّع کو کافر لکھا ہے۔ اور اسی بناء پر ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے کو اور ان کے ذبیحہ کو حرام ٹھہرایا ہے۔ مگر مرجح اور مفتیٰ بہ اور منقح قول یہ ہے کہ کافر فقط وہی شیعہ ہیں جو ضروریاتِ دین کا انکار کرتے ہیں۔ اور انھیں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ اور انھیں کے ساتھ مناکحت جائز نہیں ہے۔ اور جو ایسے نہ ہوں اگرچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہوں وہ فاسق ہیں۔ کافر نہیں ہیں۔ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے۔ اور ان کے ساتھ مناکحت بھی درست ہے۔

فائدہ اس فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے جو فرقے کافر ہیں اور نسلاً بعد نسل صدیوں سے چلے آرہے ہیں ان کے ذبیحے بھی حرام اور ان کی عورتوں سے نکاح ناجائز ہے۔ اگر ان نسلی کافر شیعوں کو اہلِ کتاب یا اہلِ کتاب کے حکم میں مجھا جائے تو نہ ان کا ذبیحہ حرام ہوتا اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح ناجائز۔

نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے فرمایا:

ابو شکور سالمی کا فتویٰ

○ ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کتاب التمہید فی التوحید میں لکھتے ہیں: کلام الروافض مختلف فبعضہ یکون کفراً و بعضہ لا فلو قال ان علیاً رضی اللہ عنہ کان الٰہاً نزل من السماء کفر ولو قال النبوۃ کانت لعلی رضی اللہ عنہ و جبرائیل علیہ السلام اخطأ کفر و منھم من قال ان علیاً رضی اللہ عنہ افضل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھذا کلہ کفر اما الذی یکون بدعۃ ولا یکون کفراً فھو قولھم ان علیاً رضی اللہ عنہ افضل من الشیخین رضی اللہ عنہما و منھم من قال یجب اللعن علی من خالف علیاً رضی اللہ عنہ کعائشۃ و معاویۃ رضی اللہ عنہما وھذا کلہ وما اشبھہ یکون بدعۃ ولیس بکفر لانہ صادر عن تأویل۔ روافض کی حالت مختلف ہے۔ بعض کافر ہیں اور بعض کافر نہیں ہیں۔ پس اگر کوئی کہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ خدا تھے۔ جو آسمان سے نازل ہوئے تو وہ کافر ہے۔ اور جو کوئی کہے کہ نبوت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے لیے تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے غلطی ہوگئی تو کافر ہے۔ اور بعض روافض کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں تو وہ بھی کافر ہیں۔ اور بعض روافض کی بعض باتیں بدعت ہیں کفر نہیں ہیں۔ جیسے ان کا یہ کہنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔ اور بعض حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے مخالف جیسے (حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) پر لعنت کو واجب لکھتے ہیں تو یہ اور ان کے مشابہ تمام امور بدعت ہیں۔ کفر نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تاویل کے بعد کیے جاتے ہیں۔

فائدہ حضرت علامہ محمد بن عبدالسید بن شعیب الکشی ابو شکور سالمی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کے بعض فرقے کافر ہیں اور بعض کافر نہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شیعوں کے کافر فرقے اہل کتاب کے حکم میں ہیں یا مرتدین کے۔ حضرت علامہ لکھنوی نے اپنے فتوے کا تسلسل جاری رکھتے ہوئے حضرت علامہ بحر العلومؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا:

علامہ بحر العلوم کا فتویٰ

○ اور بحر العلوم مولانا عبد العلی رحمۃ اللہ القوی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں:

الصحیح عند الحنفیۃ ان الروافض لیسوا بکفار و الوجہ فیہ ان تدینھم او دفعھم فی ما دفعوا زعما منھم انھم علی الدین المحمدی وان کان زعمھم ھذا باطلاً و ما کذبوا محمداً ﷺ فھم غیر ملتزمین للکفر و التزام الکفر کفر دون لزومہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ روافض کافر نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ دین رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ کرتے ہیں سمجھ کے کرتے ہیں کہ یہی دین محمدیؐ ہے۔ اگرچہ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ لیکن وہ نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کو اپنے نزدیک نہیں جھٹلاتے ہیں۔ پس کفر کو خود اپنے سر نہیں لیتے ہیں۔ اور کفر کو لازم لے لینا کفر ہے۔ نہ کہ اس کا لازم آجانا۔

فائدہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ بحر العلوم عبدالعلیؒ کے متعلق اپنے فتویٰ میں تحریر فرمایا کہ بحر العلوم نے شیعہ پر کفر کا فتویٰ اسی وقت تک نہیں لگایا تھا جب تک انھوں نے شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان نہ دیکھی تھی۔ پھر جب مجمع البیان کا مطالعہ فرمایا تو ان پر شیعہ کا کفر عیاں ہوگیا۔ تب کھل کر شیعہ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ (دیکھیے: آتش کدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۶۸ تا ۷۰) اس کے بعد حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی فتوے میں مزید فرمایا:

○ اور درِّ مختار میں ہے: فی النھر تجوز مناکحۃ المعتزلۃ لانا لا نکفر احداً من اھل القبلۃ وان وقع الزاماً فی المباحث النھر الفائق میں ہے کہ معتزلہ کے ساتھ مناکحت درست ہے۔ کیونکہ ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں سمجھتے۔ اگر مباحثہ میں الزاماً بعض اوقات ان کے کفر کو ثابت کرتے ہیں۔

○ اور فتح القدیر میں ہے: اما المعتزلۃ فمقتضی الوجہ حِلُّ مناکحتھم لان الحق عدم تکفیر اھل القبلۃ وان وقع الزاماً فی المباحث بخلاف من خالف القواطع المعلومۃ بالضرورۃ من الدین مثل القائل بقدم العالم و نفی العلم بالجزئیات۔ معتزلہ کے متعلق دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ نکاح درست ہے۔ کیونکہ تمام اہلِ قبلہ کی عدم تکفیر ہی مناسب ہے۔ اگرچہ الزاماً بحثوں میں ایسا ہوجاتا ہو بر خلاف ان لوگوں کے جو قطعیات میں سے ان چیزوں کی مخالفت کرتے ہوں جن کا دین سے ثابت ہونا بدیہی ہے۔ مثلاً وہ لوگ جو قدمِ عالم کے قائل ہیں اور خدا کو جزئیات کا عالم نہیں مانتے ہیں۔

○ اور رد المحتار میں ہے: بھذا ظھر ان الروافض ان کان ممن یعتقد الالوھیۃ فی علی رضی اللہ عنہ و ان جبرائیل علیہ السلام غلط فی الوحی کان کافراً و ان کان ینکر صحبۃ الصدیق رضی اللہ عنہ او یقذف عائشۃ رضی اللہ عنہا فھو کافر۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ روافض اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خدا ہونے یا حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وحی میں غلطی ہونے کے قائل ہوں تو کافر ہیں۔ اور اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے منکر ہوں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہوں تو کافر ہیں۔

(مجموعۃ الفتاویٰ عبدالحی لکھنوی جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۵)

فائدہ یاد رہے کہ اس فتویٰ میں جن شیعوں کے کافر نہ ہونے کا ذکر ہے اس سے وہ تفضیلی شیعہ مراد ہیں جو فضیلتِ علی بر خلفاءِ ثلٰثہ کے علاوہ ضروریاتِ دین میں سے کسی امر کے منکر نہ ہوں۔ اور اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ کوئی مسئلہ خواہ اعتقادی ہو یا عملی ایسا نہیں جس میں ان کے یہاں مختلف روایات نہ پائی جاتی ہوں۔ حتیٰ کہ ان کے بنیادی مسائل میں سے عِصمتِ ائمہ کے مسئلہ میں بھی ان کے یہاں مختلف روایات موجود ہیں۔ تاکہ بوقتِ ضرورت ایک روایت کو امام کا اصل مذہب اور اس کی مخالف روایت کو تقیہ کہا جا سکے۔ البتہ تبدیلیٔ قرآن کا مسئلہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک تمام شیعوں کے یہاں متفق علیہ ہے۔ جیسا کہ:

شیعوں کا مُتفق علیہ کفریہ عقیدہ

○ المِلَل و النِّحَل میں ہے: و من قول الامامیہ کلھا قدیماً و حدیثاً ان القرآن مبدل زید فیہ ما لیس منہ ونقص فیہ کثیر و بدل منہ کثیر (الملل والنحل جلد ۲) کہ تمام امامیہ خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین سب کا یہی قول ہے کہ قرآن بدلا گیا ہے۔ اور اس میں ایسی چیزیں بڑھائی گئی ہیں جو اصل قرآن میں نہیں تھیں اور اس میں جو جتنہ کم ہوا ہے وہ بھی بہت ہے اور جو بدلا گیا ہے وہ بھی بہت ہے۔

○ اسی طرح تمام شیعہ بداء کے قائل ہیں۔ جیسا کہ اصول کافی "باب البداء" میں امام علی رضا کی طرف منسوب روایت میں ہے: ما بعث اللہ نبیاً قط الا بتحریم الخمر وان یقر اللہ بالبداء اللہ تعالیٰ نے کبھی کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر حرمتِ خمر اور اقرار بالبداء کے ساتھ۔ (اصول کافی صفحہ ۸۶)

○ نیز اس فتویٰ میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنوئیؒ نے سبِ شیخین کو کفر قرار دینے سے اجتناب فرمایا ہے۔ انھیں اس مقام پر نہ جانے کیا مغالطہ ہوگیا۔ ورنہ تمام امتِ محمدیہ ﷺ کا اس پر اجماع ہے کہ سبِ شیخین کفر ہے۔ چنانچہ:

سبِّ شیخین کفر ہے

○ پانچ سو مفتیانِ کرام کا متفقہ فتویٰ ہے: الرافضی اذا کان یسب الشیخین و یلعنھما العیاذ باللہ فھو کافر ۔۔۔۔ من انکر امامۃ ابی بکر ن الصدیق رضی اللہ عنہ فھو کافر علی قول بعضھم و قال بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر و الصحیح انہ کافر۔ وکذلک من انکر خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ فی اصح الاقوال کذا فی الظھیریۃ اگر کوئی رافضی شیخین یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دے اور ان پر لعنت بھیجے العیاذ باللہ تو وہ کافر ہے۔۔۔۔ اسی طرح جو شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا انکار کرے تو وہ بعض کے قول میں کافر ہے۔ اور بعض اس کو مُبتدع کہتے ہیں' کافر نہیں کہتے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہے۔ اور اسی طرح جو شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرے تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ بھی کافر ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ طبع ہند)

○ نیز ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۳۲۱ میں ہے: لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا او انکر صحبۃ الصدیق او اعتقد الوھیۃ فی علی ۔۔۔ او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن یعنی جو حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائے یا ان کے والد کی صحابیت کا انکار کرے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھے یا اس قسم کے ایسے کفریہ کلمات بولے جو قرآن مجید کے صریح مخالف ہیں تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

روافض کو کافر کہنے کا وجوب

○ شیعہ روافض کو کافر کہنا واجب ہے' چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ میں ہے: یجب اکفار الروافض ۔۔۔۔ و ھولاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام احکامھم احکام المرتدین' کذا فی الظھیریہ شیعہ روافض کو ان کے عقائد کفریہ کے باعث کافر کہنا واجب ہے اور یہ لوگ دین اسلام سے بالکل خارج ہیں اور ان کا حکم بعینہ مرتدین کا حکم ہے۔

فائدہ تمام علماء جو شیعوں کو کافر قرار دے رہے ہیں یا انھیں کافر سمجھنے کو واجب بتلا رہے ہیں اور اس میں نسلی اور غیر نسلی کا کوئی فرق نہیں کرتے۔

○ حضرت مولانا مفتی مرتضیٰ حسن ناظم تعلیم دارالعلوم دیوبند ندائے غیر اللہ اور علم غیب جیسے کفریہ عقائد رکھنے والے کے متعلق اپنے فتوی میں تحریر فرمایا: "ان عقائد باطلہ پر مطلع ہو کر انھیں کافر، مرتد، ملعون، جہنمی نہ کہنے والا بھی ویسا ہی مرتد و کافر ہے۔ پھر اس کو جو ایسا نہ سمجھے وہ بھی ایسا ہی ہے"۔ دیکھیے: بلغۃ الحیران از پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ صفحہ ۴

تنبیہ تفسیر بلغۃ الحیران ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کی املائی تفسیر ہے۔ جسے حضرت مولانا نذر شاہ عباسی ساکن جوکالیاں ضلع گجرات نے بہ تعاون شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ املاء کر کے حضرت صاحبؒ کی خدمت میں پیش کی جسے دیکھ کر آپؒ خوش ہوئے۔ اور اس کی طباعت کے سلسلے میں کوشش کی۔ دریں اثناء حضرت صاحبؒ چنیوٹ تشریف لائے، اس وقت میں بچہ تھا کتاب "مالابد منہ" پڑھتا تھا۔ حضرت صاحبؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا فضل حق مانسہرہ والے خطیب شاہی مسجد چنیوٹ کو علم ہوا تو انھوں نے حضرت صاحبؒ کو دعوت دی۔ آپؒ مع خان صاحب ملتان والوں کے تشریف لائے۔ اور بطور نمونے کے سورۂ اعراف کے مضمون کے مطبوعہ چار صفحے ان کے پاس تھے۔ جنھیں میں نے خود دیکھا تھا۔ پھر کچھ مدت کے بعد تفسیر بلغۃ الحیران طبع ہوگئی۔ جس کا ایک نسخہ حضرت صاحبؒ نے میرے چچا حضرت مولانا محمد شاہ جہلمی رحمۃ اللہ علیہ کو تحفۃً ارسال فرمایا تھا۔ اسی میں فتوے پیر صاحب بغداد شریف والا دربارہ علم غیب مع تشریح بھی شامل تھا۔ جن کے آخر میں مولانا فاضل لاثانی یار محمد ملتانی کا نام چھپا ہوا ہے۔ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتوے بلغۃ الحیران کے ساتھ انہی فاضل لاثانی صاحب نے شائع کیے ہوں گے۔ لیکن یہ کہنا بہت بڑی زیادتی ہوگی کہ ان فتووں کو

حضرت صاحبؒ کی تائید و حمایت حاصل نہیں تھی۔ کیونکہ اگر ان فتووں کو حضرت صاحبؒ کی تائید حاصل نہ ہوتی اور حضرت صاحبؒ کا یہ مسلک نہ ہوتا تو وہ بھی اپنی کتاب کے ساتھ ان فتووں کو شائع کرنے کی اجازت نہ دیتے۔

○ نیز شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ تفسیر جواھر القرآن میں تلخیصاً یہی فتویٰ شائع کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک تھا۔

○ اسی طرح تفسیر جواہر القرآن کے مرتب حضرت مولانا ابو احمد سجاد بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی تھا۔ ورنہ وہ اس پر کچھ اعتراض ضرور کرتے۔ آخر وہ ایک ذمہ دار صاحب قلم تھے۔

○ اسی طرح اس فتویٰ پر ان تمام اکابرین امت کو بھی اعتماد تھا جنھوں نے تفسیر جواہر القرآن پر تقاریظ تحریر فرمائیں۔ جن میں درج ذیل علماء حق کے نام نمایاں طور پر شامل ہیں:

① مؤرخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ

② شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا نصیر الدین غورغشتی رحمہ اللہ تعالیٰ

③ استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا ولی اللہ صاحب (میانوال) رحمہ اللہ تعالیٰ

④ شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

⑤ استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

⑥ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب بہبودی رحمہ اللہ تعالیٰ

⑦ پیر طریقت حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

⑧ استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

⑨ حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ

⑩ حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل رحمہ اللہ تعالیٰ

⑪ حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ

مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فتوے

میرے استاذِ مکرم مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ شاہجہان پوری ثم الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً دافرۃً کاملۃً کے فتوے باہم مختلف ہیں۔ جن میں سے بعض فتوے یہ ہیں کہ غالی تبرائی شیعے جو کفریہ عقائد رکھتے ہیں ان کو اہلِ کتاب میں شمار کیا ہے اور بعض میں نہیں۔ چنانچہ :

1 عرف میں شیعہ اس گروہ کو کہتے ہیں جن کا تعلق مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب کے بالمقابل ہے۔

شیعۃ کی اصل تفضیلیۃ ہے :

جو حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلیفۂ بلا فصل اور تمام صحابہؓ سے افضل مانتے ہیں۔ اس گروہ میں بھی مختلف فرقے ہیں۔ (مثلاً)

تفضیلیۃ کی شاخیں :

(۱) بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ خدا ہیں۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت علیؓ کے اندر حلول کیا ہے۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ وحی حضرت علیؓ کی طرف اتاری گئی تھی۔ مگر جبرائیل علیہ السلام نے غلطی سے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہنچادی۔

(۴) بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن جو اس وقت موجود ہے' وہ قرآن نہیں ہے جو آسمان سے اتارا گیا تھا۔ بلکہ یہ بیاضِ عثمانیؓ ہے۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد چند صحابہؓ کے علاوہ تمام مسلمان مرتد ہوگئے تھے۔ اسی قسم کے بہت سے کفریہ عقائد رکھتے ہیں۔

پس لفظ شیعہ اور رافضی اور روافض (تفضیلیہ کے) ان فرقوں کے لیے (عرفاً) استعمال ہوتا ہے۔ کفایت المفتی ج ۱ صفحہ ۲۸۲، ۲۸۳)

بعض تفضیلی شیعہ کے متعلق فتوے

۲ جو لوگ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو خلفائے ثلثہ (رضی اللہ عنہم) پر صرف افضل مانتے ہوں' ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ ان لوگوں (تفضیلی شیعوں) کی لڑکیوں سے نکاح کرلینا بھی جائز ہے۔ مگر انھیں اپنی لڑکیاں نہیں دینا چاہیے۔ بلا ضرورت ان سے سلام کرنا یا خلا ملا رکھنا بھی اچھا نہیں۔

(کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۲۷۶)

۳ شیعہ اگر حضرت علیؓ کو دوسرے صحابہؓ پر فضیلت دیتا ہے۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی بات اس میں شیعیت کی نہیں تو یہ کافر نہیں۔ اور ایسے شیعہ کے ساتھ سُنّی لڑکی کا نکاح مُنعقد ہوجاتا ہے۔

لیکن اگر شیعہ:

① غلطیٔ وحی۔ یا
② الوہیتِ علیؓ۔ یا
③ افکِ صدیقہؓ کا قائل ہو۔ یا
④ قرآن مجید میں کمی بیشی ہونے کا معتقد ہو۔ یا
⑤ صحبتِ صدیقؓ کا منکر ہو۔ تو ایسے شیعوں کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

○ اور چونکہ شیعوں میں تقیہ کا مسئلہ شائع اور معمول ہے۔ اس لیے یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ فلاں شیعہ قسم اول (تفضیلیہ) میں سے ہے یا قسم دوم (روافض) میں سے۔ اس لیے لازم ہے کہ محض (تفضیلی) شیعوں کے ساتھ بھی مناکحت کا تعلق نہ رکھا جائے۔

○ (تفضیلی) شیعہ کی لڑکی کے ساتھ سنی مرد کا نکاح درست ہے۔ لیکن یہ تعلق پیدا کرنا اکثر حالات میں مضر ہوتا ہے۔ اس لیے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔

(کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۲۷۸)

فرقہ رافضیہ کے متعلق فتوے

۴ رافضیوں کا وہ فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (عیاذاً باللہ) خدا یا اور کچھ ایسی طرح جو شرعاً کفر ہو، مانتا ہو، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا درست نہیں۔ (جلد ۱ صفحہ ۲۷۶)

۵ شیعوں کے بہت فرقے ہیں۔ بعض فرقے کافر ہیں، مثلاً:

① جو حضرت علیؓ کو الوہیت یا حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ یا

② غلطانی الوحی۔ یا

③ افکِ عائشہ صدیقہؓ۔ یا

④ قرآن مجید میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔

ایسے شیعوں کے ساتھ رشتہ کرنا ناجائز ہے۔

○ اور جو لوگ کہ حدِ کفر تک نہیں پہنچے ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے۔

○ یہ صحیح ہے کہ شیعوں کے یہاں تقیہ کا مسئلہ ہے اور اس بناء پر ان کے خیالات اور عقائد کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ اور جو شخص اس بات سے واقف ہے وہ شیعوں میں رشتہ ناتہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ (کفایت المفتی جلد ۱ صفحہ ۲۷۸)

فرقہ مہدویہ کے متعلق فتوے

۶ فرقہ مہدویہ جو اطرافِ دکن میں پایا جاتا ہے کافر ہے۔ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں۔ (کفایۃ المفتی جلد ۱ صفحہ ۳۲۱ و جلد ۸ صفحہ ۳۶۷)

فائدہ فرقہ مہدویہ کے پیروکار خود کو مسلمان اور اپنے دین کو اسلام ہی بتاتے ہیں۔ بلکہ ان کا کہنا ہے کہ جو اسلام سے خارج ہے وہ کافر ہے۔ ان کے پیشوا سید محمد جونپوری نے حج کے موقع پر ہی مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حج کے بھی قائل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کوہ مراد کی زیارت کو بھی حج سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لوگ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ روزے بھی مجموعی طور پر سوا تین ماہ رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود مہدویہ کے ذبیحہ کو حضرت مفتی صاحبؒ نے حرام قرار دیا ہے۔

سنی شیعہ بننے والے کے متعلق فتوے

۷ اگر نذیر احمد غالی شیعہ ہو گیا ہے۔ یعنی:

① حضرت عائشہؓ پر تہمت کا قائل ہے۔ یا

② قرآن مجید کو صحیح اور کامل نہیں سمجھتا۔ یا

③ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت کا منکر ہے۔ یا

④ حضرت علیؓ کو وحی کا اصل مستحق سمجھتا ہے۔ یا

⑤ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہے۔ تو بیشک وہ کافر ہے۔

○ اور (مولانا مسعود احمد صاحب نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کے درج ذیل فتوے کی تائید میں فرمایا کہ) اس صورت میں سب جواب صحیح ہیں۔

مولانا مسعود احمد کا فتویٰ

سوال نذیر احمد قوم ندافت ساکن نجیب آباد معہ متعلقین جو عرصہ تقریباً ڈیڑھ سال سے اپنا مذہب ترک کر کے رافضی ہو گیا ہے اور اب تمام کام وہی کرتا ہے جو رافضی کرتے ہیں۔ اور خلفائے راشدین خصوصاً سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی کر رہا ہے وہ شرعاً مرتد ہے یا مسلمان۔ نذیر احمد مذکور کے ساتھ مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہیے ہم لوگوں کی برادری کی پنچایت ہے۔ شرعاً ہمیں نذیر احمد سے ترک تعلقات کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر برادری کی پنچایت نذیر احمد کو برادری سے خارج نہ کرے تو تمام برادری گناہگار ہوگی یا نہیں۔ نذیر احمد مذکور سے اور اس کے متعلقین سے جو رافضی ہو چکے ہیں سلسلۂ مناکحت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب (از مفتی مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند) اگر فی الواقع نذیر احمد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے اور سب شیخین کرتا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہے تو وہ مرتد ہے۔ فتاویٰ عالمگیری باب المرتد میں ہے: الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما العیاذ باللہ فهو کافر [۲۱]

اول نذیر احمد کو نرمی سے سمجھایا جائے اور اس باطل مذہب سے اس کو ہٹانے کی کوشش ہر تدبیر کے ساتھ کی جائے۔ اگر وہ کسی طرح اور کسی صورت سے باز نہ آوے تو اس سے تعلقات برادرانہ منقطع کر دیے جائیں۔ اگر باوجود سمجھانے کے اور باوجود کوشش کے بھی نذیر احمد راہ راست پر نہ آوے تو اس سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے۔ اگر برادری اس سے قطع تعلق نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی۔ ان لوگوں سے سلسلۂ مناکحت کرنا اہل سنت والجماعت کو ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ مسلمان اور کافر میں نکاح صحیح اور منعقد نہیں ہوتا۔ کذا فی الشامی باب المحرمات فقط واللہ تعالیٰ اعلم (کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۲۷۹، ۲۸۰)

شیعہ اسلامی فرقوں میں سے ہے

۸ شیعہ اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے۔ لیکن اہل سنت والجماعۃ فرقہ ناجیہ ہے اور باقی تمام فرق ناجیہ نہیں ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے موافق شیعوں کے کئی فرق اسلام سے خارج ہیں۔ یہ فرقے فرقۂ شیعہ کی ضمنی شاخیں ہیں۔ باوجود اس کے ادعائی طور پر وہ فرقہائے اسلام میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا حکم اہل کتاب کی طرح ہے کہ وہ باوجود کفریہ عقائد کے (مثلاً الوہیت مسیح علیہ السلام یا ابنیت مسیح علیہ السلام کے) دوسرے غیر کتابی کفار سے جداگانہ حکم رکھتے ہیں۔ (کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۲۸۳)

○ نیز کفایت المفتی جلد ۵ صفحہ ۲۲۲ میں ہے: شیعہ جو غالی تبرائی ہیں ان کا حکم اہل کتاب کا ہے کہ شیعہ عورت سے سنی مرد کا نکاح جائز ہے۔ مگر سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے جائز نہیں۔

نسلی مرزائی مرتد کے حکم میں نہیں

۹ جو شخص پہلے مسلمان تھا پھر قادیانی ہو جائے وہ مرتد کے حکم میں ہے۔ اور جو ابتدائے شعور سے ہی قادیانی ہو وہ اگرچہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے مگر مرتد کے حکم میں نہیں ہے۔ (کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۳۲۰)

نسلی مرزائی اہل کتاب کے حکم میں ہے

۱۰ نسلی مرزائی کو اہل کتاب کا حکم دیا جائے گا۔ اور خود مرزائی بننے والا مرتد کے حکم میں ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۸ صفحہ ۳۶۸)

فائدہ حضرت مفتی صاحبؒ نے جہاں اہل تشیع پر مرتد کا حکم نافذ کیا ہے وہاں بعض فتووں میں اہل تشیع اور قادیانیوں کو اہل کتاب فرمایا یا اہل کتاب کے حکم میں۔ جبکہ:

قاعدہ ہے: خذوا بالمجمع علیہ اس بات کو اختیار کرو جس پر سب کا اتفاق ہو۔ نیز:

قاعدہ ہے کہ سلف کا اجماع ہوتے ہوئے خلف کا اختلاف معتبر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ:

ہدایہ اخیرین صفحہ ۱۲۵ میں ہے: فی ما اجتمع علیہ الجمهور (اے اجل الناس وا کثرھم) لایعتبر مخالفۃ البعض۔ یعنی جلیل القدر جمہور علماء کرام کی اکثریت کا جب ایک مسئلہ پر اتفاق ہو جائے تو اس کے بعد بعض علماء کی مخالفت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ نیز اہل اصول کا:

قاعدہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں متقدمین کے دو قول ہوں اور اس کے بعد آنے والے علماء ان میں سے ایک قول پر اجماع کر لیں تو وہ اجماع معتبر ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس اگر متقدمین علماء کا ایک مسئلے پر اتفاق ہو اور اس کے بعد ایک دو عالم اس مجمع علیہ قول کے خلاف فتویٰ دیں تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً:

حنفیہ شافعیہ مالکیہ حنابلہ اور ظاہریہ سب کا اتفاق ہے کہ مجلس واحد میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان کے بعد شیخ الاسلام حضرت امام حافظ ابن تیمیہ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبدالحلیم رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مجلس میں تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں۔ اس لیے ان دو علماء کی وجہ سے مذاہب خمسہ کے اجماع کو ترک نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح حضرت مفتی صاحبؒ کے فتووں پر جمہور کے متفق علیہ فتاویٰ کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ حضرت مفتی صاحبؒ کو اس مسئلہ میں تسامح ہو گیا ہے۔

لے: دیکھیے: ہدایہ اولین صفحہ ۲۰۷ حاشیہ ۱۳

- اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ کسی جلیل القدر عالم سے تسامح ہو جانا کوئی مستبعد امر نہیں ہے۔ بڑے بڑے جید جلیل القدر نظار اصولی فقیہ علماء سے تسامحات ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ:
- صاحب ہدایہ حضرت علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل رحمۃ اللہ تعالیٰ جن کی کتاب چھٹی صدی سے تمام مدارس میں سبقاً مسلسل پڑھی پڑھائی جارہی ہے۔ ان کی کتاب ہدایہ میں متعدد مقامات پر تسامحات موجود ہیں۔ جن کی نشاندہی میرے شیخ الشیخ حضرت مولانا محمد عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ہدایہ اولین کے مقدمہ صفحہ ۲۴ و ۲۵ میں فرمائی ہے۔
- اسی طرح خود صاحب ہدایہ نے صاحب المختصر ابو الحسن قدوری حنفی عراقی پر ہدایہ اخیرین صفحہ ۳۶۳ میں رد کیا ہے۔
- اسی طرح متقدمین علماء کے کئی تسامحات ہیں۔ جن کی نشاندہی متاخرین نے فرمائی ہے۔ چنانچہ:
- میرے شیخ الشیخ حضرت مولانا محمد عبد الحی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ردع الاخوان صفحہ ۷۵ میں تحریر فرمایا ہے: جلالة قدر العالم لا يستوجب قبول كل ما نقل الاترى الى جلالة صاحب احياء العلوم مع جلالة قدره اورد فى كتابه احاديث لا اصل لها فلم يعتبر بها كما يظهر من مطالعة تخريج احاديثه للحافظ العراقى۔ و هذا صاحب الهداية مع كونه من اجلة الحنفية اورد فيها اخباراً غريبة و ضعيفة فلم يعتمد عليها كما يظهر من مطالعة تخريج احاديثها للزيلعى و ابن الحجر العسقلانى رحمہما اللہ تعالیٰ۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک جلیل القدر عالم کی ہر بات قبول کی جائے۔ دیکھیے احیاء العلوم کے مصنف حجۃ الاسلام حضرت امام محمد بن محمد ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کس قدر بلند پایہ جلیل القدر متقی عالم باعمل ہیں مگر اس کے باوجود اپنی کتاب احیاء العلوم میں کئی ایسی حدیثیں لائے ہیں

جن کا کچھ اصل نہیں، سند نہیں۔ اس لیے ان کا کچھ اعتبار نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ امام حافظ حجۃ ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی الکردی کی کتاب تخریج احادیث احیاء العلوم کے مطالعہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے۔ اور یہ صاحب ہدایہ جن کی کتاب متداول ہے۔ اور جلیل القدر حنفی علماء محققین میں سے ہیں۔ اسی کتاب میں کئی غریب اور ضعیف حدیثیں لائے ہیں۔ جن پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ حنفیہ میں سے حضرت امام جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ کی کتاب نصب الرایہ اور شافعیہ میں سے حضرت امام احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ کی الدرایہ کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے۔

○ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تسامح کا ذکر محض اظہارِ حقیقت کی بنا پر کیا گیا ہے۔ ان کے فرمان کی تردید مقصود نہیں۔ اور نہ ہی میرا یہ مقام ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اس دور میں ہمارے استاد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی بہت سے جید اور محقق علماء ہیں جنھوں نے روافض اور قادیانیوں کو اہل کتاب کے حکم میں داخل کرنے کی بجائے زنادقہ اور مرتدین کے حکم میں داخل کرتے ہوئے ان کی ذبیحہ اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام کہا ہے۔ جن کا ذکر قبل ازیں کیا جاچکا ہے۔

○ نیز میرے شیخ الشیخ حضرت مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ترویج الجنان صفحہ ۱۰ میں تحریر فرمایا ہے: قال الفقہاء لو کان فی شئ وجوہ شتیٰ توجب الحل والجواز و وجہ واحد یوجب الحرمۃ وعدم الجواز یرجح جانب الحرمۃ احتیاطاً۔ یعنی کسی چیز کی حلت کے کئی مختلف وجوہ پائے جائیں مگر ایک وجہ اس کی حرمت کی بھی پائی جائے تو ایسے موقع پر احتیاطاً حرمت کی جانب کو ترجیح دی جائے گی۔ اس لیے جن علماء نے حرمت کا فتویٰ دیا ہے وہ راجح سمجھا جائے گا۔

یہ کہ موجودہ دور کے کلمہ گو مشرک مرتد نہیں بلکہ زندیق ہیں۔ جن کا حکم مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق میں سے بعض برگزیدہ ہستیوں کو حاضر و ناظر، عالم الغیب، مختارِ کل نفع نقصان کا مالک وغیرہ سمجھتے ہیں اور اسی کو اصل دینِ اسلام قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی واضح آیات میں تاویلاتِ فاسدہ اور تحریفات کے مرتکب ہیں۔ اور یہ کفریہ عقائد بڑی چرب زبانی سے بیان کرتے ہیں۔ البتہ یہ درست ہے کہ متأخرین میں سے بعض علماء نے مرتدین کی اولاد در اولاد کو اہلِ کتاب کے حکم میں لکھا ہے۔ لیکن بعض دیگر علماء نے انھیں فی حکم المرتدین لکھا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ تاتارخانیہ کی عبارات سے بیان کیا جاچکا ہے کہ انھوں نے روافض، قرامطہ، جہمیہ وغیرہ کو فی حکم المرتدین کہا ہے۔ جبکہ ان کے دور میں روافض اور قرامطہ اور جہمیہ کے بانی مبانی نہ تھے اور نہ ہی ان کی اولاد تھی بلکہ کئی پشتوں سے رافضی، قرامطہ اور جہمیہ چلے آرہے تھے۔ اس لیے ان دونوں باتوں میں سے اصولی طور پر کسی ایک بات کو ترجیح دینے کی ضرورت ہوگی کہ ان میں سے کونسی بات راجح اور قابلِ عمل ہے۔ چنانچہ:

حلت پر حرمت کو ترجیح

① حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے ہدایہ کے حاشیہ پر تخریج احادیث الہدایہ للمحدث الزیلعی کے حوالے سے فقیہ اعظم سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمانِ ذیشان نقل فرمایا ہے: ما اجتمع الحلال والحرام الا وغلب الحرام (ہدایہ اخیرین ج۲: صفحہ ۳۹۲) ص۵۰۸

② شمس الائمہ امام سرخسی رحمہ اللہ نے شرح سیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ میں تحریر فرمایا ہے: اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام علی الحلال۔ یعنی جب حلت اور حرمت کا تقابل آجائے اور دلائل دونوں طرف ہوں تو حلت پر حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: و فی الموضع الذی یتحقق المعارضة یترجح جانب الحرمة علی الحلال۔ (تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۵۳)

○ نیز آپؒ نے فرمایا: عند اجتماع الحظر و الاباحة یغلب الحظر (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۰۷)

③ ھدایہ اخیرین جلد ۳ صفحہ ۴۲۹ میں ہے: الاصل عند الامام الاعظم (رحمہ اللہ) الحظر۔

○ نیز صاحب ہدایہؒ نے فرمایا: الاصل فی الاشیاء الحرمة (ہدایہ اخیرین جلد ۳ صفحہ ۴۱۰)

○ نیز فرمایا: و المعنی (العلة) تغلیب جهة الحرمة (ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۳۸۲)

○ نیز فرمایا: لانه اجتمع المبیح و المحرم فیغلب جهة الحرمة نصاً او احتیاطاً۔ (ھدایہ اخیرین جلد ۳ صفحہ ۴۹۲)

○ نیز فرمایا: الاصل (ای الامر الکلی) ان سبب الحرمة و الحل اذا اجتمعا و امکنت التحرز عما هو سبب الحرمة ترجح جهة الحرمة احتیاطاً۔ (ھدایہ اخیرین جلد ۳ صفحہ ۴۹۵)

④ اسنی المطالب جلد ۱ صفحہ ۵۳۹ میں ہے: التحریم یثبت بالشبهة لان الاصل فی الباب التحریم یعنی شبہ سے بھی تحریم ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اصل اس باب میں تحریم ہی ہے۔

مُشتبہات سے پرہیز ضروریاتِ اسلام سے ہے

○ بیہقیِ وقت مُفسّرِ قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مالابد منہ صفحہ ۲۱۱ کتاب التقویٰ کے شروع میں لکھا ہے: بعد اتیان ارکان اسلام دانستن حرام و مکروہ و مشتبہ و پرہیز از مشتبہات بنا بر احتیاط از وقوع در حرام و مکروہ از ضروریات اسلام است۔ یعنی اسلام کے ارکان پر عمل کرنے کے بعد حرام، مکروہ، اور مشتبہ چیزوں کا جاننا اور ان مشتبہات سے بنا بر

احتیاط کے بچنا اور حرام و مکروہ میں واقع ہونے سے بچنا بھی ضروریات اسلام

ہی سے ہے۔

مندرجہ بالا تقریر سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین کی ذبیحہ کے حلال یا حرام ہونے کے متعلق علماء کرام کی دو مختلف آراء میں سے اصولی طور پر حرمت کی رائے کو ترجیح ہے۔ مگر اس کے باوجود علی سبیل التنزل فرامین نبوی کے پیش نظر احتیاط کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کلمہ گو مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت ہی کا فتویٰ دیا جائے گا۔

فرمان نبوی

علیٰ صاحبہ الف صلوٰۃ و تحیۃ

1 سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپؐ نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے اس منبر پر (منبر رسول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: الحلال بین والحرام بین۔ وما بینهما مشتبهات۔ لایعلمها کثیر من الناس۔ فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه و عرضه۔ و من وقع فی الشبهات وقع فی الحرام۔ کالراعی حول الحمٰی یوشك ان یرتع فیه (یواقعه) الا! وان لکل ملك حمٰی۔ الا! و ان حمٰی اللّٰه فی ارضه محارمه۔

(بخاری صفحہ ۱۳ باب فضل من استبرأ لدینه)

ترجمہ حلال بھی ظاہر اور واضح ہے۔ اور حرام بھی ظاہر اور واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ الحکم ہیں۔ جن کا حکم تعیین کے ساتھ معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور بہت سے لوگ اس کی حلت و حرمت کو یقین کے ساتھ معلوم نہیں کر سکتے۔ سو جو شخص ایسی مشتبہ الحکم چیزوں سے بچا رہتا تو

اس نے اپنا دین بھی بچالیا اور اپنی عزت بھی بچالی۔ اور جو شخص ان مشتبہ الحکم چیزوں میں پڑگیا تو سمجھو کہ وہ حرام میں پڑگیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنا جانور ایک چراگاہ (باڑ، یارکھ) کے اردگرد چرارہا ہو۔ تو کچھ بعید نہیں کہ کسی وقت وہ جانور چراگاہ کے اندر ہی چلا جائے۔

سن رکھو! ہر بادشاہ کی باڑ ہوتی ہے۔

سن رکھو! اللہ تعالیٰ کی رکھ اس زمین میں اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔

○ یہی حدیث سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۹۶ پر بھی موجود ہے۔ اس کے حاشیہ مسمّٰی بہ انجاح الحاجہ میں ہمارے شیخ المشایخ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی (مہاجر مدنی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے تحریر فرمایا:

اتفق العلماء علی عظم موقع ھذا الحدیث وکثرۃ فوائدہ فأنہ احد الاحادیث التی علیہا مدار الاسلام۔

یعنی تمام علماءِ اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث کا مقام بہت عظیم ہے۔ اور اس کے فوائد بے شمار ہیں۔ کیونکہ یہ حدیث منجملہ ان حدیثوں کے ہے جن پر پورے اسلام کی دارومدار ہے۔

۲ سیدنا حسن بن علیؓ، سیدنا انسؓ بن مالکؓ، سیدنا وابصہؓ بن معبد، سیدنا عبداللہؓ بن عمرؓ سے مرفوع روایت مسند احمد، نسائی، طبرانی، ترمذی، اور صحیح ابن حبان کے حوالے سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دع ما یریبک الی مالا یریبک۔ کہ جس کام میں قلق و اضطراب شک اور تردد پیدا ہوجائے تو اسے چھوڑ کر وہ کام اختیار کرو جو قلق و اضطراب اور شک و تردد سے خالی ہو۔ اور یہ امر وجوبی ہے۔ کیونکہ اصولِ فقہ کا:

فائدہ ہے: الامر للوجوب۔ صیغہ امر کا وجوب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور باقی معانی مجازی ہیں۔ جو کہ قرآن سے ثابت ہوتے ہیں۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمانِ ذیشان کے ذریعے مومن کو

یہ تعلیم دی ہے کہ جب کسی مسئلہ کے حل و حرمت میں شک اور تردد پیدا ہوجائے۔ یعنی علماء کی آراء مختلف ہوجائیں۔ بعض کہیں کہ حلال ہے، اور بعض اس کو حرام کہیں۔ تو ایسی صورت میں اس چیز سے اجتناب ضروری ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ:

- اگر وہ چیز فیما بینہ و بین اللّٰہ حرام ہے تو اس کا ترک واجب ہوگا۔
- اور اگر حلال ہے تو اس کا استعمال نہ تو فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت ہے، اور نہ مستحب ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ مباح ہے۔ جس کا کرنا مامور نہیں۔ اور اس کا ترک گناہ نہیں۔
- اگر عند اللّٰہ حرام ہو اور ہم اس کو استعمال کرنے لگ جائیں تو بروز قیامت ہم سے بازپرس ہوگی کہ تو نے ایک حرام چیز کو محض چسکا اور لذت حاصل کرنے کے لیے کیوں استعمال کیا۔
- اور اگر حلال ہو تو اس کے استعمال نہ کرنے پر بازپرس نہیں ہوگی۔ اور یہی احتیاط کا تقاضا ہے۔ اور یہی ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے سارے مذہب کا نچوڑ ہے۔ جیسا کہ میرے شیخ شفیق أستاذی المکرم علی حضرت مولانا محمد شاہ جہلمی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ سابغۃ وافیۃ فرمایا کرتے تھے۔
- لہٰذا احتیاط کا تقاضا پورا کرتے ہوئے زندیق کے ذبیحہ کو کسی صورت بھی حلال نہ سمجھا جائے۔ یعنی: اگر کلمہ گو مشرکین کو اہل کتاب کے زمرے میں شامل سمجھا جائے تب بھی غلب الحرام علی الحلال کے متفقہ قانون کی رو سے ان کی ذبیحہ کو حرام کہے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔
- نیز حضرت مولانا حسن بن حسین بن محمد علوی حنفی تلمیذ مولانا محمد حسن علی ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "**رسالہ بیانِ احکامِ اضحیہ و وجوبہا آں**" صفحہ ۱۷۲ میں فرمایا:

مسئلہ افضل است کہ اضحیہ خود را خود ذبح نماید اگر واقف باشد از طریق ذبح۔ و الا استعانت جوید از دیگر و خود حاضر باشد بر مکان ذبح۔ یعنی اگر ذبح کا طریقہ جانتا ہو تو اپنا جانور خود ذبح کرنا افضل ہے۔ اور اگر ذبح کا طریقہ نہیں جانتا تو کسی اور سے مدد لے سکتا ہے۔ لیکن خود وہاں حاضر رہے۔

مسئلہ مکروہ است ذبح نصرانی و یہودی و حرام است ذبیحہ مجوسی و بت پرست و مرتد۔ یعنی یہودی اور نصرانی کا ذبیحہ مکروہ ہے۔ اور مجوسی (آگ کی پرستش کرنے والے) اور بتوں کی پوجا کرنے والے اور دین اسلام سے پھر جانے والے (مرتد) کا ذبیحہ حرام ہے۔

ذبح کے احکام میں قربانی اور غیر قربانی، یا عبادت اور غیر عبادت کا کوئی فرق نہیں

- اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ کافر قربانی کا جانور ذبح کرے تو عبادت ہونے کی وجہ سے اس کی مذبوحہ حرام ہے لیکن قربانی کے علاوہ دوسری ذبیحہ حلال ہے۔ چنانچہ:

- حضرت حسن بن محمد ابن حنفیہ (بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: کتب رسول اللہ ﷺ الی مجوس ھجر یعرض علیھم الاسلام فمن اسلم قبل منہ و من ابی ضربت علیھم الجزیۃ علی ان لا تؤکل لھم ذبیحتھم ولا تنکح لھم امرأۃ۔ یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجوس ہجر کی طرف خط لکھا کہ ان پر اسلام پیش کیا جائے۔ پھر ان میں سے جو مسلمان ہو گیا اس کا اسلام قبول کیا جائے اور ان میں سے جو جو شخص انکار کرے ان پر جزیہ مقرر کیا جائے۔ البتہ ان کی ذبیحہ نہ کھائی جائے اور نہ ہی ان کی کسی عورت سے نکاح کیا جائے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ صفحہ ۲۸۵)

- حضرت امام بیہقیؒ نے اس کے بعد تحریر فرمایا: و اجماع اکثر الامۃ علیہ یؤکد ذٰلک۔ یعنی اکثر امت کا اس پر اجماع، اس کو اور مؤکد کر دیتا ہے۔

- اس فرمانِ نبویؐ میں مطلقاً مجوسی کی ذبیحہ کو حرام فرمایا گیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ مجوسی وغیرہ قربانی کا جانور ذبح کرے تو عبادت ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی، اس کے علاوہ مجوسی کے ہاتھ کی عام ذبیحہ حلال سمجھ کر کھالیا کرو۔
- امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لا بأس بطعام المجوس انما نُهِيَ عن ذبائحهم۔ یعنی مجوسیوں کی ذبح سے منع کیا گیا ہے۔ اور مجوسیوں کے یہاں سے ذبیحہ کے علاوہ دوسرا کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ صفحہ ۲۸۵)
- امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان میں قربانی اور غیر قربانی یا عبادت اور غیر عبادت کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔
- سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کُل من صید اهل الکتاب و لا تأکل من صید المجوس۔ یعنی اہلِ کتاب کا شکار کیا ہوا کھاسکتے ہو، اور مجوسی کا شکار کیا ہوا مت کھاؤ۔ (السنن الکبریٰ جلد ۹ صفحہ ۲۴۵)
- سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نُهِيَ عن ذبیحة المجوسی و صید کلبه و طائره۔ یعنی مجوسی کی ذبیحہ سے منع کیا گیا ہے۔ اور جو مجوسی اپنے کتے اور باز وغیرہ کے ساتھ شکار کرے اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ (السنن الکبریٰ جلد ۹ صفحہ ۲۴۵)
- اس میں مجوسی کے شکار سے بھی روکا گیا ہے۔ حالانکہ شکار کی قربانی نہیں ہوتی۔
- حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لا بأس بذبائح اهل الکتاب و کره ان یدفع المسلم شاته الی الیهودی یذبحها۔ یعنی اہلِ کتاب کی ذبیحہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ یہ بات مکروہ ہے کہ مسلمان اپنی بکری ذبح کرنے کے لیے یہودی کو دے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۴۸۷)
- مشہور تابعی حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں بھی قربانی و غیر قربانی یا عبادت اور غیر عبادت کا کوئی امتیاز نہیں کیا گیا۔ اور مطلق اہلِ کتاب کی

ذبیحہ کو حلال قرار دیا' اگرچہ وہ مسلمان کی قربانی کا جانور ذبح کرے۔ جبکہ اہلِ کتاب بھی عبادت کے اہل نہیں۔ البتہ اس کی ذبیحہ مکروہ ہے۔ خواہ جانور کسی مسلمان کی قربانی کا ہو یا کوئی مسلمان اس سے قربانی کے علاوہ کوئی جانور ذبح کرائے۔

- نیز آپؒ نے فرمایا: لاتؤکل ذبیحۃ المجوسی وآن ذکر اللہ۔ یعنی مجوسی ذبح کرتے وقت اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام لے پھر بھی اس کی ذبیحہ نہ کھائی جائے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ صفحہ ۱۲۱)
- اس میں بھی تعمیم ہے۔ قربانی کا جانور ہو یا غیر قربانی کا' مجوسی کی ذبیحہ حرام ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے۔
- حضرت سعید بن جبیر اور مرہ بن شراحیل رحمہما اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ: المجوسی یذکر اسم اللہ اذا ذبح؟ قالا: لا تأکل۔ یعنی مجوسی ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے تو کھائیں یا نہ کھائیں؟۔ تو آپؒ نے فرمایا کہ مت کھاؤ۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ صفحہ ۱۲۱)
- حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے بھی فرمایا: لا تأکل صید کلب المجوسی و لا ما اصاب سہمہ ولا بأس بخبزہ۔ یعنی مجوسی کے کتے کا کیا ہوا شکار مت کھاؤ اور نہ وہ جانور کھاؤ جس کو مجوسی کا تیر لگا ہو۔ البتہ مجوسی کی (بغیر گوشت کے محض سادہ) روٹی کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۴۶۹)

فائدہ ان تمام صحابہؓ اور تابعینؒ نے ذبیحہ مشرک و اہلِ کتاب کے حکم میں قربانی اور غیر قربانی اور عبادت و غیر عبادت کا کوئی فرق بیان نہیں فرمایا۔ مطلقاً اہلِ کتاب کی ذبیحہ کو حلال فرمایا خواہ جانور قربانی کا ہو یا غیر قربانی کا۔ البتہ اہلِ کتاب کو ذبح کرنے کے لیے اپنا جانور دینا مکروہ ہے۔ خواہ وہ جانور قربانی کا ہو یا غیر قربانی کا۔ اور مجوسی کی ذبیحہ کو حرام فرمایا۔ خواہ جانور قربانی کا ہو خواہ غیر

قربانی کا۔ خواہ بوقت ذبح اس پر اللہ کا نام لے یا نہ لے۔ ہر حال میں اس کی ذبیحہ حرام ہے۔ قربانی اور غیر قربانی یا عبادت اور غیر عبادت کا فرق محض ذہنی اختراع ہے۔ اس کے لیے کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ بلا دلیل ذہنی اختراعی مسئلہ بیان کر کے اہل توحید کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔

- یاد رہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ذی شان میں آپ ﷺ کا مقصد مجوی کی تخصیص نہیں۔ بلکہ آپ ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ: اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے سوا جو کافر بھی ہو جس مذہب کا ہو خدا کا ماننے والا ہو یا خدا کا منکر ہو، دہریہ ہو یا وثنی (بت پرست) یا مانوی یا مُنی، ہندو یا سکھ یا بدھ مت کا پیروکار یا بابی، بہائی، آغاخانی، مہدوی، ذکری، قادیانی، نیچری، کلمہ گو مشرک اور مرتد اصلی یا نسلی۔
- غرض اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے سوا سب پر مجوسی والا حکم ہی لاگو ہوگا۔ اسی طرح روافض، قرامطہ، باطنیہ وغیرہ تمام ملحدین و زنادقہ پر یہی حکم لاگو ہوگا۔ اگرچہ ان کا زبانی دعویٰ یہی ہو کہ ہم خدا، رسول اور قرآن مجید کو مانتے ہیں۔ جیسے عہد اسلامی کے علماء متقدمین و متأخرین صریح اور صاف حکم لگا گئے ہیں۔ خارجون عن ملة الاسلام، فی حکم المرتدین۔ اور قرآن و سنت اور اقوال صحابہؓ و سلف صالحینؒ و ائمہ مجتہدینؒ اور متقدمین و متأخرین فقہاء کرام کے فتاویٰ اسی بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔
- اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ قربانی چونکہ عبادت ہے اس لیے مجوسی وغیرہ کی ذبح کی ہوئی قربانی تو حرام ہے۔ لیکن قربانی کے علاوہ مجوسی وغیرہ کی عام ذبیحہ حلال ہے۔ اور نہ ہی گزشتہ چودہ صدیوں میں کسی عالم نے ایسا کہا ہے۔ بلکہ ایسا کہنا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا انکار ہوگا۔ اعاذنا اللہ منہ۔ کیونکہ فرمان رسول مطلق ہے۔ اس میں مجوسی وغیرہ کفار کی ہر قسم کی ذبیحہ شامل ہے۔ اس مطلق کو مقید کرنا کسی شرعی دلیل کے بغیر شرعی حکم کو

منسوخ کرنے کے مترادف ہے۔ جس کا حق کسی انسان کو حاصل نہیں۔

○ اس لیے ان علماء کا قول جمہور کے فتاویٰ کے خلاف مرجوح سمجھا جائے گا۔ جو کلمہ گو مشرکین و کفار پر اہلِ کتاب کا حکم نافذ کرتے ہوئے ان کی ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہ حلت و حرمت کا مسئلہ ہے۔ ایسی صورت میں احادیث کی رو سے علماء کرام حرمت ہی کو ترجیح دیتے آئے ہیں۔ بشرطیکہ وہاں حلت کی کوئی صریح نص نہ ہو۔ مثلاً:

① زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہونے نہ ہونے میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ مگر ترجیح ثبوتِ حرمت کو ہے۔

② اسی طرح اجنبیہ کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ مگر ترجیح ثبوتِ حرمت کو ہے۔

③ اسی طرح مچھلی کے سوا پانی میں رہنے والے دوسرے جانوروں کی حلت و حرمت میں مجتہدین کا باہم اختلاف ہے۔ مگر ترجیح حرمت کو ہے۔

④ اسی طرح اونٹ کے پیشاب کی حلت و حرمت میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ مگر ترجیح حرمت کو ہے۔

⑤ اسی طرح شطرنج وغیرہ کھیلوں کی حلت و حرمت میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ مگر ترجیح حرمت کو ہے۔

⑥ اسی طرح طلاقِ ثلاثہ کے متعلق بعض متأخرین کا تمام متقدمین کے ساتھ اختلاف ہے۔ مگر ترجیح حرمت کو ہے۔

⑦ اسی طــرح ہاتھی کی حلت و حرمت میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ مگر ترجیح حرمت کو ہے۔

○ یہ چند چیزیں بطور نمونے کے بیان کی گئی ہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔ لیکن:

○ کفر و اسلام کے متعلق جب اختلاف واقع ہو تو وہاں احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الوسع کفر کے فتویٰ سے اجتناب کیا جائے۔

حلت و حُرمت میں عُمُوم بلویٰ کا قاعدہ ملحُوظ نہیں ہوتا

○ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں موحّد قصائی تو تلاش بسیار کے بعد بھی شاید ہی کہیں ملے۔ اس لیے "عموم بلویٰ" کے قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے حلت کا فتویٰ دیا جانا چاہیے۔ لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ الحمدللہ ہمارے ملک میں موحّد قصاب موجود ہیں۔ اور تبلیغ و اصلاح کے بعد ان کی تعداد میں مزید اضافہ کی راہ بھی مسدود نہیں۔ نیز حلال و حرام کے معاملے میں عموم بلویٰ کا یہ اصول سرے سے ملحوظ ہوتا ہی نہیں۔ جیسا کہ:

○ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ترویح الجنان صفحہ ۵۷ میں فرمایا: ان عموم البلوی انما یؤثر فی باب الطهارة والنجاسة لا فی باب الحرمة والاباحة۔ یعنی عموم البلویٰ طہارت و نجاست کے باب میں تو مؤثر ہے، حرمت اور اباحت کے باب میں مؤثر نہیں۔

○ نیز حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے اسی (عموم بلویٰ) کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے سود کی حلت یا حرمت کے متعلق سوال ہوا:

سوال احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سود لینا بھی حرام ہے اور سود دینا بھی حرام ہے۔ مگر ایک شخص کسی اشد ضرورت کی وجہ سے سود پر قرض لے کر رفع ضرورت نہ کرے تو مرجائے گا۔ اس صورت میں بقدر جان بچانے کے سودی قرض لینا جائز ہے۔ جیسا کہ آج کل ہندوستان میں سود دینے کا نہایت رسم و رواج ہوگیا ہے۔ تو اس وجہ سے عموم بلویٰ کے خیال سے سود دینا جائز ہوگا؟

جواب عموم بلویٰ کی وجہ سے کوئی حکم دینا صرف طہارت اور نجاست میں ثابت ہے اور عموم بلویٰ کا لحاظ حل و حرمت میں کچھ نہیں۔ (فتاویٰ عزیزی مترجم جلد ا صفحہ ۳۰۸)

فائدہ چونکہ مسئلہ ذبیحہ کا تعلق بھی حلال و حرام کے قبیل سے ہے اس لیے "عموم بلویٰ" کے قاعدہ کا لحاظ کیے بغیر ذبیحہ مشرک سے اجتناب ضروری ہے۔

خلاصہ

- فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کی جو تعریف بیان فرمائی ہے: من یؤمن بنبی و یقر بکتاب۔ یہ "رسمِ ناقص" ہے، "حدِ تام" نہیں۔ اگر اس کو حدِ تام سمجھیں تو مرتدین مسیلمۃ الکذاب اور اسود عنسی اور ان کے ماننے والے بھی اس تعریف میں داخل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کو کسی نے اہلِ کتاب نہیں کہا۔

- نیز اس تعریف کی رو سے صحابۂ کرامؓ کے فہم کی تغلیط بھی لازم آتی ہے کہ انھوں نے ان کو مرتد قرار دیا اور مرتد کے احکام نافذ کیے۔ مگر اہلِ کتاب نہیں سمجھا۔ اسی طرح تابعینؒ تبع تابعینؒ سلف صالحینؒ و ائمۂ مجتہدینؒ پر اعتراض لازم آتا ہے کہ انھوں نے نسلی زنادقہ کو مرتد کہا، اہلِ کتاب نہیں کہا۔ جبکہ فرقہ بیانیہ، عجلیّہ، اخرسیہ، میمونیہ، قرامطہ، مزدکیہ، باطنیہ، مقنعیہ، ازارقہ، مہدویہ، بابیہ، بہائیہ، اور روافض جو نسلاً بعد نسلٍ مدتوں تک رہے۔ ان کو زندیق کہا اور ان پر مرتدوں کے احکام نافذ کیے۔ مگر اہلِ کتاب نہیں کہا۔

- اگر ادعائے ملتِ سماویہ کی قید لگائی جائے تو فقہاءِ کرامؒ کی مندرجہ بالا تعریف میں تعمیم کو بدل کر تخصیص کرنی ہوگی۔ اس طرح جو اعتراض ہم پر واقع ہوتا ہے وہی اعتراض ان لوگوں پر عود کرتا ہے جو اس تعریف کو حدِ تام کہہ کر عقائد کی کتابوں میں بیان کردہ اہلِ کتاب کی تعریف پر اعتراض کرتے ہیں۔

- بلکہ اس تعریف میں ہندو سکھ اور آریہ بھی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی رشیوں (رسولوں) کے قائل ہیں اور ویدوں کو آسمانی کتاب مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم موحد ہیں مشرک نہیں، ہم بجز خدا کے کسی اور کو سزاوارِ پرستش نہیں جانتے۔ نہ کشن بشن کو، نہ مہادیو کو، نہ دیوی کو، نہ گنگا جمنا وغیرہ کو۔

- اسی طرح نانک پنتھی بھی کہتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں، ہمارے بابا نانک اور دوسرے گروؤں نے شرک نہیں کیا۔ اور بابا نانک کا کلام توحید سے پُر ہے۔ اس تعریف کی رو سے ان کو بھی اہلِ کتاب کہنا پڑے گا۔ حالانکہ یہ لوگ بالاتفاق اہلِ کتاب نہیں۔
- نیز اگر ملّتِ سماویہ کی قید لگا کر فقہاء کی تعریف کو جامع مانع کہا جائے تو اس صورت میں تخصیصِ تعمیم کے علاوہ مشرکینِ مکہ کو بھی اہلِ کتاب کہنا پڑے گا۔ کیونکہ ان کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ ہم حنیفی ہیں اور ملّتِ ابراہیمی پر قائم ہیں۔ ہم اہلُ اللہ ہیں، ہم بیتُ اللہ کے مجاور ہیں، مگر آج تک کسی نے ان کو اہلِ کتاب نہیں کہا اور نہ قرآنِ مجید نے ان کو اہلِ کتاب کہا۔
- اور اگر کہا جائے کہ اہلِ کتاب وہ ہیں جن کی طرف آسمانی کتاب نازل ہوئی ہے تو اس اعتبار سے دنیا میں رہنے والا ہر فرد خواہ وہ مسلمان ہو یا اہلِ کتاب یہودی یا نصرانی، وہ مکہ کا مشرک ہو یا ہندو، سکھ، یا بدھ مت کا پیروکار، سب کو اہلِ کتاب کہنا پڑے گا۔ بلکہ منکرِ خدا و بے دین دہریے بھی اہلِ کتاب کہلانے کے مستحق قرار پائیں گے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: "میں نے یہ قرآن مجید بلاقیدِ مذہب و ملّت قیامت تک آنے والے سب لوگوں کی طرف نازل کیا ہے"۔ اس لیے یہ بات بھی ظاہرُ البطلان ہے۔
- بعد اللتیا و التی ماننا ہوگا کہ فقہاء نے رسمِ ناقص کرکے صرف نشان دہی کی ہے۔ بیانِ حدِ تام ان کا مقصد نہ تھا، اور نہ ہی ان کا وظیفہ ہے۔ بس حدِ تام وہی ہے جو علمِ عقائد والوں نے کی ہے: من كان متدينا ببعض الاديان و الكتب المنسوخة خص باسم الكتابي کہ جو شخص کوئی سا دین اختیار کرے اور کتبِ منسوخہ میں سے کسی کی طرف اپنی نسبت کرے خاص اس کو اہلِ کتاب یا کتابی کہتے ہیں۔
- اب رہا یہ کہ اہلِ کتاب سے مراد کون ہیں؟ بعض علماء تو تعمیم کے قائل ہیں۔ اور

صحفِ شیثؑ صحفِ ادریسؑ صحفِ ابراہیمؑ اور صحیفۂ داؤدؑ کو ماننے والے سبھی آجاتے ہیں۔ مگر داؤد علیہ السلام کی زبور پر ایمان لانے والے یہودی ہی ہیں۔ علیحدہ فرقہ کوئی نہیں۔ اور شیثؑ و ادریسؑ کے صحیفے ماننے والوں کا روئے زمین پر وجود ہی نہیں۔ اور صحفِ ابراہیمؑ کہیں ضائع ہوگئے۔ ان کے ماننے والے بھی مدتوں سے موجود نہیں۔ اس لیے جمہور یہی کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب سے مراد قرآن مجید کی زبان میں صرف یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور علماء میں سے کسی نے رسالتِ محمدیہ ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے والوں کو اہلِ کتاب نہیں کہا۔ بلکہ رسالتِ محمدیہ ﷺ اور قرآن پر ایمان کا دعویٰ کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی اہلِ کتاب نہیں۔

① **اہلِ حق موحدین۔** قرآنی زبان میں ان کا نام مُسلم، مؤمن اور امتِ مُسلِمہ ہے۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے ان کو اہل القرآن بھی فرمایا۔ ان موحد مُسلمانوں کو اہلِ کتاب کہنا منع ہے۔ جیسے ان کو یہودی اور نصرانی کہنا منع ہے۔ اور ان کو اہلِ کتاب کہنا تشبہ کی وجہ سے بھی منع ہے۔ کیونکہ اہلِ کتاب وہ تھے جو رسالتِ محمدیہ ﷺ کے مُنکر تھے۔ اور جو رسالتِ محمدیہ ﷺ کا اقراری ہو وہ اہلِ کتاب نہیں ہوسکتا۔

② **کلمہ گو غیر مُسلم** موحدین کے علاوہ رسالتِ محمدیہ ﷺ اور قرآن مجید کو ماننے کے مدعی دوسرے تمام فرقِ باطلہ بھی جیسا کہ مُسلمان نہیں ایسے ہی اہلِ کتاب بھی نہیں ہوسکتے۔ اور ان فرقِ باطلہ کے پیروکار دو قسم کے ہیں:

① ان میں سے جو شخص موحد مُسلمان ہونے کے بعد مذہب بدلے وہ مرتد کہلائے گا۔ اسی طرح اس کی صلبی اولاد۔

② اور جن کے باپ دادے دینِ اسلام چھوڑ کر دوسرے فرقے میں داخل ہوکر مرتد ہوگئے۔ جیسے نسلی روافض، قادیانی، چکڑالوی، قرامطہ، باطنیہ، سبائیہ، عجلیہ، بہائیہ، نیچریہ، اسماعیلیہ، منکرینِ حدیث، اور کلمہ گو مشرک جو

بعض ضروریاتِ دین کے منکر ہیں، بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، توحید باری تعالیٰ کے قائل ہیں، رسالت محمدیہ ﷺ کا بھی اقرار کرتے ہیں، قرآن مجید کو کلام الٰہی مانتے ہیں، مگر قرآن مجید میں ایسی ایسی تاویلات کرتے ہیں جو اجماع امت کے خلاف ہیں تو یہ لوگ نہ اہلِ کتاب ہیں نہ مسلمان اور نہ مرتد بلکہ زندیق ہیں۔ جو مرتد سے زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہیں۔ اور اپنے کفریات کو عینِ اسلام سمجھتے ہیں۔

- اسلامی عہد میں صدیوں پہلے سے اہلِ حق علماء کرام ایسے لوگوں کی ذبیحہ کو حرام قرار دیتے آئے ہیں، اور ان علماء نے صراحۃً انھیں دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا اور ان پر مرتدین کے احکام نافذ فرمائے۔
- اسی طرح موجودہ دور کے علماء نے بھی کہا ہے کہ یہ کلمہ گو مشرک اہلِ کتاب نہیں، بلکہ زندیق ہیں۔ ان کی ذبیحہ حلال نہیں۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ اور یہ علماء کلمہ گو مشرکین کی تشبیہ اہلِ کتاب کے ساتھ نہیں دیتے بلکہ ان کی تشبیہ مشرکین مکہ کے ساتھ دیتے ہیں۔

منطقی انداز میں دلیل

(۱) کلمہ گو مشرک مدعیٔ اسلام ہیں اور کفریہ عقائد کو عین اسلام قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن و حدیث میں اپنی طرف سے ایسی ایسی تاویلات گھڑتے ہیں جو سلف صالحین سے منقول نہیں۔ (صغریٰ)

اور جو اس قسم کا مدعیٔ اسلام ہو وہ اصطلاح شرع میں زندیق ہے۔ (کبریٰ)

پس یہ لوگ زندیق ہیں۔ (نتیجہ شکلِ اول ضرب اول)

(۲) کلمہ گو مشرک حضرت محمد ﷺ رسول اللہ کی رسالت کے قائل ہیں۔ (صغریٰ)

اور اہلِ کتاب حضرت محمد ﷺ رسول اللہ کی رسالت کے قائل نہیں۔ (کبریٰ)

پس یہ کلمہ گو مشرک اہلِ کتاب نہیں۔ (نتیجہ شکلِ ثانی، اختلاف دونوں صغریٰ و کبریٰ کا ایجاب و سلب میں اور کلیۂ کبریٰ کی)

ضروری وضاحت

○ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۷۹ میں حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۴۵۸ھ کی کتاب شعب الایمان جلد ۵ صفحہ ۶۷ و ۶۸ سے اپنی اسناد سے حدیث نقل فرمائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل احدکم علی اخیہ المسلم فلیأکل من طعامہ ولا یسأل و یشرب من شرابہ ولا یسأل. یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے مسلم بھائی کے پاس جائے پھر وہ کھانا پیش کرے تو بلا تأمل کھالے اور یہ نہ پوچھے کہ یہ کھانا کیسا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اور اگر وہ کوئی مشروب پیش کرے تو بلا تردد پی لیا کرے۔ اور یہ نہ پوچھے کہ یہ مشروب کیسا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اس کو اپنے مسلم بھائی پر حسنِ ظن رکھنا چاہیے۔ اور پوچھنے سے اس مسلمان بھائی کا دل دکھے گا۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا کہ وجہ نہ پوچھنے کی یہ ہے کہ جو کامل مسلمان ہو یعنی فاسق نہ ہو تو وہ اپنے مسلم بھائی کو وہی چیز کھلائے پلائے گا جو اس کے نزدیک حلال ہوگی۔ کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ کوئی مومن اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا جس وقت تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

○ حضرت عمران بن حصین کی حدیث میں جو آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فاسق راہِ راست سے ہٹا ہوا ہے اس لیے اغلب یہی ہے کہ وہ حرام سے اجتناب نہ کرے گا۔

○ اس مقام پر حضرت نواب قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مظاہر حق جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ میں اپنے شیخ حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تقریر

نقل کرتے ہوئے فرمایا: "مگر ہاں جبکہ معلوم ہو کہ اس کا کھانا وجہ حرام سے ہے تو نہ کھائے۔ اور اگر ایک شخص کا کھانا اکثر حرام کا ہے تو بھی نہ کھائے"۔

○ حضرت مولانا محمد حسین تتمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مایۂ ناز درسی کتاب **مالابدمنه** کے ساتھ "اظہار الحلال والحرام" کے نام سے ایک رسالہ ملحق فرمایا ہے۔ جس کے آخر میں آپؒ نے تحریر فرمایا: "سمجھ لو کہ دنیائے جیفہ (مردار) کے چند روز گوشت سے صبر کرنا آسان ہے، بہشت کی نعمتوں سے محروم رہنا اور دوزخ کی آگ پر صبر کرنا مشکل پڑے گا"۔

○ حضرت علامہ محمد حسین تتمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ رسالہ میرے پاس موجود ہے۔ (افسوس کہ آج کل مالابدمنہ کے ساتھ یہ رسالہ شائع نہیں کیا جاتا۔) حضرت علامہ تتمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اس علمی رسالہ پر اُس دور کے درج ذیل مایۂ افتخار علماء اور محدثین و مفسرین مثلاً:

① صدر الصدور حضرت مولانا محمد صدر الدین ② نواب قطب الدین محدث دہلوی صاحب مظاہر حق ③ مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب اظہار الحق ④ مولانا نوازش علی ⑤ مولانا محمد کریم اللہ ⑥ مولانا احمد علی ⑦ مولانا حفیظ اللہ ⑧ مولانا سعادت علی ⑨ مولانا محمد روشن علی ⑩ مولانا مشتاق احمد ⑪ مولانا شیخ محمد عبید اللہ ⑫ مولانا سید نذیر حسین دہلوی، کے تصدیقی دستخط موجود ہیں۔

ذبیحۂ مشرک کھانے والا کافر نہیں

○ نیز یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ذبیحۂ مشرک کھانے والا بھی مشرک و مرتد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مشرک اسے کہتے ہیں جس کا عقیدہ مشرکانہ ہو اور ذبیحۂ مشرک کھانا عملی بدگی ہے بدعقیدگی نہیں۔ اس لیے اگر کوئی موحد کسی مشرک کا ذبیحہ کھالے تو اس سے وہ مشرک نہیں ہو جاتا بلکہ موحد ہی رہتا ہے۔ البتہ:

خوارج کا عقیدہ

○ خوارج کا عقیدہ ہے کہ جو مُسلمان گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے مثلاً جھوٹ بولے، یا حرام کھائے، یا کسی پر تہمت لگائے، یا کسی کی غیبت کرے، یا جوا کھیلے، یا غیر محرم عورتوں سے پردہ نہ کرے، یا چوری کرے، یا زنا کرے، تو وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔

مُعتزلہ کا عقیدہ

○ مُعتزلہ کا عقیدہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب دائرۂ اسلام سے تو خارج ہو جاتا ہے مگر دائرۂ کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ یعنی وہ نہ مُسلمان ہے اور نہ ہی کافر۔ مگر:

اہلِ سُنّت کا عقیدہ

○ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ مُسلمان کسی گناہ کی وجہ سے فاسق تو ہو جاتا ہے مگر کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ:

○ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ثلث من اصل الایمان الکف عمن قال لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل (سوی الکفر) [الخ] ایمان کی جڑ میں سے تین چیزیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل اور مُعتقد ہو تو اس سے کوئی گناہ سرزد ہونے کی وجہ سے کافر مت کہو (جیسے خارجی کہتے ہیں) اور اس کی طرف کفر کی نسبت نہ کرو کفر و شرک کے سوا اس کو کسی بد عملی کی وجہ سے خارج از ایمان بھی نہ کہو (جیسے مُعتزلی کہتے ہیں) دیکھیے: مشکوٰۃ صفحہ ۱۸/۱۷

○ بد عملی یا کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ البتہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو اصطلاحِ شریعت میں فاسق کہا جاتا ہے۔ اس لیے کبیرہ گناہوں سے بچنا ہر مُسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ سطورِ ذیل میں کبیرہ گناہوں میں سے چند کا ذکر کر دینا بھی بر محل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ:

کبیرہ گناہ۔ جن سے بچنا ضروری ہے

○ شرک کے بعد جس گناہِ کبیرہ کا ذکر سب سے پہلے کیا جاتا ہے وہ زنا ہے۔ زنا کی طرف اٹھنے والا ہر قدم گناہ کا باعث ہے۔ جبکہ غیر محرم عورتوں سے بے حجاب ہونا اس کا پہلا قدم ہے۔ اسی طرح:

(۱) کسی کو ناحق قتل کرنا، یا قتلِ ناحق میں اعانت کرنا۔ (۲) کسی پر ظلم کرنا۔ (۳) چوری، ڈاکہ اور غبن کے ذریعے پرایا مال کھانا۔ (۴) یتیموں کا مال کھانا۔ (۵) جھوٹ بولنا، جھوٹی شہادت دینا، جھوٹی قسم کھانا۔ (۶) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم کھانا۔ (۷) غیبت یعنی کسی کو اس کے پیچھے بدی سے یاد کرنا۔ (۸) کسی پر زنا کی تہمت لگانا۔ (۹) بہتان یعنی جھوٹا الزام لگانا۔ (۱۰) عہد شکنی کرنا۔ (۱۱) امانت میں خیانت کرنا۔ (۱۲) ماں باپ اور استاذ کی نافرمانی کرنا اور ان کو ستانا۔ (۱۳) بلا عذر نماز قضا کرنا۔ (۱۴) اللہ تعالیٰ کے کسی فرض کو چھوڑ دینا۔ جیسے نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ۔ (۱۵) لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔ (۱۶) گالی دینا۔ (۱۷) ڈاڑھی منڈانا۔ (۱۸) شراب پینا۔ یا کوئی اور نشہ آور اشیاء استعمال کرنا۔ (۱۹) دھوکہ دینا۔ (۲۰) اپنے گھروں اور کمروں میں تصویریں لگانا۔ (۲۱) ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننا۔ (۲۲) فضول خرچی کرنا۔ (۲۳) کسی کا عیب ڈھونڈنا۔ (۲۴) کسی سے مسخرہ پن کر کے بے حرمت اور شرمندہ کرنا۔ (۲۵) سود لینا یا دینا۔ یا اس میں اعانت کرنا۔ (۲۶) رشوت لینا یا دینا۔ یا اس میں اعانت کرنا۔ (۲۷) جوا کھیلنا اور جواریوں کی معاونت کرنا۔ (۲۸) ناچنا اور ناچ دیکھنا، خواہ محفل میں ہو یا ٹیلی ویژن یا سینما کی فلم میں۔ (۲۹) شادی بیاہ اور دیگر مواقع پر ڈیو فلم بنوانا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ (۳۰) قدرت ہونے پر نصیحت نہ کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ (۳۱) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا، اور اللہ تعالیٰ کے قہر سے بے خوف ہونا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ (۳۲) اسی طرح کسی مسلمان کو کافر یا بے ایمان یا اللہ کی مار، یا اللہ کی پھٹکار یا اللہ کا دشمن کہنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔

○ بے شک ان کبیرہ گناہوں سے بچنا ہر مسلمان کے لیے لازمی امر ہے۔ تاہم ان کبیرہ گناہوں میں سے کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کو فاسق کہا جاتا ہے۔ چنانچہ:

○ مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

① جو کوئی ایسا گناہ کرے جس میں کفر یا شرک پایا جاتا ہو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ بلکہ کافر اور مشرک ہو جاتا ہے۔

② اور جو کوئی بدعت کا کام کرے تو وہ مسلمان تو رہتا ہے لیکن اس کا اسلام اور ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو مبتدع اور بدعتی کہتے ہیں۔

③ اور جو کوئی کفر و شرک اور بدعت کے علاوہ کوئی کبیرہ گناہ کرے وہ بھی مسلمان تو ہے لیکن ناقص مسلمان ہے۔ اسے فاسق کہتے ہیں۔

دیکھیے: تعلیم الاسلام چوتھا حصہ صفحہ ۱۵۸

○ اس لیے کسی مسلمان موحد کو صرف گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر کہنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ بلکہ کسی موحد مسلمان کو کافر کہنے سے خود کہنے والے کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ بیشک علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ حرام، مکروہ اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ لیکن ایسی چیزوں کے مرتکب کو کافر کہنا بہت بڑی جسارت ہے۔ لہٰذا اس قسم کی باتوں سے اجتناب نہایت ضروری ہے۔

○ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواہر الفقہ جلد ا صفحہ ۳۴ میں اصولِ تکفیر کے تحت "**تنبیہ**" کا عنوان قائم کر کے تحریر فرمایا ہے کہ:

○ کسی مسلمان کو کافر کہنے کے معاملے میں آج کل ایک عجیب افراط و تفریط رونما ہے۔ ایک جماعت ہے کہ جس نے مشغلہ یہی اختیار کر لیا ہے کہ ادنیٰ معاملات میں مسلمانوں پر تکفیر کا حکم لگا دیتے ہیں۔ اور جہاں ذرا سی کوئی خلافِ شرع حرکت کسی سے دیکھتے ہیں تو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔

اور دوسری طرف نو تعلیم یافتہ آزاد خیال جماعت ہے جس کے نزدیک کوئی قول و فعل خواہ کتنا ہی شدید اور عقائدِ اسلامیہ کا صریح مقابل ہو کفر کہلانے کا مستحق نہیں۔ وہ ہر مدعیٔ اسلام کو مسلمان کہنا فرض سمجھتے ہیں اگرچہ اوس کا کوئی عقیدہ اور عمل اسلام کے موافق نہ ہو اور ضروریاتِ دین کا انکار کرتا ہو۔

○ نیز آپ نے "**ضابطۂ تکفیر**" کے زیرِ عنوان تحریر فرمایا: تکفیر مسلم کے بارہ میں ضابطۂ شرعیہ یہ ہو گیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویلِ صحیح کی گنجائش ہو اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو، یا اوس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمۂ اجتہاد میں واقع ہو، اوس وقت تک اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے۔ (دیکھیے: جواہر الفقہ جلد ا صفحہ ۳۶)

○ نیز آپ نے امداد الفتاویٰ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ: اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا۔ حکمِ اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکمِ ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں ان دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔ یعنی اس سے نہ عقدِ مناکحت کی اجازت دیں گے نہ اس کی اقتداء کریں گے نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے اور نہ اس پر سیاست کافرانہ جاری کریں گے۔

○ بہر حال گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اس سے بچنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ بلکہ صغیرہ گناہ کو معمولی سمجھنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح گناہِ کبیرہ کو معمولی سمجھنے سے ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ اور اگر کوئی گناہِ کبیرہ کو گناہ ہی نہ سمجھے تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنے

ایمان کو بچانے کی فکر کرے۔ آخرت میں کوئی کسی کو اس کے گناہوں کی سزا سے بچانے والا نہ ہوگا۔ صرف تقویٰ ہی آخرت میں کام آئے گا۔

○ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فتویٰ سے قطع نظر تقویٰ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ذبیحہ مشرک سے اجتناب کرے۔ اور ہمہ وقت بارگاہِ الٰہی میں عجز و عاجزی کے ساتھ خاتمہ بالخیر کی دعا کرے۔ اور استغفار کر کے تجدید ایمان کرتا رہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ بِهٖ تُبْتُ عَنْهُ وَ تَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَ الشِّرْكِ وَ الْكِذْبِ وَ الْغِيْبَةِ وَ الْبِدْعَةِ وَ النَّمِيْمَةِ وَ الْفَوَاحِشِ وَ الْبُهْتَانِ وَ الْمَعَاصِيْ كُلِّهَا وَ اَسْلَمْتُ وَ اَقُوْلُ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ ○ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اغلاط نامہ

- دورانِ کتابت بعض مقامات پر کتابت کی غلطیاں تقریباً اکثر کتابوں میں رہ جاتی ہیں۔ ہمارے اس رسالے میں بھی کتابت کی غلطیاں موجود ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ درج ذیل اغلاط نامہ کے مطابق اصلاح فرمالیں۔
- اس رسالہ کے پہلے حصہ (گلستانِ اسلام بابت محرم و صفر ۱۴۲۰ھ) میں
- صفحہ ۴۲ سطر ۱۸ میں پیش کتے ہیں کی بجائے پیش کرتے ہیں۔
- صفحہ ۵۰ سطر ۱۵ میں الا توحیہ الیہ کی بجائے الا توحی الیہ پڑھیں۔
- صفحہ ۶۴ سطر ۱۹ میں ابوزدعہ کی بجائے ابوزرعہ پڑھیں۔
- صفحہ ۶۸ سطر ۹ میں ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتب۔۔۔ (۵۷:۱۶) پڑھیں۔
- صفحہ ۷۶ سطر ۷ میں الزناقۃ کی بجائے الزنادقۃ پڑھیں۔
- صفحہ ۱۱۲ سطر ۱۱ میں امام ابن تیمیہ کا سن وفات ۲۰۸ھ کی بجائے ۷۲۸ھ پڑھیں۔
- اس رسالہ کے دوسرے حصہ (گلستانِ ربیع الاول و ربیع الآخر ۱۴۲۰ھ)
  صفحہ ۲۵۳ سطر ۱۲ میں "فی حکم المرتدین" کی جگہ "فی حکم اہل الکتاب" پڑھیں۔
- اس کے علاوہ بھی بعض مقامات پر کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں انھیں درست کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ قارئین بھی اغلاط کی نشاندہی فرما سکتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

خیر الکلام فی تقبیل الابہام عند سماعِ ذکرِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

محترم قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ہم نے ماہنامہ گلستانِ اسلام کی گزشتہ اشاعت میں آئندہ (موجودہ) شمارہ میں استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا سید محمد حسین نیلوی مدظلہ کی ایک تحقیقی کتاب

"خیرُ الکلام فی تقبیل الابہام"

عند سماع ذکر خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

شائع کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اور الحمد للہ ہم اس کی اشاعت میں کامیاب بھی ہوگئے ہیں۔

حضرت علامہ نیلوی مدظلہ العالی کی یہ نادر تصنیف سب سے پہلے ۱۹۷۰ء میں شائع کی گئی تھی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ۱۹۸۰ء میں بھی اسے شائع کیا گیا۔ اور اس کے بعد یہ کتاب مناسب اضافوں کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں ادارہ گلستانِ اسلام کی طرف سے شائع ہونے والے ماہنامہ "عارفین" میں بھی شائع کی جاچکی ہے۔

قارئین کی طرف سے اس کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیشِ نظر گزشتہ کچھ عرصہ سے اس کو ایک بار پھر شائع کرنے کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ اس لیے اب چوتھی بار نظرِ ثانی اور ضروری اضافوں کے بعد "خطِ واسطی" میں کمپیوٹر کتابت کی خوبی کے ساتھ اسے ماہنامہ "گلستانِ اسلام" میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ امید ہے گلستانِ اسلام کے محترم قارئین ہماری اس کوشش کو ضرور پسند فرمائیں گے۔

والسلام

سید حسن واسطی

ایڈیٹر ماہنامہ گلستانِ اسلام

شہری مسجد بلاک اے سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

تمہید

الحمد للہ الذی قال فی کتابہ: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ"۔ وقال: "مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا"۔ والصلوٰۃ والسلام علی من قال: "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ"۔ وعلی آلہ وصحبہ الهداۃ الکاملین فی اطاعۃ نبیهم الاخیار۔ اما بعد:

○ عموماً عوام حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر خصوصاً اذان واقامت میں، اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں کو لگاتے ہیں۔ اور بعض لوگ تو اسے بہت ہی ضروری سمجھتے ہیں، اور جو ایسا نہ کرے اسے بہت نفرت و حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اور بعض اسے سنت اور بعض مستحب سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور یہ بہت بری بدعت ہے۔ اور بدعت ایک ایسا گناہ ہے جس سے بدعتی کو کبھی بھی توبہ و استغفار نصیب نہیں ہوتی۔ ابلیس لعین کا کہنا ہے کہ میں نے گناہوں کے ذریعے بنی آدم کی کمر توڑ دی ہے اور بنی آدم نے توبہ واستغفار کے ذریعے میری کمر توڑ دی ہے۔ لیکن میں نے ان کے لیے نیکی کی صورت میں کچھ ایسے گناہ نکالے ہیں کہ جن سے وہ نہ استغفار کریں گے نہ توبہ۔ چونکہ بدعتی ہر بدعت کے کام کو عبادت، نیکی اور کارِ خیر سمجھ کر کرتا ہے، اس لیے اس کو بدعت سے توبہ نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور یہی حال مشرکین کا ہے کہ وہ اپنے شرکیہ عقائد و اعمال کو برا سمجھنے کی بجائے کارِ خیر سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ جس سے توبہ کا خیال آنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

○ بعض بدعتی یوں کہتے ہیں کہ جن افعال واقوال کی صریح ممانعت نہیں آئی وہ حرام اور ناجائز نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہؒ نے نقل

کیا ہے کہ صبح صادق کے بعد فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعتوں کے سوا نوافل پڑھنا مکروہ ہیں۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ اس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کرنے کو دلیل کراہت کہا گیا۔

- نیز حضرت امام ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں تردد ہو تو اس کام کو چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ بدعت کا چھوڑنا ضروریاتِ دین سے ہے جبکہ سنت کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بدعت اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کامل و اکمل دینِ اسلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ان کے طریقہ و سنت کو نعوذ باللہ ناقص و ادھورا سمجھتے ہیں۔ تبھی تو نت نئی بدعات گھڑتے رہتے ہیں۔ حالانکہ:

- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۝ کہ اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر چکے ہیں اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا ہے اور ہم نے تمہارے لیے اسی دینِ اسلام کو پسند فرمایا۔

- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی تمسکوابھا و عضوا علیھا بالنواجذ ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ (و فی روایۃ) کل ضلالۃ فی النار۔ کہ میرے بعد جو شخص تم میں سے جیتا رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔ اس وقت (ان اختلافات سے ہٹ کر) میرے اور میرے ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدینؓ کے معمول اور طریقے کو لازم پکڑے رکھنا۔ اور مضبوطی سے اس معمول پر قائم رہنا اور پچھلے دانتوں یعنی ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوط پکڑ لینا۔ اور دین میں نئے نئے ایجاد کردہ کاموں سے بچتے رہنا۔ کیونکہ دین میں نیا ایجاد کردہ ہر کام بدعت ہے اور ہر

بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ کی آگ میں لے جانے والی ہے۔

○ پس جو شخص دین میں اپنی طرف سے ایجاد کر کے کوئی نیا کام داخل کرتا ہے اور اسے دین کا جزء بناتا ہے اور اسے نیکی کا کام سمجھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کامل و اکمل دین اسلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپکے طریقہ و سنت کو ناقص و نامکمل سمجھا، تبھی تو اس نے دین میں کوئی نیا کام اپنی طرف سے ایجاد کر کے داخل کیا ہے۔

○ دراصل بدعتی لوگ محبتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے میں جھوٹے ہیں، یوں سمجھیں کہ وہ خود منصبِ نبوت پر بیٹھنا چاہتے ہیں اور اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی توہین اور بغاوت ہے۔ جیسا کہ:

○ ایک مرتبہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ نمازِ مغرب کے بعد ایک جماعت مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر اللہ اکبر، سبحٰن اللہ اور الحمد للہ کا وردِ کارِ خیر سمجھ کر کرتی ہے، باوجودیکہ ان کلمات کا پڑھنا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ثابت بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس جماعت کے پاس تشریف لے گئے، ان کو ذکر کرتے ہوئے دیکھا، پھر آپؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ: "میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یا تو تم لوگ ایک تاریک اور گھناؤنی بدعت میں مبتلا ہو گئے ہو، یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ سے بڑھ گئے ہو"۔

○ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جن اذکار و اعمال، اور حرکات و سکنات کی اصل بھی موجود ہو، تب بھی خاص مسنون طریقہ سے زائد اضافہ کر کے اسے جزوِ دین بنانا بدعت ہے۔ تو جس قول یا فعل کا ثبوت خیر القرون (صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانے) میں نہ ہو، اس کو ثواب سمجھ کر کرنا تو یقیناً بدعتِ سیئہ ہے۔

○ تفصیلِ ابحاثین سے متعلق یہ مضمون تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہوگا، اور خاتمہ میں بعض اعتراضوں کا جواب بھی ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

باب اوّل

کلیات و اُصولِ موضوعہ

① اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران-۳:۳۱) یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری (یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) پیروی کرو، (میرے بتلائے ہوئے طریق اور میری سنت پر عمل کرو) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، اور تمھارے گناہ معاف فرما دے گا۔ مطلب یہ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو اس طرح محبت کرو جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، محبت کا تقاضا یہ نہیں کہ محبوب کی مرضی اور خواہش کے خلاف اپنی مرضی سے کوئی کام کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیں اور ان کے حکم اور بتلائے ہوئے طریقوں سے سرِمو روگردانی نہ کریں۔ اور اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے تجاوز کر کے محبوبِ حقیقی کو الٹا ناراض نہ کریں۔ تب اللہ تعالیٰ بھی ہم سے محبت کرے گا اور ہمارے گناہ بھی اپنے فضل و احسان سے معاف فرمائے گا۔

② نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر-۵۹:۷) یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جو کچھ عنایت فرمائیں وہ تو لے لو، مگر جس چیز سے وہ منع فرما دیں اسے فوراً چھوڑ دو۔ اس مقام پر یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ شانِ نزول کے لحاظ سے تو بیشک یہ آیت مالِ فَے کی تقسیم سے متعلق ہے، لیکن "ما" عموم کے لیے ہوتا ہے، اس لیے یعنی "ما اٰتاکم" ہر امر کے لیے، اور "ما نہٰکم عنہ" ہر نہی کے لیے ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کے تمام اوامر اور تمام نواہی کو ماننا فرض ہے۔

(۳) نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ذی شان ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یُوسُف-۱۲: ۱۰۸) یعنی یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ خود میں اور میری اتباع کرنے والے پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور دعوت دیتے ہیں اور یہی میرا طریق ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ علمِ کلام اور علم اصول درحقیقت پیغمبرانہ علم ہیں۔ اور ان حضرات کی بعثت خلق کی جانب انہی علوم سے کام لینے کے لیے ہوا کرتی ہے، جیسا کہ حضرت مفسر امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وھذہ الآیۃ تدل علی ان حرفۃ الکلام وعلم الاصول حرفۃ الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام وان اللہ ما بعثھم الی الخلق الا لاجلھا۔

(تفسیر رازی جلد ۵ صفحہ ۱۷۳)

(۴) حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری صفحہ ۳۷۱) کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی وہ مردود اور قابلِ تردید ہے۔

○ اس فرمانِ نبویؐ میں سنت اور بدعت کے درمیان ایسا صاف اور روزِ روشن کی طرح واضح فرق نظر آرہا ہے، جس میں کسی سمجھدار آدمی کے لیے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس فرمانِ ذی شان میں حضرت نبی کریم ﷺ نے پہلے "مَنْ" کا عمومی کلمہ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی کوئی کتنا بڑا عالم فاضل ہو، بڑے سے بڑا قاضی یا مفتی ہو، کوئی پیر یا صوفی ہو، علامہ یا مجتہد ہو، یا لوگ اسے غوث، قطب، ابدال اور قیومِ زماں کہتے ہوں یا اسے غریب نواز دلجبال کے القاب سے ملقب کرتے ہوں، وہ کوئی بادشاہ ہو یا وزیر، غریب ہو یا امیر، خطیب ہو یا واعظ، کوئی شیخ الحدیث ہو یا شیخ التفسیر۔ اس فرمانِ نبویؐ میں کوئی تخصیص نہیں، بلکہ عموم ہے کہ جو کوئی بھی "اَحْدَثَ" کوئی نئی بات گھڑ نکالے، جس کا ثبوت اور وجود پہلے سے نہ ہو۔ "فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا" ہمارے اس امر یعنی دین میں "فَهُوَ رَدٌّ" تو وہ مردود اور قابل

تردید ہے۔ نیز اس میں صرف "أَحْدَثَ" نہیں فرمایا، اور "أَحْدَثَ" کے بعد "لِأَمْرِنَا" یا "لِغَيْرِ أَمْرِنَا" یا "فِي غَيْرِ أَمْرِنَا" نہیں فرمایا، بلکہ "فِي أَمْرِنَا" فرمایا۔ اس طرح عقلاً "إِحْدَاث" کی چار اقسام ہو سکتی ہیں:

① احداث فی امرنا یعنی ہمارے دین میں نئی بات نکالنا۔

② الاحداث فی غیر امرنا یعنی ہمارے دین کے سوا کسی دوسری چیز میں کوئی نئی بات نکالنا۔

③ الاحداث لامرنا یعنی ہمارے اس دین کی خاطر یعنی اشاعت دین اور لوگوں تک دین کی باتیں پہنچانے کے لیے کوئی نئی بات نکالنا۔

④ الاحداث لغیر امرنا یعنی ہمارے اس دین کے سوا کسی اور چیز کی خاطر کوئی نئی بات نکالنا۔

○ ان چار قسموں میں سے صرف پہلی قسم یعنی احداث فی امرنا کو ہی حضرت نبی کریم ﷺ نے مردود فرمایا ہے۔ اور یہی بدعتِ شرعی ہے جو کہ بدعت سیئہ ہی ہوتی ہے، جسے اسلام میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور اسی کے متعلق حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: كل محدثة (اي في ديننا هذا) بدعة و كل بدعة ضلالة و كل ضلالة في النار یعنی ہمارے دین میں ہر نئی ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی آگ میں ڈالنے والی ہے۔

○ اس کے علاوہ احداث کی باقی تینوں قسمیں بدعتِ شرعیہ یا بالفاظ دیگر بدعت سیئہ یا بدعت ضلالت نہیں ہو سکتیں۔ البتہ انھیں لغوی بدعت کہہ سکتے ہیں اور وہ بدعتِ مباحہ ہوگی۔ بشرطیکہ وہ بدعت اور نئی بات محرمات و مکروہات میں سے نہ ہو۔ پس جو نئی بات دینی مصالح و ضروریات اور اشاعت دین کی غرض سے ایجاد کی جائے، مثلاً علوم مروجہ کی تدوین اور کتب کی تالیف و تصنیف اور دینی تعلیم کو سہل و آسان بنانے کے لیے نئے اور جدید طریقوں کی دریافت اور ایجادات وغیرہ بدعتِ شرعیہ و سیئہ میں ہرگز داخل نہیں ہیں، بلکہ ایسے امور میں اپنے اجتہاد سے بھی کام

لیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:
"اجتہاد را در اختراع اعمال تصرفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج الطباء نسخہائے قرابادین"۔ اس سے بدعات کو اپنے قیاس سے نکالنے اور رائج کرنے کی گنجائش نکالنا جیسے بعض نے کہا ہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔

⑤ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: جُعِلَ الذِّلَّةُ وَ الصَّغَارُ عَلٰی مَنْ خَالَفَ اَمْرِیْ (بخاری صفحہ ۴۰۸) اس شخص پر ذلت و خواری ہے جس نے میرے کسی حکم کی مخالفت کی۔

⑥ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے: دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُكَ (بخاری صفحہ ۲۷۵) یعنی جو چیز تجھے شک میں مبتلا کرتی ہو اسے چھوڑ کر ایسی چیز کی طرف جاؤ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ اور اضطراب بالکل بھی نہ ہو۔

⑦ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ کہ جو شخص بھی جانتے بوجھتے ہوئے مجھ پر جھوٹ باندھے گا تو اسے چاہیے کہ پہلے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

⑧ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا، جبکہ تمہیں فتنہ گھیرے گا، جس میں بڑا تو بوڑھا ہو جائے گا اور چھوٹا بڑا ہو جائے گا، فتنہ ایسا پھیل جائے گا کہ لوگ اسے سنت سمجھیں گے۔ اگر تم اس کو بدلو گے تو کہیں گے کہ اس شخص نے سنت کو بدل دیا۔

⑨ نیز فرمایا کہ ایجاد شدہ بدعتوں سے بچتے رہو۔ کیونکہ ایمان تمہارے دلوں سے دفعۃً نہیں جائے گا، لیکن شیطان تمہارے لیے بدعتیں پیدا کرتا رہے گا یہاں تک کہ تمہارے دلوں سے ایمان نکل جائے گا۔ (ملخصاً از مجالس الابرار صفحہ ۱۸۴)

○

○ سطورِ ذیل میں اصولِ حدیث و فقہ کے چند اہم قوانین درج کیے جاتے ہیں، تاکہ زیرِ بحث مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اُصولِ حدیث و فقہ کے چند اہم قوانین

قانون: لا یقبل الحدیث الا باسناد صحیح (نووی برمسلم صفحہ ۱۲) یعنی کوئی ایسی حدیث قابل قبول نہیں جس کا اسناد صحیح نہ ہو۔

قانون: لا یقبل الحدیث الا من الثقات من اھل السنۃ (نووی برمسلم صفحہ ۱۱) یعنی صرف ان لوگوں کی حدیث ہی قبول کی جا سکتی ہے، جو علم حدیث میں پختہ ہوں اور ہوں بھی اہل السنت والجماعت میں سے۔

قانون: وینظر الی اھل البدع فلا یؤخذ حدیثھم (نووی برمسلم صفحہ ۱۱) یعنی اہلِ بدعت کی طرف کڑی نظر ہونی چاہیے۔ کیونکہ اہلِ بدعت کی بیان کردہ حدیث کو نہیں لیا جاسکتا۔

قانون: فی روایۃ العدل عن المجھول ذھب الجماھیر الی انہ لیس بتعدیل و ھذا ھو الصواب (نووی صفحہ ۱۹) یعنی اگر کوئی عادل آدمی کسی مجہول الحال شخص سے روایت کرے تو جمہور علماء کا مذہب اس بارے میں یہی ہے کہ صرف عادل کا کسی مجہول الحال شخص سے روایت کر دینا اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ مجہول راوی بھی عادل ہی ہو۔ اور یہی جمہور کا مذہب اور صحیح ہے۔

قانون: کسی بدعت کے جواز میں کسی ضعیف حدیث کا ڈھونڈ نکالنا بدعت کے اس کام سے بدعت کا دھبہ نہیں دھو سکتا۔ جیسا کہ حضرت امام نوویؒ نے مسلم کی شرح صفحہ ۱۸۱ میں تحریر فرمایا ہے: ولا یُسَنُّ زیادۃ وَبَرَکَاتُہٗ وان کان قد جاء فیھا حدیث ضعیف و اشار الیھا بعض العلماء ولکنھا بدعۃ اذ لم یروفیھا حدیث صحیح۔ یعنی نماز سے فارغ ہوتے وقت السّلام علیکم و رحمۃ اللہ کے بعد وبرکاتہ کا لفظ بڑھانے کے بارے میں اگرچہ ایک ضعیف سی حدیث بھی آئی ہے اور جس کی طرف بعض علماء نے ارشارہ بھی فرمایا ہے۔ مع ہذا نماز کے اختتام پر السّلام علیکم و رحمۃ اللہ کے بعد "وبرکاتہ" کا لفظ بڑھانا مسنون نہیں، بلکہ بدعت ہے۔ کیونکہ اس بارے میں کوئی حدیث صحیح طریق سے مروی نہیں۔

فائدہ جب ضعیف حدیث سے ثابت ہو جانا بھی اس عمل کو بدعت ہونے سے نہیں نکال سکتا تو پھر موضوع اور من گھڑت حدیث کسی عمل کو بدعت ہونے سے کسی طرح بھی خارج نہیں کر سکتی۔ خوب سمجھ لو۔

قانون هو (الموضوع) كالعدم۔ یعنی موضوع حدیث کالعدم ہے۔ گویا اس کا وجود ہی نہیں۔ (شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۸۸ از علامہ ابن حجرؒ)

فائدہ پس جواہر شرعی کسی موضوع حدیث سے ثابت ہوئے وہ بے دلیل اور بے سند سمجھا جائے گا۔ اور موضوع حدیث کے انکار کی وجہ سے کسی کو منکر حدیث کہنا اس پر بہتان ہوگا۔

قانون موضوع اور من گھڑت حدیث کا سننا بھی حرام ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے طبقات الحنفیہ میں تحریر فرمایا ہے: لا يحل سماعها۔ کہ موضوع روایت کا سننا حلال نہیں، یعنی حرام ہے۔ (التاریخ الکبیر صفحہ ۱۱)

- تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۷ میں حضرت علامہ محمد طاہر فتنیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام مالک کے جلیل القدر استاذ حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ موضوع اور من گھڑت روایات پر عمل کرنے والے شیطان کے خادموں میں سے ہیں۔

- مفتی احمد یار خان گجراتی نے مرآۃ شرح مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۱۸۶ میں لکھا ہے کہ: حدیث گھڑنا بھی گناہ اور دیدہ دانستہ موضوع حدیث بیان کرنا بھی گناہ ہے۔ بلکہ جس حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا گمان غالب ہو اسے بھی بیان نہ کرے۔

قانون حدیث منقطع کسی کتاب کی معارض حدیث بخاری کے نہیں ہو سکتی، کیونکہ معارضہ میں مساوات شرط ہے باتفاق جمہور محدثین۔ (مجموعہ فتاویٰ عبدالحئی جلد ا صفحہ ۲۰۷)

قانون جب اختلاف ہو علماء میں درمیان سنت ہونے اور بدعت ہونے کے یعنی بعضے کہیں سنت ہے، بعضے کہیں بدعت ہے، پس احتیاط اس جگہ یہ ہے کہ ایسی چیز کو ترک کیجیے۔ چنانچہ یہ بات ایک جگہ فتاویٰ عالمگیری سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی طرح: جب اختلاف ہو درمیان کراہت اور مستحب ہونے کے، اس کو ترک کیجیے۔ (مظاہر حق جلد ا صفحہ ۱۹)

دین کے باب میں کوئی دعویٰ بغیر دلیل معتبر کے مسموع نہ ہوگا۔

(تفسیر ماجدی صفحہ ۱۰۰۳)

اگر کوئی فقہی مسئلہ بیان کیا جائے تو اس میں غور کرنا چاہیے کہ:

① اگر اس کا ماخذ کتاب و سنت اور اجماع سے معلوم اور مشہور ہو تو اس میں کسی کو کچھ جھگڑا نہیں۔

② اور اگر اس کا ماخذ معلوم نہیں ہے، بلکہ وہ مسئلہ اجتہادی ہے، سو اگر اس کا بیان کرنے والا مجتہد ہے تو ہر شخص پر جو مقلد ہو، اس کی پیروی کرنا لازم ہے اور اس سے دلیل طلب کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے کہ مجتہد کا بیان ہی اس کی دلیل ہے۔

③ اور اگر اس کا ناقل مجتہد نہیں ہے بلکہ مقلد ہے، سو اگر اس نے کسی مجتہد سے نقل کیا ہے اور اس نقل کا ثبوت بھی دے دیا ہے تو اس میں بھی اتباع لازم ہے۔

④ اور اگر مجتہد سے نقل نہیں کیا، بلکہ اپنی طرف سے بیان کیا ہے، یا کسی دوسرے مقلد کی طرف سے یا گول رکھا ہے، تو اگر اس کے بارے میں کوئی دلیل شرعی بیان کی ہے تو اس کے ماننے میں اس صورت میں بھی کوئی کلام نہیں۔

⑤ اور اگر دلیل بیان نہیں کی تو غور کرنا چاہیے کہ اگر اس کا کلام اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہے اور کوئی بات اس میں خلاف نہیں ہے، تو اس پر عمل جائز ہے۔ لیکن عمل کرنے والے کو چاہیے کہ صرف تقلید پر نہ ٹھہر جائے، بلکہ اس بیان پر اس سے دلیل مانگے۔ اور اگر اس کا کلام اصول اور معتبر کتابوں کے مخالف ہو تو اس کی طرف بالکل توجہ نہ کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ علماء تصریح کر چکے ہیں کہ جس بات کی صحت یقینی معلوم نہ ہو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ اس کا باطل ہونا بھی معلوم نہ ہو، چہ جائے کہ اس کا باطل ہونا بھی معلوم ہو جائے۔

(مجالس الابرار صفحہ ۱۷۵)

کسی پیشہ یا صوفی کا مذہب حجت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ امام اہل السنۃ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "البلاغ المبین" میں تحریر فرمایا ہے:

"مشرب پیر حجت نیست۔ دلیل از کتاب و سنت می باید"
یعنی کسی پیر کا مذہب و مشرب (عقیدہ و عمل میں) حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی مسئلہ کی دلیل تو قرآن و سنت سے ہی تلاش کرنی چاہیے، نہ کہ پیر کے قول و عمل سے۔

قانون ۱۳ جو حدیثیں پہلی صدیوں میں نہیں تھیں اور بعد والوں نے انھیں روایت کیا وہ قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتیں چہ جائیکہ ان سے عقیدہ یا عمل کے اثبات میں دلیل پکڑی جا سکے۔ جیسا کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
"احادیث کہ نام و نشانِ آنہا در قرونِ سابقہ معلوم نہ بود و متأخرین آنرا روایت کردہ اند، پس حالِ آنہا از دو شق خالی نیست، یا سلف تفحص کردند و آنہارا اصلے نیافتہ اند تا مشغول بروایتِ آنہا می شدند یا یافتند و دراں قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ آنہارا بر ترکِ روایتِ آنہا۔ و علی کل تقدیر ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثباتِ عقیدہ یا عملے بہ آنہا تمسک کردہ شود" یعنی جن جن احادیث کا پہلی صدیوں میں نام و نشان نہ تھا اور پچھلوں نے اسے روایت کیا ہو تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں، یا تو سلف نے چھان بین کی اور اصل ان کا کوئی نہ پایا تا کہ ان کی روایت کرنے میں مشغول ہوتے۔ یا یہ صورت ہے کہ ان کا اصل یعنی سند تو مل گئی لیکن ان میں کچھ جرح و قدح اور علت ایسی دیکھی جو ان روایات کے بیان نہ کرنے کا باعث ہوئی۔ بہرحال ایسی حدیثیں اعتماد کے قابل نہیں جن سے کسی عقیدہ یا عمل کے اثبات میں دلیل پکڑی جا سکے۔ (عجالۂ نافعہ صفحہ ۷)

فائدہ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر اور ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ محقق علماءِ اہل السنت والجماعت نے انتشار و نفاق بین المسلمین کا سبب بننے کی وجہ سے مندرجہ ذیل کتابوں کو غیر معتبر قرار دیا ہے:

① زاھدی معتزلہ کی شرح قدوری
② ابو طالب مکی کی کتابیں
③ بہجۃ الاسرار
④ احادیث احیاء العلوم
⑤ قہستانی کی کتابیں
⑥ کنز العباد

⑦ وظائف واوراد کی کتابوں میں درج حدیثیں

⑧ صلوٰۃ مسعودی ⑨ فتوح الاوراد

⑩ درِ مختار ⑪ مفتاح السعادۃ

⑫ جامع الرموز ⑬ جامع المضمرات

⑭ موجبات الرحمۃ ⑮ غنیۃ الطالبین کی حدیثیں

⑯ معارج النبوۃ ⑰ سیوطیؒ کی بعض کتب

⑱ تفسیر لغوی ⑲ تفسیر عبد الرحمن بن کیسان الاصم

⑳ تفسیر جبائی ㉑ تفسیر زمخشری

㉒ تفسیر مقاتل بن سلیمان ㉓ تفسیر سدی

㉔ تفسیر کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

㉕ تفسیر ابن جریر واحادیثہ ㉖ حقائق التفسیر لعبد الرحمن السلمی

㉗ تفسیر ثعلبی ㉘ تفسیر واحدی

㉙ تفسیر جویبر عن ضحاک عن ابن عباسؓ ㉚ تفسیر آدم بن ایاس

㉛ تفسیر اسحاق بن راہویہ ㉜ تفسیر ابی بکر بن ابی شیبہ

㉝ تفسیر روح بن عبادۃ ㉞ تفسیر حاکم

㉟ تفسیر در منثور ㊱ تفسیر سفیان بن عیینہ

㊲ تفسیر عبد بن حمید ㊳ تفسیر وکیع بن الجراح

㊴ تفسیر شعبۃ بن الحجاج ㊵ تفسیر عبد الرحمن بن ابی حاتم

㊶ تفسیر یزید بن ہارون ㊷ تفسیر ابن ابی الشیخ

㊸ تفسیر ابی قاسم ابراہیم بن اسحق انماطی ㊹ تفسیر ابن جریج

㊺ تفسیر عبد الرزاق ㊻ تفسیر ابن حبان

㊼ تفسیر ابن مردویہ ㊽ تفسیر ابن منذر

㊾ تفسیر ابن قتیبہ ㊿ تفسیر ابی حنیفہ دینوری

(۵۱) تفسیر روح البیان (۵۲) تفسیر صاوی

(۵۳) تفسیر بیضاوی (فضائل سور میں)

(۵۴) تفسیر بکر بن سہیل دمیاطی عن عبد الغنی بن سعید عن موسیٰ بن محمد عن ابن جریج

(۵۵) تفسیر ابن عبد الرحمٰن محمد بن حسین سلمی نیشاپوری (مجموعۂ خرافات)

قانون ۱۴ جب کسی مباح کام کے کرنے سے عوام کے عقیدہ میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو اور اس بات کا خطرہ ہو کہ عام لوگ اس مباح کو سنت یا ضروری سمجھنے لگ جائیں گے تو وہ فعل مباح نہیں رہتا بلکہ منع ہوجاتا ہے۔

قانون ۱۵ لا یجوز الافتاء من التصانیف الغیر المشهورة (مقدمہ عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۱۱) یعنی غیر مشہور کتابوں سے اخذ کرکے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

قانون ۱۶ کرہ اهل الحق ۔۔۔۔ ان یجاوز وا فعل النبی ﷺ (بخاری صفحہ ۲۵) یعنی اہل حق علماء نے حضرت نبی کریم ﷺ کے مبارک فعل سے تجاوز کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔

قانون ۱۷ سنت نام ہے اس طریقہ کا جو عہد نبوی و صحابہؓ سے مروج ہو۔ اگر فعل اس وقت مروج تھا تو وہ فعل سنت ہوگا اور اگر اس وقت ترک فعل مروج تھا تو اس فعل کا ترک کرنا ہی سنت ہوگا۔ جیسا کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عید فطر و عید قربانی کی نماز کے لیے اذان واقامت کے ترک کرنے کو سنت کا نام دیتے ہوئے فرمایا: و تلک السنة التی لا اختلاف فیها عندنا (مؤطا امام مالک صفحہ ۶۲) یعنی عیدین کی نماز کے لیے اذان اور اقامت کا ترک کرنا ہی سنت ہے جس میں ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

قانون ۱۸ استحسان بعض العلماء لا یثبت به الاحکام (صیانۃ الانسان صفحہ ۲۴۸) یعنی بعض علماء کے استحسان سے احکام ثابت نہیں ہوتے۔

روی عندهم من صیغ التمریض (مسامرہ صفحہ ۲۰۲) یعنی محدثین کے نزدیک رُوِیَ کا صیغہ ضعف کی علامت ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول قابلِ عمل ہے اور آپکے سوا کسی اور شخصیت کی بات خصوصاً جو قرآن و حدیث سے مؤید نہ ہو تو وہ قابلِ عمل نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ:

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت فرمایا: لیس احد الا یوخذ من قولہ و یدع غیر النبی ﷺ

یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو ہر بات قابلِ عمل ہے، مگر آپکے سوا اور کوئی بھی ہو تو اس کی بات قابلِ عمل بھی ہو سکتی ہے اور اس بات کو چھوڑا بھی جاسکتا ہے۔ یعنی اگر اس کا قول کسی دلیل شرعی پر مبنی ہے تو مقبول ہے ورنہ مردود۔
(معجم کبیر للطبرانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۳۹)

بابِ ثانی

دلائل مُجوزین مع جوابات

○ اس باب میں انگوٹھے چومنے والوں کی طرف سے عام طور پر پیش کیے جانے والے دلائل مع ان کے جوابات کے بیان کیے جائیں گے۔ پہلے باب میں بیان کردہ اہلِ سنت و جماعت کے متفقہ قوانین و براہین کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دلائل مجوزین اور جواباتِ مانعین کا انابت کے ساتھ مطالعہ فرما کر قارئین سے فیصلہ کی درخواست ہے۔

دلیل مجوزین ۱ :

○ اذان میں مؤذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مبارک کلمہ سُن کر اپنے انگوٹھوں کو چومنا احادیثِ قدسیہ سے ثابت ہے۔

جواب ۱ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ علمائے سلف و محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ احادیثِ مبارکہ کی کتابوں کو مندرجہ ذیل چند اقسام میں تقسیم فرماتے ہیں :

○ ① جامع، ② سُنن، ③ مسانید، ④ مراسیل، ⑤ اجزاء، ⑥ اربعین، ⑦ معاجم، ⑧ ثلثیات، ⑨ مُستدرک، ⑩ مستخرج، ⑪ غرائب و مفردات، ⑫ تجرید، ⑬ موضوعات، ⑭ آثار۔

○ سطورِ ذیل میں کتبِ احادیث کی ان اقسام کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے :

اقسام کُتبِ احادیث کا اجمالی تعارف

① جامع : مثلاً : بخاری، مُسلم، ترمذی۔ ان میں درج ذیل عنوانات کے تحت احادیث جمع ہوتی ہیں : ؎

سِیَر، آداب و تفسیر و عقائد   فِتَن، اشراط و احکام و مناقب

② سُنن : مثلاً : ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ ان میں ابوابِ فقہ کی ترتیب پر احادیث مبارکہ کی تخریج ہوتی ہے۔

③ مسانید : مثلاً : مسند احمد، مسند ابی داؤد طیالسی۔ ان میں صحابۂ کرام کی

ترتیب پر احادیثِ مبارکہ کی تخریج ہوتی ہے۔

(۴) مراسیل۔ مثلاً : مراسیل ابی داؤد، مراسیل ابن ابی حاتم۔ ان میں مرسل حدیثیں جمع ہوتی ہیں، یعنی تابعی کا قول ہو کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا ہے۔

(۵) اجزاء۔ مثلاً : جزء رفع یدین للبخاری، جزء القراءۃ للبخاری۔ اس میں کسی ایک مسئلہ کے متعلق احادیث جمع ہوتی ہیں۔ اسے "الرسالۃ" بھی کہتے ہیں۔

(۶) اربعین۔ مثلاً : اربعین بیہقی، اربعین ملا علی قاری، اربعین شاہ ولی اللہ۔ ان میں کسی ایک موضوع مثلاً تہذیب اخلاق، روز مرہ کی ضروریات وغیرہ پر چالیس احادیث یکجا جمع ہوتی ہیں۔

(۷) معاجم۔ مثلاً : معجم صغیر و اوسط و کبیر طبرانی کی۔ شیوخ کی ترتیب پر احادیث مبارکہ کی تخریج۔

(۸) ثلاثیات۔ مثلاً : ثلاثیات بخاری۔ جن میں مصنف اور حضرت نبی کریم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطوں کا فصل ہو۔

(۹) مستدرک۔ مثلاً : مستدرک حاکم۔ کسی مصنف کی کتاب سے کچھ ایسی حدیثیں رہ گئی ہوں جو اس کی شرائط و قیود کے مطابق ہوں، ان کو کسی کتاب میں یک جا جمع کر دیا جائے تو اسے مستدرک کہتے ہیں۔

(۱۰) مستخرج۔ مثلاً : مستخرج ابو عوانہ (صحیح مسلم کی اسانید پر) کسی مصنف کی کتاب میں اسانید جمع ہوں، پھر ان کے علاوہ اور سندوں پر اطلاع ہو جائے۔ تو وہ اسانید جس کتاب میں جمع ہوں اسے مستخرج کہتے ہیں۔

(۱۱) غرائب و مفردات۔ مثلاً : مرویاتِ ابی ہریرہ، مرویات عمر بن عبد العزیز۔ ان میں صرف ایک تلمیذ کی وہ حدیثیں بیان ہوتی ہیں جو اپنے شیخ سے دیگر تلامذہ ذکر نہیں کرتے۔

(۱۲) تجرید۔ مثلاً : تجرید الصحیحین، ان میں سند کے بغیر احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

(۱۳) موضوعات۔ مثلاً : تذکرۃ الموضوعات، موضوعات کبریٰ۔ ان میں موضوع اور

من گھڑت حدیثیں جمع ہوتی ہیں، تاکہ لوگ ان پر عمل سے پرہیز کریں۔

(۱۴) آثار۔ مثلاً : کتاب الآثار للامام محمدؒ۔ ان میں عموماً صحابہؓ، تابعینؒ اور ان کے بعد کے بزرگوں کے اقوال نقل ہوتے ہیں۔

○ علماء سلف نے کتب احادیث کی اور قسمیں بھی بیان کی ہیں مگر ان میں کتب احادیث قدسیہ کا ذکر نہیں ملتا۔ اور پھر حدیث کی قسموں میں سے بھی اصطلاح محدثین میں حدیث قدسی نام کی کوئی قسم نہیں۔ چنانچہ اقسام احادیث کا اجمالی تذکرہ بھی اس موقع پر بیان کیا جاتا ہے۔

اقسام احادیث کا اجمالی تعارف:

○ محدثینِ عظام نے حدیث کی کئی تقسیمیں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً :

(۱) انتہائے سند اور نسبت کلام کے اعتبار سے۔

(۲) حدیث کے راویوں کی قلت وکثرت کے اعتبار سے۔

(۳) سند اور طرق روایت کے اعتبار سے۔

(۴) قابلِ حجت ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے۔

○ اب مذکورہ بالا تقسیموں کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

❶ انتہائے سند اور نسبت کلام کے اعتبار سے حدیث تین قسم ہے :

(۱) مرفوع : جو حدیث حضرت رسول اللہ ﷺ سے مروی ہو۔

(۲) موقوف : جو حدیث کسی صحابی کی طرف منسوب ہو۔

(۳) مقطوع : جو حدیث کسی تابعی یا تبع تابعین کی طرف منسوب ہو۔

○ پھر ان تینوں (مرفوع، موقوف، مقطوع) میں سے ہر ایک کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) قولی، (۲) فعلی اور (۳) تقریری۔

(۱) قولی فرمان کو کہتے ہیں،

(۲) فعلی عمل کو کہتے ہیں، اور

(۳) تقریری کسی کے عمل کو دیکھ کر رضامندی کے اظہار کو کہتے ہیں۔

اس طرح اس پہلی تقسیم کی کل نو قسمیں ہوئیں۔

① مرفوع قولی، ② مرفوع فعلی، ③ مرفوع تقریری، ④ موقوف قولی،
⑤ موقوف فعلی، ⑥ موقوف تقریری، ⑦ مقطوع قولی، ⑧ مقطوع فعلی،
⑨ مقطوع تقریری۔

❷ حدیث کے راویوں کی قلت و کثرت کے اعتبار سے حدیث چار قسم کی ہوتی ہے۔

① متواتر، ② مشہور، ③ عزیز، ④ غریب۔

① متواتر: جس کو ہر زمانے میں ایک بہت بڑی جماعت روایت کرے جن کا جھوٹ پر جمع ہونا ناممکن ہو۔

○ پھر تواتر کی چار اقسام ہیں:

① تواتر اسناد، ② تواتر طبقہ، ③ تواتر عمل، ④ تواتر معنوی۔

② مشہور یا مستفیض: جس کے راوی ہر زمانے میں تین یا تین سے زیادہ ہوں۔

③ عزیز: جس کے راوی کسی زمانے میں دو سے کم نہ ہوں۔

④ غریب یا فرد: جس کا راوی سلسلۂ حدیث میں صرف ایک ہو۔

○ اس دوسری تقسیم میں "متواتر" کے علاوہ باقی تینوں قسموں (یعنی مشہور عزیز اور غریب) پر "خبر واحد" کا اطلاق کرتے ہیں۔

❸ سند اور طرق روایت کے اعتبار سے حدیث دو قسم کی ہوتی ہے۔

① متصل: جس کی سند حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک موتیوں کے ہار کی طرح جڑی ہوئی ہو، درمیان میں کسی زمانہ میں کوئی راوی ساقط نہ ہو۔ اس کو مسند بھی کہتے ہیں۔

② منقطع: جس کی سند ایک یا ایک سے زائد مقامات سے جڑی ہوئی نہ ہو، اور یہ منقطع پھر چار قسم ہے: ① معلّق، ② معضل، ③ مرسل، ④ مدلس۔

① معلّق: جس کی سند کے ابتداء سے ایک یا کئی راوی حذف ہوں، جیسے تعلیقات بخاری و احادیث مشکوٰۃ۔

② معضل: جس کی سند میں دو یا دو سے زائد راوی حذف ہوں۔

③ مرسل: جس کے آخری راوی حذف ہوں، مثلاً تابعی کہے: قال رسول اللہ ﷺ ....

④ مدلس: جس کا راوی اپنے شیخ یا شیخ الشیخ کا نام حذف کردے۔

❸ اور قابلِ حجت ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے حدیث دو قسم ہے:

① مقبول، ② مردود۔

① مقبول: جس پر عمل واجب ہے۔ اور اسے چھ قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

① صحیح لذاتہ: سند متصل کے ساتھ بیان کردہ روایت، جس کے تمام راوی عادل اور کامل الحفظ ہوں۔

② حسن لذاتہ: سند متصل کے ساتھ بیان کردہ روایت جس کے تمام راوی عادل تو ہوں مگر کامل الحفظ نہ ہوں۔ یعنی کوئی راوی کمزور حافظہ والا ہو۔

③ صحیح لغیرہ: روایت حسن لذاتہ جو کئی طرق سے مروی ہو۔

④ حسن لغیرہ: ادنیٰ درجہ کی ضعیف، جو کثرتِ طرق کی وجہ سے قابلِ حجت ہو۔

⑤ معروف: جو شاذ نہ ہو۔

⑥ محفوظ: جو منکر نہ ہو۔

② مردود: اسے علماءِ سلف و محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دس اقسام میں منقسم فرمایا ہے۔

① ضعیف: جو مقبول کے اقسام ستہ میں سے نہ ہو۔

② موضوع: جس کا راوی کذاب ہو اور من گھڑت حدیثیں بیان کرنے والا ہو۔

③ متروک: جس کا راوی عام گفتگو میں غلط بیانی کرتا ہو، اگرچہ حدیث کے نقل کرنے میں محتاط ہی ہو۔

④ منکر: جس کا راوی غفلت یا بدکرداری کی وجہ سے حدیث کے بیان کرنے میں عموماً غلطی کرے۔ یا ضعیف راوی جو ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے والا ہو۔

⑤ شاذ: جس کا راوی ثقہ تو ہو، لیکن دوسرے ثقہ راویوں کے خلاف روایت بیان کرے۔

⑥ معلول یا مُعلّل : جس کا راوی وہمی ہو۔ اور متن اور سند کو صحیح طرح سے بیان نہ کر سکے۔

⑦ مُضطرب : جس کا راوی سند یا متن میں ایسا اختلاف پیدا کرے جس میں ترجیح یا تطبیق کی صورت نہ بن سکے۔ ● اگر سند میں اختلاف ہے تو مُضطرب الاسناد ہے۔ اور ● اگر متن میں اختلاف ہے تو مُضطرب المتن ہے۔

⑧ مقلوب : جس کا راوی سند یا متن کو تبدیل کردے یا مقدم و مؤخر کردے۔ ● متن میں تقدیم و تاخیر ہو تو مقلوب المتن ہے۔ اور ● سند میں تقدیم و تاخیر ہو تو مقلوب السند ہے۔

⑨ مدرج : جس کا راوی اپنی ذاتی رائے سے سند یا متن میں دخل اندازی کرے۔ ● اگر متن میں دخل اندازی ہو تو مدرج المتن ہے۔ اور ● اگر سند میں ہو تو مدرج الاسناد ہے۔

⑩ مصحف یا محرّف : جس کا راوی متن یا سند کے صحیح تلفظ اور حظ کو اپنے انداز میں بدل ڈالے۔

○ کتبِ احادیث کی اقسام کے بعد ہم نے احادیث کی تمام اقسام کا ذکر بھی آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے، جو محدثینِ عظام کی اصطلاح میں متداول ہیں۔ اور اصولِ حدیث کی کتب مثلاً :

① نخبۃ الفکر مع شرح و شرح الشرح
② تدریب الراوی
③ مقدمہ ابن صلاح
④ مقدمہ اصولِ حدیث از میر سید سند بر ترمذی
⑤ مقدمہ اشعۃ اللمعات از شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ اور :
⑥ ابوعبداللہ حاکم کی معرفۃ علوم الحدیث کے علاوہ دیگر ائمۂ حدیث میں سے بھی کسی نے اقسامِ حدیث کے ضمن میں حدیث قدسی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

○ اگر اقسام حدیث میں حدیثِ قدسی بھی کوئی قسم ہوتی یا ایسی کتابیں ہوتیں جن میں احادیثِ قدسیہ کو یکجا جمع کیا گیا ہوتا' تو ضرور کہیں نہ کہیں ان کا تذکرہ مل جاتا۔

○ اب اگر کوئی بٹ مارویونہی کسی جگہ لکھ دے کہ میرے نزدیک حدیث قدسی بھی احادیث کی قسموں میں سے ایک قسم ہے' تو یہ محض اس کی سینہ زوری' اور رجماً للغیب ہے۔ جیسا کہ صاحب "مفتاح النجاح" نے لکھ دیا ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

جواب دوسری بات یہ ہے کہ خود یہ حدیث اور اس کے علاوہ دوسری حدیثیں بھی جو اس بارے میں پیش کی جاتی ہیں' مُجوزین کے امام واعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے رسالہ "ابر المقال" کے صفحہ ۱۳ میں لکھا ہے کہ:

○ محط کلام محدثین کرام محققین اعلام کہ در تصحیح و تضعیف و جرح و توثیق راہ تساہل و تشدید نسپردہ اند آنست کہ دریں باب حدیثے از حضور پر نور سید عالم ﷺ بدرجۂ اتم صحت فائز نشدہ۔ الخ یعنی محقق اور غیر متعصب ماہرین حدیث کا کہنا ہے کہ اذان میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سُن کر انگوٹھے چومنے کے بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔ اس کے بعد احمد رضا خان بریلوی نے کتابوں کے حوالہ جات بھی پیش کیے۔

○ اب فرمایئے! جب احمد رضا خان بریلوی خود بھی یہی لکھ رہے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔ اور آپ ہماری اس کتاب کے باب اوّل میں قاعدہ ۱ کے تحت قانون پڑھ چکے ہیں کہ کوئی ایسی حدیث قابلِ قبول نہیں ہوتی جس کا اسناد صحیح نہ ہو۔ تو ثابت ہو گیا کہ ایسی بے سند حدیثوں کو نہ تو علمی رو سے قبول کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان پر عمل کرنا جائز ہے۔ پھر ایسی غیر صحیح حدیث کو حدیثِ قدسی کے نام سے تعبیر کرنا گناہ پر گناہ ہوا۔ اور اس کی قباحت میں کوئی شک نہیں۔

دلیل مجوزین ۲ :

○ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمانہ قیام جنت میں حضرت نبی کریم ﷺ کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ حضرت محمد ﷺ آپ کے صلب میں موجود ہیں اور ان کا ظہور آخری زمانہ میں ہوگا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کا اشتیاق زیادہ ہوا تو حق تعالیٰ جل جلالہ نے حضور اکرم ﷺ کی صورت مبارک حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کی صاف سطح میں ظاہری فرمادی۔ اور حضرت آدم علیہ السلام نے فرطِ محبت سے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔ پس یہ انگوٹھوں کو چوم کر محبت کے ساتھ آنکھوں سے لگانا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے لیے اپنے دادا کی سنت ہوئی۔ اس قصہ کا بیان جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرا نام اذان میں سنا اور انگوٹھوں کو چوم کر محبت سے آنکھوں پر پھیرا تو وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

جواب عام طور پر بریلوی مسلک کے علماء اس روایت کا ذکر عوام کے سامنے کرتے رہتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث کی وہ کتابیں، جنھیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی میں بھی یہ روایت موجود نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ روایت ان کتابوں میں ہو جن میں لوگوں کی گھڑی ہوئی اور بناوٹی یا موضوع روایات کا ذخیرہ اس لیے جمع کیا گیا ہے تا کہ علماء کو حدیث نبوی اور بناوٹی روایات میں امتیاز ہوجائے۔ اور احمد رضا خان بریلوی نے اس حقیقت کا اقرار بھی کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے۔ اور موضوع حدیث کے متعلق پہلے باب میں علماءِ اہلِ سنت کا قول بطورِ قانون آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

دلیلِ مُجوّزین ۳ :

○ تفسیر ابوطالب مکی میں بھی یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔

جواب اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوطالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک بلند پایہ صوفی اور نیک و صالح بزرگ تھے اور وہ خود عمداً اپنی طرف سے موضوع حدیث بیان نہیں کر سکتے تھے، البتہ بعد کے لوگوں نے اپنی طرف سے موضوع روایات کا ان کی کتابوں میں اندراج کر کے ان کی کتابوں کو معیوب کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۲۰۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ: ابوطالب مکی کی کتابیں موضوعات یعنی من گھڑت روایات سے پُر ہیں۔ اور چونکہ حضرت ابوطالب مکی محدث تو تھے نہیں اس لیے صحیح اور موضوع روایت میں تمیز بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ حدیث کی جرح و قدح اور تنقید کا فن صرف محدثین کے حصے میں آیا ہے اور:

قاعدہ ہے: لکل فن رجال۔ جیسا کہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رسائل خمسہ صفحہ ۲۷ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ نیز صوفیاءِ کرام اور نیک و صالح بزرگوں کو حدیث کے صحیح یا موضوع ہونے کے بارے میں مغالطہ ہوتا رہتا ہے اور انھیں صحیح اور غلط کی پہچان نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح مسلم شریف کے مقدمہ میں اس حقیقت کا برملا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام مسلمؒ نے تحریر فرمایا: عن محمد بن یحیی بن سعید القطان عن ابیہ قال لم نر الصالحین فی شئ اکذب منھم فی الحدیث قال ابن ابی عتاب فلقیت انا محمد بن یحیی بن سعید القطان فسألتہ عنہ فقال عن ابیہ لم تر اھل الخیر فی شئ اکذب منھم فی الحدیث قال مسلمؒ یقول یجری الکذب علی لسانھم و لا یتعمدون الکذب۔ یعنی حضرت یحیی بن سعید قطانؒ نے فرمایا کہ ہم نے حدیث کے بیان کرنے میں نیک اور صالح لوگوں سے زیادہ اکذب (خطا کرنے والا)

کوئی نہیں دیکھا۔ امام مسلمؒ خود فرماتے ہیں کہ ان کی زبان پر غیر ارادی طور پر کذب (خطا) صادر ہوتا ہے۔ دیکھیے مقدمہ مسلم صفحہ ۱۳ و ۱۴۔

○ اس کے حاشیہ پر علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں: لکونهم لا یعانون صناعة اهل الحدیث فیقع الخطأ فی روایاتهم و لا یعرفونه و یروون الکذب و لا یعلمون انه کذب (نووی بر مسلم صفحہ ۱۳ و ۱۴) یعنی اس کی وجہ ہے کہ ان نیک و صالح لوگوں کا مشغلہ علمِ حدیث تو ہوتا ہی نہیں، اس لیے ان لوگوں کی روایات میں خطا واقع ہو جاتی ہے، اور وہ پہچانتے نہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ اس حدیث میں کیا غلطی ہے۔

○ بہرحال حضرت یحییٰ بن سعید قطان، حضرت امام مسلم اور حضرت امام نووی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ان اقوال سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی جسارت بھی نہیں کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے حق میں ناحق زبان درازی کی جائے۔ اور نہ بغیر تحقیق کے آنکھیں بند کر کے ان کی ہر بات کو بہ سر و چشم مانتے چلا جانا چاہیے۔ کیونکہ یہ لوگ معصوم تو ہوتے نہیں اور فنِ حدیث میں بھی مہارت نہ رکھنے کی وجہ سے ان کی بیان کردہ حدیث کو قابلِ عمل نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ ہی اس روایت کو حدیث کہہ سکتے ہیں۔

دلیلِ مجوزین ۲:

○ ایک دوسری روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ مولائے کریم نے اپنے محبوب ﷺ کے نورِ مبارک کو انسان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں آئینے کی طرح چمکایا۔

جواب حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الموضوعات الکبریٰ" میں ایک **قاعدہ** بیان فرمایا ہے کہ: "جس حدیث کو عقلِ سلیم رد کرے تو سمجھو کہ وہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے"۔ اور یہ روایت عقل کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاکیزہ نور کا وجود اگر انسان کے کسی عضو میں رکھنا ہی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو اس عضو میں رکھا جاتا جو عضو انسان کے تمام اعضاء میں سے اشرف تھا۔ یعنی چہرہ یا آنکھ یا جبین۔

○ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ہاتھ ان اشرف اعضاء میں سے نہیں ہیں۔ خصوصاً بایاں ہاتھ تو ایسا ہے جس کو شرع میں ادنیٰ امور کے لیے معین کیا گیا ہے۔ مثلاً ناک جھاڑنا، استنجا کرنا وغیرہ۔ اگر نورِ نبوتؐ ناخنوں میں ہی ہوتا تو اس قسم کے ادنیٰ کام ہاتھ سے کرنے ہرگز جائز نہ ہوتے۔ کیونکہ اس میں نورِ نبوتؐ کی سخت توہین ہے جو صریح اور کھلا کفر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ روایت کسی بے علم کی گھڑی ہوئی ہے اور اس کو حدیث کہنا ہی گناہ ہے چہ جائے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

دلیلِ مجوزین ۵ :

○ تفسیر بحر العلوم نسفی میں ہے کہ تخلیقِ آدم علیہ السلام کے بعد نورِ محمدی ﷺ ان کی پشت میں امانت رکھا گیا تھا، جناب آدم علیہ السلام جب بھی آسمانوں پر تشریف لے جاتے اور عالمِ کروبیاں کے فرشتوں سے ملاقات فرماتے تو تمام فرشتے آپؑ کے جلو میں عزت و احترام کے ساتھ چلتے۔

○ ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس استقبال و متابعت کے سلسلے میں حضرت حق سے سوال کیا۔ خطاب باری ہوا کہ اے آدمؑ! یہ استقبال و احترام اس نورِ مبارک کے لیے ہے جو تمہاری پشت میں ودیعت ہے اور تمہارے سرور کا سبب ہے، یہ تمام فرشتے اس نور کی تعظیم کرتے ہیں۔

○ حضرت آدمؑ نے عرض کیا : الٰہی! کیا اچھا ہو کہ نورِ مبارک کو میرے جسم کے کسی ایسے حصے میں منتقل کر دیا جائے۔ جسکو میں بھی دیکھوں اور فرح و سرور حاصل کروں۔

○ <u>اللہ رب العالمین نے اس نور کو آپؑ کے انگوٹھے کے پاس دائیں انگلی میں منتقل فرما دیا۔</u> جب آدم علیہ السلام نے اس نور کی زیارت فرمائی تو انگلی اٹھا کر دو مرتبہ شہادت دی۔ اسی دن سے اس انگلی کو انگشتِ شہادت کہا جانے لگا۔ اور وقتِ شہادت (گواہی) حضرت آدم علیہ السلام کی یہ سنت جاری ہو گئی۔

○ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے <u>انگلی کو چوما اور آنکھوں سے لگایا</u>، اور بارگاہِ

نبی آخر الزمان ﷺ پر ہدیۂ درود و سلام پیش فرمایا۔

○ کہا جاتا ہے کہ اذان میں أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ سن کر انگشتِ شہادت چومنا اور آنکھوں سے لگانا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔ اور اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔

جواب یہ قصہ بھی بالکل بے اصل ہے۔ مجموعہ احادیثِ صحیحہ میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ اور اس واقعہ کو تقبیلِ ابہامین کی دلیل بھی نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ اس کا تعلق تو انگشتِ شہادت سے ہے۔ انگوٹھے سے نہیں۔

○ نیز یہ بے سروپا واقعہ تفسیر بحر العلوم نسفی کے حوالے سے ملا معین واعظ کاشفی نے اپنی کتاب "معارج النبوت" میں نقل کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ژٹلیات سے بھرپور ہے۔ اور اس کتاب میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

ملا معین کاشفی کی ژٹلیات

○ انگشتِ شہادت میں نورِ محمدی ﷺ کے مشاہدہ کے بعد آدم علیہ السلام نے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا: الٰہی! اس نور کا کوئی حصہ میری پشت میں باقی ہے؟ خطاب باری ہوا کہ: ابھی خلفائے نبی آخر الزماں کا نور باقی ہے۔

○ جنابِ آدمؑ نے عرض کیا کہ اس بقیہ نور کو بھی میری دوسری انگلیوں میں ظاہر فرمایا جائے۔ اس طرح:

① نورِ صدیقؓ درمیانی انگلی میں۔
② نورِ فاروقؓ اس کی برابر کی انگلی میں۔
③ اور چھنگلیا میں نورِ عثمانؓ کو دکھایا۔
④ اور حضرت علیؓ کے نور کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں ظاہر کیا گیا۔

○ یاد رہے کہ ملا معین نے خلفائے ثلثہ کے نور کا ذکر کرتے ہوئے دائیں یا بائیں ہاتھ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جبکہ حضرت علیؓ کے نور کا ذکر کرتے ہوئے خاص طور پر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگشت شہادت کے ناخن کی بجائے انگوٹھے کے ناخن ہی چومنے کا رواج ہے۔ ممکن ہے اس میں بھی اہل تشیع ہی کی کوئی کارستانی ہو۔

- بہر حال اس کے بعد ملا معین صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ان انگلیوں کی طرف نظر کر کے ان انوار کی زیارت کرتے اور ان انگلیوں سے نور کی شعاعیں ظاہر ہوتی تھیں۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آدم علیہ السلام نے شجر گندم سے کچھ نہ کھایا تھا۔
- جب آپ نے شجرِ گندم سے کچھ کھایا تو وہ نور حسب سابق پشت میں منتقل ہو گیا۔ (معارج النبوت جلد ۱ صفحہ ۴۳)
- اب بہ نظرِ انصاف دیکھیے کہ جب بقول ملا معین کاشفی کے وہ نور انگلیوں سے منتقل ہو کر دوبارہ اپنے اصل مستقر یعنی پشت میں چلا گیا تو اب انگلیوں کو چومنے کا جواز کیا رہا۔
- اور اگر کہا جائے کہ کچھ مدت یہ نور انگلیوں میں رہا ہے اس لیے انگلیوں کو چوما جاتا ہے تو یہ بات بھی لا یعنی ہے۔ کیونکہ ان بیہودہ گو لوگوں کے بقول نورِ محمدیؐ کا اصل ٹھکانہ تو پشت تھا۔ حضرت آدمؑ کی درخواست پر اس نور کو وقتی طور پر ان کی انگشت شہادت میں منتقل کر دیا گیا۔ اور شجر گندم سے کچھ کھا لینے کے بعد پھر یہ نور اپنے اصل مستقر پشت میں ہی چلا گیا۔ اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ نورِ محمدیؐ کے اصل مستقر یعنی پشت کو چوما جائے۔ بلکہ ہر اس مقام اور عضو کو چوما جائے جہاں جہاں سے اس نور کا گزر ہوا۔ جیسا کہ:
- ملا معین کاشفی نے نور محمدیؐ کے ایک صلب سے رحم میں منتقل ہونے اور پھر اس کی پیدائش و پرورش کے بعد دوسرے رحم میں، پھر تیسرے رحم میں، پھر چوتھے رحم میں علیٰ ہذا القیاس حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب تک اور پھر حضرت آمنہ تک نہایت گھٹیا اور شوقیانہ انداز میں پہنچایا ہے۔ جس کو نقل کرتے ہوئے بھی ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے۔ لیکن مسئلہ کی وضاحت کے لیے مجبوراً نمونے کے طور پر اس سے کچھ

اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں' تاکہ ان بدباطن گستاخانِ رسولؐ کے چہروں سے بہروپ ہٹنے کے بعد ان کا اصلی چہرہ پہچاننے میں آسانی ہوسکے۔ چنانچہ :

○ گستاخِ رسولؐ مُلّا معین کاشفی نے "معارج النبوت" جلد ا میں نورِ محمدیؐ کی پیدائش اور کائنات میں اس کی سرگردانی اور پھر اس نور سے دیگر مخلوق کی پیدائش کا حال نہایت بیہودہ' واہیات اور سُوقیانہ طریقے سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

نورِ محمدیؐ کی تخلیق اور تقسیم

○ نورِ محمدی ﷺ تمام موجودات سے نو لاکھ سال پہلے تخلیق کیا گیا تھا۔ وہ نور اس بساطِ عالم کے گرد مصروفِ طواف رہا۔ اس نور سے ایک جوھر کو پیدا فرمایا' وہ جوھر پانی پانی ہو گیا۔ پھر اس جوھر کو دس حصوں میں تقسیم کیا۔

① اس کی پہلی قسم سے عرش
② دوسرے حصہ سے قلم
③ تیسرے حصہ سے لوح (تختی)
④ چوتھے حصہ سے چاند' اور
⑤ پانچویں سے سورج
⑥ چھٹے سے بہشت
⑦ ساتویں سے دن
⑧ آٹھویں سے ملائکہ
⑨ نویں سے کرسی کو' اور
⑩ دسویں حصہ سے حضور (ﷺ) کے جسم کے نور کو پیدا فرمایا۔ اور اسکو عرشِ اعظم کے دائیں جانب جگہ عطا فرمائی۔

نورِ محمدیؐ مرغ کی شکل میں

○ وہ (نورِ محمدیؐ) ایک سُفید مرغ کی شکل میں چار ھزار سال تک تیرتا رہا۔ جب نورِ مبارک شکل بشری میں جلوہ گر ہوا تو اس وقت آپ ﷺ کے جسدِ مبارک پر چار ہزار ایک سو بیس بال تھے' ہر بال سے ایک قطرہ پانی ٹپکا اور اس سے ایک نبی کا نور پیدا کیا گیا۔ جس سے پیغمبروں کی ارواح پیدا کی گئیں۔

○ شاید مُلّا معین یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انبیاء کی کُل تعداد بھی صرف چار ہزار ایک سو بیس ہے۔ کیونکہ جب یہ نور سُفید مرغ کی شکل سے بشری شکل میں جلوہ گر ہوا تو اس کے جسم پر اتنے ہی بال بتلائے۔ اور پھر کہا کہ ہر بال سے ایک ایک قطرہ

پانی ٹپکا، اور ہر قطرہ سے ایک ایک نبی کا نور پیدا ہوا۔ اور اس طرح اپنی شاطر قلم سے ملا معین نے کم و بیش ایک لاکھ بیس ہزار پیغمبروں کو نورِ محمدی سے محروم قرار دیا۔ جبکہ سطورِ ذیل میں ملا معین کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اجنہ اور شیاطین کے علاوہ نجس مخلوق بھی اسی نور سے پیدا ہوئی۔

○ گستاخِ رسول ملا معین کاشفی نے مزید لکھا کہ: اس نور نے بحرِ معرفت سے باہر آنے کے بعد چار ہزار ایک سو بیس مرتبہ سانس لیے۔

① ہر سانس سے ایک نبی کی روح عالمِ وجود میں موجود ہوئی۔

② ارواحِ انبیاءؑ کے بعد صدیقین کی ارواح

③ اور صدیقین سے زاہدین کی،

④ زاہدوں سے مطیعین،

⑤ اور مطیعین سے نافرمانوں کی ارواح کو پیدا کیا۔

⑥ انبیاء کی ارواح سے اولیاء کی ارواح،

⑦ اور ان (اولیاء) کی ارواح سے عام مسلمانوں کی ارواح،

⑧ مومنین کی ارواح سے گناہگاروں کی،

⑨ اور گناہگاروں سے ارواحِ منافقین و کفار کی تخلیق ہوئی۔

⑩ اس طرح اصنافِ ارواحِ انسانی سے ارواحِ ملکی،

⑪ اور ارواحِ ملکی سے ارواحِ اجنہ،

⑫ اور ارواحِ اجنہ سے ارواحِ شیاطین کو،

⑬ اور ارواحِ شیاطین سے مردودِ بارگاہ ابلیس اور اس کی ذریت کی ارواح تخلیق کی گئیں۔

⑭ اس کے بعد ارواحِ انسانی کے مادہ سے حیوانات کی ارواح تخلیق کی گئیں۔

⑮ اس کے بعد ملکوتیوں کے چند گروہ اور تمام موجودات،

⑯ نباتات، زمینی دفینے،

(۱۷) مرکبات و مفردات کے عناصر کو پیدا فرمایا۔
(۱۸) اس طرح تمام مکنونات علوی و سفلی، ملکی و ملکوتی نور سید المرسلین ﷺ کا پرتو ہیں۔

گستاخ رسولؐ ملا معین کاشفی نے انہی گستاخیوں پر بس نہیں کی۔ بلکہ اپنی آتشِ انتقام کو بجھانے کے لیے اس نے اس سے بھی زیادہ گستاخیاں اپنی کتاب میں بیان کی ہیں۔ ہمارے ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کو ہرگز نقل نہ کیا جائے۔ ...ن کیا کریں ان گستاخانِ رسولؐ نے نعت اور تعریف کے نام سے اس قسم کے بے سروپا واقعات بیان کرکے کلمہ گو سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنا کر ان کی دولتِ ایمان چھین لینے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اس لیے مجبوراً سطورِ ذیل میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نورِ محمدیؐ کے پشت در پشت منتقل ہونے اور حضرت آمنہ کے بطن میں پہنچنے تک کی کیفیت ملخصاً معارج النبوت سے نقل کی جارہی ہے۔

آدمؑ تا آمنہ نورِ محمدیؐ کی منتقلی

○ تخلیقِ آدم علیہ السلام کے بعد نورِ محمدی ﷺ ان کی پشت پر امانت رکھا گیا تھا۔
○ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے تخلیقِ آدم اسی نورِ محمدیؐ سے ہوئی۔ جبکہ وہ نور بقول ملا معین ایک سفید مرغ کی شکل میں تھا۔ اور پھر جسدِ بشری میں آنے کے بعد اس کے بالوں میں سے جو قطرے گرے ان سے دیگر پیغمبروں کے ساتھ ساتھ حضرت آدم علیہ السلام بھی پیدا ہوئے۔ اور اس نور سے تمام مکنونات علوی و سفلی، ملکی و ملکوتی وجود میں آئے۔ لیکن یہی وہ نور ہے جسے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں امانت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ ہرچہ بادا باد۔ یہ نور کس طرح منتقل ہوتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی پشت تک اور پھر حضرت آمنہ تک پہنچا۔ اس کا تفصیلی ذکر تو ملا معین کاشفی کی کتاب "معارج النبوت" جلد ا میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ہم اس کا خلاصہ سطورِ ذیل میں بیان کرکے دراصل یہ جتلانا چاہتے ہیں کہ یہ شخص پرلے درجے کا پلید آدمی تھا۔ اور اس نے کس انداز میں اپنی اسلام

دشمنی کو ملمع کاری سے پیش کر کے مسلمانوں کا ایمان خراب کرنے کی سرتوڑ کوشش کی ہے۔ چنانچہ:

- ملا معین کاشفی لکھتا ہے کہ: جناب آدم صفی اللہ اور جناب حوا ایک دن ایک پُر فضا مقام پر بیٹھے تھے' وہاں صاف شفاف پانی کا ایک چشمہ رواں دواں نظر آیا۔ جناب جبرائیل امین بھی ملائکہ کی جماعت کے ساتھ آئے۔ ان ملائکہ کے ہاتھوں میں جنتی میوہ جات سے بھرے ہوئے طبق تھے۔ فرشتوں نے کہا ان کو کھائیے تاکہ نطفۂ محمدی علیہ التحیۃ والثناء جو آپؑ کے صلب میں ہے' کا نورِ برہان زیادہ ہو' اور اس جوئبارِ جنت میں غسل فرما کر جناب حوا سے صحبت فرمائیے۔ کیونکہ اب اس نورِ مقدس کے منتقل ہونے کا وقت آگیا ہے۔
- جبریل امینؑ اور دوسرے فرشتوں کے کہنے کے مطابق آدم و حوا علیہما السلام نے عمل کیا' پہلے جنتی میوے کھائے' جناب حوا سے ہمبستر ہوئے۔ جناب حوا سے صحبت کے نتیجے میں نورِ محمدیؐ جناب آدمؑ سے حضرت حوا کو منتقل ہو گیا۔ اور فرشتوں کی توجہ جناب آدمؑ سے حضرت حوا کی طرف منتقل ہو گئی۔ تمام اعزاز واکرام حضرت حوا کے حصے میں آگئے۔
- جب آدمؑ نے بارگاہِ احدیت میں اس رویہ کی شکایت کی تو جوابِ الٰہی ہوا: اے آدمؑ! یہ مقام شکایت نہیں۔ یہ سب نورِ محمدیؐ کے تابع ہیں۔ آج تک یہ نور تمہارے پاس تھا' تو سب تمہارے تابع فرمان تھے۔ اب یہ نور رحم حوا میں جلوہ گر ہے' تو ملکوت و جبروت کے عالم کے بادشاہ اور رعایا ان کے تابع فرمان ہیں۔
- اس نورِ سراپا کے منتقل ہونے سے حضرت شیثؑ کی ولادت تک ابلیس لعین کو سرگرداں پردوں کے پیچھے مقید کر دیا گیا۔
- جناب شیثؑ سن بلوغ کو پہنچے تو وہ فضل و کمال' حسن و جمال کا پیکر تھے اور نورِ محمدیؐ ان کی جبینِ مبارک میں درخشاں و تاباں تھا۔

حضرت شیثؑ کا عہد نامہ

- آدم علیہ السلام، روح القدس اور ستر ہزار ملائک مقربین نے ایک عہد نامہ حضرت شیث علیہ السلام سے لیا، اس عہد نامہ کا مضمون یہ ہے:
"اس نور کی حفاظت میں سعی بلیغ کریں گے اور اس نور کو اصلابِ طیبہ اور ارحام طاہرہ کو منتقل کیا جائے گا"۔
- جناب شیثؑ نورِ مصطفوی علیہ التحیۃ کی محافظت میں نہایت اہتمام کرتے تھے۔
- رب تعالیٰ نے حضرت شیثؑ کے لیے بے ماں باپ کے ایک حور کو پیدا فرمایا۔ اس حور کا نام مخوائلہ تھا۔
- بعض مورخین نے مخوائلہ کو اجنہ میں سے لکھا ہے۔
- ان سے شادی کے بعد شب باشی کے لیے یاقوت زرد کا قبہ بھی بنایا۔
- جب مخوائلہ حاملہ ہوئیں اور آثارِ حمل ظاہر ہوئے تو وہ اطراف و جوانب سے آنے والی آوازیں سنتی تھیں کہ: "تم نور محمدی ﷺ کی حامل ہو"۔ یہاں تک کہ انوش پیدا ہوئے۔ نورِ مصطفیٰ ان (انوش) کی پیشانی میں چمکتا تھا۔

انوش کا عہد

- جب انوش بالغ ہوئے تو جناب شیثؑ نے عہد لیا کہ: "یہ نور حلال طریقہ کے علاوہ منتقل نہ کیا جائے"۔
- جب انوش کی عمر نوے سال ہوئی تو اللہ نے انھیں ایک فرزند قینان عطا فرمایا۔
- جب قینان کی عمر ستر سال ہوئی تو ان کے گھر فرزند تولد ہوئے جن کا نام مہلائیل رکھا گیا۔
- جب مہلائیل کی عمر پینسٹھ سال ہوئی تو یارد متولد ہوئے۔
- جب ان کی عمر ایک سو باسٹھ سال ہوئی تو انھوں نے بردرہ نامی عورت سے شادی کی۔ ازدواج کے نتیجہ میں ایک فرزند حضرت ادریس علیہ السلام پیدا ہوئے۔
- آپؑ پینسٹھ سال کی عمر میں بروفا نامی ایک عورت کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔

اور اس ازدواج کے نتیجہ میں ایک فرزند متوشلخ پیدا ہوئے۔

- ادریس علیہ السلام سے نورِ محمد ﷺ متوشلخ کو منتقل ہوا۔
- جب متوشلخ کی عمر ایک سو پچاسی سال ہوئی تو انھوں نے عربانا نامی ایک عورت سے شادی کی اور ان سے لامک پیدا ہوئے۔
- جب لامک کی عمر ایک سو بیاسی سال ہوئی تو انھوں نے قنبوش نامی عورت سے عقد کیا۔ ان کے بطن سے جناب نوح علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ آپؑ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں میں سے سام کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔
- جب ہود علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے تو چہار دانگ عالم میں آواز گونجی کہ ان کی پیشانی میں نورِ محمدی ﷺ جلوہ گر ہے۔
- انھوں نے ایک عورت لیثا سے شادی کی' اس سے شالخ پیدا ہوئے۔ نورِ نبوتؐ جناب ہودؑ سے ان (شالخ) کی پیشانی میں منتقل ہوا۔
- ان (شالخ) سے قانع کے پاس آیا' جن کا عبرانی نام قاسم تھا۔ ان کی والدہ کا شجرۂ نسب یہ ہے : غزوہ بنت صفونی بن عویلم بن سام بن نوحؑ۔
- نورِ محمدی ﷺ قانع سے اشروع کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ کا نام عمروہ ہے۔ جو کوثل کی بیٹی تھیں۔
- اشروع سے نورِ پاک ناخور کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ کا نام تملکہ ہے۔ جو مراحیل کی بیٹی ہیں۔
- ناخور نے ایک عورت سے شادی کی جس کا نام سکتسین تھا۔ جن کے بیٹے کا نام آزر ہے۔ سید عالم ﷺ کا نورِ پاک ناخور سے آزر کو منتقل ہوا۔ آزر کی شادی ادنی بنت نمرود سے ہوئی۔ جن سے حضرت ابراہیمؑ متولد ہوئے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کی ولادت نمرود بن کنعان بن سحاریب بن انوش بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی۔
- نمرود نے خوفناک و ہولناک خواب دیکھا۔ نجومیوں نے کہا کہ تمھاری حکومت

زوال پذیر ہونے والی ہے۔ اور یہ ایک ایسے فرزند کی وجہ سے ہوگا جو عزت وعظمت میں منفرد ہوگا۔ وہ فرزند اس سال پیدا ہوں گے۔ ان کی وجہ سے تمہاری سلطنت کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ اور حکومت تیرے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

○ نمرود نے کہا کہ ہم ایک پولیس فورس بنائیں جو اس امر کی نگرانی کرے کہ کوئی مرد عورت کے پاس نہ جاسکے۔ اٹھارہ ہزار سپاہیوں کے دستے متعین کر دیے گئے کہ کوئی مرد کسی عورت سے مخالطت نہ کر سکے۔ چونکہ آزر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے اور نمرود کے دربار کی ایک اہم شخصیت تھے' اس لیے ان پر کسی نگران کو متعین نہ کیا گیا۔ اسی طرح نگران عورتوں کی ایک جماعت حاملہ عورتوں پر متعین کر دی گئی۔ اس سال اس بدبخت کی وجہ سے ایک لاکھ بچے اس کے ظلم کا شکار ہوئے۔

○ منجم اور کاہن نمرود کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا کہ اس مولود کے استقرار حمل کا وقت قریب آگیا ہے۔ اور وہ آج رات رحم مادر میں منتقل ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ آئندہ شب کوئی مرد شہر میں نہ رہے' تمام عورتیں شہر میں رہیں۔ دروازوں پر ذمہ دار عہدیداروں کو حفاظت کے لیے متعین کر دیا گیا۔ ایک دروازہ پر آزر کی ڈیوٹی لگی۔ نمرود بھی اپنے رفقاء کے ساتھ بستر سے باہر چلا گیا۔

○ ادھر عورتیں شہر میں آزادی کے ساتھ گھومتی پھر رہی تھیں۔ جب شام ہوئی اور تاریکی شب کا شامیانہ عروسِ عالم پر نصب ہو گیا۔ اتفاقاً حضرت ابراہیمؑ کی والدہ ماجدہ گھومتی ہوئی اس دروازہ تک آ گئیں جہاں ان کے شوہر اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے تھے۔ جیسے ان کی نظر اپنی حسین و جمیل بیوی پر پڑی' محبت کی آگ دل میں بھڑک اٹھی' اور شہوت کا شعلہ فزوں تر ہو گیا' موقع میسر آ گیا اور بیوی سے اختلاط ہوا' فطری تقاضا پورا کیا۔ نطفۂ ابراہیمؑ صلب آزر سے رحم مادر میں منتقل ہوا۔

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارا سے نکاح کیا۔ سارا لاولد تھیں۔ سارا نے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں ہاجرہ کو پیش کر دیا۔

- جناب ہاجرہ نو عمر اور حسین و جمیل تھیں۔ جب وہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی مصاحبت سے مشرف ہوئیں، اسی شب نطفہ صلب پدر (ابراہیمؑ) سے رحم ہاجرہ میں منتقل ہو گیا۔ اور نورِ محمدی ﷺ رحم ہاجرہ میں جلوہ افروز ہو گیا۔ اور مدت حمل پورا ہونے پر حسب تمنا فرزند تولد ہوا۔ ان کا نام اسموئیل رکھا۔ جو بعد میں کثرتِ استعمال سے اسماعیل ہو گیا۔
- نورِ محمدی ﷺ کی امانت کی وجہ سے جنابِ اسماعیلؑ کی ذاتِ مقدس ایسی مرجع خلائق ہوئی کہ جو کوئی انہیں دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا۔
- اور یہ نور صلب اسماعیل علیہ السلام سے رحم ہالہ میں منتقل ہوا۔ پھر وہ نور ان سے منتقل ہو کر صلب قیذار میں آیا۔ پیدائش کے وقت وہ نور ان کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔
- قیذار کو اللہ تعالیٰ نے سات صفات عطا کی تھیں جو اس دور میں کسی دوسرے شخص کو نہ ملی تھیں۔

① آپ مایۂ ناز شکاری تھے۔ ہرن کو بھاگ کر پکڑ لیتے تھے۔
② قادر تیر انداز تھے۔ ان کا تیر کبھی نشانہ سے خطا نہ ہوتا تھا۔
③ بہترین شہ سوار تھے۔
④ آپ کی پکڑ نہایت سخت تھی۔
⑤ چہرہ نہایت پُر ہیبت تھا۔
⑥ بڑے بہادر تھے۔
⑦ قوتِ مردی کا یہ عالم تھا کہ شب و روز میں اسی مرتبہ مجامعت کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔

- قیذار کے والد بزرگوار حضرت اسماعیلؑ نے بیٹے سے یہ عہد لیا تھا کہ یہ نور صرف ارحام طیبہ و طیبات کو تفویض کیا جائے۔ لہٰذا قیذار نے یہ خیال کیا کہ اولاد اسحاق علیہ السلام اس وقت تمام نسلوں میں بزرگ تر تھے۔ لہٰذا اولاد اسحاقؑ سے ایک سال میں سو شادیاں کیں۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی حمل نہ رہا۔

- حضرت قیذار اپنے والد کی طرح شکار کے دلدادہ تھے۔ جب وہ جنگل میں جاتے تو جنوں کی عورتیں انسانی شکل میں ان کے پاس آتیں اور شاہانہ تحفہ پیش کرکے کہتیں کہ ہم انسان بادشاہوں کی نسل سے ہیں۔ ہمیں اپنی زوجیت میں لے لیں۔
- جب آپ ان سے گفتگو کرنی چاہتے تو ہر جن مصروف تکلم ہوجاتا اور کہتا: اے قیذار! تم نورِ نبی آخرالزماںؐ کے حامل ہو۔ لہٰذا ان کو حلال ذریعہ کے علاوہ منتقل نہ ہونے دینا۔ اس لیے آپ محتاط ہوجاتے اور ان سے اعراض فرماتے۔ وہ عورتیں رونے لگتیں اور زبانِ حال سے کہتیں خوشا وہ عورت جس کے رحم میں نورِ محمدی ﷺ قرار پکڑے۔
- ان کی عمر دو سو سال ہوچکی تھی، لیکن اس وقت تک اولادِ نرینہ سے محروم تھے۔ خواب میں دیکھا کہ ایک ندا کرنے والے نے کہا کہ یہ نور جو تمھاری پیشانی میں چمک رہا ہے وہ نورِ محمدؐ ہے، جن کی وجہ سے سارا عالم پیدا کیا گیا۔ اور اس نور کی حامل کوئی غیر عربی عورت نہ ہوگی۔ اور عرب کی ایک عورت جس کا نام غاضرہ ہے۔ اس سے نکاح کرو، تاکہ یہ امانت اس کو بھی مل جائے۔
- قیذار نیند سے بیدار ہو کر خوش خوش روانہ ہوئے۔ راستے کی تمام چیزیں اس نور کی وجہ سے انھیں سجدہ کررہی تھیں اور زبانِ حال سے گویا تھیں کہ وہ وقت آگیا ہے یہ نورِ مبارک تمھاری صلب سے منتقل ہوجائے۔
- قیذار نے گھر آکر اطراف و اکناف میں آدمی روانہ کیے، تاکہ غاضرہ نامی عورت کو تلاش کرکے لائیں۔
- الغرض تفتیش سے معلوم ہوا کہ غاضرہ نامی عورت بنی جراہم کے بادشاہ (جو قحطان کی نسل سے ہے) کی بیٹی ہیں۔ لہٰذا آپ نے اس (کو شادی) کا پیغام دیا، اور اس سے شادی کرلی۔ زفاف کے نتیجہ میں وہ نورِ مبارک ان کے صلب سے رحم غاضرہ میں منتقل ہوگیا۔
- قیذار تابوت سکینہ لے کر حضرت یعقوبؑ کے پاس روانہ ہوئے۔ اور اپنی بیوی

غاضرہ کو نصیحت کی کہ آپ حاملہ ہیں۔ قدرت آپ کو لڑکا عنایت فرمائے گی اس نومولود کا نام حمل رکھنا۔

- یعقوب علیہ السلام نے ان سے معلوم کیا کیا بات ہے تمھارے چہرہ پر رنج وغم کے آثار نظر آرہے ہیں۔ کہنے لگے رنج یہ ہے نورِ محمدی جو میرے پاس تھا اب میرے پاس نہیں ہے' اور وہ نور میری پیشانی سے میری بیوی کے رحم میں منتقل ہوگیا ہے۔
- قصہ مختصر یہ کہ قیذار نے تابوت حضرت یعقوبؑ کے سپرد کیا اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب گھر آئے تو دیکھا کہ بیوی ولادت سے فارغ ہوچکی ہیں۔ اور حمل کے عروج کا آفتاب درجہ کمال کو پہنچا ہے۔ اور نورِ محمدیؐ ان کی پیشانی میں درخشاں و تاباں ہے۔
- حمل نے سعیدہ نامی ایک عورت سے شادی کی اور اس کے نتیجہ میں ایک لڑکا ہوا۔ جس کا نام بنت رکھا گیا۔ جو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہوئے۔
- نورِ محمدیؐ ان (بنت بن حمل بن قیذار بن اسمٰعیل بن ابراہیمؑ) کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔
- ان سے یہ نور تمیع کو منتقل ہوا۔
- ان کی اولاد سے جو اولاد ہوئی انھوں نے حبیبہ بن قحطان سے شادی کی۔ اور یہ نور اُدازان کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ کا نام سلمٰی بنت حارث تھا۔
- ان سے نورِ نبوت عدنان کو تفویض ہوا۔ ان کی والدہ کا نام بلیات بنت یعزن بن قحطان تھا۔
- عدنان سے یہ نور معد کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ امیہ بھی بنو عدنان سے تھیں۔
- معد سے نورِ نبوت نذار کو ملا۔ ان کی والدہ کا نام معاذہ ہے۔ جو جوش بن عدی کی بیٹی ہیں۔
- نذار سے نورِ نبوت مضر کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ کا نام عنکلات بنت عدی بن عدنان تھا۔

- مضر سے یہ نورِ کامل الیاس کے حصہ میں آیا۔ الیاس کی والدہ کا نام عزیزہ تھا۔
- الیاس سے نورِ محمدیؐ مدرکہ کے حصے میں آیا۔ ان کی والدہ کا نام جندعہ بنت عامر تھا۔
- مدرکہ نے نورِ محمدیؐ خزیمہ کے سپرد کیا۔ ان کی والدہ سلمیٰ بنت اسد تھیں۔
- مدرکہ کو خواب میں بشارت ملی کہ برہ بنت اذ بن طابخہ سے نکاح کر دیا۔ اس شادی کے نتیجہ میں کنانہ پیدا ہوئے۔ اور یہ نور ان کے حصہ میں آ گیا۔
- نورِ محمدیؐ ان حضرات سے منتقل ہوتا ہوا کنانہ سے نضر کے پاس آیا۔ اور جمہور مؤرخین کے مطابق انہی کا لقب قریش تھا۔
- نبی آخر الزماںؐ کا نور جو اس وقت نضر کی صلب میں تھا' جن کی والدہ کا نام برہ تھا' ان کے بعد یہ نور مالک کے حصہ میں آیا۔ ان کی والدہ جندلہ بنت حارث ہیں۔
- مالکؓ سے یہ نور فہر کو منتقل ہوا۔ ان کا دوسرا نام عامر تھا۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ تھا۔
- فہر سے یہ مبارک نور لوئی کے پاس امانت رکھا گیا۔ ان کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت عمرو تھا۔
- لوئی سے یہ مبارک امانت کعب کے پاس آئی۔ ان کی والدہ کا نام وحشیہ بنت شیبان ہے۔ (کعب سے یہ نور مبارک مرہ کے پاس آیا)
- مرہ نے اس ذمہ داری کو کلاب کے سپرد کیا' جن کی والدہ کو جندہ بنت شرق کہا جاتا ہے۔
- کلاب نے اس نورِ مبارک کو قصیّ کی تحویل میں دیا۔ ان کی والدہ کا نام رند ہے۔
- قصی سے نورِ مبارک عبد مناف کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ حیا بنت خلیل ہیں۔
- عبد مناف نے عاتکہ کی بیٹی سے شادی کی' جن سے ہاشم اور عبدالشمس پیدا ہوئے۔
- یہ دونوں بچے جڑواں تھے۔ اور ایک خاص بات یہ تھی کہ ان دونوں کی پیشانی بھی

آپس میں جڑی ہوئی تھی۔ کوشش کے باوجود یہ پیشانیاں علیحدہ نہ ہو سکیں۔ بالآخر انھیں تلوار سے علیحدہ کیا گیا۔ عرب کے ایک تجربہ کار نے کہا کہ مناسب یہ تھا کہ کسی دوسری چیز سے ان کو علیحدہ کیا جاتا۔ اب مستقبل میں ان کے درمیان تلوار چلتی رہے گی۔ اور جیسا کہ اس نے کہا تھا' ویسا ہی ہوا۔

- عبدِ مناف کے دو بیٹے اور بھی تھے۔ نوفل و مطلب۔
- ہاشم حضور علیہ السلام کے والد حضرت عبداللہ کے جدِامجد تھے۔ اسی طرح عبدالشمس بنی امیہ کے جدِ اعلیٰ' نوفل جدِ جبیر بن مطعم کے مورثِ اعلیٰ' اور مطلب مشہورِ زمانہ امام شافعیؒ کے اجداد میں سے تھے۔
- ہاشم کا دوسرا نام عبدالعلیٰ تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق ان کا نام عمرو تھا۔ انھوں نے کئی شادیاں کیں' لیکن نورِ نبویؐ منتقل نہ ہوا۔
- یہاں اس امر کا اظہار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب تک نورِ نبویؐ ان کی پیشانی پر چمکتا رہا یہ کسی بت کو سجدہ نہ کر سکے۔ جب تک یہ نور ان کے پاس رہا تمام اہلِ کتاب ان کی دست بوسی کرتے اور جس طرف ان کا گزر ہوتا تمام چیزیں ان کو سجدہ کرتیں۔ عرب کے قبائل یہ تمنا کرتے کہ ان کی لڑکی ان کے حرم میں داخل ہو جائے۔
- نور کے اثرات جو ان کے چہرے سے ظاہر ہوئے تھے اور ان کی تعریف و توصیف کتبِ سماوی میں دیکھ کر قیصرِ روم نے اپنی بیٹی کو ان کے نکاح میں دینے کی خواہش کی۔ لیکن آپ نے اس کو قبول نہ کیا۔ آپ نے عہد کیا کہ دور کی تقدس مآب خاتون سے نکاح کریں گے۔ مکہ سے یثرب کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور یہاں آ کر عمرو بن زید بن عار بن نجار کی بیٹی سلمیٰ کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔
- سلمیٰ کو عبدالمطلب کا حمل رہا۔ عبدالمطلب کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جب کبھی اہلِ عرب پر کوئی افتاد پڑتی عبدالمطلب کے وسیلے سے دعائیں مانگتے۔ قربانی کر کے خون کو بتوں پر ڈالتے۔ نورِ محمدی علیہ التحیۃ والثنار کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ ان مصائب و آلام کو دور فرما دیتا۔

○ آپ نے متعدد شادیاں کیں۔ جن کے نتیجے میں متعدد اولادیں ہوئیں۔ حضرت عبدالمطلب نے فاطمہ بنت عمرو بن عار مخزومی سے شادی کی۔ اس کے نتیجہ میں نورِ مصطفوی علیہ التحیۃ والثناء صلب عبدالمطلب سے رحمِ فاطمہ میں منتقل ہوا۔

○ اور وہ (فاطمہ بنت عمرو بن عار مخزومی) جناب عبداللہ کے حمل سے مشرف ہوئیں۔ جس رات جناب عبداللہ کی ولادت ہوئی' ملک شام کے مہندس و عالمانِ اہلِ کتاب نے ایک دوسرے کو متنبہ کیا کہ پیغمبرِ آخرالزمان ﷺ کے والد بزرگوار ام القریٰ مکہ میں تولد ہو چکے ہیں۔

○ جناب عبداللہ نے اپنے والد عبدالمطلب سے کہا کہ میری پشت میں نور چمکتا ہوا ظاہر ہوتا ہے۔ جب میں زمین پر بیٹھتا ہوں تو زمین سے آواز آتی ہے:

(۱) اے وہ شخص جس کی پشت میں نورِ محمدیؐ امانت ہے آپ پر سلامتی ہو۔

(۲) خشک درخت کے نیچے بیٹھا تو سرسبز و شاداب ہو گیا اور مجھ پر سلام کرتا ہے۔

○ عبدالمطلب نے کہا تمہاری صلب سے رحمِ مادر میں ایسا نطفہ منتقل ہوگا جو تمام مخلوقِ الٰہی کی بزرگ ترین شخصیت ہوگا۔

○ جب جناب عبداللہ سن بلوغ کو پہنچے تو صورت و سیرت میں منفرد تھے۔ لوگ یہ تمنا کرتے کہ کاش یہ ہمارے داماد ہوتے۔

(۱) نورِ محمد علیہ التحیۃ والثناء ان کے بشرے سے ظاہر و باہر تھا۔

(۲) اور اس نور کی شعاعیں دیکھ کر ہر ایک کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔

(۳) شادی شدہ اور غیر شادی شدہ عورتیں ان پر والہ و شیدا تھیں۔

(۴) فرطِ جذبات سے بے قابو ہو کر وہ سرِ راہ بیٹھ کر انھیں اپنی طرف راغب کرتیں۔

(۵) کچھ (اجنہ کی) عورتیں انسانی لباس میں آتیں۔ لیکن جناب عبداللہ ان پری وشوں کی طرف نظرِ التفات نہ فرماتے۔

○ وہب نے اپنی بیوی کو عبدالمطلب کی خدمت میں روانہ کیا کہ میری بیٹی کو عبداللہ کی زوجیت کیلئے قبول کرلیں۔ عبدالمطلب نے اس تجویز کو قبول کرلیا۔

- جناب عبدالمطّلب اپنے بیٹے عبداللہ کو ساتھ لے کر شعب ابی طالب آگئے تاکہ اس فریضہ سے عہدہ برآ ہو جائیں۔
- راستہ میں ام قتال جو مشہور اہلِ کتاب عالم ورقہ بن نوفل کی بہن تھیں، اس کو یہ علم تھا کہ جناب عبداللہ حاملِ نورِ نبوتؐ ہیں، خود کو عبداللہ کی غلامی میں پیش کیا۔
- جناب عبداللہ نے فرمایا کہ اب تو میں اپنے والد کے ساتھ کام سے جارہا ہوں، واپسی میں اس عقدہ کا مناسب حل پیش کر کے اس معاملہ کو طے کریں گے۔ اس کے بعد وہ شعب ابی طالب آگئے۔
- اسی دن شعب ابی طالب میں جناب آمنہ (بنت وہب) حضرت عبداللہ کے نکاح میں آئیں۔ اور رات میں وہیں قیام کے دوران شب زفاف میں نورِ محمدیؐ صلبِ عبداللہ سے رحمِ آمنہ میں منتقل ہو گیا۔
- نورِ محمدیؐ کے منتقل ہونے کے بعد حضرت عبداللہ کو امِ قتال اور اس کی پیش کش کا خیال آیا۔ لہٰذا وہ امِ قتال کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب امِ قتال کے گھر آئے اور امِ قتال نے حضرت عبداللہ کے چہرے کو دیکھا کہ وہ نور جو ان کی پیشانی میں تھا، اب نظر نہیں آرہا تو دریافت کیا کہ وہ نور جو تمہاری پیشانی میں درخشاں تھا کہاں گیا؟ تو عبداللہ نے کہا کہ رحمِ آمنہ میں منتقل ہو گیا۔ اس نے کہا میرا اب آپ سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو صرف نورِ محمدیؐ کی طالب تھی، وہ آمنہ کو منتقل ہو گیا۔
- اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ فاطمہ شامیہ کا ہے۔ اس نے نورِ محمدی ﷺ کے ظہور کا وقت عقل و نقل حسابات کے ذریعے معلوم کر لیا تھا کہ عبدالمطّلب کی اولاد میں سے ایک شخص کی صلب سے نطفۂ پاک جسدِ خاکی میں منتقل ہوگا۔
- شہزادی فاطمہ مال و دولت لاؤ لشکر لے کر شام سے مکہ آئی۔ اور جناب عبداللہ سے درخواست کی کہ مجھے اپنے حبالۂ عقد میں لائیں۔ جناب عبداللہ نے فرمایا کہ آپ مجھے مہلت دیں کہ میں غور و خوض اور مشورہ کے بعد حتمی جواب دے سکوں۔

○ جناب عبداللہ اپنے گھر آئے اور اسی شب جناب آمنہ کے ساتھ ہمبستری کی جس کے نتیجہ میں نورِ محمد ﷺ رحم آمنہ میں منتقل ہوا۔

○ دوسری صبح جناب عبداللہ اپنے والد ماجد سے اجازت لے کر فرحاں و شاداں فاطمہ شامیہ کے پاس آئے۔ اور والد ماجد کی اجازت سے اس کو مطلع کیا۔ لیکن جب دورانِ گفتگو فاطمہ نے چہرۂ عبداللہ کو دیکھا تو اس میں وہ نور نہ پایا۔

○ فاطمہ نے عبداللہ سے کہا: اے عبداللہ! میں نے دور دراز کا سفر صرف اس لیے کیا تھا کہ تمہاری پیشانی میں چمکنے والا نور میرے رحم میں منتقل ہو جائے۔

حضرت آمنہ کی شبِ زفاف میں پیش آنے والے واقعات

① دو سو عورتیں رشک و حسد سے مر گئیں۔

② اور بہت سی عورتیں امراضِ قلب میں مبتلا ہوئیں۔

③ اس انتقالِ نطفہ کی رات ملائکہ نے جشن منایا۔

④ جبریل امین نے فرشِ زمین پر آ کر بامِ کعبہ پر ہلالی پرچم لہرایا۔ اور خطۂ ارض کو بشارت دی کہ آج رات نورِ محمدی ﷺ صلبِ پدر سے رحمِ مادر میں منتقل ہو گیا ہے۔

⑤ جس رات نورِ محمدی ﷺ حضرت آمنہ کے سپرد ہوا اس کی تمام کاہنوں کو اطلاع ہوئی اور وہ ایک دوسرے سے مشورے کرنے لگے۔

⑥ مشرق و مغرب کے چرند و پرند اور بحری جانوروں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔

⑦ قریش کے پالتو جانوروں نے آپس میں کہا کہ جناب آمنہ نورِ مصطفےٰ ﷺ سے مشرف ہو گئی ہیں۔

⑧ جب جناب آمنہ حمل سے سرفراز ہوئیں تو بارانِ رحمت کا نزول ہوا۔ قحط سالی دور ہوئی، گھروں کو سیراب کرنے والی نہریں رواں دواں ہوئیں۔ درخت سرسبز و شاداب ہو گئے اور مصیبت زدوں کی پریشانی دور ہوئی

اور ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔ چنانچہ اس سال کو سنۃ الفتح خوشی و مسرت کا سال کہا گیا ہے۔ اور یہ سب نورِ محمدی ﷺ کی برکت تھی۔
(یہ جھوٹی داستان "معارج النبوت" جلدا سے بطورِ اقتباس اخذ کی گئی)

○ محترم قارئین! مندرجہ بالا مضمون جو ہم نے بادلِ ناخواستہ محض حقیقتِ حال کو واضح کرنے کے لیے ملا معین کاشفی کی کتاب معارج النبوت کی پہلی جلد سے بطورِ اقتباس نقل کردیا ہے، اگر آپ نے اسے پڑھ لیا ہے تو پھر اس پر سر دھننے کی بجائے دل ودماغ سے کام لیتے ہوئے بحیثیت ایک مسلمان کے غور فرمائیں کہ کیا یہ واقعۃً افضل المخلوقات، سید الکائنات، امام الانبیاء، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، ہدی للعلمین رسولِ اعظم ومعظم، نبی مکرم، سیدنا ومولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پاک ومعصوم اور مقدس واقدس روحِ مبارک علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ وثنا کی مدح سرائی ہے یا "ادبی گالیاں" ہیں۔

○ یاد رہے کہ اہل المعانی والبیان کی اصطلاح میں اسے الذم بما یشبہ المدح کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی کی مذمت اور برائی ایسے انداز سے کرنا کہ بادی النظر میں خوبی، مدح اور تعریف معلوم ہو۔ اور ملا معین کاشفی کا یہ اندازِ تحریر وبیان حضرت رسول اللہ ﷺ کی نعت وتعریف نہیں ہے، بلکہ مدح کے رنگ میں مذمت ہے۔ اور اس قسم کا اندازِ بیان مسلمان کی شان کے خلاف ہے، جیسا کہ ملا معین نے اختیار کیا ہے۔

○ اور پھر اس کی تقلید میں علم ودانش سے بے بہرہ اور جاہل لوگ ان واقعات کو "محافلِ میلاد شریف" میں مزے لے لے کر پڑھتے ہیں۔ اور یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ ان محافل میں عورتیں ہی پیش پیش ہوتی ہیں۔ تو جو بات ایک سیدھا سادھا مسلمان تو کیا کسی بھی مذہب کا پیروکار جو طبعی طور پر شریف النفس ہو، کسی ادنیٰ شخص کے بارے میں بھی نہیں کہہ سکتا، وہ بات افضل المخلوقات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے متعلق نہایت بے شرمی و

بے حیائی سے سرعام بیان کی جاتی ہے اور مائی بہنوں، بہو بیٹیوں اور معصوم بچیوں کی بھی شرم نہیں کی جاتی۔ اور عقل کے اندھے سامعین بھی ان مغلظات پر بجائے اس کے کہ بے حیائی کی ان باتوں پر ملاں جی کی گرفت کریں، الٹا "سبحان اللہ سبحان اللہ" کہتے ہیں اور "یارسول اللہ" کے نعرے بلند کرتے ہیں اور محفل میں موجود مرد وزن اس پر سر دھنتے ہیں۔

- انداز خطابت میں خوش الحانی اور سریلی آواز کے ساتھ مذمت رسولؐ کی ان محافل میں کچھ عجیب وغریب سماں دیکھنے میں آتا ہے۔ سب لوگ حواس باختہ ہوکر بیٹھے ہوتے ہیں گویا ہوش اڑے ہوئے ہیں، سامعین کی طرف سے واہ واہ کے مستانہ نعروں کی پھوار برستی ہے، مستی میں کیا سے کیا کہے جاتے ہیں، جانوے خوری سے بدمست ہورہے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ معاملہ کس ذات اقدس کا ہے۔ کچھ کہنا ہو تو ہوش سے کہو۔ تعریف کرنی ہو تو اس انداز سے کریں جو شریعت و شرافت کے دائرہ کے اندر اندر اور حقیقت کے مطابق ہو۔

- خالق کائنات سے بڑھ کر حضرت نبی کریم ﷺ کی تعریف کوئی نہیں کرسکتا۔ اس لیے وہی تعریف کرنی چاہیے جو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے۔ اور مبالغہ سے کام نہیں لینا چاہیے۔

- اسی لیے حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لاتطروني كما اطرت النصارٰی عیسی ابن مریم۔ یعنی حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تعریف میں نصاریٰ نے مبالغات سے کام لیتے ہوئے کہاں سے کہاں تک ان کو پہنچا دیا۔ اے میری امت! تم ان نصاریٰ کی طرح میری تعریف میں ایسی مبالغہ آمیز باتیں نہ کرنا۔

- اس کے بعد مزید وضاحت کے لیے ارشاد فرمایا: وانما انا عبداللہ ورسولہ۔ کہ اتنا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

- یہی وجہ ہے کہ ہر نماز کی دو رکعتوں کے بعد اور آخری رکعت کے بعد تشہد پڑھنے کو

فرض عملی (واجب) قرار دیا گیا ہے۔ اور اس میں اشهد ان محمداً عبده و رسوله بھی سب پڑھتے ہیں۔ اور جو نہ پڑھے اس کی نماز ادھوری ہوتی ہے۔

○ اسی طرح دوسرے کلمہ میں بھی اسی کا اقرار کیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ میں دل کی گہرائی سے گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور یہ الفاظ نعت رسول کے لیے بہت ہی اعلیٰ وارفع مقام رکھتے ہیں۔ عبودیت و رسالت سے اونچی صفت و نعت رسول اور کوئی نہیں ہے۔

○ اور وہ کیسا مسلمان ہے جو ان کلموں میں حضرت نبی کریم ﷺ کی تعریف نہیں سمجھتا اور اس کا دل اتنے پر مطمئن نہیں ہوتا اور آپ ﷺ کے حق میں اپنے پاس سے ایسی باتیں کرتا ہے اور ایسے ایسے اوصاف بیان کرتا ہے جو آپ ﷺ میں پائے ہی نہیں جاتے' یا یوں کہیے کہ وہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں۔ مثلاً:

○ عالم الغیب ہونا' مختار کل ہونا' حاجت روا و مشکل کشا ہونا' حی و قیوم ہونا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نورٌ من نور اللہ ہیں' آپ رزق تقسیم فرماتے ہیں' آپ کو اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کسی چیز کو حرام یا حرام کردہ چیز کو حلال قرار دیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ سب اوصاف حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے میں بیان کرنا نصوص قطعیہ قرآنیہ کے خلاف ہیں اور نرا جھوٹ ہیں۔

○ پھر اس جھوٹ کو سچ سمجھنا اور اس کو عوام کے سامنے بیان کرنا اور اسے کار ثواب سمجھنا کئی کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہے' جن میں سے شرک سر فہرست ہے۔

○ اہل عرب کا محاورہ ہے: من مدحك بما ليس فيك و هو راض عنك كمن ذمك بما ليس فيك وهو ساخط عليك. یعنی جو شخص تجھ سے خوش ہو کر تیری تعریف میں ایسی ایسی باتیں کرتا ہے جو تجھ میں نہ ہوں تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی ناراض ہو کر تیری ایسی برائی کرے جو تجھ میں نہ ہو۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ایسی "تعریف" دراصل تعریف نہیں بلکہ مذمت ہے۔ جبکہ کسی پیغمبر کی مذمت بیان کرنے سے انسان مسلمان نہیں رہتا۔ اعاذنا الله من هفوات الناس.

دلیل مجوزین ۲ :

○ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے رہے تھے اور انہوں نے جب کلمہ : أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ پکارا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا : اے عُمَر! تو نے یہ کیا کیا؟ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اذان میں سنا اور محبت کے غلبہ کی وجہ سے اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوما اور ان کو اپنی آنکھوں سے لگایا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص حضرت عمرؓ کی طرح کرے گا تحقیق میں اس کو قیامت کے دن صفوں میں سے تلاش کر کے جنت میں لے جاؤں گا۔

جواب یہ بھی حدیث نہیں ہے۔ اور پھر عقل کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ عقلی طور پر تو اس چیز کو چومنا چاہیے جو محبت یا انوار کا منبع ہو، جیسا کہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کو چومتے ہیں اور یہ دونوں انوارِ الٰہیہ کا منبع اور مظہر ہیں۔ اسی طرح اس جگہ اگر بوسہ کا حکم ہوتا تو اس چیز کو بوسہ دینے کا حکم ہوتا جہاں سے اس معصوم اور پاک ہستی کا مبارک نام ظاہر ہو رہا ہے۔ لیکن سامع کا اپنے انگوٹھے چومنا تو بالکل بے محل معلوم ہوتا ہے۔

○ نیز یہ فرمانِ نبیؐ سن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسی محبِ رسولؐ ہستی نے اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لینے پر اپنے انگوٹھوں کو کبھی نہیں چوما اور نہ ہی کسی اور صحابیؓ نے یہ عمل کیا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو تمام صحابہؓ کرامؓ میں یہ عمل مشہور ہوتا اور تمام صحابہؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومتے۔ مگر اس عمل کا تذکرہ کوئی ایک صحابیؓ بھی نہیں کرتا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کیا ان کو جنت میں جانے کی خواہش نہیں تھی۔ اور اگر یہ کام تمام صحابہؓ کرتے تھے تو محدثین اور ائمۂ مجتہدینؒ اس کو کم از کم مستحبات میں ہی شمار کرتے۔ آخر اتنے اعلیٰ اور مفید کام سے بے اعتنائی برتنے کی کیا وجہ ہے۔

○ نیز امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے انگوٹھے چومنے کی جو وجہ اس موضوع اور من گھڑت حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ محبت کا غلبہ ہے۔ اور جب غلبۂ محبت علّت ہے تو پھر اذان کی تخصیص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے: متی وجد العلة وجد المعلول کہ جونہی علّت پائی جائے تو ساتھ ہی معلول بھی پایا جاتا ہے، جیسا کہ جونہی سورج طلوع ہوتا ہے ساتھ ہی دن ہوجاتا ہے۔

○ اور اگر انگوٹھے چومنے کی علّت غلبۂ محبت ہے تو پھر اذان کی تخصیص بے معنی ہے۔ جبکہ اس موضوع حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی تخصیص فرمائی تھی۔ پھر مطلق فرمان نبی کو اپنی طرف سے قیدیں لگا کر مقید کرنا کسی اصول کے تحت جائز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اہل السنت و الجماعت حنفیہ کا:

اصول ہے کہ مطلق کو مقید کرنا اس حکم کو منسوخ سمجھنے کے مترادف ہے۔ اور وحی کا سلسلہ بند ہوچکے یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کا حکم منسوخ کرنے کا حق حاصل نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ جو لوگ انگوٹھے چومنے کو جائز کہتے ہیں وہ بھی اس "مبارک حکم" کو اذان کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ چنانچہ:

○ جب ایک موقع پر امام بریلویت احمد رضا خان بریلوی سے قرآن مجید کی ان پانچ آیتوں کے بارے میں پوچھا گیا جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آتا ہے کہ ان آیات کو سن کر انگوٹھے چومنے چاہئیں یا نہ؟ تو امام بریلویت نے جواب دیا کہ: "پنج آیت" کے وقت اس فعل (یعنی انگوٹھے چومنے) کا ذکر کسی کتاب میں نہ دیکھا گیا اور فقیر (احمد رضا خان بریلوی) کے نزدیک یہاں بربنائے مذہب ارجح واصح غالباً ترک زیادہ انسب و الیق ہونا چاہیے۔ (ابر المقال صفحہ ۱۲)

○ اب قارئین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اصولاً کس کا قول صحیح ہے؟ اور امام بریلویت احمد رضا خان بریلوی کا "پنج آیت" کے وقت انگوٹھے چومنے کے فعل کو ترک کرنے کو انسب کہنا اور مذہب ارجح واصح کہنا کس اصول پر مبنی ہے، جبکہ حنفیہ کے اصول تو اس سے آبی و انکاری ہیں۔

○ نیز یہ بھی دیکھیں کہ "پنج آیت" کی تلاوت کے وقت حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کے فعل کو ترک کرنے کے بارے میں احمد یار خان نعیمی کے استاد مولوی محمد یار خان اچھروی کے شاگرد ضیاء اللہ قادری کا قول ہے کہ امام بریلویت احمد رضا خان نے مسلک جہلاء کے مطابق شان رسالت میں کس قدر گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "امام بریلویت" کو حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات پاک کی محبت کے غلبہ کا دعویٰ محض زبانی تھا۔ اور دل میں محبت نہ تھی' ورنہ اپنے مسلک کے خلاف ایسا لفظ کبھی استعمال نہ کرتے۔

○ بہر حال یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے خلاف بھی ہے اور خلاف اصول بھی۔ لہٰذا یہ موضوع روایت مردود اور ناقابل عمل ہے۔

دلیل مجوزین ۷ :

○ فردوس دیلمی میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو ایسا کرے اس کی شفاعت میرے ذمہ ہے۔

جواب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عجالہ نافعہ صفحہ ۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ فردوس دیلمی طبقہ رابعہ کی کتاب ہے' جس کی حدیثوں پر عمل کرنا' اعتماد کرنا' ان سے عقیدہ یا عمل ثابت کرنا جائز نہیں۔ نیز فرمایا کہ یہ کتاب تودۂ موضوعات ہے۔

○ نیز اگر یہ عمل حضرت نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا موجب ہوتا تو اس اہم امر کو دوسرے محدثین بھی ضرور بیان کرتے۔

دلیل مجوزین ۸ :

○ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی حضور ﷺ کا نام سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے چومتے اور آنکھوں پر مسح کرتے اور یہ الفاظ فرماتے : رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا.

جواب اس حدیث کی کوئی سند بیان نہیں کی جاتی اور نہ کوئی حوالہ پیش کیا جاتا ہے' لہٰذا یہ حدیث بھی قاعدہ ۱ کی رو سے مردود اور ناقابل عمل ہے۔

دلیل مجوزین ۹ :

○ فتوح الاوراد میں ملا فتح محمد محدث لکھتے ہیں کہ : "اذان سننے والا بوقت شہادت ثانیہ اپنی دونوں انگشت شہادت کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھے۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایسا ہی معمول تھا"۔

جواب فتوح الاوراد نامی کتاب ایک تو غیر مشہور ہے اور دوسرے یہ کہ یہ کتاب اوراد و وظائف کی کتاب ہے۔ اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے :

فائدہ بیان فرمایا ہے : "لا یجوز الافتاء من التصانیف الغیر المشہورۃ" کہ غیر مشہور کتابوں سے مواد لے کر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔ (مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۱) نیز :

فائدہ ہے : کونھم من اصحب الاوراد و الوظائف او من ارباب تصفیۃ اللطائف لا یجوز الافتاء کہ صوفیاء کا درود و وظائف کا اہل ہونا اور لطائف کی صفائی کا مالک ہونا' اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ ان کے عمل پر فتویٰ دینا بھی جائز ہے۔ (رسائل خمسہ صفحہ ۲۷)

○ نیز اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل امیرالمومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا عام معمول رہا ہے۔ تو اگر واقعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عام معمول یہ عمل ہوتا تو ان کے شاگردوں اور رفقاء و احباب کو تو معلوم ہوتا اور پھر وہ لے سے بیان کرتے اور مشہور کرتے یہاں تک کہ ان کا یہ معمول محدثین تک پہنچتا اور وہ لے سے اپنی حدیث کی کتابوں میں نقل فرماتے۔ حالانکہ اس کے برعکس حدیث کی معتبر کتب میں سرے سے اس حدیث کا نشان تک کہیں نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خیرالقرون و محقق محدثینؒ کے بعد ہی کسی شریر شخص نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرف یہ بات ناحق منسوب کی ہے۔

○ نیز امیرالمومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا دارالخلافہ کوفہ تھا۔ اور صاحب مناقب اعظم کے بقول کوفہ چار ہزار صحابہؓ کا مسکن تھا' جن کا علم اکناف عالم میں پھیلا۔ اور

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کو بھی انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ علم پہنچا۔ اب اگر امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا معمول یہ عمل ہوتا تو ان چار ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کم از کم تین چار صحابہؓ کو تو اس کا ضرور علم ہوتا؟ اور ان کے واسطہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اور امام صاحبؒ کے واسطہ سے امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام حسن بن زیادؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ اور امام صاحبؒ کے دیگر ہزاروں شاگردوں کو اس عمل کا علم ضرور ہوتا۔

○ لیکن اس کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان علماء نے اس مسئلہ کی بُو تک نہیں سونگھی، اور نہ امام محمدؒ نے اپنی کتب میں کہیں اس مسئلہ کا تذکرہ کیا۔ نہ ظاہرالروایۃ والی کتب جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط اور زیادات میں، اور نہ غیر ظاہرالروایۃ والی کتب کتاب الآثار، موطا امام محمدؒ، ہارونیات، کیسانیات، کتاب الحج وغیرہ میں ہے۔ اور نہ اس مسئلہ کا تذکرہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دیگر متعدد شاگردوں میں سے کسی نے کیا۔

○ علاوہ ازیں حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی نے اپنی کتاب میں اس عمل کا ذکر نہیں فرمایا۔

○ اسی طرح فقہ حنفی کی کسی مشہور متداول کتاب، مثلاً: مختصر طحاوی، مختصر قدوری، کنز، شرح وقایہ، ھدایہ، البحرالرائق، سراجیہ، فتاویٰ قاضی خان، خلاصۃ الفتاویٰ، النہرالفائق، ملتقی، عینی اور زیلعی وغیرہ میں اس عمل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

○ امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کا اگر واقعی یہ عمل ہوتا تو ان ہستیوں پر یہ عمل کس طرح مخفی رہا۔ اور یا پھر یوں کہو کہ نعوذ باللہ ان حضرات نے جان بوجھ کر اس اہم مسئلہ کو چھپائے رکھا۔

○ بہرحال فتوح الاوراد نامی کتاب میں مذکور یہ عمل اصولی اعتبار سے مردود و ناقابل عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس فعل سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

دلیل مجوزین نمبر ۱ :

○ ① دُرِّ مختار، ② شامی، ③ قہستانی، ④ کنز العباد، ⑤ صلوٰۃ مسعودی، ⑥ مفتاح السعادت، ⑦ فتاویٰ مولانا جمال الدین بن عبداللہ بن عمر، ⑧ جامع الرموز، ⑨ موجبات الرحمۃ للشیخ احمد الرداد، ⑩ طحطاوی شرح مراقی الفلاح۔

ان دس کتب میں یہ انگوٹھے چومنے والا مسئلہ درج ہے۔ اور یہ سب فقہ حنفی کی کتابیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حنفیہ کی دوسری کتب اس مسئلہ پر خاموش ہیں، بہرحال یہ مسئلہ ثابت اور صحیح ہے۔

جواب سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ درِّ مختار میں سرے سے یہ مسئلہ مذکور ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ شامی نے اگر یہ مسئلہ لکھا بھی ہے تو کنز العباد اور قہستانی کے حوالے سے لکھا ہے۔ لیکن کسی کی عبارت نقل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کا اپنا مسلک بھی یہی ہے۔ اور نہ ہی کسی کی عبارت نقل کرنے کے بعد اس کا جواب دینا ضروری ہوتا ہے۔ تاہم اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ اس کا رد بھی کر دیا ہے:

لم یصح فی المرفوع من ھذا شئ کہ کسی صحیح مرفوع حدیث سے یہ عمل ثابت نہیں ہے۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس امر کے قائل ہیں کہ یہ مسئلہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل ثابت نہیں ہے۔ اور جو امر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہ ہو تو اسے کسی طرح بھی بلا کراہت جائز نہیں کہا جاسکتا۔

○ نیز شامی کی نقل کردہ یہ عبارت جواب کے بغیر نقل کر کے عوام کو دھوکا دینا ایک بہت بڑی علمی خیانت اور حرام ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہیے۔

○ نیز اس مسئلہ کے جواز میں جن دیگر کتب کا حوالہ دیا جاتا ہے، ان میں سے اکثر غیر معروف، غیر متداول اور غیر معتبر ہیں۔ اور ایسی کتابوں سے اخذ کر کے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے باب میں قانون نمبر ۱۲ کے تحت گزر چکا ہے۔

○ نیز حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ النافع الکبیر صفحہ ۱۲ میں غیر معتبر کتب کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: وکذا کنز العباد فانه مملوّ من المسائل الواهية و الاحاديث الموضوعة لاعبرة له لا عند الفقهاء و لا عند المحدثين قال علي القاريؒ في طبقات الحنفية. علي بن احمد الغوري له كتاب جمع فيه مكروهات المذهب سماه مفيد المستفيد وله كنز العباد في شرح الاوراد. قال العلامة جمال الدين المرشدي فيه احاديث سمجة موضوعة لا يحل سماعها. اهـ.

○ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ علی بن احمد غوری کی کتاب "مفید المستفید" اور اوراد کی شرح میں ان کی کتاب "کنز العباد" یہ دونوں کتابیں بودے اور کمزور مسائل اور مذہب میں ناپسند امور اور موضوع حدیثوں کا مجموعہ ہیں جن پر عمل کرنا تو رہا درکنار ان کا تو محض سننا بھی حلال نہیں۔ (یعنی حرام ہے)

○ نیز حضرت علامہ لکھنویؒ نے قہستانی صاحب کے متعلق بھی اپنی تحقیق النافع الکبیر صفحہ ۱۱ میں اس طرح بیان فرمائی ہے: والمولی شمس الدین محمد الخراسانی القهستاني نزيل بخارا و مرجع الفتوى بها۔۔۔ لم يكن من تلامذة شيخ الاسلام الهروي لا من اعاليهم و لا من ادانيهم و انما كان دلال الكتب في زمانه و لا كان يعرف الفقه و لا غيره من اقرانه و يؤيده انه يجمع في شرحه هذا (اي شرح النقايه) بين الغث و السمين و الصحيح من غير تصحيح و لا تدقيق فهو كحاطب الليل جامع بين الرطب و اليابس.
یعنی قہستانی صاحب حضرت شیخ الاسلام ہرویؒ کے شاگرد نہیں ہیں، البتہ ان کے دور میں یہ ایک کتب فروش تھے، فقہ کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی کتاب "شرح نقایہ" ہمارے اس دعویٰ کو مضبوط کرتی ہے، جس میں رطب و یابس اور صحیح و ضعیف سبھی کچھ جمع ہے، جیسا کہ رات کے وقت لکڑیاں چنیں تو اس میں گیلی اور سوکھی کا امتیاز نہیں ہو سکتا۔

○ اور یہی حال صلوٰۃ مسعودی کا ہے، جس میں مصنف نے "روی عن النبیؐ" کے الفاظ کے ساتھ اس بات کی طرف واضح اشارہ کر دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں دیکھیے باب اول میں قانون ۱۹۔ نیز صاحب صلوٰۃ مسعودی نے بھی یہ مسئلہ کنز العباد اور قہستانی سے ہی نقل کیا ہے، جن کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

○ اسی طرح طحطاوی نے بھی یہ مسئلہ انہی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اور مفتاح السعادت کا منبع اور ماخذ یہی غیر معتبر کتابیں ہیں۔ ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

○ اسی طرح مولانا جمال الدین بھی کوئی غیر مشہور عالم ہیں اور ان کا فتاویٰ بھی نہ تو مشہور ہے نہ متداول اور نہ ہی داخل درس ہے۔ لہٰذا یہ بھی غیر معتبر ہوا، کیونکہ ایسی غیر مشہور اور غیر متداول کتب میں یا صحیح، ضعیف اور رطب و یابس سب کچھ شامل ہو جاتا ہے، خصوصاً جبکہ ان کے اصل ماخذ سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہو کہ اس کتاب کی یہ بات خلاف واقعہ ہے، تو پھر اس پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

○ نیز "جامع الرموز" نامی کتاب بھی قہستانی اور کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ کی طرح غیر معتبر ہے اور ایسی کتابوں کے متعلق النافع الکبیر صفحہ ۱۳ میں:

قانون ہے: لا یجوز العمل بما فیہا الا اذا علم موافقتہا للاصول۔ کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اصل ماخذ کے ساتھ اس کی موافقت ہے یا نہیں اس وقت تک اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ یعنی ان کے اندر جو مسائل ہیں ان پر صرف اسی صورت میں عمل کیا جا سکتا ہے جب کتب اصول کے ساتھ ان کی موافقت ہو، اور چونکہ یہ شرط اس میں نہیں پائی جاتی اس لیے اس کا یہ مسئلہ ناقابل عمل ہوا۔

○ رہی شیخ احمد رزاد کی کتاب "موجبات الرحمت"۔ سو وہ "اوراد" کی کتاب ہے، ایسی کتابوں کے متعلق ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ کتابیں غیر معتبر اور ناقابل عمل ہیں۔ دیکھیے جواب دلیل مجوزین نمبر ۹۔

دلیل مجوزین ۱۱ :

○ شیخ زادہؒ نے "شرح وقایہ" میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ یہ فعل سنت ہے۔ اور خلفاء عظام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا، بوقت کلمۂ شہادت کے انگوٹھوں کو بوسہ دے کر یہ کہنا چاہیے : اللھم احفظ علینی نورھما۔

جواب "شرح وقایہ" نامی فقہ کی مشہور کتاب کے مصنف شیخ عبیداللہ بن مسعودؒ ہیں، یہ کتاب شیخ زادہؒ کی ہے ہی نہیں۔ البتہ شیخ زادہؒ کی مشہور کتاب تو "بیضاوی شریف" کی شرح ہے۔ لیکن اس میں یہ مسئلہ کہیں نہیں۔ اسی طرح مشہور متداول کتاب "شرح وقایہ" میں بھی اس مسئلہ کا کہیں ذکر نہیں، البتہ حضرت شیخ زادہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الرومی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جہاں دیگر متعدد کتب کی شروح لکھی ہیں وہاں کتاب "الوقایہ" کی شرح بھی لکھی ہے۔ لیکن یہ کتاب چونکہ غیر متداول ہے اس لیے غیر معتبر اور ناقابل عمل ہے۔

دلیل مجوزین ۱۲ :

○ مقاصد حسنہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت خضر علیہ السلام سے بھی اس سلسلہ میں روایت منقول ہے۔

جواب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے منسوب کردہ یہ روایت حضرت امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ صفحہ ۳۸۴ پر مندرجہ ذیل سند کے ساتھ نقل فرمائی ہے :

سند عن الفقیہ محمد بن سعید الخولانی عن ابی الحسن علی بن محمد بن حدید الحسینی عن زاھد الہلالی عن الحسن۔

○ اب دیکھنا چاہیے کہ یہ روایت بیان کرنے والے راوی کون ہیں جن کے نام امام سخاویؒ نے تحریر فرمائے ہیں۔ لہٰذا ہم نے ان تمام راویوں کا حال معلوم کرنے کیلئے اصول کے مطابق اسماء الرجال کی معتبر اور متداول کتابیں دیکھیں، لیکن ہمیں کہیں بھی ان راویوں کا تذکرہ نہیں مل سکا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی گمنام یا فرضی راوی ہیں، جن کے نام نامعلوم کس وجہ سے امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ میں تحریر

فرمادیے۔ باوجود اس کے آخر میں خود امام سخاویؒ نے اس امر کا برملا اعتراف کیا ہے کہ مذکورہ روایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ اس وضاحت کے بعد مقاصد حسنہ کے حوالے سے اس روایت کا بیان کرنا اصولاً غلط بات ہے۔

○ نیز حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اس بارہ میں کوئی ایک روایت بھی ثابت ہوتی تو عام محدثینؒ کرامؒ اپنی مؤلفہ کتب حدیث میں اس روایت کو ضرور تحریر فرماتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس "فضیلت" والے کام کو وہ اپنا معمول بھی ضرور بنا لیتے۔ اس کے ساتھ ساتھ ائمہ مجتہدینؒ میں سے بھی کم از کم کوئی ایک امام مجتہد تو ضرور اس "کارِ خیر" کو اپنے معمولات میں شامل کرتا" خواہ دوسرے ائمہ مجتہدینؒ اس سے اختلاف ہی کیوں نہ کرتے، جیسا کہ دیگر کئی مسائل میں ائمہ مجتہدینؒ کا آپس میں اختلاف رہا ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ بقول مؤلف مقاصدِ حسنہ حضرت امام سخاویؒ یہ روایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ثابت ہی نہیں ہے تو کوئی امام مجتہد اس کا قائل کس طرح ہوتا۔

○ اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کی طرف منسوب روایات کے متعلق یہ:

قانون یاد رکھنا چاہیے: اوردہ الشیخ احمد الرداد فی کتابہ موجبات الرحمۃ بسند فیہ مجاھیل مع انقطاعہ عن الخضر علیہ السلام وکل ما یروی فی ھذا فلا یصح رفعہ البتۃ۔ کہ جس شخص سے بھی حضرت خضر کی روایت ثابت ہے، ایک تو اس میں راوی مجہول ہیں، دوسرے یہ کہ وہ منقطع ہیں۔ اور:

فائدہ ہے کہ: جس حدیث کے راوی مجہول ہوں وہ مقبول نہیں ہوتی۔ نیز:

فائدہ ہے کہ: جس روایت کی سند منقطع ہو وہ بھی مقبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ جس راوی کا نام درمیان سے چھوٹا ہوا ہے وہ عادل شخص تھا یا کوئی فاسق شخص تھا۔ (دیکھیے اقسام حدیث)

○ پھر اسی مقاصدِ حسنہ میں حضرت امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک روایت بغیر سند کے نقل کی گئی ہے، یہ بھی ثابت نہیں ہے۔

- نیز صاحب مقاصد حسنہ حضرت امام سخاویؒ نے دلیل میں طاوسی کا قول نقل کیا، اور فرمایا کہ اس نے یہ روایت شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری خواجہ سے نقل کی ہے۔ لیکن یہ دونوں ہی نامعلوم اور مجہول آدمی ہیں۔
- پھر لکھتے ہیں کہ فقیہ محمد بن بابا سے ایک ایسا آدمی روایت کرتا ہے۔ جس کو میں نہیں جانتا کہ وہ کون شخص ہے۔
- اب دیکھیے کہ ایک تو یہ راوی مجہول الاسم ہے، اور دوسرے خود فقیہ محمد بن بابا بھی مجہول ہے۔ البتہ اگر یہ شخص حسن بن محمد بن بابا ہوتا تو یہ ضرور جانی پہچانی شخصیت ہے۔ کیونکہ:
- حسن بن محمد بن بابا کا نام شیعہ اسماء الرجال کی مشہور کتاب "رجال کشی" میں شیعہ راوی کی حیثیت سے موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محمد بن بابا اسی مشہور شیعہ راوی کا باپ ہو۔ لیکن اس کے باوجود خود محمد بن بابا کا حال شیعہ کی کتب اسماء الرجال سے بھی نہیں مل سکا۔ جس سے معلوم ہو کہ یہ شخص کون تھا۔ کہاں کا رہنے والا تھا۔ اور اس کا تعلق کس مذہب سے تھا۔ بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے کہ یہ بھی کوئی شیعہ ہی ہے۔ واللہ اعلم
- نیز حضرت امام سخاویؒ نے حضرت خضرؑ کی مذکورہ روایت محمد بن صالح مدنی کے حوالے سے بھی نقل کی ہے۔ جو فقیہ محمد بن زرندی سے روایت کرتے ہیں۔ اور فقیہ محمد بن زرندی کسی معین استاذ سے نہیں بلکہ عراق یا عجم کے بعض مجہول الاسم شیوخ سے روایت کرتے ہیں۔
- اب دیکھنا چاہیے کہ یہ محمد بن صالح مدنی کون ہیں؟
- ایک محمد بن صالح مدنی تو مشہور و معروف محدث ہو گزرے ہیں۔ اگر یہ وہی محدث ہیں تو ان کے اساتذہ میں سے کسی کا نام محمد بن زرندی نہیں ہے، بلکہ محمد بن زرندی نام کسی محدث کا ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اسماء الرجال کی کسی کتاب میں محمد بن زرندی کا نام نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی محمد بن زرندی نام کا غیر معروف

آدمی ہو بھی تو پھر ہو سکتا ہے کہ کوئی محمد بن صالح مدنی نام کا اس کا شاگرد بھی ہو جس نے حضرت خضرؑ سے منسوب یہ روایت بیان کی ہو۔ بہرحال یہ محمد بن صالح مدنی وہ نہیں ہیں جو مشہور محدث ہو گزرے ہیں۔

○ اب غور فرمائیے کہ حضرت خضرؑ سے منسوب انگوٹھے چومنے کی یہ روایت اس غیر مشہور بلکہ فرضی راوی محمد بن صالح مدنی کے حوالے سے منقول ہے جسے محمد بن زرندی کا شاگرد بتایا جاتا ہے۔ جبکہ محمد بن زرندی نام کا کوئی محدث پیدا ہی نہیں ہوا' یعنی یہ بھی ایک فرضی نام ہے اور پھر اس فرضی محدث کے بارے میں یہ لکھا جاتا ہے کہ اس نے حضرت خضرؑ کی بیان کردہ مذکورہ حدیث بعض شیوخ سے سنی ہے۔ یعنی اس نے عراق یا عجم کے بعض شیوخ سے تحصیل علم کے بعد محمد بن صالح مدنی کو یہ علم منتقل کیا۔

○ اب یہ بات کون بتا سکتا ہے کہ یہ بعض شیوخ کون تھے' کیسے تھے اور کس مسلک کے مبلغ یا پیشہ ور تھے۔ ان کا نام کیا تھا۔ کس خاندان کے تھے۔ کس علاقے میں تھے۔ یا یہ لوگ کس عہد میں ہوئے ہیں۔ گویا اس روایت میں اوّل سے آخر تک سب کے سب راوی فرضی ہیں' اس لیے یہ روایت بھی کسی اصول کے تحت قابل عمل نہیں ہو سکتی۔ اب

سوال : پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر یہ تمام روایات مردود و غیر مقبول ہیں تو حضرت امام سخاویؒ نے ان روایات کو بیان ہی کیوں فرمایا ہے؟۔ سو اس کا

جواب : یہ ہے کہ حضرت امام سخاویؒ نے عوام میں مشہور ان روایات کو بیان کرنے کے بعد ان کی تردید بھی فرمائی ہے۔ اور یہی حضرت امام سخاویؒ کا مقصد تھا۔ چنانچہ :

○ اس قسم کی تمام گھڑنتو روایات بیان کر چکنے کے بعد "سو سنار کی' ایک لوہار کی" کے مصداق مقاصد حسنہ صفحہ ۳۸۵ پر فرماتے ہیں : "ان هذا الحديث لم يصح في المرفوع من الحديث" کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے تو یہ حدیث ثابت ہے ہی نہیں۔ یعنی یہ روایت من گھڑت اور ناقابل عمل ہے۔

○ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ حضرت امام سخاویؒ نے مقاصدِ حسنہ میں مشہورِ عام اس من گھڑت حدیث کو جن کتب سے اخذ کر کے تحریر فرمایا ہے وہ تمام کتابیں غیر معروف اور غیر متداول ہیں۔ اور اس قسم کی غیر معروف و غیر متداول کتابوں کے بارے میں علماءِ کرام کا متفقہ فائدہ ہے: نقل الاحادیث النبویۃ و المسائل الفقھیۃ و التفاسیر القرآنیۃ لایجوز الا من الکتب المتداولۃ لعدم الاعتماد علی غیرھا من وضع الزنادقۃ و الحاق الملاحدۃ بخلاف الکتب المحفوظۃ۔

کہ عام دستیاب ہونے والی اور عام طور پر پڑھی پڑھائی جانے والی متداول کتابوں کے علاوہ دوسری ایسی کتابوں سے جو علماء کے مطالعہ میں نہ رہتی ہوں احادیثِ نبویہ، مسائل فقہیہ اور تفسیر آیاتِ قرآنیہ کا نقل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (رسائل خمسہ و مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۰)

○ چہ جائیکہ اس پر عمل کیا جائے، یا عام لوگوں میں اس کی تشہیر کر کے اس پر عمل کرنے کے لیے زور دیا جائے۔ اور اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو اس کی توہین کی جائے اور اسے سنت کا تارک کہا جائے۔ کیونکہ ایسی کتابوں پر کچھ اعتماد نہیں۔ ممکن ہے کہ کسی بے دین اور ملحد نے اپنی طرف سے حدیث گھڑ کے اس میں لکھ دی ہو۔ یا کسی ملحد نے اپنی مرضی سے کوئی فقہی مسئلہ یا قرآن پاک کی کسی آیت کی تفسیر اپنی طرف سے لکھ کر اس میں شامل کر دی ہو۔ البتہ:

○ محفوظ کتب میں جو اکثر و بیشتر علماءِ کرام کے مطالعہ میں رہتی ہیں وہ بے دین لوگوں کی دست اندازی سے اکثر محفوظ رہتی ہیں۔ اور ملحدین عام طور پر ان کتب میں اپنی من مانی کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

○ پس انگوٹھے چومنے کا یہ مسئلہ بھی چونکہ غیر معروف اور غیر متداول کتابوں سے ہی ماخوذ ہے، نیز اس بارے میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ بھی غیر مشہور و غیر متداول کتابوں سے ہی اخذ کر کے نقل کی جاتی ہیں، اس لیے مندرجہ بالا قانون

کی رو سے ان کا نقل کرنا، ان پر عمل کرنا، عوام میں اس مسئلہ کی تشہیر کرنا، لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا، اس موضوع پر رسالے اور اشتہار چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرنا اور اس ناجائز عمل سے منع کرنے والے علماء حق پر گستاخ رسولؐ ہونے کے فتوے لگانا، اور ان علماء کرام کو توہین آمیز القاب سے یاد کرنا یہ سب ناجائز کام ہیں۔

بانداز دیگر:

○ باب دوم میں ہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اذان واقامۃ میں سن کر اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے چومنے کے جواز کے قائلین کی وہ باتیں لکھی ہیں جن کو وہ لوگ اپنے خیال میں دلیل سمجھتے ہیں اور پھر یہی باتیں عوام کے نارسا ذہنوں میں بٹھانے کی بے جا سعی و کوشش کرتے ہیں۔ ہم نے ان کی انہی باتوں کو "دلائل مجوزین" کے عنوان سے لکھ کر ان کا جواب دیا ہے۔ جسے پڑھ کر ان شاء اللہ تعالیٰ غیر متعصب عوام کے ذہن تو صاف ہوسکتے ہیں، لیکن جو کوئی تعصب کی عینک لگا کر پڑھے گا اس کے لیے یہ کچھ مفید نہیں ہوگا۔

○ بہرحال مجوزین قبیلِ ابماہین کے بقول ان کا یہ دعویٰ کہ "حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اذان واقامت میں سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر لگائیں"۔ چار طرح کے دلائل پر مبنی ہے:

① احادیث مرفوعہ، موقوفہ و مقطوعہ۔

② فقہی کتابوں کے بعض اقتباسات۔

③ اوراد و وظائف کی کتب کے اقتباسات۔

④ مشائخ عظام میں سے کسی کا معمول۔

○ اب دیکھتے ہیں کہ مجوزین کے ان دلائل کی حقیقت کیا ہے۔ ہم پہلے تفصیل کے ساتھ اس سلسلے میں اپنا موقف واضح کرچکے ہیں، البتہ بطورِ خلاصہ ان چاروں اقسام کے دلائل کی حقیقت و اصلیت مزید وضاحت کے لیے اس مقام پر لکھی جاتی ہے:

1 پہلی قسم کے دلائل کے بارے میں حقیقت تو یہ ہے کہ احادیث مرفوعہ موقوفہ اور مقطوعہ میں سے کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو میزانِ اسناد پر بھی پوری اترتی ہو اور میزانِ عقل پر بھی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اذان و اقامت کے دوران حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرنا چاہیے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ باتیں جن کو حدیث کا نام دے کر تشہیر کی جاتی ہے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی زوردار انداز میں ترغیب دی جاتی ہے اور منع کرنے والے علماءِ حق کو انہی روایات کی وجہ سے گستاخِ رسول کہا جاتا ہے وہ روایات سند کے اعتبار سے بھی مردود ہیں اور عقلاً بھی مسترد ہیں۔

③ یہی وجہ ہے کہ جس دور میں یہ روایت گھڑی گئی ہے اس دور کے محدثین عظام نے اس روایت کا کماحقہ رد فرمایا ہے۔ چنانچہ:

① مشہور محدث حضرت ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو موضوع، بناوٹی اور من گھڑت قرار دیا ہے۔

② مشہور محدث حضرت خطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس روایت کو مختلق یعنی من گھڑت اور بناوٹی قرار دیا ہے۔

③ حضرت محدث ابواسحاق کابلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ تو وہ گھڑنتو بات ہے جو کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں۔

④ صاحب مجمع الغرر نے فرمایا کہ: اس گھڑتل بات کا اصل کسی ضعیف روایت سے بھی نہیں ملتا۔

⑤ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے صحیح و ضعیف حدیث کے امتیاز میں متساہل محدث، جو کئی جگہ موضوع اور من گھڑت روایت کو بھی حدیث صحیح یا حسن کہہ دیتے ہیں، انھوں نے بھی اس گھڑنتو بات کے بارے میں کھل کر فیصلہ فرمادیا ہے کہ: اس بارے میں جس قدر بھی روایات بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔

○ اب ان اجلہ علماء کرام و محدثین عظام کی تصریح اور وضاحت کے بعد یہ تو صاف معلوم ہو گیا کہ جن علماء کرام نے اس من گھڑت روایت کے بارے میں لا یصح یعنی "یہ صحیح نہیں" کا لفظ تحریر فرمایا ہے، ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ احادیث صحیح نہیں، بلکہ من گھڑت اور موضوع ہیں، ان کا کوئی ثبوت نہیں، نہ کسی صحیح سند کے ساتھ اور نہ کسی ضعیف سند کے ساتھ۔ معلوم ہوا کہ یہاں لا یصح کے معنی ہیں: لا یثبت یعنی اس کا کسی صحیح سند سے بھی ثبوت نہیں اور کسی ضعیف سند سے بھی ثبوت نہیں، لہٰذا یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے۔ اور پہلے باب میں اصول حدیث کا قانون لکھا جا چکا ہے کہ: من گھڑت حدیث کو بیان کرنا بھی حرام ہے۔ اور اگر کوئی بیان کرتا بھی ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس کا موضوع اور من گھڑت ہونا بھی اس کے ساتھ ہی بیان کر دے۔

○ نیز یہ روایت تو کئی وجہ سے عقلاً بھی مسترد ہے۔ کیونکہ:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ واجب التعظیم تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نام مبارک ہے جو اذان اور اقامت کہنے والے کے منہ سے نکلا ہے اور سننے والے کے کانوں میں پہنچا ہے۔ اب اگر اس پاک ہستی کے اسم گرامی کی تعظیم کرنی ہی مقصود ہے تو پھر اس شخص کے منہ کو بوسہ دینا چاہیے جس کے منہ سے یہ نام مبارک نکلا۔ اور اگر یہ ناممکن ہو تو کم از کم ان کانوں کو چومنا چاہیے جنھوں نے یہ نام مبارک سنا ہے، کہ وہ کس شان کا منہ اور زبان ہے جس سے حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک نکلا ہے، یا وہ کس شان کا کان ہے جس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی سنا ہے۔

○ لیکن انگوٹھوں اور آنکھوں کا تو بولنے اور سننے کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں، اس لیے اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر خود اپنے انگوٹھوں کو چومنا اور پھر اپنی ہی آنکھوں پر پھیر لینا ایک لایعنی اور فضول سی حرکت ہے، جسے عقل سلیم رکھنے والا کوئی شخص بھی ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس عمل کو صرف اذان و اقامت کے ساتھ ہی کیوں مخصوص کیا جاتا ہے۔ نماز کے دوران بھی تو تشہد اور درود شریف میں کئی بار حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک لیا جاتا ہے تو اس مواقع پر اپنے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرنے کی ترغیب کوئی نہیں دیتا" جبکہ خود حضرت نبی کریم ﷺ نے یا صحابہ کرامؓ نے یا تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی نے بھی دوران نماز تشہد اور درود شریف میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک پڑھتے وقت اپنے ہاتھوں کے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرنے سے ہرگز منع نہیں فرمایا" تو پھر کیا وجہ ہے کہ نماز کے دوران یہ عمل نہیں کیا جاتا۔

○ کیا اذان و اقامت کے علاوہ دیگر مقامات پر حضرت نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سُن کر یا پڑھ کر اس نام کی عظمت و علوِ شان کے اظہار میں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرنا منع ہے؟۔ اگر منع ہے تو پھر اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سُن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرنے کے قائلین کو چاہیے کہ وہ اذان و اقامت کے علاوہ دیگر مقامات پر انگوٹھے نہ چومنے کے بارے میں کوئی حدیث دکھائیں۔ ورنہ ہمارے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے:

○ حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سُن کر درود شریف پڑھیں اور اذان و اقامت میں وہی کلمات دہرائیں جو موذن کہتا ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اسی طرح ارشاد فرمایا ہے۔ اور بیچ بیچ کرنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ اس کی تعلیم حضرت نبی کریم ﷺ نے نہیں دی اور اس کا ثبوت کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے بھی نہیں ملتا" اور اس بارہ میں جو حدیثیں آتی ہیں وہ سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی سُن کر تو تعظیم و ادب اور عقیدت و محبت سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرتے ہیں" لیکن افسوس ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا نام مبارک سُن کر عقیدت و محبت اور تعظیم و ادب سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر نہیں پھیرتے۔ کیا حضرت نبی کریم ﷺ کے

نام مبارک کی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے نام سے بھی زیادہ تعظیم واحترام ہے۔

۲ دوسری قسم کے دلائل بعض فقہی کتابوں کے اقتباسات ہیں۔ ان کے بارے میں حقیقت یہ ہے کہ جن کتب سے اس بارے میں مجوزین تقبیل ابہام دلیل جواز پیش کرتے ہیں ان میں سے زیادہ تر تو غیر معتبر، غیر مشہور اور غیر متداول ہیں، جو مدرسین اور فتویٰ دینے والے علماء کرام کے مطالعہ میں نہیں رہتیں۔ اور پھر ان کتابوں میں بے دین، مخالفین اسلام اور ملحد لوگوں کی دسیسہ کاری اور اضافوں کا شدید احتمال ہوتا ہے۔ اس لیے ایسی کتابوں سے استدلال کرنا اور ان کتابوں سے مسئلہ اخذ کر کے فتویٰ دینا اور لوگوں کا اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ البتہ:

○ ایسی کتابیں جو مشہور بھی ہیں اور علماء کرام انہیں معتبر بھی سمجھتے ہیں، تو ان میں سے بھی بعض کتب تو ایسی ہیں جن کے مصنفین بے شک فقہ حنفیہ میں تو مہارت رکھتے ہیں، لیکن فن حدیث میں ان کو وہ مقام حاصل نہیں جو محدثین عظام کا ہوتا ہے، اس لیے ان کی بیان کردہ وہ حدیث جو اصولِ حدیث کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو تو وہ معتبر نہیں۔ البتہ جو فقہاء معتبر بھی ہیں اور حدیث کے فن میں بھی خوب مہارت رکھتے ہیں۔ جیسے سید ابن عابدینؒ، تو ایسے فقہاء ان احادیث کا ذکر فرما کر ساتھ ہی ان کا رد بھی تحریر فرمادیتے ہیں۔ جیسا کہ اسی مسئلہ کے بارے میں ردالمحتار (صفحہ ۲۹۳) دیکھی جاسکتی ہے۔

۳ تیسری قسم کے دلائل اوراد و وظائف کی کتابیں ہیں۔ ان کتابوں میں اس بات کا التزام کبھی نہیں کیا جاتا کہ ان میں صحیح حدیثیں ہی بیان ہوں گی اور یہ کہ اس میں ضعیف حدیث یا کوئی موضوع روایت ہرگز بیان نہ کی جائیں گی۔ اس لیے:

① حضرت امام محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "احیاء العلوم"۔
② حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "غنیۃ الطالبین"۔
③ اور مشہور صوفی ابن عربی مالکی کی کتابیں
④ اور صاحب قوت القلوب ابو طالب مکی جیسے امام الصوفیہ کی کتابیں، تو

خاص طور پر موضوع اور من گھڑت روایات بھری پڑی ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۴۰۰ میں اور صاحب اسنی المطالب نے صفحہ ۲۸۵ میں لکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرامؒ کی اوراد و وظائف کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں درج شدہ احادیث پر اہل تحقیق محدثین کرامؒ توجہ ہی نہیں فرماتے، اگرچہ ان کتابوں کے مصنفین فن تصوف کے امام اور اعلیٰ مرتبے کے اولیاء عظامؒ ہوں۔

۴ چوتھی قسم کے دلائل مشائخ عظامؒ و صوفیائے کرامؒ کے معمولات پر مشتمل ہیں۔ سو ان کے یہ معمولات نہ فرض ہوتے ہیں، نہ واجب اور نہ ان کو سنت کہا جاسکتا ہے، نہ مستحب۔ اور یہ صوفیائے کرامؒ خود بھی اپنے ان معمولات کو فرض، واجب، سنت یا مستحب قرار نہیں دیتے۔ اور نہ ہی یہ صوفیائے کرامؒ اپنے معمولات پر عمل کرنے کے لیے زور دیتے ہیں، اور ان معمولات پر عمل نہ کرنے والوں کو برا بھلا بھی نہیں کہتے۔ اور یہ بات تو تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے یہاں متفق علیہ ہے کہ مشائخ کا معمول حجت نہیں ہوسکتا، جب تک دلائل شرعیہ سے ثابت نہ ہو۔ اور دلائل شرع کے صرف چار ہیں، اور وہ یہ ہیں:

① قرآن مجید، ② حدیث صحیح،

③ اجماع امت محمدیہ۔ یعنی جس رائے پر امت محمدیہ کے مجتہدین فقہاء کا اتفاق ہوجائے۔

④ مجتہد کا وہ قیاس جو قرآن و سنت اور اجماع امت سے مستنبط ہو۔

ان چار کے علاوہ اور کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی مشہور و متداول کتاب "اخبار الاخیار" صفحہ ۹۳ میں وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ: "مشرب پیر حجت نیست، دلیل از کتاب و سنت می باید" یعنی (امور شرعیہ میں) پیر و مرشد کا مسلک حجت نہیں ہے، شرعی امور میں دلیل ہمیشہ قرآن و سنت سے لینی چاہیے۔

نیز مشہور صوفی شاعر حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں: ~

نیست حجت قول و فعل ہیچ پیر
قول حق و فعل احمدﷺ را بگیر

- اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ پیروں اور مشائخ کرام کے ارشادات اور ان کے معمولات ہرگز شرعی دلیل اور حجت نہیں بن سکتے۔ بلکہ امور شرعیہ میں صرف حق تعالیٰ شانہ کے احکام و فرامین اور حضرت نبی کریم ﷺ کے اعمال و افعال اور احکام و ارشادات سے ہی دلیل اور حجت پکڑنی چاہیے۔
- علاوہ ازیں اصول فقہ کی تمام مشہور و متداول کتابوں میں یہی قانون لکھا ہے کہ دلائل شرع کے صرف چار ہیں پانچواں کوئی نہیں' یہاں تک کہ "اصول شاشی" جیسی درسی کتاب میں بھی یہی قانون موجود ہے۔ جسے پڑھے بغیر کوئی حنفی عالم مسند خطابت پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ بات ناقابل تردید ہے کہ ان چار دلائلِ شرع کے علاوہ دیگر بزرگوں اور پیشروں کی تحریریں یا معمولاتِ مشائخ کسی لحاظ سے بھی شرعی دلیل اور حجت نہیں بن سکتے۔ مثلاً:

(۱) قیافہ۔
(۲) کسی غیر مجتہد پیر یا عالم کا قول۔
(۳) کسی پیر' بزرگ یا عالم دین کا ایسا خواب جس کی تائید وحی سے نہ ہوتی ہو' یعنی کسی غیر نبی کا خواب۔
(۴) غیر مشہور و غیر متداول کتابوں کے اقتباسات۔
(۵) اوراد و وظائف کی کتابیں' خواہ وہ متداول ہوں یا غیر متداول۔
(۶) بزرگوں اور مشائخ کے ارشادات و فرمودات جو قرآن و سنت کے مطابق نہ ہوں۔
(۷) معمولات مشائخ۔
(۸) سیر و تاریخ کی کتابیں خواہ مشہور ہوں یا غیر مشہور۔
(۹) بعض شروح ہدایہ کی بیان کردہ وہ احادیث جو میزان اسناد پر پوری نہ اتریں۔

⑩ غیر محتاط مفسرین کی تفسیریں۔

⑪ اہلِ کلام کی بیان کردہ ایسی حدیثیں جو محدثین کی اسناد پر پوری نہ اتریں۔

⑫ اقوالِ منجمین۔

⑬ استحسانِ مشائخ، اور:

⑭ استحسانِ علماء، نیز:

⑮ قرآن مجید کے پہلے کی آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا شرع محمدی میں کچھ اعتبار نہیں۔

مجوزین کا اضطراب:

○ جو لوگ اذان اور اقامت میں حضرت نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہیں اور اس عمل کو نہایت درجہ کا ادب اور کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور نہ چومنے والے کو برا سمجھتے ہیں، اسے گھور گھور کر دیکھتے ہیں، ملامت کرتے ہیں، اور اسے وہابی اور گستاخِ رسول جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ بتاسکتے ہیں کہ ان کے نظریات و عقائد کے اعتبار سے یہ عمل فرض، واجب، سنت، مستحب یا مباح کاموں میں سے کس درجہ میں ہے۔

○ اس سلسلہ میں یہ بات تو یقینی اور محقق ہے کہ اس عمل کو آج تک کسی نے بھی فرض یا واجب نہیں کہا۔

○ اگر کوئی اسے فرض سمجھتا ہے تو اس کے نزدیک یہ عمل نہ کرنے والا کافر ہونا چاہیے۔ کیونکہ فرض کا منکر تو بالاتفاق کافر ہوتا ہے۔ مثلاً: اگر کوئی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ فرائض میں سے کسی کا انکار کردے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ البتہ جو شخص فرائض کا منکر تو نہ ہو، لیکن فرائض و واجبات کا تارک ہو تو ایسا شخص گو کافر تو نہیں ہوتا مگر فاسق ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جہنم کے عذاب میں گرفتار کرے گا۔ بہرحال مجوزینِ تقبیلِ ابہامین کے کئی گروہ ہیں۔

① بعض لوگ بحوالہ شرح وقایہ از شیخ زادہ اور جامع المضمرات اس عمل کو سنت کہتے ہیں۔ اگر صرف ان دو غیر مشہور اور غیر متداول حوالوں کو دیکھ کر ہم اس عمل کو

سنت سمجھ لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص اس سنت پر عمل نہ کرے گا وہ فسق اور بدکردار ہوگا۔ اور ایسا شخص لائق ملامت ہوتا ہے۔ اور قیامت کے دن حضرت نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے بھی محروم رہے گا۔ لیکن ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ عمل سنت نہیں ہے۔

- اگر یہ عمل سنت ہوتا تو فقہاء کرام اس کا بیان ضرور کرتے۔ مگر سوائے ان دو حوالوں کے چودہ صدیوں میں لکھی جانے والی لاتعداد فقہی کتب کے مصنفین اس عمل کے مسنون ہونے کا بالکل بھی ذکر نہیں کرتے۔ اور نہ اذان و اقامت کی سنتوں میں اس عمل کا کہیں ذکر کیا گیا ہے۔
- اگر واقعی یہ عمل سنت تھا جس کا تارک گنہگار اور بدکردار اور حضرت نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے محروم ہوتا ہے، تو تمام مصنفین اس اہم عمل مسنون کا ذکر اپنی کتابوں میں ضرور کرتے۔ لیکن اس عمل کا ذکر کسی نے نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل سنت نہیں ہے۔
- اور جن دو کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے تو اس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ خود ان کتابوں کے مصنفین نے نہیں لکھا، بلکہ کسی بے دین ملحد نے تفریق بین المومنین کے ارادے سے ان کتابوں میں جو قلمی ہوا کرتی تھیں اپنے ہاتھوں سے دسیسہ کاری کی ہے، جبکہ یہ بات محقق ہے کہ ملحد بے دینوں نے موقع پا کر اکثر غیر متداول اور غیر مشہور کتب کے قلمی نسخوں میں اس طرح کی بے شمار کارستانیاں کی ہیں، تاکہ آئندہ آنے والے علماء میں سے اگر کسی کی نظر سے یہ مسئلہ گزرے گا تو "کل جدید لذیذ" کے تحت وہ آگے اس کا بیان ضرور کرے گا۔ اور یہ مسئلہ باعث نزاع بن جائے گا، اس طرح مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوگی، یہ آپس میں متحد نہ رہیں گے، ایک دوسرے کو برا بھلا کہیں گے، آخر کار ایک دوسرے کو کافر اور گستاخ رسول کہیں گے اور کفار مجوسیوں، یہودیوں اور نصرانیوں کے خلاف جہاد کرنے والی یہ بہادر قوم آپس میں ہی ایک دوسرے کا گلا کاٹنا شروع کر دے گی۔

④ بعض لوگ فتاویٰ جمال الدین، کنز العباد اور قہستانی کے حوالے سے اس عمل کو بجائے سنت کے مستحب قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ تینوں کتب بھی غیر دینی، غیر مشہور اور غیر متداول ہیں۔ خیر ہرچہ بادا باد، ان تینوں کتابوں کے فتویٰ کے مطابق انگوٹھے نہ چومنے والا شخص نہ گنہگار ہوتا ہے نہ بدکردار اور نہ حضرت نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے محروم ہوگا، صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک فضیلت کا کام تھا جو اس نے نہیں کیا۔ اور ایسے شخص کو جو مستحب کا تارک ہو شرعاً ملامت کرنا جائز نہیں ہے۔

⑤ نیز مستحب کے تارک کو وہابی اور گستاخِ رسول کہنا اور ایک مسلمان کا دل دکھانا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ فضیلت کے کام کو ترک کرنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں، البتہ ثواب میں کمی آجاتی ہے، جیسا کہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کسی طرح بھی مستحب نہیں، بلکہ بدعت اور مکروہ ہے۔ جس میں بجائے ثواب کے الٹا گناہ ہے۔ اس عمل کے مکروہ ہونے کی وجوہ آئندہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ آرہی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

⑥ بعض کہتے ہیں کہ اس عمل میں مضائقہ نہیں اور انگوٹھے نہ چومنے میں مواخذہ نہیں، جیسا کہ آج کل کے اہلِ بدعت کے امام احمد رضا خان بریلوی نے اپنے رسالہ "ابر المقال" صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے کہ: اذان و اقامت میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنے میں مضائقہ نہیں اور انگوٹھے نہ چومنے میں مواخذہ نہیں ہے۔ تو اس طرح احمد رضا خان بریلوی کے اس قول کے مطابق یہ عمل نہ سنت ہے نہ مستحب۔ بلکہ اس سے پہلے خود موصوف نے اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے کہ جواسے مسنون (سنت) و مؤکد جانے یا نفسِ ترک کو باعثِ زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے۔

⑦ اب یہاں ہمارا سوال ہے کہ احمد رضا خان بریلوی کے پاس سوائے ... کی شرح وقایہ،

جامع المضمرات، فتاویٰ جمال الدین، کنز العباد اور قہستانی کی کتب تھیں یا نہیں۔ اگر ان کے پاس یہ کتابیں نہیں تھیں تو ہمارے قول کی تصدیق ہو گی کہ یہ کتابیں واقعی نایاب، غیر مشہور اور غیر متداول ہیں۔ جو علماء اور مفتیان کرام کو بھی دستیاب نہ تھیں۔ اور نہ ہی ان کے زیر مطالعہ رہتیں۔ ورنہ احمد رضا خان بریلوی اپنی عادت کے مطابق ان غیر مشہور و غیر متداول کتابوں کے حوالے سے اپنے دعویٰ کو مضبوط کرنے کی کوشش ضرور کرتے۔

○ یا دوسری صورت میں ان کے پاس یہ کتابیں تھیں، لیکن وہ تھیں اصلی، جن میں یہ مسئلہ درج نہیں تھا۔ اس طرح ہمارے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ ملحدین نے غیر متداول کتب میں دسیسہ کاری کرکے تفریق بین المومنین کی کوشش کی ہے۔

○ اور جو نسخے احمد رضا خان بریلوی کے ہاں تھے ان میں یہ مسئلہ موجود نہیں تھا اور جو نسخے اب دستیاب ہوتے ہیں ان میں یہ مسئلہ موجود ہے جو ملحدین کی کارستانیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

○ اور اگر احمد رضا خان بریلوی کے پاس ان کتابوں کے وہی نسخے موجود تھے جن میں یہ مسئلہ موجود تھا اور اس کے باوجود انھوں نے اس عمل کو نہ سنت سمجھا نہ مستحب، بلکہ ان سب کتابوں کو غیر معتبر سمجھتے ہوئے ابرالمقال صفحہ ۱۰۱ میں ان کے خلاف مسئلہ بیان کیا۔ کیونکہ پہلی دو کتابوں میں انگوٹھے چومنے کے عمل کو مسنون لکھا ہے اور بریلوی صاحب لکھتے ہیں کہ : جو اس کو مسنون و مؤکد جانے بے شک غلطی پر ہے۔

○ اور بعد کی تین کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ عمل مستحب ہے، جبکہ بریلوی صاحب لکھتے ہیں کہ انگوٹھے چومنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اس لفظ کی جگہ فقہاء کرام "لا باس بہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جس سے مراد ہوتا ہے کہ یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے۔ اور مکروہ تنزیہی مستحب کے خلاف ہوتا ہے۔ کیونکہ :

○ مستحب پر عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے جبکہ مکروہ تنزیہی شرعاً ممنوع ہے اور اس

پر عمل کرنے سے قطعاً ثواب نہیں ملتا۔

○ پس احمد رضا خان بریلوی کے فتوے کے مطابق یا تو یہ پانچوں کتابیں نایاب اور غیر متداول ہیں جن میں مخالفین کی دسیسہ کا احتمال غالب ہے۔ یا ان کتب کے جو نسخے انھیں دستیاب ہوئے وہ مخالفین ملحدین کی دسیسہ کاری سے محفوظ رہیں، اور ان میں یہ مسئلہ موجود نہیں تھا۔ یا پھر یہ پانچوں کتابیں انھوں نے غیر معتبر سمجھیں اور ان کے مطابق فتویٰ نہ دیا۔ تو اب بعد میں آنے والے بریلوی صاحب کے شاگردوں اور پھر ان کے شاگردوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ جن کتابوں سے احمد رضا خان بریلوی نے استدلال نہیں پکڑا وہ انھی کتابوں کے حوالے سے اس ناجائز کام کے جواز کا حکم صادر کریں۔ اور کبھی انگوٹھے چومنے کو سنت کہیں اور کبھی اسے مستحب اور کارِ ثواب قرار دیں۔

نتیجہ ○ انگوٹھے چومنے میں "مضائقہ" ہے

○ ہماری مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے کہ اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر اپنے انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں پر رکھنا شرعِ محمدی کی رو سے نہ سنت ہے نہ مستحب، اور یہ کہنا بھی ہرگز درست نہیں کہ "انگوٹھے چومنے میں مضائقہ نہیں"۔ کیونکہ ہم اہل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ انگوٹھے چومنے میں مضائقہ ہے۔ جس کی کئی صورتیں ہیں، جو ہم ذیل میں تحریر کر رہے ہیں:

(۱) پہلی صورت مضائقہ کی یہ ہے کہ ایسا عمل کرنے والا شخص ایک من گھڑت بات کو حدیثِ نبوی سمجھ کر اس پر عمل کرنے سے گناہ اور ایک حرام کام کا مرتکب ہوا اور بغیر تنخواہ کے مفت میں شیطان کا خادم اور نمائندہ بن گیا، جیسا کہ حضرت امام مالکؒ کے جید استاذ مفسر قرآن حضرت زید بن اسلمؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔

(۲) دوسری صورت مضائقہ کی یہ ہے کہ اگر کسی نے یہ عمل دوسرے آدمی کے سامنے کیا تو وہ دیکھنے والا اسے دیکھ کر اس عمل کو فرض یا واجب نہ سہی سنت یا

مستحب اور موجب اجر و ثواب تو ضرور سمجھے گا' اس لیے وہ بھی اس پر عمل کرکے در حقیقت ثواب نہیں بلکہ حرام کے گناہ میں ملوث ہوگا' تو یہ گناہ ایسا نہیں جو صرف اس گناہ کا ارتکاب کرنے والے کی اپنی ذات پر منحصر ہو' بلکہ یہ عمل واللہ اعلم کہاں کہاں تک اپنی شاخیں پھیلائے گا۔ پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ وہ لوگ ان لوگوں پر طرح طرح کے طعن لگائیں گے جو انگوٹھے نہیں چومتے۔ یہ لوگ انگوٹھے نہ چومنے والوں پر بے ایمان' وہابی' مسلم نما ہندو اور گستاخ رسولؐ جیسے بے بنیاد الزامات لگائیں گے' انھیں مسجدوں میں آنے سے روکیں گے۔ اس طرح یہ عمل بجائے اتحاد بین المسلمین کے تفریق بین المومنین کا سبب بنا۔ اور جو عمل تفریق بین المومنین کے اسباب میں سے ایک سبب ہو وہ یقیناً حرام ہے۔

(۳) تیسری صورت مضاہقہ کی یہ ہے کہ جو مسلّم اور مانے ہوئے محدثین کرام ہوگزرے ہیں' جنھوں نے کسی ایک امر مستحب کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا' جیسے:

① حضرت امام مالکؒ بن انس انصاری مدنی'
② حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ تلمیذ حضرت امام مالکؒ و حضرت امام ابوحنیفہؒ'
③ حضرت امام ابو یوسفؒ تلمیذ حضرت امام ابو حنیفہؒ'
④ حضرت امام عبد الرزاقؒ تلمیذ حضرت امام ابو حنیفہؒ و معمرؒ صاحب المصنف'
⑤ حضرت امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ'
⑥ حضرت امام شافعیؒ'
⑦ حضرت امام احمد بن حنبلؒ'
⑧ حضرت امام ابوداؤد طیالسیؒ'
⑨ حضرت امام دارمیؒ صاحب مسند'
⑩ حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ'
⑪ حضرت امام مسلمؒ بن حجاج قشیری نیشاپوریؒ'
⑫ حضرت امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذیؒ'

⑬ حضرت امام احمد بن علی نسائیؒ،

⑭ حضرت امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانیؒ،

⑮ حضرت امام ابن ماجہؒ۔ اور:

⑯ حضرت امام دارقطنیؒ۔ وغیرہم

○ ان محدثینؒ میں سے کسی نے اس من گھڑت حدیث کا ذکر اپنی مشہور و متداول کتب میں نہیں فرمایا۔ کیا یہ من گھڑت روایت غیر متداول کتابوں سے نکال کر عوام کے سامنے پیش کرنے سے عوام میں لئے بڑے بڑے محدثین کے تبحر علمی کے بارے میں شکوک و شبہات اور بدگمانی پیدا نہ ہوگی کہ یہ بڑے بڑے محدثین یا تو گستاخ رسولؐ اور وہابی تھے جنھوں نے اتنی شان اور فضیلت والی یہ حدیث بیان ہی نہیں کی، یا پھر یہ سب حضرات کم علم بلکہ جاہل تھے، جن کو یہ حدیث نہ ملی۔ تو چونکہ اس بدگمانی اور زبان درازی کا سبب بھی یہی من گھڑت روایت اور انگوٹھے چومنے کا ناجائز عمل ہے، لہٰذا انگوٹھوں کے چومنے میں مضائقہ ہوا۔

④ چوتھی صورت مضائقہ کی یہ ہے کہ یہ ایک من گھڑت بات ہے، جسے قصہ گو لوگوں نے اپنی چرب زبانی سے عوام کے سامنے صحیح حدیث بنا کر پیش کیا۔

○ اور یہ روایت کئی وجوہ سے مضطرب بھی ہے۔ اور مضطرب روایت مردود کی اقسام میں سے ہے، جس کا بیان ہم نے دلیل مجوزین ۱ کے جواب میں تفصیل سے کر دیا ہے، جس میں ہم نے ثابت کیا تھا کہ اقسام احادیث میں سے حدیث قدسی نام کی کوئی حدیث کی قسم نہیں ہے۔ اب دیکھیے اضطراب کس طرح ہے؟

اضطراب کی صورتیں:

① اضطراب کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ بوسہ کس چیز کو دینا چاہیے؟ تو اس سلسلے میں کئی طرح کی روایات ہیں۔ چنانچہ:

① ایک روایت میں مطلق انگوٹھے چومنے کا ذکر ہے۔

② ایک روایت میں انگوٹھوں کے ناخن چومنے کا ذکر ہے۔

③ ایک روایت میں شہادت کی انگلی چومنے کا ذکر ہے۔

④ ایک روایت میں شہادت کی انگلی کا پورا چومنے کا ذکر ہے۔

(۲) اضطراب کی دوسری صورت یہ ہے کہ چومنے چاٹنے کا یہ عمل کرتے وقت زبان سے کیا الفاظ ادا کرے؟ اس سلسلے میں بھی کئی طرح کی روایات ہیں۔ چنانچہ :

① ایک روایت میں ہے کہ بوسہ دیتے وقت یہ الفاظ پڑھے : قرۃ عيني محمد بن عبد اللہ ﷺ

② ایک روایت میں ہے کہ یہ الفاظ پڑھے : اللهم احفظ حدیقتي و نورهما ببرکة حدیقتي محمد رسول اللہ و نورهما صلی اللہ علیہ وسلم

③ ایک روایت میں ہے : قرۃ عيني محمد بن عبد اللہ. اللهم متعني بالسمع والبصر

④ ایک روایت میں ہے : صلی اللہ علیك یا سیدی یا رسول اللہ یا حبيب قلبي ویا نور بصري ویا قرۃ عيني

⑤ ایک روایت میں ہے : اشهد ان محمدا عبدہ و رسوله رضيت بالله ربا و بالاسلام دینا و بمحمد ﷺ نبیا۔

○ اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا بیک وقت ان تمام روایات کو معمول بہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اگر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ ان تمام روایات پر ایک وقت میں عمل کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک روایت پر عمل کیا جائے اور دوسری تمام روایات میں مذکور اوراد کو ترک کردیا جائے۔ لیکن اس صورت میں بھی دو خرابیاں تو ضرور لازم آئیں گی۔

اور وہ خرابیاں یہ ہیں :

خرابی بغیر کسی معقول وجہ ترجیح کے ان میں سے کسی ایک کو راجح سمجھ کر اس کو اپنا معمول بنایا جائے اور باقی تمام اوراد کو ترک کردیں۔ اصطلاح محدثین میں اسے "ترجیح بلا مرجح" کہا جاتا ہے جو ناجائز ہے۔ بہرحال خود اضطراب ہی ایک ایسی چیز ہے جو حدیث

کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے سوائے اس کے کہ کسی معقول طریق سے اس اضطراب کو حل کرنے کی کوئی بہتر صورت نظر آجائے۔

اس من گھڑت بات پر عمل کرنے سے وہ مسنون طریقہ چھوٹ جاتا ہے جو بطریقِ شہرت بلکہ تواتر کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، جسے محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے اپنے ذخیرۂ احادیث میں نقل فرماتے ہیں۔ مثلاً:

جوابِ اذان کے مُتعلق احادیثِ صحیحہ:

حدیث ۱

① حضرت امام ابو عوانہؒ نے اپنی مسند صفحہ ۳۳۹ جلد ۱ میں،

② حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار صفحہ ۸۶ جلد ۱ میں،

③ حضرت امام ابوداؤد سجستانیؒ نے اپنی سُنن صفحہ ۸۵ جلد ۱ میں،

④ حضرت امام مُسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوریؒ نے اپنی صحیح مُسلم جلد ۱ صفحہ ۱۶۷ میں،

○ حضرت امیرالمومنین سیدنا امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے صحیح اسناد کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وہ شخص جنت میں جائے گا جو ایمان کی شرطوں اور صفات وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر مؤذن کی اذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر سُن کر اللہ اکبر اللہ اکبر کہے، اور اشھد ان لا الٰہ الا اللہ سُن کر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہے۔ اور اشھد ان محمدا رسول اللہ سُن کر اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے اور حی علی الصلوٰۃ سُن کر لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے اور حی علی الفلاح سُن کر بھی لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے اور پھر جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو سننے والا بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہے اور جب مؤذن کہے لا الٰہ الا اللہ تو یہ سننے والا بھی سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہے۔

حدیث ۲

① حضرت امام دارمیؒ نے اپنی مسند جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ میں،

② حضرت امام طحاویؒ نے اپنی شرح معانی الآثار صفحہ ۸۶ جلد ۱ میں،

③ حضرت امام ابوعوانہؒ نے مسند جلد ۱ صفحہ ۳۳۸ میں،

④ حضرت امام حمیدیؒ نے اپنی مسند صفحہ ۲۷۵ میں،

⑤ حضرت امام سیوطیؒ نے الجامع الصغیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ میں

○ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ زوج النبی بنت ابوسفیانؓ کے برادر حقیقی، کاتب وحی و مبلغ اسلام امیر المؤمنین سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے صحیح اسناد کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے موذن کے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر کہا، پھر جب موذن نے اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا تو حضرت معاویہؓ نے بھی اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا، پھر موذن نے اشھد ان محمدا رسول اللہ کہا تو حضرت معاویہؓ نے بھی اشھد ان محمدا رسول اللہ کہا، پھر جب موذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہؓ نے جواب میں لا حول و لا قوۃ الا باللہ کہا، پھر موذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہؓ نے جواب میں پھر لا حول و لا قوۃ الا باللہ کہا، پھر موذن نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر تو حضرت معاویہؓ نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہا، پھر موذن نے لا الہ الا اللہ کہا تو حضرت معاویہؓ نے بھی لا الہ الا اللہ کہا پھر حضرت معاویہؓ نے ارشاد فرمایا کہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

○ ایک روایت میں یوں الفاظ ہیں کہ جو کوئی موذن کے الفاظ سن کر اس کے مناسب الفاظ دہراتا جائے تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا موذن کو ملتا ہے۔

حدیث ۳ — حضرت امام ابوجعفر طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۶ میں

○ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب موذن کی آواز سنتے تھے تو اسی کی مثل الفاظ آپ ﷺ خود بھی ادا فرماتے تھے، یہاں تک کہ موذن اذان کہہ کر خاموش ہو جاتا۔

حدیث ۴ — ① حضرت امام ابو عوانہؒ نے اپنی مسند صفحہ ۳۳۶ میں،

② حضرت امام ابوجعفر طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۵ میں،

③ حضرت امام ابوداؤد سجستانیؒ نے اپنی سنن صفحہ ۸۴ میں،

④ حضرت امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوریؒ نے اپنی صحیح مسلم صفحہ ۱۶۶ میں،

○ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جب بھی تم لوگ مؤذن کی آواز سنو تو اسی کے مناسب الفاظ تم بھی اس کے ساتھ ساتھ کہتے رہا کرو۔

حدیث ۵
① حضرت امام ابو عوانہؒ نے اپنی مسند صفحہ ۳۳۷ میں'
② حضرت امام دارمیؒ نے اپنی مسند صفحہ ۱۴۱ میں'
③ حضرت امام ابو داؤدؒ نے اپنی سُنن صفحہ ۸۴ میں'
④ حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۵'
⑤ حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے اپنے موطا، صفحہ ۸۵ میں'
⑥ حضرت امام سیوطیؒ نے بہ رمز صحیح جامع صغیر میں صفحہ ۲۷ میں

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے خود حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جب تم مؤذن کی اذان سنو تو تم بھی اس کے ساتھ ساتھ اسی جیسے الفاظ کہتے رہا کرو۔

حدیث ۶
حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۶ میں

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ (مولی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی جب مؤذن کی اذان سنے تو جیسے جیسے الفاظ مؤذن کہتا جاتا ہے تو ویسے ہی سننے والا بھی اس کے ساتھ ساتھ کہتا جائے' البتہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہے اس وقت سننے والا لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے۔

(عمل الیوم واللیلہ صفحہ ۳۱ میں ابن سنی نے بھی یہی لکھا ہے)

حدیث ۷
حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنی مسند صفحہ ۴۶ میں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مؤذن کی اذان سنتے تھے تو جیسے جیسے مؤذن کہتا جاتا تھا تو آپ ﷺ بھی اس کے ساتھ ساتھ وہی الفاظ کہتے جاتے تھے۔

حدیث ۸ — مشکوٰۃ شریف صفحہ ۶۵ میں بحوالہ صحیح مسلم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت منقول ہے۔

حدیث ۹ — ① حضرت ابو عوانۃ نے اپنی مسند صفحہ ۳۴۰ میں"

② حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۷ میں

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل فرمایا ہے۔ صرف اتنا اضافہ ہے کہ: اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کے بعد فرمایا: رضیت باللہ رباً و بالاسلام دیناً و بمحمد نبیاً اور ارشاد فرمایا کہ جو اس طرح کرے گا اس کے اگلے پچھلے (صغیرہ گناہ) بخش دیے جائیں گے۔

حدیث ۱۰ — حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۶ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل فرمایا ہے۔

حدیث ۱۱ — حضرت امام ابوداؤد سجستانیؒ نے اپنی سُنن صفحہ ۸۵ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح نقل فرمایا ہے۔

حدیث ۱۲ — حضرت امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذیؒ نے اپنی جامع الترمذی صفحہ ۵۱ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور:

حدیث ۱۳ — سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایتیں آئی ہیں۔ یہ حضرات بھی اسی طرح بیان فرماتے ہیں جس طرح دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات گرامی اوپر بیان ہوئے ہیں۔

◻ ہم نے یہاں پر صرف ۱۳ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات پر اکتفا کیا ہے، جنہیں مشہور وجید محدثین کرام نے صحیح اسناد کے ساتھ اپنے اپنے ذخیرۂ احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ تتبع اور استقراء سے دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بارے میں مزید روایات بھی ان شاء اللہ تعالیٰ مل سکتی ہیں۔

○ بہرحال یہ احادیث صحیحہ مشہورہ مستفیضہ بلکہ متواترہ ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان پر آج کل لوگوں نے عمل کرنا ترک کر دیا ہے۔ اگر اس پر عمل شروع کر دیا جائے تو حسب فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو شہید کا ثواب ملے گا۔

مردہ سنت کو زندہ کرنے کا ثواب:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من تمسك بسنتي عند فساد امتي (اى عند غلبة البدعة و الجهل) فله اجر مائة شهيد. کہ میری امت کے فساد کے دور میں یعنی جہالت اور غلبۂ بدعت کے دور میں جو شخص میری سنت پر پوری طرح عمل کرے گا اور مضبوطی سے قائم رہے گا تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا (مشکوٰۃ صفحہ ۳۰)

خیر یہ تو باتوں میں بات آ گئی تو ہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کر دیا ہے کہ جس دور میں بدعات عام ہو جائیں اور سنت کو ترک کر دیا جائے یا قرآن و سنت کے علم کو کماحقہ حاصل کرنا چھوڑ دیا جائے اور لوگ قرآن و سنت کے علوم سے استفادہ چھوڑ کر صرف بزرگوں اور پیروں کے ارشادات و اقوال پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ کوئی کسی پیر کا پیروکار ہو۔ کوئی دوسرے پیر کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالے پھرے۔ اور امت تفرقہ پرستی کے جال میں پھنس کر فساد کا شکار ہو جائے، تو ایسے وقت میں جو شخص قرآن و سنت کی روشنی میں میرے اصل طریقے کو معلوم کر کے اس پر عمل کرے گا اور اہل بدعت اور فرقہ پرستوں کے طعنوں، گالیوں اور مارپیٹ کی پرواہ نہیں کرے گا تو ایسے پکے سچے مسلمان کو سو شہیدوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

بہرحال آپ نے دیکھ لیا ہے کہ احادیث صحیحہ مشہورہ متواترہ سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ مؤذن کے منہ سے کلماتِ اذان سن کر سننے والا شخص بھی انہی کی مثل کلمات اپنی زبان سے ادا کرے۔ اور یہ عمل خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی وہی کلمات ادا فرماتے تھے جو مؤذن کہتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ کلمات ادا کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ اور پھر ان کلمات کے ادا کرنے کا اجر و ثواب بھی بیان فرماتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ وہ من گھڑت عمل اور ورد نو متاخرین میں سے واللہ اعلم

کس نے ایجاد کیا ہے وہ عمل نہ تو حضرت نبی کریم ﷺ کی قولی سنت، نہ فعلی سنت ﷺ اور نہ تقریری سنت ﷺ۔ اور نہ ہی وہ عمل اور ورد مستحب ہے کہ جس پر عمل کرنا باعث فضیلت ہو، ورنہ سلف صالحینؒ اور خیر القرون میں اس عمل کا رواج ضرور ہوتا اور مجتہدین عظام میں سے کسی نہ کسی مجتہد کا اس پر عمل کرنے کے بارے میں قول ضرور ملتا، اس لیے کہ وہ لوگ ﴿یسارعون فی الخیرات﴾ امور خیر اور نیکی کے کاموں کی طرف بہت تیزی کے ساتھ لپک کر پہنچتے تھے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ احمد رضا خان بریلوی کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ: "انگوٹھے چومنے میں مضائقہ نہیں"۔ کیونکہ عوام خصوصاً اُردو دان طبقہ اس علمی اصطلاح کو نہیں سمجھتا، جو انھوں نے "لا بأس بہ" کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

○ اس کے بعد اب ہم یہ بتائیں گے کہ جس عمل کے بارے میں احمد رضا خان بریلوی نے مضائقہ نہ ہونے کے متعلق لکھا ہے، وہ عمل کئی وجوہ سے مکروہ بھی ہے۔

انگوٹھے چومنے کی وجوہ کراہت:

کراہت ۱ "حسامی" وغیرہ میں اصول فقہ کا قاعدہ لکھا ہے: الامر بالشیٔ یقتضی کراھۃ ضدہ۔ کہ شریعت جب کسی چیز کا حکم دیتی ہے تو یہ اس چیز کا متقاضی ہوتا ہے کہ اس کے خلاف عمل کرنا مکروہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ عمل حکم شریعت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس قانون کے تحت اس من گھڑت عمل کو مکروہ کہا جائے گا۔

کراہت ۲ جو شخص اس من گھڑت عمل کو اپنا معمول بناتا ہے تو حضرت نبی کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے مسنون کام پر عمل نہیں کرسکتا۔ اور اگر وہ اپنے من گھڑت عمل کے ساتھ ساتھ حضرت نبی کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے مسنون عمل کو بھی بجا لاتا ہے تو اول تو یہ عمل متعذر و متعسر اور مشکل ترین ہے۔ اور اگر کسی نے ان دونوں پر عمل کر ہی لیا تب بھی اس میں کراہت ہے۔ کیونکہ:

○ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری صفحہ ۲۰ میں فرمایا ہے: کرہ اھل الحق ... ان یجاوز وافعل النبی ﷺ کہ اہل حق نے حضرت نبی کریم ﷺ کے فعل

سے تجاوز کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ اور یہاں دو طرح کا تجاوز پایا گیا۔

① ایک تو الفاظ بڑھانے کے لحاظ سے۔

② اور دوسرے انگوٹھے چومنے کے لحاظ سے۔

اس طرح یہ عمل دو وجہ سے مکروہ، ناقابل عمل اور واجب الترک ہے۔

کراہت یہ معمولات اذکار کے قبیل سے ہیں اور اذکار میں اصل توقیف ہے، یعنی جو ذکر حضرت نبی کریم کی معصوم زبان مبارک سے صادر ہوا ہے اسی پر اکتفاء کرنا ضروری ہے۔ (دیکھیے: ہدایہ صفحہ ۸۴)

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے صادر شدہ عبارت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور کمی بیشی وغیرہ جائز نہیں، چاہے اس کی نفی اور حتمی صراحت کے ساتھ نہ آئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اذان میں مخصوص و منصوص الفاظ پر زیادتی کرنے کو فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے، جیسا کہ:

○ البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۲ میں ہے: یکرہ الزیادۃ فی الاذان۔

○ نیز حاشیہ اللہ داد بر ھدایہ صفحہ ۸۵ میں ہے کہ:

① رکوع میں سبحان ربی العظیم کی جگہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا خلاف سنت ہے۔

② اسی طرح سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کی جگہ سبحان ربی العظیم پڑھنا بھی خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

③ اسی طرح تکبیر تحریمہ کے موقع پر اللہ اکبر کی جگہ اللہ الاکبر، اللہ کبیر، اللہ اجل، اللہ اعظم یا لا الہ الا اللہ پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ حالانکہ معنی تعظیمی یعنی جو عظمت الٰہی پر دلالت کرنے والا ہو، ان تمام کلمات میں موجود ہے۔

(دیکھیے ھدایہ صفحہ ۸۴)

○ اسی طرح سورۂ فاتحہ جو قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ایک سورت ہے۔ اس کے بارے میں علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے

التحیات للہ... کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص قصداً ایسا کرے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوگی، نئے سرے سے نماز پڑھنی پڑے گی۔

○ اسی طرح تین یا چار رکعتوں والی فرض اور واجب نمازوں کے پہلے قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد فوراً تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا ضروری ہے اور اس تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے سے بیشک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع بھی نہیں فرمایا، لیکن اس کی تعلیم بھی نہیں فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ حق و فقہاءِ کرام کا اس بارہ میں اتفاق ہے کہ اگر کسی نے تیسری رکعت کی طرف اٹھنے سے پہلے بھولے سے صرف اللھم صل علی محمد پڑھ لیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر جان بوجھ کر اللھم صل علی محمد تک یا اس سے زیادہ پڑھے گا تو اس کی نماز ہی نہ ہوگی، اور نماز لوٹانی پڑے گی۔

○ اسی طرح اذان کے کلمات میں حی علی الصلوٰۃ کے بعد حی علی خیر العمل کہنے کے بارے میں ضعیف حدیث موجود ہے، اور جہاں تک ہماری معلومات ہیں محدثین میں سے کسی نے اسے موضوع نہیں کہا، اور علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ اوراد و اذکار اور فضائل میں کمزور اور ضعیف روایتوں پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے۔ مگر باوجود اس کے فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ اذان میں حی علی خیر العمل کہنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ایک تو اس حدیث کا ضعف غیر معمولی ہے اور کراہت کی دوسری وجہ تشبہ بالروافض ہے۔

اذکار و اعمال کے توقیفی ہونے کی چند مثالیں:

① حضرت امام محمدؒ نے اپنے موطا، صفحہ ۳۸۵ میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت محمد بن عمرو بن عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ اس دوران ایک یمنی شخص نے آ کر کہا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پھر اس پر ایک کلمہ مزید

بڑھا دیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ یہ "سلام" کرنے والا شخص کون ہے؟ (ان دنوں آپؓ کی بینائی جاچکی تھی) لوگوں نے بتایا کہ یہ شخص یمنی ہے، جو اس سے پہلے بھی آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہے۔ پھر لوگوں نے اس کا تعارف کرایا۔ یہاں تک کہ آپؓ نے اسے پہچان لیا۔ پھر آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ: "سلام" وبرکاتہ پر ختم ہوجاتا ہے، یعنی اس کے بعد اور کوئی لفظ بڑھانا نہیں چاہیے۔

○ اس کے بعد حضرت امام محمدؒ نے تحریر فرمایا کہ ہمارا بھی یہی مذہب ہے، وبھذا ناخذ اور ہم اسی کو لیتے ہیں کہ جب آدمی السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو یہیں رک جائے۔ کیونکہ سنت کی پیروی سے ہی فضیلت ملتی ہے۔ فان اتباع السنۃ افضل۔ حالانکہ سنن ابی داؤد صفحہ ۳۵۹، اور عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی صفحہ میں مغفرتہ کا اضافہ بھی موجود ہے۔ لیکن چونکہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہیں اس لیے حضرت امام محمدؒ نے ان کا اعتبار نہیں کیا اور فرمایا کہ لیکفف فان اتباع السنۃ افضل۔ یعنی السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تک کہہ کر رک جانا چاہیے۔ کیونکہ اتباع سنت ہی فضیلت والی چیز ہے۔

○ نیز حضرت امام نوویؒ نے بھی "الاذکار" میں ومغفرتہ والی حدیث کی اسناد کو ضعیف کہا ہے۔

○ معلوم ہوا کہ اذکار و اوراد اور فضائل کے سلسلے میں بھی جس قدر صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہو وہ تو ٹھیک ہے لیکن کسی ضعیف حدیث کا سہارا لے کر اس پر زیادتی کرنا اتباع سنت کے خلاف ہے۔

○ نیز حضرت علامہ محمد طاہر فتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے ضعف کی وجہ بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "تذکرۃ الموضوعات" صفحہ ۲۶۹ میں فرمایا ہے کہ:

اس حدیث کا ایک راوی ابو مرحوم عبدالرحمن بن میمون ہے، جسے حضرت امام یحییٰ اور حضرت امام ابو حاتمؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

② حضرت امام نوویؒ نے شرح مسلم صفحہ ۱۸۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ نماز کا سلام پھیرتے وقت صرف السلام علیکم و رحمۃ اللہ پر ہی اکتفا کرنا چاہیے' اس کے بعد وبرکاتہ کا لفظ بڑھانا مکروہ اور بدعت ہے۔ اگرچہ اس کے بارے میں بھی ایک حدیث آئی ہے' لیکن وہ ضعیف اور ناقابلِ عمل ہے۔

③ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھنے والے کسی آدمی نے چھینکا اور کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ۔ یہ الفاظ سن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں بھی مانتا ہوں السلام علی رسول اللہ۔ لیکن اس چھینک کے موقع پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح تعلیم نہیں دی۔ بلکہ ہمیں "الحمد للہ علی کل حال" کہنے کی تعلیم دی ہے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۶)

④ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔ عید ین کی نمازوں کے لیے نہ اذان ہے اور نہ اقامت۔ اور یہی طریقہ ہمارے ہاں "سنت" ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا آرہا ہے کہ عیدین کی نمازوں کے لیے نہ اذان کہی جاتی ہے اور نہ اقامت۔ (دیکھیے موطا امام مالکؒ صفحہ ۶۲)

⑤ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وحی کی عبارت کا خوب خیال رکھتے تھے' اگر کوئی شخص اس میں ذرا سا بھی رد و بدل کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ٹوک دیتے اور اصل عبارت بتلا کر اس کی اصلاح فرما دیتے تھے' جیسا کہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح صفحہ ۹۳۴ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو ایک دعاء بتلائی تھی جس میں ونبیک کا لفظ آتا تھا۔ پھر جب حضرت براءؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دعاء پڑھ کر سنائی تو انھوں نے ونبیک کی جگہ وبرسولک پڑھ دیا تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس جگہ وبرسولک کے لفظ نہیں ہیں' بلکہ یہاں پر ونبیک کے الفاظ ہیں' اس لیے وبرسولک مت پڑھو' بلکہ ونبیک پڑھو۔ حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول بھی ہیں۔ اور

رسول کا لفظ ایسا ہے جس میں آپ ﷺ کے نبی ہونے کا اقرار بھی پایا جاتا ہے، اور نبی کے ضمن میں رسول کا آنا ضروری نہیں ہے۔ اور خود قرآن مجید میں کئی مقامات پر رسول کے ساتھ ارسال کے لفظ بھی آئے ہیں، مثلاً:

○ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ (۱۳: ۳۸)۔

○ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرٰی (۲۳: ۴۴)

○ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلاً (۴: ۷۹) وغیرذٰلک۔

مگر باوجود ان سب باتوں کے حضرت نبی کریم ﷺ نے منصوص و مخصوص لفظی رعایت کو خاص طور پر مد نظر رکھا۔ اور وبرسولك الذی ارسلت کہنے پر نکیر فرمائی اور بنبیك الذی ارسلت کہنے پر زور دیا۔

○ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس عبارت کی رعایت رکھنا بہت ہی اہم ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کی معصوم زبان سے صادر ہوئی ہو، ان الفاظ میں تغیر تبدل اور کمی بیشی کرنے کی نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ کسی کو حق ہے۔

حدیث میں نقل نہ ہونا مکروہ و بدعت ہونے کی دلیل ہے

○ فقہاء کرام نے متعدد مقامات میں جہاں کسی عمل کو مکروہ، بدعت یا خلاف سنت کہا ہے تو اس کی دلیل میں وہ یہی فرماتے ہیں: لانہ لم ینقل کہ یہ عمل نقل ہو کر نہیں آیا، یعنی کسی صحیح حدیث سے یہ عمل ثابت نہیں اس لیے بدعت، مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے اس کی چند مثالیں تحریر کی جاتی ہیں:

(۱) ہدایہ صفحہ ۱۵۶ میں ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ نے فرمایا کہ کسوف الشمس یعنی سورج گہن کی نماز سے پہلے یا بعد میں خطبہ نہ دیا جائے اور اس کی دلیل میں لانہ لم ینقل کا لفظ تحریر فرمایا۔

(۲) ہدایہ میں لکھا ہے کہ دن کے وقت پڑھے جانے والے نفل ایک سلام کے ساتھ چار رکعت سے زیادہ نہ پڑھے۔ اور رات کے وقت پڑھے جانے والے نفل ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت سے زیادہ نہ پڑھے کیونکہ مکروہ ہے۔ اور اس کی

کراہت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: دلیل الکراھۃ انہ علیہ السلام لم یزد علی ذلک ولولا الکراھۃ لزاد تعلیما للجواز (ہدایہ صفحہ ۱۳۷) یعنی دن میں بیک سلام چار رکعتوں سے زیادہ نفل پڑھنے اور رات کو بیک سلام آٹھ رکعتوں سے زیادہ نفل پڑھنے کی دلیل کراہت یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دن میں بیک سلام چار رکعتوں سے زیادہ اور رات کو بیک سلام آٹھ رکعتوں سے زیادہ نفل نہیں پڑھے۔ اور اگر بیک سلام چار اور آٹھ رکعتوں سے زیادہ نفل پڑھنے مکروہ نہ ہوتے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلاف معمول صرف بیان جواز کے لئے بیک سلام دن میں چار سے زیادہ اور رات کو آٹھ سے زیادہ نفل زندگی میں ایک بار تو ضرور پڑھ لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کام نہ کرنا بھی سنت ہے اور اس کام کا کرنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

(۳) ہدایہ صفحہ ۴۹۱ میں ہے کہ مرد کو رجم کرنے کیلئے گڑھا نہ کھودا جائے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرتے وقت گڑھا نہیں کھدوایا تھا۔

(۴) ہدایہ صفحہ ۴۹۲ میں ہے کہ محصن (یعنی جو مسلمان حر عاقل بالغ شادی شدہ ہو' اور اس نے نکاح کے بعد وطی کی ہوئی ہو' اور زانی اور زانیہ دونوں ان اوصاف سے متصف ہوں تو ایسے محصنوں) کی سزا صرف رجم ہے اور یہ جائز نہیں کہ پہلے تو محصن کو کوڑے مارے جائیں اور بعد میں رجم بھی کیا جائے۔ اور اس کی دلیل یہ بیان فرمائی: لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یجمع کہ جلد یعنی کوڑے مارنا اور رجم یعنی پتھروں سے مار دینا' ان دونوں سزاؤں کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع نہیں فرمایا۔

(۵) ہدایہ صفحہ ۴۹۱ میں ہے کہ رجم کرنے کے لیے محصن مرد کو باندھنا ناجائز ہے۔ والربط و الامساک غیر مشروع۔ اور پھر اس کے غیر مشروع ہونے کی دلیل یہ دی: لان ماعزا رضی اللہ عنہ لم یربط ولم یمسک۔ کہ محصن مرد کو باندھ کر رجم کرنا اس لیے ناجائز ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرتے وقت بندھوایا نہیں تھا۔

(۶) ہدایہ میں ہے کہ ثناء (سبحانك اللهم.....) اور تعوذ (اعوذ بالله.....) نماز کی صرف پہلی رکعت کے شروع میں ایک بار پڑھنا جائز ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسری رکعتوں میں ثناء و تعوذ پڑھنا جائز نہیں ہے' اور نہ یہ سنت ہے اور نہ ہی مستحب۔ کیونکہ کسی دلیل سے ان کے پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔

(۷) البحر الرائق جلد ا صفحہ ۲۶۱ میں ہے کہ اذان میں "حي على خير العمل" پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ سچے اور صحیح کلمات بھی اذان میں بڑھانا اور پڑھنا مکروہ' بدعت اور خلاف سنت ہیں:

① اشهد ان القرأن كلام الله

② اشهد ان الكعبة بيت الله

③ اشهد ان ابا بكر الصديقؓ خليفة رسول الله

④ اشهد ان ابرهيم خليل الله

⑤ اشهد ان اسمعيل ذبيح الله

⑥ اشهد ان موسىٰ كليم الله

⑦ اشهد ان عيسىٰ روح الله و كلمته وغیرہ۔

حالانکہ یہ سب کلمات بذاتِ خود برحق ہیں اور ہمارے ایمان میں داخل ہیں اور قرآن مجید جیسی قطعی کلام اللہ سے ثابت بھی ہیں' مگر ان کلمات کا اذان و اقامت میں اضافہ کرنا اس لیے مکروہ و بدعت ہے کہ ان کلماتِ حقہ ایمانیہ کا اضافہ حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

(۸) موطا امام محمدؒ صفحہ ۳۸۵ کے حاشیہ میں حضرت عروۃؒ بن زبیرؓ کی روایت منقول ہے کہ ایک آدمی نے آپؓ کو آکر کہا: "السلام عليكم ورحمة الله وبركاته" اس پر حضرت عروۃؒ نے فرمایا کہ تُو نے تو ہمارے لیے فضل کہنے کا موقع ہی نہ چھوڑا' کیونکہ سلام تو وبركاته پر ختم ہو گیا ہے' اب ہم تمہاری دعا میں کیا لفظ بڑھائیں۔

(۹) اسی طرح حضرت یحییٰ بن سعیدؒ نے اپنے موطا میں نقل فرمایا ہے کہ کسی نے حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو لمبا چوڑا سلام کیا اور السّلام علیک و رحمۃ اللہ وبرکاتہ الغادیات الرائحات کہا، تو آپؓ نے اس سلام کہنے والے کے اس سلام کو برا محسوس کیا۔

⑩ نمازِ عید سے پہلے نفل پڑھنا اس لیے منع ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عید سے پہلے نفل نہیں پڑھے تھے، جبکہ آپؐ نماز پڑھنے کے بہت شوقین تھے۔ (دیکھیے: ہدایہ جلد ا صفحہ ۱۶۵ باب العیدین)

⑪ مؤطا امام محمدؒ صفحہ ۱۴۵ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ صبح کی نماز میں دعاءِ قنوت نہ پڑھی جائے۔

○ نیز التعلیق المجد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک اور روایت بھی منقول ہے جس میں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ صبح کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھنا بدعت ہے۔

○ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ بھی صبح کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔

⑫ البحر الرائق میں ہے کہ حلقوم کا مسح کرنا مکروہ بلکہ بدعت ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

⑬ قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتیں ہیں، ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی اور پڑھی جاتی ہے، لیکن سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی جاتی ہے اور نہ پڑھی جاتی ہے۔ حضرت امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ تو لکھنے کا حکم دیا اور نہ پڑھنے کا۔

(دیکھیے: جلالین صفحہ ۱۴۵ بحوالہ مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۲۰)

⑭ سوائے سورۂ توبہ کے ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو پڑھا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ کوئی اور لفظ نہیں بڑھایا جا سکتا، اگرچہ قرآن مجید کی ہی چھوٹی سی آیت کریمہ مثلاً: الحمد للہ رب العٰلمین ہو اگر کوئی شخص ہر سورت کے شروع

میں لکھے یا پڑھے تو علماء دین نے اس پر فتویٰ لگایا ہے کہ وہ شخص زندیق، بے دین اور واجب القتل ہے۔ جیسا کہ:

⑭ تلویح علی التوضیح صفحہ ۱۵۷ میں ہے: من یلحق بالمصحف ایات مکرورۃ مثلا ان یکتب فی اول کل سورۃ الحمد للہ رب العلمین فانہ یعد زندیقا فیقتل، او مجنونا فیداوی۔ کہ جو شخص ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی طرح الحمد للہ رب العلمین لکھنا شروع کر دے تو اگر وہ عقلمند ہے، لیکن سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتا تو ایسے شخص کو زندیق اور بے دین لوگوں میں شمار کیا جائے اور اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ اور اگر وہ مجنون اور پاگل ہے تو اس کا علاج کیا جائے۔

⑮ بیضاوی میں ہے کہ سورۃ فاتحہ کے آخر میں اگرچہ آمین کہنا مسنون، باعث فضیلت اور کار ثواب ہے، لیکن الحمد شریف کے آخر میں اس کا لکھنا ممنوع اور بدعت ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر آمین کا لفظ لکھنے کا حکم نہیں فرمایا۔

⑯ جس وقت قرآن مجید میں یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما کا حکم الٰہی نازل ہوا تو باوجود اہل لسان اور فصیح و بلیغ ہونے کے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی رائے اور مرضی سے درود شریف کے لیے خوبصورت الفاظ تلاش کرنے کی بجائے خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی عرض کی کہ یارسول اللہ! ہمیں ان الفاظ کی تعلیم فرمائیے جن کے ذریعے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھیں۔ تب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عبارت بتائی کہ ان الفاظ میں مجھ پر درود پڑھو، اور یہ نہیں فرمایا کہ آپ لوگ تو عرب ہو، اہل لسان اور فصیح و بلیغ ہو، اس لیے اپنی صوابدید اور اپنی رائے اور مجھ کے مطابق اچھے سے اچھے الفاظ میں مجھ پر درود بھیجیں۔

⑰ معلوم ہوا کہ اذکار و اوراد کا دارومدار شارع علیہ السلام کے بیان پر موقوف ہے۔ اس لیے جو جو الفاظ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں ہمیں بھی انہی الفاظ میں درود شریف پڑھنا چاہیے۔ ان الفاظ میں تغیر تبدل اور کمی بیشی منع ہے، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسطرح کا سوال ہی نہ کرتے۔

(۱۷) حضرت امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں تحریر فرمایا ہے کہ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد..... کے بعد اللھم ارحم محمدا و آل محمد کما رحمت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم..... پڑھنا بدعت ہے۔ حالانکہ بعض روایات میں یہ الفاظ وارد بھی ہیں، مگر پھر بھی حضرت امام نوویؒ نے بدعت کا فتویٰ لگایا ہے۔

○ اور حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ میں اس کے بدعت ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: جن حدیثوں میں یہ الفاظ آتے ہیں وہ حدیثیں ضعیف ہیں۔ یعنی ان حدیثوں کا ضعف اس قدر شدید اور غیر معمولی ہے کہ اگرچہ ان کو موضوع بھی نہیں کہا جاسکتا تاہم ان پر عمل کرنا بدعت و ناجائز ہے۔

○ اس قسم کی تمام باتوں کو جمع کریں تو بہت ضخیم کتاب بن جائے گی، اور مطالعہ کرنے والے تنگ پڑ جائیں گے۔ اس لیے ہم اسی مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ خیب آدمی اسے پڑھ کر ضرور ہدایت پاجائے گا۔ لیکن ضدی اور معاند قسم کے لوگوں کو تو قرآن مجید جیسی معجز اور قطعی کتاب اللہ پر بھی یقین نہیں آتا تھا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم و محفوظ زبان سے صادر ہوتی تھی۔

○ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: من یھدی اللہ فھو المھتد و من یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا۔ یعنی اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دے وہی ہدایت پر آتا ہے اور جسے گمراہی میں رکھے وہ کوئی ایسا دوست نہیں پائے گا جو اس کی رہنمائی کر سکے۔

○ بہرکیف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تمام خیر القرون میں یہی عمل رہا ہے کہ وہی کام کیا جائے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معمول تھا اور یہی طریقہ اہل السنّت و الجماعت کا ہے۔ اگر وہ صحیح اسناد کے ساتھ منقول نہیں ہے تو سمجھیے کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معمول بھی نہیں تھا۔ اب اگرچہ وہ کام بظاہر کتنا ہی خوشنما اور باعثِ اجر و ثواب اور موجب برکات کثیرہ معلوم ہوتا ہو وہ بہرحال بدعت، مکروہ اور خلافِ سنّت ہی ہوگا۔

اذان کے آخر میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کیوں نہیں کہا جاتا؟

○ اب ذرا غور کیجیے کہ ہم دن رات میں مختلف مساجد سے متعدد بار اذان سنتے ہیں، مؤذن خواہ کسی عقیدہ یا کسی فرقہ کا مدعی ہو، دیوبندی ہو یا بریلوی، اہل حدیث ہو یا شیعہ سبھی سب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر اذان ختم کر دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اذان واقامت کے دوسرے کلمات کی طرح باآوازِ بلند مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہیں کہتا۔ البتہ بعض ناواقف بیچارے پست آواز سے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لیتے ہیں۔

○ اب اگر کوئی ان سے پوچھے کہ اذان واقامت کے دوسرے تمام کلمات تو آپ نے بلند آواز سے پڑھتے ہیں لیکن اب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے وقت اپنی آواز کو پست کیوں کرتے ہو، اس کی کوئی معقول وجہ بیان کریں، اس کے جواب میں یا تو وہ خاموش ہو جائیں گے اور اگر کچھ جواب میں کہیں گے تو بس اتنا کہ تو کوئی وہابی اور گستاخِ رسول معلوم ہوتا ہے، اور یا پھر وہ جواب میں وہی بات کہیں گے جو ہم کہتے ہیں کہ اذان و اقامت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد اذان واقامت میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا کہیں منقول نہیں۔

○ اب دیکھیے کہ اس مقام پر "منقول" نہ ہونا عدمِ جواز کی کتنی واضح اور متفق علیہ دلیل بن رہی ہے، تو اب اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ اذان واقامت کے آخر کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے بعد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مطلقاً نہ پڑھا جائے، نہ پست آواز سے اور نہ بلند آواز سے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ادوار میں اس کا نہ تو بلند آواز سے اور نہ ہی پست آواز سے پڑھنا منقول ہے۔ اور جو بات زمانہ خیر القرون میں منقول نہ ہو وہ بظاہر کتنی بھی نیکی کی بات معلوم ہو، امورِ شریعت میں وہ مقبول نہیں، بلکہ خلافِ سنت، بدعت اور مکروہ ہے۔

تنبیہ: بعض حضرات اذان و اقامت میں اشھد ان محمد رسول اللّٰہ کے الفاظ سن کر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قدرے بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور باقی کلمات اذان واقامت

کا جواب نہیں دیتے' یہ سب خلاف سنت ہے۔

○ قبل ازیں ہم احادیث صحیحہ نقل کر چکے ہیں جن سے اس بات کی وضاحت ہے کہ اذان واقامت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق محمد رسول اللہ کے جواب میں بھی اشہد ان محمدا رسول اللہ ہی کہنا چاہئے۔
جن حضرات کو صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہنے کی عادت ہے وہ اذان واقامت میں اسے چھوڑ دیں تا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آپ ﷺ کے طریقے کی صحیح پیروی ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سنت کا عامل بنائے۔ آمین۔

خلاصہ ہماری بیان کردہ انگوٹھے چومنے کی وجہ کراہت ۳ کا ماحصل یہ ہوا کہ اذکار واعمال سب توقیفی ہیں' یعنی اجازت شارع پر موقوف ہیں۔ جن جن اذکار و اعمال کی شریعت مطہرہ اجازت دے گی وہ تو جائز ہوں گے لیکن جن اذکار واعمال کی اجازت شریعت نے نہیں دی اور نہ ہی کسی دلیل شرعی سے نقل ہو کر آئے ہیں تو ایسے اذکار و اعمال ممنوع' مکروہ' خلاف سنت اور بدعت ہیں۔ اور جو ایسے غیر منقول اعمال کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہیں وہ گناہ کے مرتکب ہیں' خواہ بظاہر کتنا ہی نیکی کا کام ہو' وہ گناہ ہے۔ کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ سنت طریقہ کی مخالفت کرنے والا یا غیر منقول اعمال کو اپنا معمول بنا کر اسے نیکی کا کام سمجھنے والا مسئ یعنی گنہگار' بدکردار اور مبتدع یعنی بدعتی ہے۔ جیسا کہ :

○ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ میں ہے : بدعۃ وھی خلاف السنۃ۔

○ صفحہ ۲۷۱ میں ہے : اخطأ السنۃ فیصیر مسیئاً۔

○ صفحہ ۲۲۸ میں ہے : یصیر مسیئاً بترکہ (ای السنۃ)

○ صفحہ ۲۲۲ میں ہے : اساء بترکہ الاقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

○ صفحہ ۱۵۴ میں ہے : مسیئ لانہ خالف السنۃ۔

○ صفحہ ۱۰۳ میں ہے : مسیئ لمخالفتہ المنقول۔

○ صفحہ [illegible] میں ہے : مسیئ لمخالفتہ (ای السنۃ)

اور مکروہ کام اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے، جیسا کہ : "شریعۃ الاسلام" میں بحوالہ مجموعہ نوادرات قلمی ورق ۳۴ کا سطر ا تحریر فرمایا ہے : المکروہ لیس بمرضی عند اللہ. پس انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرنا، اور قسرۃ عینی بک وغیرہ پڑھنا مکروہ اور بدعت ہوا۔ اور اس کا عامل سیئہ کا مرتکب ہوگا۔

جب کسی مباح کام کے کرنے سے عوام کے عقیدہ میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو اور اس بات کا اندیشہ اور خطرہ ہو کہ اس مباح کام کو دیکھ کر کم علم عوام الناس اسے ضروری یا سنت سمجھنے لگیں گے تو ایسے حالات میں وہ مباح کام بھی مباح نہ رہے گا بلکہ ممنوع اور مکروہ ہو جائے گا۔ یہ اہل اصول کا قانون ہے جسے اہل بدعت بریلوی فرقہ کے امام احمد رضا خان بریلوی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے فتاویٰ افریقیہ صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے : تکرہ السجدۃ بعد الصلوۃ لان الجہلۃ یعتقدونہا سنۃ او واجبا و کل مباح یؤدی الیہ مکروہ۔ یعنی نماز پڑھ چکنے کے بعد سجدہ کرنا مکروہ ہے، کیونکہ کسی بزرگ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر جاہل لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ یا تو یہ سجدہ سنت ہے یا واجب ہے تو ایسا مباح کام بھی مباح نہیں رہتا بلکہ مکروہ بن جاتا ہے۔ اور یہ مسئلہ بیان کرنے کے بعد امام بریلویت نے البحرالرائق اور ردالمحتار وغیرہما کتب کے حوالجات بھی بطور تائید و دلیل کے تحریر کیے ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۸۰ میں ایک حدیث ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں الٓمٓ تنزیل السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا کہ شافعیہ کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ آج کل بہتر یہ ہے کہ امام فجر کی نماز میں جمعہ کے دن یہ دونوں سورتیں نہ پڑھے، کیونکہ آج کل عام لوگ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ان دونوں سورتوں کے پڑھنے کو واجب سمجھ رہے ہیں، اور جو امام یہ

سورتیں نہ پڑھے اس پر نکیر اور اعتراض کرتے ہیں' اس لیے وہ فتوے اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ مباح عمل کا مقام تو رہا' حضرت نبی کریم ﷺ کا اپنا ایسا معمول جس پر عمل کرنے کے لیے نہیں فرمائی یعنی سُنّت غیر مؤکدہ جو صحیح سند کے ساتھ منقول بھی ہو تب صورت میں جبکہ عوام الناس اس سُنّت غیر مؤکدہ اور معمول نبی کو ضروری اور واجب سمجھنے لگیں تو اسے چھوڑ دینے کا حکم ہے۔

© اب ظاہر ہے کہ جس مسئلہ پر ہم یہ کتاب لکھ رہے ہیں یعنی انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر لگانا' تو چونکہ عوام الناس اس عمل کو ضروری سمجھتے ہیں' جس کی علامتوں میں سے ایک علامت تو یہی ہے کہ یہ لوگ انگوٹھے نہ چومنے والوں کو برا سمجھتے ہیں اور یہ عمل نہ کرنا حب رسولؐ کے منافی اور گستاخی رسولؐ کی بڑی علامت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس میں شک نہیں کہ جو عمل حب رسولؐ کے منافی ہو اور اس سے گستاخی رسولؐ ٹپکتی ہو تو وہ حرام اور مُفضی الی الکفر ہی نہیں بلکہ کھلا اور صریح کفر ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

کدنمبر ۳ یہ عمل مردود سُنّت مشہورہ معمولہ و محفوظہ کے ترک کر دینے کا موجب اور سبب ہے' جیسا کہ اضطراب کی دوسری صورت میں ہم بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔ اور جو عمل سُنّت مشہورہ' معمولہ و محفوظہ کے ترک کا سبب بنے وہ مکروہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عمل مکروہ ہوگا۔ اور یہ ایسا منحوس عمل ہے جس کی نحوست کا اتنا بڑا اثر ہوا کہ اس کی وجہ سے ایک سُنّت مؤکدہ پر عمل رہ گیا اور وہ متروک العمل ہوگئی۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ما احدث قوم بدعة الا رفع اللہ مثلها من السنة (مشکوٰۃ صفحہ ۳۱) یعنی بدعت وہ مذموم اور منحوس عمل ہے جس کی نحوست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سنت اور اس کی برکات اٹھا لیتا ہے اور پھر لوٹ کر ان کا آنا بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مبتدعین حضرات اجابت مسنونہ یعنی اذان کے جواب کا سنت طریقہ عوام کے سامنے بیان کرنے کی

ہمت نہیں کرتے بلکہ اس کے مقابلے میں اس بدعت عمل کو اپنا معمول بنانے پر بڑا زور دیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہ اسی عمل بد کی نحوست ہے کہ اجابت مسنونہ سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی۔

اس عمل کو نصاریٰ کے عقیدہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کی ابتداء اہل اسلام میں کس نے کی؟ کس نے ہمارے ذخیرۂ احادیث میں چپکے سے حدیث قدسی کے نام سے لے داخل کیا۔ اس سلسلے میں تو پہلے کافی کچھ لکھا جا چکا ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ وضعی اور من گھڑت مسئلہ ہے، لیکن اس کا اصل ماخذ معلوم نہ ہو سکا تھا۔

○ بہر حال تلاشِ بسیار کے بعد معلوم ہو گیا کہ دراصل یہ نصرانیوں کی کارستانی ہے، جو انھوں نے موقع پا کر صدیوں پہلے کی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے راویوں کا کچھ علم نہیں ہو سکا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کسی زندیق کی دسیسہ کاری ہو۔ جس نے اپنا نام ظاہر کیے بغیر نصرانی عبارت میں روح القدس کی جگہ نور محمدی کا لفظ لکھ کر مسلمانوں کے عقائد میں شرک کا بیج بونے کی کوشش کی۔ چنانچہ مشہور عالم:

① محمد عمر اچھروی نے اپنی مشہور کتاب "مقیاس حنفیت" صفحہ ۲۰۳ پر اور

② احمد یار خان بدایونی ثم گجراتی نے "جاء الحق" صفحہ ۳۷۹ و ۳۸۰ میں نصرانیوں کی کتاب "انجیل برناباس" صفحہ ۶۰ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"حضرت آدم علیہ السلام کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں روح القدس کا نور چمکایا گیا تو انھوں نے فرطِ محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا"۔

○ انجیل برناباس کا حوالہ دے کر ان دونوں علماء نے اس حقیقت کا برملا اعتراف کر لیا ہے کہ درحقیقت انگوٹھے چومنے کا عمل مسیحیوں کا معمول ہے۔ اور ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بھی اسی جیسا عمل روح القدس کی بجائے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کریں۔ اس طرح اس عمل میں مسیحیوں کے ساتھ مشابہت بھی ہو گئی۔ اور اس عمل کے مکروہ اور واجب الترک ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

غیر قوموں سے مشابہت کی ممانعت :

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو غیر قوموں کے ساتھ مشابہت کرنے سے سخت لہجہ میں منع فرمایا ہے' اس لیے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے علماء حق ہمیشہ ایسے کاموں سے روکتے رہے ہیں' جن میں غیر قوموں کے ساتھ مشابہت ہو۔ چنانچہ :

حدیث ۱ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : من تشبہ بقوم فھو منھم (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۰۳) کہ جس شخص نے کسی غیر قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی تو وہ (ہماری بجائے) انہی میں شمار ہوگا۔

حدیث ۲ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تشبھوا بالیھود (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵) کہ یہودی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔ اس روایت کے دیگر راوی ① سیدنا جُبیرؓ، ② سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، ③ سیدنا جابرؓ، ④ سیدنا ابوذرؓ، ⑤ سیدنا انسؓ، ⑥ سیدنا ابو رمثہؓ، ⑦ سیدنا جہدمہؓ، ⑧ سیدنا ابوالطفیلؓ، ⑨ سیدنا جابر بن سمرہؓ، ⑩ سیدنا ابو جحیفہ۔ اور ⑪ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

حدیث ۳ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میری ہمشیرہ حضرت مُغیرہ رضی اللہ عنہا میرے بچپن کے زمانے میں مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئیں' میرے سر پر بالوں کے دو جوڑے تھے' جنہیں دیکھ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے سر سے یہ دونوں جُوڑے منڈا دو' یا فرمایا کہ کاٹ دو۔ کیونکہ یہ یہودیوں کا شعار ہے۔ احلقوا ھذین او قصوھما فان ھذا زی الیھود (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)

حدیث ۴ سیدنا ابوالملیح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن جلود السباع ان تفترش (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷) کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھالوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔

حدیث ۵ — سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: انھم یوفرون سبالھم و یحلقون لحاھم فخالفوھم (معجم اوسط جلد ۲ صفحہ ۳۲) کہ مجوسی اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں، اس لیے تم ان کی مخالفت کرو، یعنی مونچھیں کٹاؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔

○ اس مقام پر محشی نے حضرت حافظ ابن حجرؒ کی شرح سے نقل فرمایا ہے: انھم کانوا یقصون لحاھم و منھم من کان یحلقھا۔ کہ بعض مجوسی لوگ اپنی ڈاڑھیاں کترواتے تھے اور بعض بالکل ہی منڈوا دیتے تھے۔ (دیکھیے: اَلتَّبْیِیْنُ فِیْ اَنَّ اِعْفَآءَ اللِّحْیَۃِ فِی الدِّیْنِ مطبوعہ: گلستانِ رمضان ۱۳۲۰ھ)

حدیث ۶ — سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاتسلموا تسلیم الیھود و النصارٰی فان تسلیمھم بالاکف و الرؤس و الاشارۃ کہ یہود و نصاریٰ کی طرح سلام نہ کیا کرو، کیونکہ وہ ہتھیلیوں، سروں اور اشارے سے سلام کرتے ہیں۔ (عمل الیوم و اللیلہ صفحہ ۱۱۹)

حدیث ۷ — سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ رنگ والی مجوسیوں کی مخصوص زین پوش سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۲۵)

○ نیز ترمذی صفحہ ۳۰۶ میں یہی روایت ① امیر المومنین سیدنا امام علی، اور ② امیر المومنین سیدنا امام معاویہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

حدیث ۸ — سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناخن سے ذبح نہ کرو، کیونکہ یہ حبشی (کفار) کی چھری ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۵۷)

○ بہرحال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور تمام سلف و خلف نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی ارشادات و فرمودات کی وجہ سے ہر قسم کی مشتبہانہ تبدیلی ہیئت اور تبدیلی معاشرت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور وہ ہمیشہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں سے اپنے دور میں نئے پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کرتے تھے۔ مثلاً:

غیر قوموں کی مشابہت سے اجتناب کا حکم:

① ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع فرماتی تھیں، کیونکہ یہ یہود کا کام ہے۔ (بخاری صفحہ ۴۹۱)

② سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا، آپ نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ اس تقریب میں کچھ عجمی رسمیں ادا کی گئی ہیں، لہٰذا آپ واپس ہو گئے اور فرمایا: من تشبہ بقوم فھو منھم (صراط مستقیم از ابن تیمیہؒ)

③ حضرت حسن بصریؒ نے من تشبہ بقوم فھو منھم کے تحت فرمایا: قلما تشبہ رجل بقوم الا کان منھم کہ بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت کی ہو اور وہ آخر کار اسی قوم سے نہ ہو گیا ہو۔

④ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ: قبر پر ہاتھ رکھنا اور قبر کو بوسہ دینا منع ہے۔ کیونکہ یہ یہودیوں کا کام ہے۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۲۸)

○ نیز تشبہ بالیہود والنصاریٰ کی وجہ سے قبر کو بوسہ دینے کی ممانعت سے متعلق یہی بات دیگر کتب کثیرہ میں بھی صراحۃً موجود ہے۔ مثلاً:

① علامہ مناوی کی شرح جامع صغیر ② الصواعق الالٰہیہ
③ مضمرات ④ فتاویٰ تاتارخانیہ
⑤ فتاویٰ کبریٰ ⑥ المفیدۃ المستفیدہ
⑦ احیاء العلوم از امام غزالیؒ، وغیرہ نیز:
⑧ زعفرانیؒ نے کہا کہ قبر و مثل قبر پر ہاتھ رکھنا اور بوسہ دینا بدعت ہے۔
⑨ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیکھا تو اسے منع فرمایا۔ نیز:
⑩ حضرت امام مالکؒ ⑪ حضرت امام شافعیؒ۔ اور
⑫ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس عمل کا سختی سے انکار کرتے تھے۔
(استخراج از فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۸۹ جلد ۳)

⑤ حضرت علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبروں پر چراغاں کرنا منع ہے۔ کیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے۔ (کتاب الزواجر صفحہ ۲۲۰)

⑥ ہدایہ میں ہے کہ امام محراب کے اندر کھڑا نہ ہو۔ کیونکہ اس پر اہل کتاب کا عمل ہے۔

⑦ بزرگوں کا ہاتھ چومنا اعاجم یعنی ایرانی کفار کی عادت تھی' اس لیے مسلمانوں کو ایسا کرنا منع ہے۔ (فتاویٰ برہنہ صفحہ ۵۳)

⑧ بلند آواز سے دعاء مانگنا اور عبادت کے وقت سر کو ننگا اور کھلا رکھنا اس لیے بدعت ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی عادت ہے کہ مجلس وعظ و عبادت میں پوری جماعت کے ساتھ مل کر بآواز بلند دعاء مانگتے ہیں اور ان کا سر ننگا ہوتا ہے۔ (فتاویٰ برہنہ صفحہ ۳۲۱ و ۳۲۲)

⑨ فقیروں اور غنیوں کو میت کے گھر میں بطور مہمانی کے کھلانا ناجائز ہے۔ کیونکہ جاہلیت عرب اور ہندوستان کے تمام ہنود کی رسم ہے اور اس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ صفحہ ۹۷)

⑩ چپ کا روزہ ممنوع ہے اس لیے کہ اس میں مجوس کے ساتھ مشابہت ہے۔

⑪ چلنے میں میانہ روی اختیار کرے۔ یہود کی سی دوڑتی چال اور نصاریٰ کا سا آہستہ آہستہ چلنا اختیار نہ کرے' کیونکہ ہمیں یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے روکا گیا ہے۔ (فتاویٰ برہنہ صفحہ ۵۱)

⑫ سیوم و دہم چہلم جملہ رسوم ہنود کی ہیں۔۔۔۔ بدعت و مکروہ تحریمہ ہیں۔ یعنی تیجا' دسواں اور چالیسواں اس لیے بدعت و مکروہ تحریمہ ہیں کہ یہ تمام ہندوؤں کی رسمیں ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۰)

⑬ میت کے گھر والوں سے کھانا لینا تشبہ بالکفار ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ صفحہ ۹۷)

⑭ توشہ (وہ کھانا جو مردے کے ساتھ لے جاتے ہیں اور اسے دفن کرنے کے بعد فقراء میں تقسیم کر دیتے ہیں' یا اناج وغیرہ) مردہ کے ساتھ لے جانا عادت یہود و ہنود و کفار کی ہے۔۔۔ سو اس کا کرنا بدعت اور گناہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ صفحہ ۹۱)

(۱۵) نرد شیر (یعنی شطرنج) کھیلنا بالاجماع حرام ہے۔ کیونکہ یہ مجوس یعنی ایرانی کفار کی سُنّت ہے۔ (اسنی المطالب صفحہ ۳۶۵)

(۱۶) کفایت المفتی جلد ۹ میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اظہارِ مسرت کے لیے مجامع میں تالیاں بجانا کفارِ یورپ کا خاص طریقہ ہے۔۔۔ کفارِ یورپ کی مشابہت ہے۔ (صفحہ ۱۰۲) نیز صفحہ ۱۵۸ میں فرمایا:

(۱۷) دھوتی باندھنے کی وہ صورت جس میں غیر مسلموں سے مشابہت ہو (یعنی لنگوٹی کی طرح) یا ستر کھلا رہے یا کھلنے کا احتمال ہو (جیسے وسطِ پنجاب کے لوگ باندھتے ہیں) ناجائز ہے۔

(۱۸) دھوتی اس طرح باندھے کہ ستر عورت چھپ جائے یعنی بغیر شلوار کے یہ ہیئت مشابہت ہنود کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۱۴۸)

(۱۹) سیاہ شیروانی یا سیاہ عمامہ وغیرہ ایک سیاہ کپڑا عمامہ پر یا بازو یا کسی دوسرے موقع پر لگانا ناجائز اور شعائرِ روافض سے ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۱۴۹)

(۲۰) انگریزی وضع کے بال رکھنا مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (صفحہ ۱۷۰)

(۲۱) انگریزی لباس، کوٹ پتلون پہننا بوجہ مشابہت کفار کے مکروہ ہے۔ کوٹ، سوٹ، بوٹ یورپین اقوام کی وضع ہے۔ (صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰) نیز صفحہ ۲۷۱ میں فرمایا:

(۲۲) ورزش کے بہت سے طریقے ہیں جن میں سے بعض طریقے ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص قوم کفار کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً کرکٹ، فٹ بال، ہاکی وغیرہ کہ ان میں یورپین کفار کی مشابہت کی وجہ سے کراہت ہے۔ تاہم اگر ان چیزوں میں مشغولی کی وجہ سے نماز یا اور کسی امر شرعی میں نقصان نہ آئے تو صرف تشبہ کی وجہ سے کراہت ہوگی۔

(۲۳) شادی بیاہ کے موقع پر مختلف ہندوانی رسمیں ادا کی جاتی ہیں، مثلاً:

① منگنی کے موقع پر دولہا دلہن کو آمنے سامنے بٹھاتے ہیں۔ دلہن کی بہنیں اور سہیلیاں دولہا سے مذاق کرتی ہیں اور جھولے گاتی ہیں۔

② شادی کی گانٹھ یا تاریخ مقرر کرنے کے موقع پر عورتوں کا ہولی کی طرح مردوں پر رنگ پانی کرنا۔

③ گھڑولی کی رسم جس میں عورتیں جلوس کی شکل میں ڈھول باجے کے ساتھ ناچتی گاتی ہوئی دولھا کو نہلانے کے لیے پانی لاتی ہیں۔
④ دولھا کو نہلانے کے لیے نائی کا آنا اور دیگر رسوم۔
⑤ دولھا کی سہرابندی اور اس موقع کی دیگر خرافات۔
⑥ دولھا کو گھوڑے پر سوار کرنے کی رسم۔
⑦ دولھا کے ہاتھ میں لوہے کا ہتھیار، چھری وغیرہ پکڑانا
⑧ برات کے ساتھ دولھا کی ماں کو لے جانا۔
⑨ ساچق یا رسم حنا کے موقع پر دیگر خرافات کے علاوہ نوجوان لڑکیوں کا رقص اور گانے گانا۔
⑩ دلہن کو مائیوں بٹھانا، اور اس موقع پر کئی کئی روز عورتوں کا ڈھولک بجانا اور گانے گانا۔
⑪ شہ بالا بنانا۔
⑫ نکاح کے بعد دولھا کی رونمائی کے موقع پر دودھ پلائی کی رسم میں دلہن کی سہیلیوں کا دولھا سے مذاق کرنا اور بے حجاب ہونا۔
⑬ دیگر غیر اسلامی رسوم کے علاوہ دھنگانے کی رسم میں بے پردگی۔
⑭ جہیز کی رسم۔
⑮ برات کی واپسی پر گیت۔
⑯ رخصتی کے موقع پر زرپاشی۔
⑰ دولھا کے گھر دلہن کی رونمائی، جس میں تمام رشتہ دار مرد اور عورتیں دلہن کا منہ دیکھتے ہیں۔
⑱ دلہن کی گود میں بچہ بٹھانا۔
⑲ چوتھی کی رسم کی ادائیگی کے موقع پر دلہن کی سہیلیاں اور بہنیں آٹے وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے بت یا پتلے بنا کر دولھا کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے نام سے موسوم کرکے گالیاں دیتی ہیں اور بیہودہ مذاق کیے جاتے ہیں۔ یہ سب رسوم و رواج تشبہ بالہنود کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہیں۔

(۴۳) شادی کے بعد حمل، اور پھر اس کے بعد بچے کی ولادت سے جوانی تک مختلف غیر اسلامی رسوم ادا کی جاتی ہیں، مثلاً:

① ستوانسا، حمل ہونے کے بعد ساتویں مہینہ کی رسوم۔
② نوماسا، نویں مہینہ کی رسوم۔
③ بچے کی ولادت کے موقع پر مختلف رسوم میں پان، بتاشے کی تقسیم، گھٹی، چھٹی اور چھٹی کی رسوم اور رقص، ڈھولک اور گانا وغیرہ بھی ہوتا ہے۔
④ چھوچھک کی رسم۔
⑤ زچہ کو تارے دکھانے کی رسم۔
⑥ تحیر بچہ کی رسم۔
⑦ سروان کرنے کی رسم۔
⑧ رسم دھمن جس میں سات دن تک مسلسل آگ جلائی جاتی ہے۔
⑨ نام رکھنے کے موقع پر غیر اسلامی کام۔
⑩ بڑا چلا نہا کر عورت کا اپنے میکے پاؤں پھیرنے کے لیے جانا۔
⑪ مرنڈوں کی رسم۔
⑫ دانت نکلنے کی رسم۔
⑬ برس گانٹھ یا سالگرہ کی رسم۔
⑭ دودھ چھڑانے کی رسم۔
⑮ ختنہ جیسے اسلامی فریضہ کی ادائیگی کے موقعے پر ڈھول باجے بجانا۔
⑯ بچے کو گھوڑی چڑھانے کی رسم۔
⑰ بسم اللہ کی رسم میں بچے کو دولھا بنانا۔
⑱ مونچھوں کا کونڈہ، اور:
⑲ چھٹی، دودھ چھٹائی، سالگرہ، بسم اللہ کی رسم اور شادی بیاہ کے موقعوں پر رتجگا کرنا اور ساری رات گلگلے تلنا۔ یہ تمام رسم و رواج غیر اسلامی ہیں اور تشبہ بالہنود کی

وجہ سے ناجائز اور حرام ہیں۔

(۲۵) برات کے جلوس اور ڈھول باجے بجانا اور ہندوؤں کے مشابہ جلوس نکالنا ناجائز ہے اور ایسے جلوس کی شرکت بھی ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۱۹۰)

(۲۶) رواج کو شریعت پر مقدم کرنا اور ترجیح دینا کفر ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۳۶۵)

(۲۷) جو رواج شریعتِ اسلامیہ کے صریح خلاف ہو اس کو بمقابلہ شریعت کے اختیار کرنا مسلمانوں کو شریعت سے خارج کر دیتا ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۲۷۴)

(۵) شریعت مطہرہ میں تشبہ بالکفار کی طرح تشبہ بالنساء بھی ناجائز ہے جیسا کہ: حضرت مفتیِ اعظم ہند استاذی المکرم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۱۵۱ میں تحریر فرمایا ہے:

(۲۸) مرد کو ایسی چیزیں استعمال کرنا جو عورتوں سے تشبہ پیدا کریں مکروہ ہے۔

(۲۹) مرد کے لیے ریشم کا لباس اور کفار و فساق کے مشابہ لباس اور ٹخنوں سے نیچا اور عورتوں سے مشابہ لباس منع ہے۔ (جلد ۹ صفحہ ۱۵۸) نیز صفحہ ۲۶۹ میں فرمایا:

(۳۰) رنگین لباس جو عورتوں یا ہیجڑوں یا فساق فجار کے لباس کے مشابہ ہو پہننا ناجائز ہے۔

(۶) بہرحال ہمارا موقف یہ ہے کہ جس طرح دیگر متعدد رسوم صرف تشبہ بالکفار، تشبہ بالہنود والیہود کی وجہ سے ناجائز، بدعت اور مکروہ ہیں، اسی طرح انگوٹھے چومنے کا عقیدہ رکھنا بھی تشبہ بالنصاریٰ کی وجہ سے بدعت اور مکروہ ہے۔

کراہت نمبر ۳ اپنا یا دوسرے مرد و زن کا ہاتھ چومنے کو علماء و فقہاء عظام نے مطلقاً منع فرمایا ہے اور علماءِ دین و فقہاء شرعِ مبین اسی چیز کو منع فرماتے ہیں جو کہ شرعِ محمدی میں قبیح ہو۔ چنانچہ:

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۳۱۰ میں ہے کہ: لو قبل ید نفسہ یکرہ و لو قبل ید الآخر کذلک عند اصحابنا۔ یعنی اپنا ہاتھ چومنا بھی مکروہ ہے اور اسی طرح دوسرے شخص کا ہاتھ چومنا بھی ہمارے اصحاب (حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذۂ کرام حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام زفرؒ اور حضرت امام حسن بن زیادؒ وغیرہم) کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۴) فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۶ صفحہ ۳۴۴ میں ہے: واما الکلام فی تقبیل الید فان قبل ید نفسہ لغیرہ فھو مکروہ۔ کہ اور رہی بات اپنا ہاتھ چومنے کے بارے میں، سو اگر یہ شخص اپنا ہاتھ ہی کسی دوسرے شخص کی تعظیم کی خاطر چومتا ہے تو بھی یہ مکروہ ہے۔

(۵) محقق فقہاء میں سے کسی فقیہ نے اس قاعدہ کلیہ میں کسی واجب التعظیم ہستی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا، بلکہ مطلقاً کراہت کا فتویٰ لگایا ہے، اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہوتے تو یہ فقہاء اس قاعدہ سے آپؐ کو ضرور مستثنیٰ فرماتے۔ معلوم ہوا کہ ہاتھ چومنا مطلقاً مکروہ ہے، خصوصاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر اپنا ہاتھ چومنا تو دیگر کئی مکروہات کا بھی حامل ہے، جن کا تفصیلی بیان پہلے کیا جا چکا ہے۔

باب ثالث

دلائلِ مانعین

○ اہلِ اصول نے قانون بیان کیا ہے کہ : "دعویٰ کی دلیل مدعی کے ذمے ہوتی ہے اور مدعا علیہ (یا مانع) کے ذمے نہ دعویٰ ہے نہ اثباتِ دلیل"۔ اس لیے جو لوگ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنے کو سنت، مستحب یا موجبِ اجر و ثواب سمجھتے ہیں، ان پر واجب ہے کہ اپنے دعویٰ کو دلائلِ اربعہ (نصِ قرآنی، حدیثِ صحیح، اجماعِ اُمتِ مسلمہ، قیاسِ مجتہد مثلاً : قَالَ ابو حنیفة یا قَالَ ابو یوسف یا قَالَ مُحمّد وغیر ذٰلک. میں سے کسی دلیل شرعی سے ثابت کریں۔ اور اگر ان کی پیش کردہ دلیل میں کچھ سقم یا عیب ہے گا تو مدعا علیہ صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ تمھاری دلیل درست نہیں۔ البتہ اس کے ساتھ اپنے قول کی تائید میں سند بھی بیان کردے تو بہت اچھا ہے۔

○ اسی طرح انگوٹھے چومنے سے منع کرنے والے اور اس عمل کو مکروہ اور بدعت قرار دینے والے کیلیے صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ عمل حضرت نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے، اور کسی صحابیؓ کا معمول بھی نہیں تھا، اور نہ خیرالقرون سے بسندِ صحیح نصاً ثابت ہے یعنی سلف صالحینؒ کے زمانہ میں بھی یہ معمول بہ نہیں تھا، اس لیے ہم اس عمل کو خلافِ سنت، ممنوع، مکروہ اور بدعت کہتے ہیں۔

○ اور جو روایتیں مجوزین تقبیلِ ابہامین اپنے جھوٹے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں وہ صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہیں۔ ان روایات کو دلیل میں پیش کرنا سراسر غلط ہے۔ کیونکہ دلیل تو (دلائلِ اربعہ میں سے) حدیثِ صحیح ہوتی ہے۔ اور مجوزین کی بیان کردہ روایات میں سے کوئی حدیث صحت اور سند کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ چنانچہ ہم نے بابِ ثانی میں ان روایات کے سقم اور عیب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سطورِ ذیل میں ان محدثین کرامؒ کے اسمائے گرامی لکھے جاتے ہیں، جنھوں نے اس روایت کو ناقابلِ عمل قرار دے کر اس کی تردید کی ہے۔

اسمائے مانعین تقبیل ابہامین

① حضرت امام سخاویؒ
② حضرت علامہ محمد طاہر فتنیؒ
③ حضرت علامہ سید ابن عابدینؒ
④ حضرت ملا علی قاریؒ
⑤ حضرت امام شوکانیؒ
⑥ حضرت علامہ نابلسیؒ
⑦ صاحب مجمع الغرائب
⑧ حضرت شیخ جلال الدین سیوطیؒ
⑨ حضرت علامہ محدث حطابؒ
⑩ حضرت علامہ عینیؒ
⑪ صاحب شرح الیمانیؒ
⑫ حضرت محدث ابو نعیم اصفہانیؒ
⑬ حضرت امام جراحیؒ
⑭ حضرت علامہ محمد یعقوب البنانیؒ
⑮ حضرت علامہ ابواسحاق بن عبد الجبار کابلیؒ
⑯ حضرت امام ابوالحسن عبد الغافر فارسیؒ
⑰ شیخ الاسلام عبد الرحمٰن بن علی اثری شافعیؒ صاحب تمییز
⑱ حضرت علامہ محمد بشیر الدین قنوجیؒ تلمیذ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ
⑲ شیخ الاسلام حضرت علامہ عبد الرحمٰن بن علی شافعی اثریؒ

○ ان محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے چند ایک کی عبارات بطور نمونہ از خروارے اس مقام پر تحریر کی جاتی ہیں:

محدثین کے اقوال:

① حضرت علامہ ابواسحٰق بن عبد الجبار کابلیؒ نے عبد السلام لاہوریؒ کے رسالہ کی شرح میں تحریر فرمایا ہے:

ترجمہ قد تکلموا فی احادیث وضع الابہامین علی العینین فلم یصح شئ منہا بروایۃ ضعیفۃ ایضاً ولذا صرح بعضہم بوضع کلہا۔ کہ علماء کرامؒ نے ان احادیث میں کلام کیا ہے جن میں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنے کا ذکر ہے۔ سو ان احادیث میں سے کوئی ایک حدیث کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے صاف اور واشگاف الفاظ میں

فرمایا ہے کہ : یہ سب کی سب حدیثیں موضوع اور من گھڑت ہیں۔

(۲) حضرت امام ابوالحسن عبدالغافر فارسیؒ نے "مفہم شرح مسلم" اور "مجمع الغرائب فی کتاب اقوال الاکاذیب" میں تحریر فرمایا ہے :

والروایات فی ھذا الباب کثیرۃ لا اصل لھا بسند ضعیف ایضا و قال الحافظ ابونعیم الاصفھانی ما روی فی ذٰلک موضوع۔ کہ اس باب میں کثرت سے روایات ہیں جن کا کوئی اصل نہیں۔ سند ضعیف سے بھی ثابت نہیں۔ اور حضرت حافظ ابونعیم اصفہانیؒ نے فرمایا کہ : اس باب میں جس قدر روایات ہیں سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔

(۳) حضرت علامہ محمد بشیر الدین قنوجیؒ تلمیذ رشید حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ نے کنز الدقائق کے حاشیہ صفحہ ۱۰ میں تحریر فرمایا ہے :

قال الشیخ جلال الدین السیوطیؒ فی تیسیر المقال فی المتون والرجال و الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل و جعلھا علی العینین عند سماع اسمہ ﷺ من المؤذن فی کلمۃ الشھادۃ کلھا موضوعات۔ یعنی حضرت شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے تیسیر المقال میں فرمایا ہے کہ : مؤذن سے کلمۂ شہادت میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر اپنی انگلیوں کے پوروں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں جتنی احادیث بھی مروی ہیں وہ تمام کی تمام موضوع اور من گھڑت ہیں۔

(۴) حضرت امام سخاویؒ کی کتاب مقاصد حسنہ ص ۳۸۵ میں محشی نے تحریر فرمایا ہے ، وحکی الحطاب فی شرح مختصرہ خلیل حکایۃ اخری غیر ما ھٰھنا وتوسع فی ذٰلک ولا یصح شیئ من ھٰذا فی المرفوع کما قال المؤلف بل کلہ مختلق کہ شرح مختصرہ خلیل میں اس حکایت کے علاوہ ایک اور حکایت بھی علامہ حطابؒ نے بیان فرمائی ہے جس میں انہوں نے تفصیل کر بحث فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ اس بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔

جیسا کہ حضرت مولف (امام سخاویؒ) نے فرمایا ہے۔ بلکہ یہ سب روایات گھڑ تو ہیں۔

○ بہرحال مانعین کے ذمے دلیل پیش کرنا نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود عنوان میں "دلائل مانعین" کا لفظ لکھا ہے۔ سو یہ عوام کو بھی لیے لکھا گیا ہے۔ ورنہ اصل میں یہ اپنے موقف پر "سند" قائم کرنا ہے۔

○ اور اس سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمادیا ہے کہ: "الیوم اکملت لکم دینکم" یعنی آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرمادیا ہے۔

○ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وما هو علی الغیب بضنین" کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں یعنی جنت، دوزخ، نیکی، بدی اور امور ثواب وعذاب کے بتانے میں جو انہیں وحی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں، بخل سے کام نہیں لیتے۔ تو جیسے دوسرے امور شرعیہ کی تبلیغ میں آپ نے بخل سے کام نہیں فرمایا۔ ایسے ہی اذان کے کلمات کے جواب میں وحی من اللہ کے پہنچانے میں آپ نے بخل سے کام نہیں لیا۔ اور جو ثواب حاصل کرنے کی چیز تھی وہ صاف صاف ارشاد فرمادی۔ جیسا کہ باب ثانی میں تیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ احادیث صحیحہ مشہورہ متواترہ سے ثابت کیا جاچکا ہے۔

○ اور اگر وہ عمل جو مجوزین پیش کرتے ہیں اور اس پر سختی سے عمل کرتے ہیں وہ واقعی عمل خیر ہوتا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو وہ عمل ضرور تعلیم فرماتے ہیں۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر ضرور عمل ہوتا۔ اور مجتہدین کرامؒ میں سے کوئی نہ کوئی تو ضرور اس کا قائل ہوتا۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مانعین اس من گھڑت عمل کو خلاف سنت، بدعت اور مکروہ قرار دیتے ہوئے اس عمل سے روکتے ہیں اور بطور سند مشہور فقہائے کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ:

○ سطور ذیل میں ہم مشہور فقہائے کرامؒ کے فتوے بطور سند کے پیش کررہے ہیں۔

متقدمین فقہاءِ کرام کے فتوے:

مجموع النوازل کے حوالے سے حضرت علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی ہندی (متوفی ۷۸۶ھ) نے اپنے "فتاویٰ تاتارخانیہ" صفحہ ۵۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

اگر کوئی انسان قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہو اور اثناءِ تلاوت میں اپنی مسجد کے مؤذن کی آواز سن لے تو قرآن مجید کی تلاوت موقوف کر کے مؤذن کے کلماتِ اذان کا جواب دے۔

حضرت امام ظہیر الدین سے دریافت کیا گیا کہ: مؤذنین کی اذانوں کی آوازیں بیک وقت کئی سمتوں سے آنے لگیں تو کس کس کی اذان کا جواب دیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: بالفعل اپنی مسجد یعنی جس میں وہ نماز پڑھتا ہے اس مسجد کی اذان کا جواب دینا ضروری ہے۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ صفحہ ۵۲)

معلوم ہوا کہ یہ بدعت آٹھویں صدی ہجری تک دیارِ ہند میں نہیں پہنچی تھی۔

حضرت قاضی حسن منصور بن محمود اوز جندی (متوفی ۵۹۲ھ) نے "فتاویٰ قاضی خاں" صفحہ ۳ میں تحریر فرمایا ہے: اذان سننے والے کے ذمے ضروری ہے کہ ان کلمات کا جواب دے جو مؤذن کہہ رہا ہے۔

"فتاویٰ سراجیہ" صفحہ ۷ میں ہے: قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے نے جب اذان کی آواز سنی تو اس کے لیے فضیلت کی بات یہی ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت چھوڑ دے اور اذان سنے۔ فتاویٰ قاضی خان جلد ۱ صفحہ ۳۸ میں بھی اسی طرح ہے۔

حضرت علامہ ابن نجیمؒ نے "البحر الرائق" جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ میں تحریر فرمایا ہے: ولا یشغل بشیٔ سوے الاجابۃ۔ یعنی مؤذن کی اذان سننے والا مؤذن کے کلمات کا جواب دینے کے علاوہ (انگوٹھے چومنے، تلاوتِ قرآن یا تسبیح اور دیگر) کسی طرح کے کام میں مشغول نہ ہو۔

"معدن" صفحہ ۱۱۴ میں ہے: ولا یشتغل بشیٔ من الاعمال سوے الاجابۃ کذا فی التحفۃ۔ یعنی تحفہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے کہ مؤذن کے

کلمات کا جواب دینے کے سوا (انگوٹھے چومنے یا تسبیح یا تلاوت کی طرح) اور کسی کام میں مشغول نہ ہو۔

ثبوت ۷: حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ نے اپنی فقہ کی کتاب "مختصر الطحاوی" صفحہ ۲۵ فرمایا ہے: ومن سمع المؤذن ولیس فی صلوۃ قال کما یقول المؤذن الا فی قولہ حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح فانہ یقول مکان ذلک لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ یعنی جو شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو اور مؤذن کی اذان اس کے کانوں میں پڑ جائے تو ویسے ہی کلمات کہتا جائے جیسے کلمات مؤذن کہہ رہا ہے، مگر جب مؤذن حی علی الصلوۃ کہے یا حی علی الفلاح کہے تو ان لفظوں کی جگہ اذان سننے والا لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے۔

فائدہ: یہ فقہاء کرام کا بتلایا ہوا متفق علیہ قانون ہے کہ: فقہاء کرام کے کلام میں مفہوم مخالف معتبر ہے۔ تو اس قانون کے مطابق حضرت امام طحاویؒ کی اس عبارت کا بھی یہی مطلب ہوا کہ: اذان سننے والا ان کلمات کے سوا اور کچھ نہ کہے اور نہ کچھ کرے۔

ثبوت ۸: "مختلس" صفحہ ۱۱۵ میں ہے: ولا یجوز ما سوی ذلک من الکلام۔ یعنی اذان اور اقامت کا جواب دینے کے علاوہ اور کوئی کلام (یا کوئی کام) جائز نہیں ہے۔

ثبوت ۹: حضرت علامہ محدث عینیؒ نے شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۱۸ میں تحریر فرمایا ہے: ینبغی ان لا یتکلم فی خلال الاذان والاقامۃ ولا یقرأ القرآن ولا یسلم ولا یرد السلام ولا یشتغل بشیء من الاعمال سوی الاجابۃ یعنی ضروری ہے کہ اذان اور اقامت کے دوران کوئی بات نہ کرے اور قرآن مجید کی تلاوت بھی نہ کرے، اور کسی شخص کو سلام بھی نہ کرے اور کسی کے سلام کا جواب بھی نہ دے۔ اور اذان و اقامت کے کلمات کا جواب دینے کے سوا کوئی کام نہ کرے۔

ثبوت ۱۰: "فتاویٰ عالمگیری" جلد ۱ صفحہ ۳۵ میں ہے: ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامۃ ولا یشتغل بقراءۃ القرآن ولا بشیء من الاعمال سوی الاجابۃ۔ یعنی اذان اور اقامت کے دوران کلمات سننے والے کو کسی قسم کی باتیں

کرنا مناسب نہیں اور قرآن مجید کی تلاوت میں بھی مشغول نہ ہو' اور اذان واقامت کے کلمات کا جواب دینے کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔

حضرت علامہ کاسائیؒ نے "بدائع صنائع" جلد ا صفحہ ۱۵۵ میں تحریر فرمایا ہے:

ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامة ولا یشتغل بقراءة القراٰن و لا بشئ من الاعمال سوی الاجابة. و لو کان فی القراءة یقطع و یشتغل بالاستماع والاجابة کذا فی الفتاوی۔ یعنی اذان واقامت کے دوران سننے والے کو باتیں کرنا بہت ہی نامناسب ہے اور اس دوران تو قرآن مجید کی تلاوت بھی نہ کرے۔ اور اس مسئلہ کو بہت سے مفتیان کرامؒ نے اپنے اپنے فتاووں میں درج فرمایا ہے۔

فائدہ متقدمین فقہاء کرامؒ کے فتووں سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جب اذان ہو رہی ہو تو قرآن مجید جیسی مقدس و قطعی کلام الٰہی کا پڑھنا بھی ممنوع ہے' بلکہ جو شخص قرآن مجید کی تلاوت میں پہلے مشغول ہو' جب اس کے کانوں میں مؤذن کی اذان کے کلمات پڑجائیں تو وہ بھی تسبیح یا قرآن مجید کی تلاوت چھوڑ کر کلمات اذان سنے اور ان کا جواب دے۔

- اس وضاحت کے بعد یہ بات تو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اگر اذان کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کرنا بھی منع ہے اس لیے دوران اذان کوئی دوسرا کام کرنا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔
- اور اگر اب بھی کوئی شخص بضد ہو کہ قرآن مجید کی تلاوت کو موقوف کرنے کی صراحت تو موجود ہے' اس لیے اذان کی آواز کے شروع ہوتے ہی تلاوت کلام کو تو موقوف کردینا چاہیے' لیکن اذان کے دوران حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر عقیدت کے اظہار میں انگوٹھے تو چومنے ہی چاہئیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اگر ایسا کیا جائے تو اس طرح بدعت کی تعظیم اور قرآن مجید کی توہین لازم آئے گی اور یہ دونوں کام حرام اور مفضی الی الکفر ہیں۔

علماءِ متاخرین کے فتوے:

فتویٰ ۱۲ حضرت علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے لطائف المنن کے حاشیہ لواقح الانوار القدسیہ جلد ا صفحہ ۵۵ میں تحریر فرمایا ہے: اخذ علینا العهد العام من رسول الله ﷺ ان نجیب المؤذن بما ورد فی السنة ولا نتلاهی عنه قط بکلام اٰخر ولا غیره ادبا مع الشارع ﷺ فان لکل سنة وقتا یخصها فلا جابة المؤذن وقت و للعلم وقت و للتسبیح وقت و لتلاوة القران وقت کما انه لیس للعبد ان یجعل موضع الفاتحة استغفارا ولا موضع التسبیح للرکوع ولا السجود قراءة ولا موضع التشهد غیره وهکذا. یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہم سے یہ عہد لیا جاچکا ہے کہ ہم صرف انہی الفاظ کے ساتھ اذان کا جواب دیا کریں جو الفاظ صحیح سند کے ساتھ حدیث شریف میں آئے ہیں۔ ان کلمات مسنونہ میں کبھی اور کلام یا کام کے ذریعے کبھی بھی سنت طریقہ سے غفلت اور بے پرواہی نہ برتیں۔ اس لیے کہ حضرت شارع علیہ السلام کا ادب صرف اسی طریقہ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک سنت کا اپنا اپنا مخصوص وقت ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) مؤذن کی اذان کا جواب دینے کے لیے اس کا اپنا یہ خاص وقت ہے۔
(۲) اور حصول علم کے لیے اپنا وقت مقرر ہے۔
(۳) اور تسبیح پڑھنے کا الگ وقت مقرر ہے۔
(۴) اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے الگ وقت مقرر ہے۔

- بندے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ نماز پڑھتے وقت قیام کی حالت میں سورۂ فاتحہ کی جگہ استغفار پڑھنا شروع کر دے۔
- اور اس کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں تسبیحات کی بجائے سورۂ فاتحہ یا قرآن مجید کی سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھنی شروع کر دے۔
- اور نہ ہی اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ نماز میں بحالت قعدہ تشہد (التحیات للہ ۔۔۔۔) کی جگہ کچھ اور پڑھنا شروع کر دے۔

اور اسی طرح شریعت کے بیان کردہ تمام احکام کو اس پر قیاس کر لیجیے۔

فتویٰ ۱۲ امام المسند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے حوالے سے "فتاویٰ عثمانی" جلد ۲ صفحہ ۵۷ میں لکھا ہے کہ شاہ صاحب نے فرمایا ہے: دروقت اذان سوائے جواب کلمات اذاں (ﷺ) چیزے دیگر ثابت نشدہ ودر وقت ذکر نام آں حضرت ﷺ سوائے فرستادن درود و سلام بر آں حضرت ﷺ چیزے دیگر ثابت نشدہ۔ واز ایں عمل از روئے احادیث معتبرہ در زمانہ آں حضرت ﷺ و زمانہ خلفائے راشدینؓ نبود، پس ایں عمل را وقت اذان یا وقت شنیدن نام آں حضرت ﷺ سنت یا مستحب دانستہ کردن بدعت است۔ ازیں امر احتراز باید کرد۔ وآنچہ در بعضے کتب فقہ ایں می نویسند آں کتب چنداں اعتبار نہ دارند۔ (فتاویٰ عزیزی) یعنی اذان سنتے وقت ان کلمات اذان کا جواب دینے کے سوا اور کوئی چیز حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہوئی۔ اور معتبر احادیث کی رو سے یہ عمل (یعنی انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا) حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ پاک میں نہ تھا، اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں بھی یہ عمل نہیں تھا۔ پس اذان سنتے وقت یا حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سنتے وقت سنت یا مستحب سمجھ کر یہ عمل کرنا بدعت ہے، اس کام سے بچنا چاہیے۔ اور فقہ کی جن کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے ان کا کچھ اعتبار نہیں۔

فتویٰ ۱۳ حضرت علامہ وحید الزمانؒ نے "شرح موطا امام مالک" صفحہ ۶۷ میں تحریر فرمایا:

افسوس ہے کہ اس زمانہ اخیر میں اذان بھی رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر نہ رہی۔

① بعض لوگوں نے اذان کے کلمات میں بھی کمی بیشی کی۔

② کسی نے اول آخر میں نئی دعائیں تراش لیں۔

③ کسی نے ترنم کی۔

④ کسی نے انگلیوں کا چومنا۔ انگوٹھے آنکھوں سے لگانا ضروری جان کر اذان کے جواب کو جو سنت تھا چھوڑ دیا۔

⑤ کسی نے راگ کی طرح اذان میں گانا شروع کردیا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

فتویٰ ۱۵ "فتاویٰ عثمانی" جلد ۲ صفحہ ۵۷ میں ہے کہ: اذان اور اقامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے۔ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

○ جو اس مضمون کی احادیث پائی بھی جاتی ہیں کہ انگوٹھوں کو چوما جائے مگر کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ سب ضعیف ہیں۔

فتویٰ ۱۶ "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" جلد ۱ صفحہ ۶۸ میں ہے کہ:

○ علامہ شامیؒ نے قہستانی وغیرہ کے حوالے سے اس تقبیل کا استحباب نقل کرکے بعد میں جراحی سے نقل فرمایا ہے: ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شئ لہٰذا سنت سمجھ کر اس کو نہ کرنا چاہیے۔

○ اور چونکہ عوام اس کو سنت جانتے ہیں، اور تارک کو ملامت کرتے ہیں لہٰذا ترک اس کا ضروری ہو گیا۔

فتویٰ ۱۷ حضرت علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے بھی "نفع المفتی والسائل" صفحہ ۶۲ میں بحرالرائق جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

○ ولا یقرأ السامع ولا یسلم ولا یرد السلام ولا یشتغل بشئ سوی الاجابۃ ولو کان السامع یقرء یقطع قرأتہ کہ اذان کے کلمات سننے والا قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے اور نہ کسی کو سلام کرے اور نہ کسی کے سلام کا جواب ہی دے۔ اور اذان کے کلمات کا جواب دینے کے سوا اور کسی کام اور کلام میں مشغول نہ ہو۔

○ اور اگر اذان سننے والا قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو تو تلاوت کرنا بند کردے۔

فتویٰ ۱۸ "نفع المفتی والسائل" صفحہ ۲۲ میں العیون کے حوالے سے لکھا ہے: قاری سمع الاذان فالافضل ان یمسك و یستمع الاذان بہ ورد الاثر۔ یعنی قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کے کانوں میں اذان کے کلمات پڑ جائیں تو فضیلت اسی

میں ہے کہ تلاوت روک کر اذان کے کلمات سنے۔ کیونکہ حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے۔

فتویٰ ۹: "فتاویٰ ظہیریہ" کے حوالے سے "نفع المفتی والسائل" میں ہے:

○ ان المجیب یقول مثل مایقول المؤذن فی الجمیع کہ جواب دینے والا تمام اذان میں اسی طرح کہے جس طرح مؤذن کہتا ہے۔

فتویٰ ۱۰: حضرت مفتی اعظم ہند استاذی المکرم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ محدث دہلوی نے کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۳۵۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

○ انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، اس لیے اس کو شرعی حکم سمجھ کر کرنا نہیں چاہیے۔

◘ بہرحال یہ بات تو تمام محدثین اور فقہاء کرام کے ہاں متفق علیہ ہے کہ جب مؤذن کی آواز آپ کے کانوں میں پڑ جائے خصوصاً اس مسجد کے مؤذن کی اذان کی آواز جس میں آپ نماز پڑھتے ہیں تو کان لگا کر اذان سنیں اور جو جو کلمات مؤذن کہتا ہے اس کے جواب میں وہی کلمات آپ بھی کہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں، جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

○ اور ان حوالہ جات سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اگر آپ تسبیح کر رہے ہیں یا تلاوت کلام پاک میں مشغول ہیں اور اذان کی آواز آپ کے کانوں میں پڑ گئی تو اسے موقوف کر کے اذان سنیں اور اذان کے کلمات کا جواب دیں اور من گھڑت باتوں پر عمل کر کے بجائے ثواب کے گناہ کے مرتکب نہ ہوں، اور انگوٹھے چومنے کے کام کا گناہ ہونا تو اچھی طرح واضح کیا جا چکا ہے، پھر بھی کسی کے ذہن میں کوئی اعتراض پیدا ہوتا ہو تو آئندہ صفحات میں ان کا جواب بھی ملاحظہ فرمائیے:

خاتمہ:

بعض اعتراضوں کے جوابات

اعتراض: ہم نے وجہ کراہت ۳ میں لکھا ہے کہ "حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان مبارک سے صادر شدہ عبارت میں کسی قسم کا تغیر تبدل اور کمی بیشی وغیرہ جائز نہیں ہے"۔ اس پر معترضین مبتدعین اعتراض کر سکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو کہ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ضرب المثل ہیں: وہ "تلبیہ" میں ارشاد نبوی سے زائد کلمات بھی پڑھا کرتے تھے۔ تو کیا معاذ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی بھی مبتدع تھے۔ جیسا کہ:

- ترمذی صفحہ ۱۱۲ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے: كان تلبية النبي صلى الله عليه وسلم لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك۔
- آگے چل کر لکھتے ہیں: والعمل عليه عند اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم وهو قول سفيان الثوري، والشافعي واحمد واسحق، یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ اور ان کے بعد آنے والے اہل علم کے ہاں اسی حدیث پر عمل ہے۔ اور سفیان ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحٰقؒ (مالکؒ وابوحنیفہؒ و اصحابہؒ) کا بھی یہی قول ہے کہ "تلبیہ" کے الفاظ یہی ہیں جو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔
- اس کے بعد امام ترمذیؒ نے تحریر فرمایا: قال الشافعي وانما قلنا لا بأس بزيادة تعظيم الله فيها لما جاء عن ابن عمر رضي الله عنهما وهو حفظ التلبية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم زاد ابن عمر رضي الله عنهما في تلبيته من قبله لبيك والرغبى اليك والعمل۔ کہ البتہ امام شافعیؒ نے اتنا فرمایا ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے کے لیے دوسرے الفاظ ان الفاظ پر زیادہ کیے جائیں۔

کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسے الفاظ نقل ہو کر آئے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابن عمر کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلبیہ خوب یاد تھی' اس کے باوجود پھر بھی تلبیۃ النبی پر اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیتے تھے: لبیك والرغباء الیك والعمل۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ جو عبارات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور و منقول ہیں' ان پر زیادتی کرنا جائز ہے۔ ممنوع مکروہ یا بدعت نہیں ہے' اور نہ ہی یہ کوئی قانون ہے جو مانعین بیان کرتے ہیں۔

جواب ہمارا یہ کہنا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان مبارک سے صادر شدہ عبارت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور کمی بیشی وغیرہ جائز نہیں۔ بالکل درست اور حقیقت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اذکار و اعمال سب توقیفی ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہم نے انگوٹھے چومنے کی وجہ کراہت ۳ کے ضمن میں بڑی تفصیل کے ساتھ صحابہ کرامؓ' محدثین عظامؒ اور فقہاء کے اقوال بیان کیے۔

○ بہتر ہوگا کہ گزشتہ اوراق میں وجوہ کراہت' خصوصاً وجہ کراہت ۳ کا دوبارہ بغور مطالعہ کر لیا جائے' جسے ہم نے باب ثانی میں خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

○ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تلبیہ میں مسنون کلمات منقولہ سے زائد پڑھا کرتے تھے' یہ کہنا ایک بڑی غلطی اور کم علمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ تمام بڑے بڑے اولوالعزم صحابہ کرامؓ کی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان مبارک سے صادر شدہ اذکار و اعمال میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی کو ناجائز سمجھتے تھے۔ البتہ تلبیہ کے متعلق معترضین کا خیال جسے ہم نے اوپر نقل کیا ہے بظاہر اس مسلّمہ اصول کے خلاف معلوم ہوتا ہے' سو اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ:

سُنّت تین قسم ہے :

① سنت قولی، جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ثابت ہو۔
② سنت فعلی، جس پر خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہو۔
③ سنت تقریری، کوئی کام کسی کو کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے ہوں یا اس کی تحسین فرمائی ہو۔

سُنّت تقریری کی مثال :

○ ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تحت کل شعرۃ جنابۃ۔ یعنی ہر بال کے نیچے جنابت یعنی صحبت یا احتلام کی ناپاکی ہوتی ہے، اس لیے سر کے بال خوب اچھی طرح دھویا کرو، تاکہ بالوں کے نیچے چمڑا خوب تر ہو جائے یہ سن کر امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کے بال منڈوانے شروع کر دیے، اور بعد ازاں ہمیشہ سر کے بال منڈواتے رہے۔ اور فرمایا کرتے تھے: فمن ثم عادیت راسی و من ثم عادیت راسی و من ثم عادیت راسی۔ یعنی جب سے میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان مبارک سے سنا ہے: تحت کل شعرۃ جنابۃ۔ اس وقت سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہو گیا۔ یہ لفظ انھوں نے تین مرتبہ ادا فرمایا۔

○ اور سر کے بال منڈوانے سے آپؓ کا مطلب یہ تھا کہ اس طرح چمڑے تک پانی پہنچنے میں مشکل نہ ہوگی۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ وہ تو سر منڈائے ہوئے ہیں، یا سر منڈواتے ہی رہتے ہیں، تو اس پر آپؐ خاموش رہے، اور آپؐ نے پھر کبھی بھی سر کے بال منڈانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منع نہیں فرمایا۔ جبکہ :

○ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر لمبے لمبے بال تھے جو عام طور پر کانوں کے نیچے تک رہتے تھے۔ اس طرح سر کے بال منڈانا سُنّت تقریری ہوئی۔ جبکہ سر کے بال رکھنا سُنّت فعلی ہے، اور یہ سُنّت فعلی بھی اور فعلی سنتوں کی بھی

حائل ہے۔ مثلاً تیل لگانا، کنگھی کرنا، مانگ نکالنا اور کانوں کی لو تک بال کتروانا۔

○ اسی طرح مزاج شناسانِ رسول ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تلبیہ کے سلسلے میں یہ سمجھا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مقصد انہی کلمات پر حصر کرنا نہیں ہے۔ اور اصل تلبیہ بھی وہی ہے جس کی تعلیم حضرت نبی کریم ﷺ نے خود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی ہے۔ لیکن چونکہ بعض صحابہ کرامؓ نے اس تلبیہ کے کلمات میں تعلیمات نبوی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ اور پھر وہ زائد عبارت سن کر حضرت نبی کریم ﷺ نے انہیں روکا نہیں، جیسا کہ سیدنا براء بن عازبؓ کو بنبیك کی جگہ برسولك پڑھنے پر حضرت نبی کریم ﷺ نے روک دیا تھا اور ان کی اصلاح فرمادی تھی۔ اب اگر تلبیہ کے معاملے میں آپؐ خاموش رہے ہیں تو یہ سنت تقریری کہلائے گی۔

تلبیہ پر محدثین کی تحقیق:

① حضرت حافظ ابن حجر کنانی عسقلانیؒ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت بیان فرمائی ہے کہ خود تو حضرت نبی کریم ﷺ اس طرح تلبیہ پڑھتے تھے: لبیك اللھم لبیك، لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد و النعمۃ لك و الملك لا شریك لك۔ اور بعض دوسرے لوگ اس تلبیہ پر لبیك ذی المعارج اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ بڑھاتے تھے۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ ان کے اضافہ کردہ یہ الفاظ سن کر تردید نہ فرماتے۔

○ اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، جسے ابوداؤدؒ نے بیان کیا ہے۔ اور اس کا اصل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے جسے مسلمؒ نے نقل کیا ہے۔

○ اب ظاہر ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے سامنے ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اور وہ اضافہ شدہ الفاظ خود حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے معصوم کانوں سے سنے۔ اور آپؐ نے اس اضافہ سے نہ تو منع فرمایا اور نہ ہی اس کی تردید فرمائی۔

یہی وجہ ہے کہ جن صحابہ کرامؓ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سُن کر خاموشی اختیار فرمائی تو یہ سُنّت تقریری ہوئی۔ اور سنت تقریری بھی آخر سُنّت ہی ہے' اگرچہ اس (سُنّتِ تقریری) کا درجہ سُنّت قولی و سُنّتِ فعلی سے کم ہے۔

○ اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ الفاظ سُن کر منع فرمایا ہے' ان کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ الفاظ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے گئے تھے' اور یہ سُن کر آپؐ خاموش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ صحابیؓ کسی کو تلبیہ میں یہ الفاظ بڑھاتے ہوئے سنتے تھے تو اسے روک دیتے تھے۔ جیسا کہ:

(۲) حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں حدیث بیان کی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو تلبیہ میں اس طرح اضافہ کرتے ہوئے سنا: لبیك ذا المعارج ...... اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ذو المعارج تو واقعی ہیں' اور اس میں کچھ شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن جب ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو ہم اس طرح تلبیہ نہ پڑھتے تھے جس طرح آپ تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ یعنی آپ بھی اسی طرح تلبیہ پڑھیں جس طرح ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق تلبیہ پڑھا کرتے تھے۔

○ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تلبیہ کے ان الفاظ پر زیادتی کرنا خلافِ سُنّت ہے۔ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں' جیسے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ' بلکہ خود سیدنا عبداللہ بن عمرؓ منقولہ الفاظ نبویؐ پر اضافہ کرنے سے منع فرمادیا کرتے تھے۔ جیسا کہ انگوٹھے چومنے کی وجہ کراہت ۳ میں گزر چکا ہے۔

○ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عبدالبر مالکیؒ نے تو صاف بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام مالکؒ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ تلبیہ کے الفاظ پر زیادتی کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

(۳) اسی طرح ترمذی کے اندازِ بیان سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سُفیان

ثوریؒ و احمدؒ و اسحاقؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

④ اور حضرت امام شافعیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ میرے نزدیک محبوب ترین امر یہی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ تلبیہ کے کلمات سے زیادہ نہ پڑھا جائے بلکہ اسی پر اقتصار کیا جائے۔ احب الیّ ان اقتصر علی تلبیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

⑤ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کو مزید واضح کرنے کے لیے ذی المعارج جیسے الفاظ کا اضافہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح سند سے ثابت ہے۔

⑤ حضرت امام محمدؒ نے اپنے موطا صفحہ ۱۹۶ میں تحریر فرمایا ہے: وبھذا ناخذ التلبیۃ ھی التلبیۃ الاولی التی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما زدت فحسن و ھو قول ابی حنیفۃ و العامۃ من فقہاءنا۔ یعنی ہمارا فتویٰ تو اسی پر ہے کہ تلبیہ تو دراصل صرف وہی تلبیہ ہے جو خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ اور جو کوئی ان الفاظ پر (سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی بسند صحیح حدیث کے پیش نظر) اضافہ کرے تو بھی اچھا ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

① بہرحال محدثینؒ و فقہاءؒ کے اقوال اور صحابہ کرامؓ کے ارشادات کی روشنی میں ہمارا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان مبارک سے صادر شدہ عبارت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور کمی بیشی وغیرہ جائز نہیں۔

⑥ اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کا اجتہاد بھی اسی طرف گیا ہے کہ ان الفاظ کی پابندی ضروری ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ عبارت اگر صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوجائے تو اس کا پڑھنا بھی اچھا ہے۔ اور اگر زیادہ عبارت صحیح کی بجائے ضعیف سند کے ساتھ ثابت ہوتی ہو تو اس پر عمل کرنا مکروہ ہے۔

⑦ حضرت امام شافعیؒ کا اجتہاد بھی یہی کہتا ہے کہ اصل تو ان الفاظ کی پابندی کرنا ہے

حضرت نبی کریم ﷺ کی زبان معصوم سے نکلے ہیں، لیکن اگر صحیح سند کے ساتھ اس سے زیادہ الفاظ ثابت ہو جائیں تو ان کا پڑھنا نہ تو سنت ہوگا اور نہ ہی مستحب، بلکہ لا بأس بہ کے درجہ میں ہوگا۔ اور اگر ضعیف سند سے ثابت ہوں تو ان کا پڑھنا مکروہ ہے۔

⑧ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بیان کردہ الفاظ کی پابندی ضروری ہے اور اس کے خلاف کرنا خلافِ سنت ہے، خواہ وہ خلاف صحیح سند سے ثابت ہو یا ضعیف سند سے۔

○ بہر حال ضعیف سند کے ساتھ ثابت شدہ حدیث پر عمل کرنے کو کسی بھی امام نے سنت یا مستحب نہیں کہا اور نہ ہی لا بأس بہ کے زمرے میں شامل کر کے یہ حکم لگایا ہے کہ اس عمل کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

○ اور جہاں تک انگوٹھے چومنے والی روایت کا تعلق ہے تو اس بارے میں یہ بات ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت، خلافِ سنت اور مکروہ تحریمی بلکہ حرام ہے۔

اعتراض: ہم نے انگوٹھے چومنے کی وجہ کراہت ۳ میں یہ بھی لکھا تھا کہ: "حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ عیدین کی نمازوں کے لیے نہ اذان ہے اور نہ اقامت۔ اور یہی طریقہ ہمارے ہاں "سنت" ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ سے چلا آرہا ہے"۔ اس پر معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ جب حضرت امیر المؤمنین سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما عیدین کے لیے اذان و اقامت کہلایا کرتے تھے تو یہ "سنۃ الخلفاء الراشدین" کے زمرے میں داخل ہو کر سنت کا مقام رکھتی ہے یا بدعت کہلائے گی۔ جبکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تلمیذ کبیر حضرت امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الآثار صفحہ ۵۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ ان معاویۃ کان اول من اذن فی العیدین۔ یعنی عیدین کے لیے سب سے پہلے اذان کہلانے والے حضرت معاویہؓ تھے۔ جن کا عہد خلافت ۴۱ھ تا ۶۰ھ ہے

تو اس حدیث کی رو سے جمعہ کی اذان کی طرح عیدین کی اذان کو بھی سنت سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر سیدنا امام معاویہ رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ بدعتی قرار دینا پڑے گا۔

جواب سرے سے یہ بات ہی غلط اور امیر المومنین خلیفۂ راشد سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما پر بہتان ہے کہ انہوں نے عیدین کے لیے اذان کہنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

○ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ میں حضرت محدث ابن العربی مالکیؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث کا راوی پختہ نہیں۔ بلکہ:

○ حضرت امام شاطبیؒ نے "الاعتصام" جلد ۲ صفحہ ۱۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ عیدین کی نماز سے پہلے اذان و اقامت کی بدعت اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک بن مروان بن الحکم نے نکالی تھی۔ جس کا عہد خلافت ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ ہے، جبکہ امیر المومنین خلیفۂ راشد سیدنا امام معاویہؓ کا عہد خلافت ۴۱ھ تا ۶۰ھ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی اذان والی بدعت خلیفۂ راشد امیر المومنین سیدنا امام معاویہؓ کے عہد خلافت کے تقریباً نصف صدی بعد ایجاد ہوئی۔

○ اور جس طرح بہتان باندھنے والوں نے اس بدعت کی نسبت امیر المومنین سیدنا امام معاویہؓ کی طرف کی ہے اسی طرح امیر المومنین سیدنا علیؓ کے مقرر کردہ گورنر فارس حضرت زیادؒ پر بھی یہی بہتان لگاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے صوبے فارس (موجودہ ایران) میں یہ بدعت جاری کی۔ اس طرح بالواسطہ یہ بہتان خلیفۂ راشد امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر لگایا جاتا ہے کہ ان کے دور خلافت میں فارس کے گورنر نے یہ بدعت ایجاد کی۔ اور تو اور بعض عاقبت نااندیش قسم کے لوگوں نے تو معاذاللہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ذمے اس بدعت کی ایجاد لگائی ہے۔ (دیکھیے بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۲۰۵)

○ لیکن اس بارے میں صحیح اور محقق بات یہی ہے کہ دوسری صدی ہجری میں ہشام بن عبدالملک بن مروان بن الحکم نے اس بدعت کو ایجاد کیا۔

کہیں مُبتدعین نئی بدعت ایجاد کرتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ مُبتدعین کا منہ و سنت کو زندہ کرنے کے لیے باہمت' نڈر اور بیباک علماء کو بھی پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا اس دور کے علماءِ حق و ائمہ دینِ مُبین میں سے کسی ایک امام نے بھی اس اموی خلیفہ کا یہ حکم تسلیم نہیں کیا' بلکہ تمام ائمۂ دین نے بالاتفاق خلیفہ کے اس حکم کی پرزور طریقہ سے تردید کی۔ کیونکہ یہ ایسا عمل تھا جو نہ عہدِ نبوی میں تھا اور نہ ہی عہدِ صحابہؓ میں۔ اس لیے اس عمل کو خلافِ سنت اور بدعت قرار دیتے ہوئے اس دور کے ائمۂ دین نے اس کی تردید کو اپنا فرض سمجھا اور خلیفۂ وقت کے حکم کو نوکِ پا سے ٹھکرا دیا۔ کیونکہ:

○ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: لا طاعة للمخلوق فی معصية الخالق کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہو رہی ہو وہاں مخلوق کی بات ماننا جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بدعت شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔

○ البتہ اس سلسلے میں کسی کے ذہن میں یہ خیال اس سے پہلے بھی ابھرا تھا' اور یہ اس دور کی بات ہے جب سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جیسی اولوالعزم ہستیاں زندہ موجود تھیں۔ اس نے اپنے ذہن میں خیال آنے کے بعد انہی دونوں بزرگ ہستیوں سے اس بارے میں استفسار کیا کہ: اذان میں کلمات خیر ہی کہے جاتے ہیں' جن کا مقصد لوگوں کو نماز کے لیے دعوت دینا ہوتا ہے' تو عیدین کی نمازوں کے لیے اذان کیوں نہیں دی جاتی۔

○ اس سوال کے جواب میں حضرت نبی کریم ﷺ کے چچیرے بھائی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور خلیفۂ راشد امیرالمومنین سیدنا امام عمرؓ کے لختِ جگر سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ: "حضرت نبی کریم ﷺ جب عید کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے نماز ادا فرماتے تھے اور اس کے بعد

خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور اذان و اقامت کا کوئی ذکر نہیں فرماتے تھے"۔
ن کا مطلب یہ تھا کہ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نمازوں کے لیے اذان و اقامت کا اہتمام نہیں فرماتے تھے تو ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ ہم اذان و اقامت کا اہتمام کریں۔

حضرت امام ابوداؤد سجستانیؒ نے اپنی سُنن صفحہ میں سیدنا جابر بن سمرةؓ کا قول نقل فرمایا ہے کہ: "میں نے کئی بار حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نمازیں بغیر اذان و اقامت کے پڑھی ہیں"۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ائمہ کرام کا:
مُتفقہ فیصلہ ہے کہ: اذان و اقامت صرف پانچ وقت کی یومیہ نمازوں اور نمازِ جُمعہ کے لیے کہنا تو سُنّت مؤکدہ ہے۔ لیکن ان کے علاوہ دوسری نمازوں (مثلاً نمازِ تراویح، تہجد، اِشراق، صلوٰۃ ضحیٰ، سورج گہن، چاند گہن، اوابین اور نمازِ جنازہ وغیرہ) کے لیے نہ اذان کہنا سنت ہے اور نہ اقامت۔ بلکہ اذان و اقامت کا نہ کہنا سُنّت ہے۔ جیسا کہ:

○ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤطا صفحہ ۶۲ میں تحریر فرمایا ہے: وتلك السنة التي لا اختلاف فيها عندنا۔ یعنی عیدین کی نمازوں کے لیے اذان اور اقامت کا نہ کہنا ہی سنت ہے۔ اور اس مسئلہ میں ہمارے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

○ بہرحال یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ: جو کام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معمول نہیں تھا، اور بعد میں ایجاد ہوا تو اس کا ترک کرنا بھی سنت کہلائے گا۔ اور انگوٹھے چومنے کا مسئلہ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوا تھا، اس کا ترک کرنا بھی اسی طرح سنت قرار پائے گا۔

اعتراض ۳ ہم نے دلیل مجوزین ۷ کے ضمن میں حضرت امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں لکھا تھا کہ: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فردوس دیلمی کی اس روایت کا رد کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: "اس کی

حدیثوں پر عمل کرنا، اعتماد کرنا اور ان سے عقیدہ یا عمل ثابت کرنا جائز نہیں

ممکن ہے کوئی معترض اس پر اعتراض کر بیٹھے کہ اہل سنت کے عالم حضرت ملا علی قاریؒ نے الموضوعات الکبریٰ صفحہ ۶۳ میں تحریر فرمایا قلتُ و اذا ثبت رفعهٗ علی الصدیق ﷺ فیکفی العمل بہ۔ کہ (ملا علی قاریؒ) کہتا ہوں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس روایت کا رفع ثابت ہو گیا تو اس پر عمل کرنا کافی ہوگا۔ لقوله علیه الصلوٰة والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرا معمول اور میرے بعد خلفاء راشدینؓ کا معمول اپنے ذمے لازم کر لو۔ تو صاف واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ عمل صحیح سند سے ثابت ہے اور حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد خلفاء راشدینؓ کے معمول کو لازم کر لو۔ اس لیے یہ عمل سنت مؤکدہ ہوا۔

جواب سب سے پہلے تو یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضرت ملا علی قاریؒ کی اس عبارت کا یہ مفہوم نہیں ہے جو معترض سمجھتا ہے کہ جب رفع ثابت ہو گیا تو اس روایت پر عمل کرنا کافی ہوگا۔ کیونکہ اگر ملا علی قاریؒ کی عبارت کا یہی مطلب لیا جائے تو اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ مثلاً:

خرابی ۱ تمام محدثین متقدمین و متاخرین کی تحقیق کے خلاف بات ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام علماء حدیث نے حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب اس روایت کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ اس لیے بغیر کسی واضح دلیل کے حضرت ملا علی قاریؒ کی یہ بات کس طرح سنی یا تسلیم کی جا سکتی ہے، خصوصاً جب کہ خود حضرت ملا علی قاریؒ اس سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب اس روایت کو حضرت امام سخاویؒ صاحب مقاصد حسنہ کے حوالے سے "لا یصح" کے الفاظ سے غیر صحیح بھی قرار دے چکے ہیں۔

خرابی ۲ اگر اس عبارت کے یہی معنے مراد لیے جائیں تو پھر اس سے دوسری خرابی یہ لازم

آئے گی کہ اس عمل کو مستحب یا مباح ہرگز نہیں کہنا چاہیے بلکہ اس عمل کو تو سنّت مؤکدہ یا سنّت قولی کہنا چاہیے۔ جیسے ایک امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ تراویح کی بیس رکعات پڑھنے کا اہتمام اور جمعہ کی پہلی اذان سُنن مؤکدہ میں سے ہیں۔ اور تمام علماء اہلِ سنت اور فقہاءِ اسلام کا ان سنتوں پر مسلسل عمل ہوتا آرہا ہے، اور کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ کیونکہ:

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی جو اس روایت میں بھی موجود ہے:
علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین تو برحق ہے۔ اور اگر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کا عمل خلیفۂ راشد امیرالمؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوتا تو تراویح اور جمعہ کی پہلی اذان کی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بطور سنت مؤکدہ اس پر عمل ہوتا۔ اور مجتہدین عظام بھی اس کو اپنا معمول بنا لیتے بلکہ اس عمل پر سب کا اجماع ہو جاتا۔ کیونکہ:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ امیرالمؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق و امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا نام لے کر قیامت تک آنے والی تمام امت کو حکم فرمایا: اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر و عمر کہ میرے بعد میرے اصحابؓ میں سے خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرتے رہنا۔ جیساکہ ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۷، مستدرک حاکم صفحہ ۷۵، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۸۵، ابن ماجہ صفحہ ۱۰، مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۰، ۵۷۸ میں منقول ہے۔

اور بقول مجوزین، انگوٹھے چومنے کی یہ روایت جس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جیساکہ دلیل مجوزین ۶، ۷ اور ۸ میں مع جوابات کے گزر چکا ہے۔ تو بقول مجوزین تقبیل، شیخین (امام ابوبکر صدیق و امام عمر فاروق) رضی اللہ عنہما کا بھی اس مسئلہ پر اتفاق ہوا۔ اور علماء اہل السنۃ والجماعت کا متفقہ قاعدہ ہے:

قانون ب : قول الشیخین حجۃ اذا اتفقا لا یجوز العدول عنہ و ان اتفاق الائمۃ الاربعۃ ایضا حجۃ. کہ حضرات شیخین کا اتفاق شرعی دلیل ہے، جس سے روگردانی کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح کسی مسئلہ پر چاروں اماموں (امام ابوبکرؓ، امام عمرؓ، امام عثمانؓ اور امام علیؓ) کا اتفاق بھی شرعی دلیل ہے۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۶۲)

① مگر اس کے باوجود قرون اولیٰ میں سے کوئی بھی انگوٹھے چومنے کے عمل سے آشنا اور واقف نہیں ہے۔ اور پہلی چار صدیوں میں کسی فقیہ یا محدث نے اس عمل کا ذکر نہ تو اثبات میں کیا ہے اور نہ ہی نفی میں۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ: اس عمل کا ظہور کہیں پانچویں صدی میں ہوا۔

② ہم اپنے اس دعویٰ کی تائید میں پہلی چار صدیوں کے مشہور محدثین عظام، و فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی مع ان کے سن وفات کے درج کر رہے ہیں، جن کی کسی کتاب میں اذان کے دوران یا کسی اور موقع پر حضرت نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنے اور پھر انھیں فرط محبت سے آنکھوں پر لگانے سے متعلق زیر بحث مسئلے کا نہ تو کسی قسم کا کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی اس مسئلہ کی تردید میں کوئی لفظ ملتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ پہلی چار صدیوں میں تو بالکل ہی عنقا تھا۔

اسمائے محدثین مع سن وفات :

	اسمائے محدثین	سن وفات
①	امام اعظم ابوحنیفہؒ	۱۵۰ھ
②	امام مالکؒ	۱۷۹ھ
③	امام ابویوسفؒ	۱۸۲ھ
④	امام محمد بن حسن شیبانیؒ	۱۸۹ھ
⑤	امام محمد بن ادریس شافعیؒ	۲۰۴ھ
⑥	امام ابوداؤد طیالسیؒ	۲۰۴ھ

	اسمائے محدثین	سن وفات
⑦	امام عبدالرزاقؒ	۲۱۱ھ
⑧	امام حمیدیؒ	۲۱۹ھ
⑨	امام سعید بن منصورؒ	۲۲۹ھ
⑩	امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ	۲۳۵ھ
⑪	امام احمد بن محمد بن حنبلؒ	۲۴۱ھ
⑫	امام عمرو بن حمید بن نصر کشیؒ	۲۴۳ھ
⑬	امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمیؒ	۲۵۵ھ
⑭	امام بخاریؒ	۲۵۶ھ
⑮	امام مسلمؒ	۲۷۲ھ
⑯	امام ابن ماجہؒ	۲۷۳ھ
⑰	امام ابوداؤد سجستانیؒ	۲۷۵ھ
⑱	امام ترمذیؒ	۲۷۹ھ
⑲	امام عثمان بن سعید دارمیؒ	۲۸۰ھ
⑳	امام ابن ابی الدنیا ابوبکر عبداللہ بن محمدؒ	۲۸۱ھ
㉑	امام ابن خراش محمد بن یوسفؒ	۲۸۳ھ
㉒	ابوعبداللہ حکیم ترمذیؒ	۲۸۵ھ
㉓	احمد بن عمرو بزار	۲۹۲ھ
㉔	محمد بن مہران ابوبکر اسماعیلی	۲۹۵ھ
㉕	محمد بن عثمان بن ابی شیبہؒ	۲۹۷ھ
㉖	فریابی عبداللہ بن محمد بن یسار	۳۰۰ھ
㉗	محمد بن عبدالرحمن الہروی شیخ ابن حبانؒ	۳۰۱ھ
㉘	ابوعبدالرحمن احمد شعیب نسائیؒ	۳۰۳ھ

	اسمائے محدثین	سن وفات
۲۹	ابو یعلیٰ موصلیؒ	۳۰۷ھ
۳۰	زکریا بن عبد الرحمن ساجیؒ	۳۰۷ھ
۳۱	محمد بن جریر طبریؒ	۳۱۰ھ
۳۲	ابو بشر دولابیؒ	۳۱۰ھ
۳۳	محمد بن اسحٰق بن خزیمہؒ	۳۱۱ھ
۳۴	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰقؒ	۳۱۶ھ
۳۵	محمد بن ابراہیم بن منذرؒ	۳۱۸ھ
۳۶	احمد بن محمد بن سلامہ امام ابو جعفر طحاویؒ	۳۲۱ھ
۳۷	محمد بن عمرو بن موسیٰ عقیلیؒ	۳۲۲ھ
۳۸	ابن ابی حاتم ابو محمد عبد الرحمن بن محمدؒ	۳۲۷ھ
۳۹	ابن حبان ابو حاتم محمد بن حبان بن احمدؒ	۳۵۴ھ
۴۰	سلیمان بن احمد طبرانیؒ	۳۶۰ھ
۴۱	احمد بن محمد ابوبکر ابن السنیؒ	۳۶۳ھ
۴۲	ابو الشیخ عبد اللہ بن محمدؒ	۳۶۹ھ
۴۳	احمد بن ابراہیم ابوبکر اسماعیلیؒ	۳۷۱ھ
۴۴	امام علی بن عمر دارقطنیؒ	۳۸۵ھ
۴۵	محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوریؒ	۴۰۵ھ
۴۶	احمد بن محمد مالینی استاذ بیہقی و خطیب وغیرہما	۴۱۲ھ
۴۷	احمد بن حسین ابوبکر بیہقیؒ	۴۵۸ھ
۴۸	ابن حزم علی بن احمدؒ	۴۵۶ھ
۴۹	امام یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر قرطبیؒ	۴۶۳ھ
۵۰	ابوبکر بن علی خطیب بغدادیؒ	۴۶۳ھ

فائدہ:

○ ہم نے باب ثالث کی ابتداء میں حضرت امام ابوالحسن عبدالغافر فارسیؒ کے حوالے سے لکھا تھا کہ حضرت حافظ ابونعیم محدث اصفہانیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اس بارے میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ:

○ حضرت حافظ ابونعیمؒ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس من گھڑت بات کی تردید فرمائی ہے۔ سو یہ محدث ابونعیم (احمد بن عبداللہ بن احمد) اصفہانیؒ جو ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے، حدیث میں حضرت امام سلیمان بن احمد طبرانیؒ (متوفی ۳۶۰ھ) کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے اس بدعت کی تردید کی ہے، حالانکہ ان کی وفات تک یہ بدعت کسی کتاب میں لکھی ہوئی نہیں ملتی، جبکہ ان کی وفات ۴۳۰ھ میں ہوئی۔ اور ان کی وفات سے پندرہ سال بعد ۴۴۵ھ میں ابوشجاع حافظ سیرویہ محدث دیلمی پیدا ہوئے، جبکہ ان کی وفات ۵۰۹ھ میں ہوئی۔

○ اور یہ وہی محدث دیلمی ہیں جن کی کتاب "مسند فردوس" میں امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت لکھی ہوئی ملتی ہے، اور یہ کتاب اب تک نایاب بھی رہی، اسی لیے عام علماء محدثین و فقہاء مفتیین کے ہاتھوں میں نہیں آئی۔ اب معلوم نہیں کہ محدث دیلمی نے "فردوس" میں یہ روایت خود تحریر کی ہے یا ان کے بھی بعد کسی دوسرے شخص نے دسیسہ کاری کے ذریعے محدث دیلمی کی کتاب میں لکھ دی ہے۔

○ اگر یہ روایت محدث دیلمی نے خود لکھی ہے تو اس کا مآخذ کیا ہے، اور کس کے حوالے سے لکھی ہے، یہ کچھ معلوم نہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ روایت محدث دیلمی کی پیدائش سے پہلے کسی شخص نے وضع کی ہے اور یہ روایت ضبط تحریر میں آنے سے پہلے زبانی طور پر کسی نے کسی کو بتلائی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت امام ابونعیم محدث اصفہانیؒ سے کسی نے اس روایت کے بارے

میں استفسار کیا ہو تو انھوں نے اس کی تردید فرمادی۔

- بہرحال یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ: اس بدعت کی ایجاد پانچوں صدی ہجری میں ہی ہوئی ہے جو کہ ملحدانہ عقائد کا دور تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ:
- مشہور عالم دین اور مفسر قرآن حضرت مولانا سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے "التذیب لتعقیب التقریب" صفحہ ۵۸ میں پانچویں صدی ہجری کے بارے میں تحریر فرمایا ہے: وقد نبعت فی زمانہ الفتن فی الاسلام انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کہ اس زمانے (پانچویں صدی ہجری) میں ملحدانہ فتنے چشموں کی طرح پھوٹ پڑے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
- حضرت حافظ ابو نعیم محدث اصفہانیؒ کے شاگرد خاص حضرت امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادیؒ جو ۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے، اور قریب ۴۱۰ھ تک حضرت ابو نعیم اصفہانیؒ کے تلمذ میں رہے ہوں گے۔ لیکن اس وقت تک بھی یہ بدعت کم از کم اصفہان تک تو نہیں پہنچی تھی۔ پھر جب حضرت امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادیؒ اصفہان سے بغداد چلے گئے اور وہاں تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع کردیا۔ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ لیکن کسی کتاب میں اس بدعت کا ذکر نہ اثبات میں کیا ہے اور نہ ہی نفی میں۔
- اور خطیب بغدادیؒ کی زندگی میں یہ بدعت اگر بغداد میں پہنچ جاتی تو کسی نہ کسی طریقے سے وہ اپنی کسی تحریر میں اس کا ذکر ضرور کرتے۔ جبکہ خطیب بغدادی کی وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعت ایرانیوں نے ایجاد کی۔ جو دیلم، ہمدان اور اصفہان میں بھی کہیں ۴۱۰ھ کے بعد ہی تھوڑی بہت متعارف ہوئی۔
- اسی طرح اندلس میں بھی اس بدعت کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ وہاں بہت بڑے بڑے محدثین ہو گزرے ہیں، جن میں سے ایک صاحب تصانیف عالم و امام المحدثین حضرت امام ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر قرطبی اندلسیؒ ہیں،

جو ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ لیکن اس بدعت کا ذکر ان کی کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ ان کی وفات بھی ۴۶۳ھ میں ہوئی۔

○ بہرحال یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے سے متعلق یہ بدعت کم از کم ۴۱۰ھ تک تو کہیں بھی جاری نہ ہوئی تھی اور نہ اس بارے میں کوئی حدیث اس وقت تک بیان کی جاتی تھی۔ معلوم ہوا کہ ۴۱۰ھ کے بعد کسی ملحد نے حضرت شیخین کی طرف منسوب کر کے یہ روایت مشہور کر دی جس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ خیر القرون میں جس کے متعلق علماء اہل سنت متفق ہیں کہ ۲۴۱ھ یعنی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی وفات تک ہے، یہ عمل تو سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا حضرت ملا علی قاریؒ کی اس عبارت کا یہ مطلب نہیں جو معترض نے سمجھا ہے۔

خرابی ۳ اگر ہم حضرت ملا علی قاریؒ کی اس عبارت کا معنی یہی لیں جو معترض کی سمجھ میں آیا ہے تو اس سے ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ خود ملا علی قاریؒ کی ایک دوسری عبارت کے ساتھ تعارض واقع ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے حضرت امام سخاویؒ کے حوالے سے خود ملا علی قاریؒ اس روایت کے بارے میں "لا یصح" کا فتویٰ لگا چکے ہیں۔ اور اب معترض یہ سمجھ رہا ہے کہ ملا علی قاریؒ اس روایت کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک بتلا رہے ہیں۔

خرابی ۴ اس سے اگر یہی مراد لیں تو چوتھی خرابی یہ واقع ہوگی کہ حضرت ملا علی قاریؒ جو کہ بہت بڑے صاحب قلم ہیں وہ کسی عبارت کا مفہوم سمجھنا اور سمجھانا بھی خوب جانتے ہیں۔ اگر ان کا مطلب یہی ہوتا جو معترض سمجھ رہا ہے تو اسلوب بیان کا تقاضا تھا کہ پہلے تو "قال السخاوی "لا یصح"" کی تردید فرماتے کہ مطلقاً سخاویؒ کا "لا یصح" کہنا صحیح نہیں ہے، بلکہ انھیں یوں کہنا چاہیے تھا: "لا یصح رفعه علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولکن یصح عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ" پھر اس دعویٰ کو کسی صحیح

روایت سے ثابت کرتے، پھر کہتے "قلت واذا ثبت رفعه علی الصدیق" [؟]
مگر ملا علی قاریؒ نے پہلے تو امام سخاویؒ کے قول "لا یصح" کا رد نہیں فرمایا اور پھر امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کسی روایت کے ذریعے ثبوت مہیا کیے بغیر "قلت واذا ثبت رفعه علی الصدیق رضی اللہ عنہ" کہنا سراسر بے جوڑ ہے، جو معترض کی غلط فہمی کی وجہ سے لازم آ رہا ہے۔

اصل مطلب:

○ معترض کی غلط فہمی کی وجہ سے حضرت ملا علی قاریؒ جیسے محقق پر ان خرابیوں کا لزوم آتا ہے۔ اس لیے ہم اس کا ایسا معنی کرتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ومنہ وکرمہ حضرت ملا علی قاریؒ کی عبارت اور حضرت علامہ سخاویؒ کی عبارت کا مطلب بھی حل ہو جائے اور اعتراض کی صورت نہ رہے۔ اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

① یہاں اصل لفظ "واذا" ہے ہی نہیں، بلکہ اصل لفظ "ولو" ہے۔ جس کا رسم الخط اس طرح تھا "ولو" پھر مرورِ زمانہ کی وجہ سے بعض جگہ سے روشنائی اڑ گئی اور لفظ مدھم پڑ گیا، بعد کے ناقل نے اسے واذا پڑھا اور اسی طرح نقل کر دیا اور مطبوعہ نسخہ میں بھی واذا ہی ہو گیا۔

② علم نحو کا قاعدہ ہے کہ حروف شرط ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے: "اِذْ" کا لفظ "اِذَا" کے معنے میں، اور "اِنْ" بمعنے: "اِذْ" تعلیلیہ، یا "اِنْ" بمعنے: "اِذَا" استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

○ اسی طرح یہاں بھی سیاق و سباق اور اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر "اِذَا" بمعنے: "لَوْ" استعمال کیا گیا ہے۔

○ اب دیکھیے کہ حضرت ملا علی قاریؒ کیا فرما رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:
"میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس لیے معمول بہ نہیں، اور جب کبھی امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک سند کے ساتھ اس حدیث کا ثبوت (رفع) مل جاتا، اگرچہ اس کی سند ادنیٰ ضعف سے ہی ثابت ہو تو وہ عمل کے لیے کافی

ہوتا۔ کیونکہ ادنیٰ ضعف عمل سے مانع نہیں ہوتا۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين".

○ اب دیکھیے کہ ملا علی قاریؒ کی تحریر کا مطلب کس قدر واضح ہو گیا۔ اور جو معنی ہم نے کیا ہے اس سے یہ ان تمام خرابیوں سے بھی محفوظ رہا جو ہم نے اوپر بیان کیں۔ جو کہ معترض کے معنوں سے ان پر لازم آتی تھیں۔

○ نیز اس کے بعد حضرت ملا علی قاریؒ نے تحریر فرمایا ہے: "بعض علماء کا کہنا ہے کہ بندہ خود تو یہ عمل نہ کرے لیکن کوئی دوسرا شخص یہ عمل کر رہا ہو تو اس کو منع بھی نہ کرے"۔ یہ قول نقل فرمانے کے بعد حضرت ملا علی قاریؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: "یہ حکم بھی عجیب و غریب ہے جس کا عجیب و غریب ہونا اہل عقل و دانش پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس عمل کا سرے سے ثبوت ہی نہیں ہے تو پھر یہ عمل خلاف سنت، مکروہ اور بدعت ہونا چاہیے اور اگر اس کا ثبوت صحیح سند سے ہے تو اس پر عمل کرنا سنت مؤکدہ ہونا چاہیے۔ اور اگر اس کا ثبوت ادنیٰ ضعف والی سند سے ہے تو پھر اس پر عمل کرنا مستحب ہوتا۔ اور مستحب پر عمل کرنا تو فضیلت کی بات ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مستحب پر خود تو عمل نہ کرے مگر کرنے والے کو منع بھی نہ کرے"۔

○ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح وضو کے دوران گردن کے مسح کو سب ائمہ مستحب کہتے ہیں اور مستحب پر عمل بھی کرتے ہیں، لیکن ایسا کوئی نہیں جو کہے کہ خود تو گردن کا مسح نہ کریں مگر جو مسح کرے اسے منع بھی نہ کریں۔

○ بہر حال اگر اب بھی معترض کی سمجھ میں بات نہ آئے اور وہ اسی بات پر ڈٹا رہے کہ: بس جی ملا علی قاریؒ نے لکھ دیا ہے کہ اس کا ثبوت ہے۔ تو اب ہمیں بھی اس بات کا حق حاصل ہے کہ ہم اس دعویٰ کے ثبوت کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ:

○ ملا علی قاریؒ کا قول دلائل اربعہ میں سے تو ہے نہیں کہ ہم اسے بسر و چشم قبول کر لیں۔ ان کے قول کو تو صرف تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے، بطور دلیل نہیں۔

اور دلیل تو قرآن مجید کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ کا قول یا صحابۂ کرامؓ خصوصاً خلفاء راشدینؓ کا عمل جو صحیح سند سے ثابت ہو' یا ائمہ مجتہدینؒ کا قیاس ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی بات حجت نہیں' اور نہ ہی بغیر دلیل کے کسی کی بات کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

- حضرت امام سلیمان بن احمد طبرانیؒ (متوفی ۳۶۰ھ) نے معجم کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۳۹ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : لیس احد الا یؤخذ من قولہ ویدع غیرالنبی ﷺ یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کی تو ہر بات قابل قبول ہے' مگر آپ ﷺ کے علاوہ امت میں سے کوئی بھی ہو تو اس کی بات اگر کسی شرعی دلیل پر مبنی ہے تو قبول کی جائے گی اور اگر اس کی بات شرعی دلیل کے بغیر ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔
- تو اسی قاعدہ کے مطابق اگر حضرت ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے کہ اس عمل کا ثبوت حضرت امیرالمومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے تو ہم حق بجانب ہیں کہ اس ثبوت کی صحت کا مطالبہ کریں۔ لیکن حضرت ملا علی قاریؒ اس وقت خود تو موجود نہیں کہ ہم ان سے اس بارے میں استفسار کرسکیں۔
- البتہ آج کے ان مدعیان علم سے اس روایت کی صحت کے ثبوت کا مطالبہ کرتے ہیں جو حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ عبارت اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں۔
- یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ہم حضرت ملا علی قاریؒ کی مذکورہ عبارت پر نہ تو تنقید کررہے ہیں اور نہ ان کا رد کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ ہم نے حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا جو مطلب سمجھا ہے اسے ہم صحیح سمجھتے ہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ البتہ اس عبارت کا جو مفہوم معترض سمجھتا ہے اس پر اعتراض بھی ہوسکتا ہے۔ اور اس کا جواب دینا اور اس روایت کا ثبوت مہیا کرنا اب معترض کے ذمے ضروری ہے۔

اعتراض۳ حضرت علامہ سخاویؒ اور حضرت ملا علی قاریؒ نے اس رایت کی صحت کی تو نفی کی ہے، لیکن صحت کی نفی سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث "حسن" ہو، اور "حسن" قابلِ عمل ہوتی ہے۔

جواب اہلِ علم کے یہاں لا یصح کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

لا یصح کے اصطلاحی معنے

(۱) غیر معتبر ہے۔

(۲) اس کا ثبوت نہیں ہے۔

(۳) اصطلاحی معنے اس پر صادق نہیں آتے۔

پھر اس میں کئی احتمال ہیں۔ مثلاً:

(۱) صحیح نہیں بلکہ حسن ہے۔

(۲) نہ صحیح ہے نہ حسن، بلکہ منقطع ہے۔

(۳) شاذ یا منکر ہے۔

(۴) موضوع اور من گھڑت ہے۔

- اس لیے اب تحقیق کرنی چاہیے کہ اس جگہ لا یصح سے کونسے معنے مراد ہوں گے۔ اور بغیر تحقیق کے نہ "موضوع" کہہ سکتے ہیں نہ "حسن"۔
- اور اس سلسلہ میں ہم محققین علماء کی تحقیق کے محتاج ہیں، اس لیے ہم نے ان محققین کی تصنیفات کا بغور مطالعہ کیا، جن میں سے ہمیں کوئی ایسا عالم نہیں ملا جس نے اسے "حسن" کہا ہو۔ بلکہ ائمۂ محدثین اور اسماء الرجال کے سب ماہرین نے اس روایت کو "موضوع" ہی قرار دیا ہے۔ اس لیے "لا یصح" کے تمام احتمالی معنوں کو ترک کر کے صرف اس احتمال کو معین کرلیا کہ یہاں "لا یصح" کے معنے ہیں: "اس کا کچھ شرعی ثبوت یعنی دلیل نہیں ہے"۔ اور جس عمل کا شرعی ثبوت نہ ہو وہ "موضوع" ہی ہوتا ہے۔ اور اس پر "لا یصح" یا "لیس بصحیح" کا اطلاق بھی کرتے رہتے ہیں۔ جس کے کئی نظائر ہیں:

لا یصح یعنی موضوع

(۱) ایک روایت میں ہے کہ: ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اور اس امت کا فرعون (نعوذ باللہ) معاویہ بن ابی سفیانؓ ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۱۰۰)

○ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد علامہ محمد طاہر فتنیؒ نے فرمایا: "لیس بصحیح"۔ اب صاف ظاہر ہے کہ یہاں صحیح نہ ہونے کا مطلب ہے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

(۲) اسی طرح تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۱۶۱ میں ہے کہ: "گلاب کا پودا حضرت رسول اللہ ﷺ کے پسینۂ مبارک سے پیدا ہوا ہے"۔ پھر فرمایا کہ: یہ صحیح نہیں۔

○ اس کے بعد حضرت علامہ محمد طاہر فتنیؒ نے اپنے شیخ حضرت علامہ ابن حجرؒ کے حوالے سے صاف لفظوں میں اس روایت کو موضوع بھی لکھ دیا ہے۔

○ نیز ابن عساکرؒ نے بھی اسے موضوع ہی کہا ہے۔

○ اسی طرح علامہ نوویؒ نے بھی اسے موضوع قرار دیا۔ (اسنی المطالب صفحہ ۱۲۷)

(۳) حضرت ابو عبداللہ محمد بن درویش الحوت البیروتی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۲۷۶ھ) نے اسنی المطالب صفحہ ۱۶۸ میں ایک روایت نقل فرمائی کہ: "خیبر میں حضرت نبی کریم ﷺ سے ایک گدھے نے گفتگو کی"۔ پھر فرمایا کہ: اس بات کا ثبوت نہیں اس لیے یہ "موضوع" ہے۔ گویا کسی روایت کا ثبوت نہ ہونا بھی اس کے موضوع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۴) حضرت شیخ محمد بن درویش البیروتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسنی المطالب صفحہ ۱۷۹ میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ: "معراج کی رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نبی کریم ﷺ سے کہا گیا کہ جوتے سمیت تشریف لے جائیے"۔ پھر فرمایا کہ: اس حدیث کا کچھ اصل اور سند نہیں لہٰذا یہ روایت "موضوع" ہے۔

(۵) ایک روایت میں ہے کہ: "زبان کی فصاحت سے انسان کا جمال معلوم ہوتا ہے"۔ (اسنی المطالب صفحہ ۱۷۶) پھر فرمایا کہ: اس حدیث کی جتنی سندیں

ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ان میں ایک راوی کذاب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جس روایت کی سندیں زیادہ ہوں تو وہ "حسن" کے درجے میں آجاتی ہے اور قابل عمل ہو جاتی ہے' بلکہ جس روایت کا کوئی ایک راوی تمام طریقوں سے مطعون بہ فسق ہو وہ "حسن" کے درجے تک نہیں پہنچ سکتی۔

نیز ضعیف حدیثوں کے کئی مدارج ہیں جو التذنیب صفحہ ۱۹ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

علاوہ ازیں جن روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس پر عمل کرنے والے کی نہ تو کبھی آنکھیں دکھیں گی' اور نہ ہی وہ کبھی نابینا ہوگا۔ ان روایات میں سے کوئی بھی صحیح سند کے ساتھ متصل نہیں ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔ چنانچہ :

اس سلسلہ کی پہلی روایت جو حضرت خضرؑ کی طرف منسوب ہے۔ اس روایت کے بارے میں خود حضرت امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ صفحہ ۳۸۳ میں تحریر فرمایا ہے :

وكذا ما اورده ابوالعباس احمد بن ابی بكر الرداد (الشهير بابن الرداد) اليمانی المتصوف فی كتابه موجبات الرحمة و عزائم المغفرة بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام انه من قال حين يسمع المؤذن يقول اشهد ان محمداً رسول الله مرحبا بحبيبی و قرة عينی محمد بن عبدالله صلى الله عليه وسلم ثم يقبل ابهاميه و يجعلهما على عينيه لم يرمد ابداً۔

یعنی "پہلی حدیث کی طرح وہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے جسے ایک صوفی (جو محدث نہیں) ابوالعباس احمد بن ابی بکر ابن الرداد یمانیؒ نے اپنی کتاب "موجبات الرحمۃ و عزائم المغفرۃ" میں مجہول راویوں اور منقطع سند کے ساتھ حضرت خضرؑ سے بیان کی ہے جو مؤذن سے اشهد ان محمدا رسول الله کے الفاظ سن کر مرحبا بحبيبی و قرة عينی محمد بن عبدالله صلى الله عليه وسلم کہے گا اور پھر اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے پوروں کو بوسہ دیکر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھے گا تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی"۔ اس عبارت سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں :

① حضرت امام سخاویؒ خود اعتراف فرمارہے ہیں کہ: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ چونکہ اس کی سند منقطع ہے' اور اس کے راوی بھی مجہول ہیں۔ اور وہ راوی کون ہیں؟ ان کا کچھ ذکر نہیں۔

② موجبات الرحمۃ کے مؤلف ابوالعباس احمد بن ابی بکر (صوفی تیمی' زبیدی' شافعی' قرشی' متوفی ۸۲۱ھ) محض ایک صوفی ہیں' محدث نہیں ہیں۔ اور بغیر سند کے کسی صوفی کی بات کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ اصول حدیث کے مطابق تو سند کے بغیر کسی محدث کی بات کو بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

③ ابن رداد غیر مشہور صوفی ہے' اور اس کی کتاب "موجبات الرحمۃ" بھی غیر مشہور و غیر متداول ہے جو فقہاء اور مفتیوں کے زیر مطالعہ نہیں رہتی۔ اس لیے علماء کرام و مفتیان عظام کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

④ یہ روایت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں ہے۔ بلکہ حضرت خضر علیہ السلام سے منسوب ہے' جو تقریباً ۱۶۰۰ ق۔م میں ہوگزرے ہیں۔ بینھما بعاد لا تنقطع کہ حضرت خضرؑ سے حضرت رسول اللہ ﷺ تک اس قدر جنگلات ہیں جو طے نہیں ہوسکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔

⑤ مروجہ اذان تو ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دور میں نازل ہوئی۔ جس میں اشھد ان محمدا رسول اللہ ہے۔ اس سے پہلے یہ اذان نہ تھی' حضرت خضرؑ نے اس عمل کی ترغیب کس طرح دی۔

○ ممکن ہے کسی منچلے کے ذہن میں یہ خیال بات مچلنے لگے کہ: "خضرؑ تو زندہ ہیں" اس لیے انھوں نے عہد نبوتؐ پایا' اور یہ روایت خضرؑ نے براہِ راست حضرت نبی کریم ﷺ سے کی ہے۔ تو اس دعویٰ کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

○ نیز اس بات کا ثبوت بھی ضروری ہے کہ حضرت خضرؑ نے یہ روایت کس کو بتائی۔

○ پھر یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ اس روایت کی سند بھی صحیح ہے یا نہیں۔

○ حقیقت یہ ہے کہ کوئی محدث بھی حیاتِ خضر کا قائل نہیں اور محدثین نے تو الٹا وفاتِ خضر کے متعلق مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ دیکھیے: اسنی المطالب صفحہ ٦١٦

❷ حضرت امام سخاویؒ نے مقاصدِ حسنہ صفحہ ٣٨٤ میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایت جناب محمد بن بابا سے ایسی سند کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ جن کے راویوں کو میں (شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبد الرحمن السخاوی) نہیں پہچان سکا۔

○ اور یہ محمد بن بابا اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ: "ایک مرتبہ تیز ہوا چل رہی تھی کہ ایک کنکری میری آنکھ پر پڑ گئی، اسے نکالتے نکالتے میں تھک گیا اور سخت تکلیف ہوئی، پھر جب مؤذن کی زبان سے اذان میں "اشهد ان محمدا رسول الله" سنا تو یہی عمل کیا (انگوٹھے چومے) جس سے وہ کنکری نکل گئی"۔

○ آپ نے دیکھا کہ اس جگہ بھی امام سخاویؒ فرما رہے ہیں کہ میں اس کے راوی کو نہیں جانتا یعنی اس کا راوی مجہول ہے۔ پھر یہ بھی علم نہیں کہ یہ محمد بن بابا کون ہیں۔ کس سن یا صدی میں ہوئے ہیں۔ نیز وہ اپنا ذاتی قصہ بتا رہے ہیں۔ کسی مجتہد یا امام کا نام نہیں لیتے۔ پھر یہ "مرفوع حدیث" کس طرح بن سکتی ہے؟۔

❸ حضرت امام سخاویؒ نے الشمس محمد بن صالح مدنی کی حکایت تحریر فرمائی ہے جو انھوں نے ایک قدیم مصری "المجد" سے اپنی تاریخ میں لکھی ہے کہ: محمد بن صالح نے اس قدیم مصری سے یوں کہتے ہوئے سنا ہے کہ: "جو مؤذن کی زبان سے اشهد ان محمدا رسول الله سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں اور انگوٹھوں کو اکٹھا کر کے ان کا بوسہ لے اور پھر اپنی دونوں آنکھوں پر پھیرے تو اس کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں گی"۔

○ اب غور فرمائیے کہ یہ روایت بھی حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں، اور اس کے راوی "شمس محمد بن صالح" کا علم نہیں کہ یہ کون ہیں؟ اور انھوں نے یہ بات کس کتاب میں لکھی ہے، صرف تاریخ کہنے سے بات سمجھ میں نہیں آتی۔

○ نیز یہ روایت نہیں، بلکہ ایک حکایت ہے، جو طفل تسلی کے لیے لوگ بنا لیتے

ہیں۔ اس کے علاوہ "مجشد" نام کا وہ قدیم مصری کون ہے، کتنا قدیم ہے۔ کیا یہ "خضشر" ہی کا نام تو نہیں ہے؟ اس کا کچھ ذکر نہیں۔ اور یہ بھی کوئی محدث یا ناقد نہیں بتلاتا کہ یہ شخص کس سن یا صدی میں ہوا ہے۔

○ نیز اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس قدیم مصری کا ذاتی عمل ہے، اس میں بھی نہ کسی مجتہد کا ذکر ہے اور نہ ہی سلف صالحین میں صحابہؓ تک کسی کا نام ہے، اور نہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے۔ پس یہ ایک حکایت ہے روایت نہیں۔

❹ حضرت امام سخاویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ محمد بن صالح نے فرمایا کہ میں نے فقیہ محمد بن الزرندی سے سنا ہے جو عراق یا عجم کے شیوخ میں سے کسی ایک سے روایت کرتا ہے کہ: "جب حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سنتے تو اپنی دونوں آنکھوں پر ہاتھ ملتے اور وہ شیخ یہ لفظ پڑھتے: صلی اللّٰہ علیك یا سیدی یا رسول اللّٰہ یا حبیب قلبی و یا نور بصری و یا قرۃ عینی"۔ تو ان دونوں میں سے ہر ایک نے یہ عمل کرکے مجھے دکھایا اور کہا کہ میری آنکھیں نہ دکھیں گی"۔ ابن صالح نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے جب سے ان دونوں کی زبانی یہ سنا تو میں نے بھی اسے معمول بنالیا۔ اور پھر میری آنکھیں نہیں دکھیں۔ اور امید ہے کہ آئندہ بھی آنکھیں دکھنے کی بیماری سے بچا رہوں گا۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ اندھے پن سے بھی بچا رہوں گا۔

○ یہ بھی ایک حکایت ہے، روایت نہیں۔ پھر اس میں جتنے نام ہیں وہ مجہول اور نامعلوم ہیں۔ اور پھر یہ ان کا اپنا معمول ہے اور تجربہ ہے۔ یہ نہ تو کسی مجتہد کا قول ہے اور نہ سلف صالحین میں سے کسی کا معمول ہے اور نہ ہی حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ اور یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ لوگ کس سن یا صدی میں ہو گزرے ہیں جن کا تعلق اس حکایت سے ہے۔

❺ امام سخاویؒ نے کسی کتاب کا حوالہ دیے بغیر تین واسطوں سے نواسۂ رسول ﷺ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ:

① فقیہ محمد بن سعید خولانی، جو کہتا ہے کہ مجھے خبر دی :
② فقیہ عالم ابوالحسن علی بن محمد بن حدید حسینی نے، اور وہ کہتا ہے کہ مجھے خبر دی :
③ فقیہ زاہد بلال نے کہ حضرت حسنؓ (بن علیؓ) نے فرمایا کہ :
"جو شخص مؤذن سے "اشہد ان محمدا رسول اللہ" سن کر "مرحبا بحبیبی و قرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہے اور اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے تو نہ اندھا ہوگا اور نہ ہی اس کی آنکھیں دکھیں گی"۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ امیرالمومنین سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما جو چالیس دن تپ دق میں مبتلا رہنے کے بعد یکم ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پا چکے تھے، ان کے اور امام سخاویؒ جو کہ ربیع الاول ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے تقریباً ۷۸۰ سال کا وقفہ ہے، جبکہ امام سخاویؒ ۹۰۲ھ میں فوت ہوئے۔ تو اس عرصے میں سیدنا امام حسنؓ سے امام سخاویؒ تک گویا صرف تین راوی ہیں۔ اور اتفاق سے ان تینوں راویوں کا تذکرہ بھی اسماء الرجال کی کسی کتاب میں نہیں ہے، یعنی خیر سے یہ راوی بھی مجہول ہیں، ورنہ ان معمر راویوں کا تذکرہ کتب اسماء الرجال و اصول حدیث میں ضرور مل جاتا، اس لیے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت بھی منقطع ہے۔

○ نیز اس روایت میں امیرالمومنین سیدنا امام حسنؓ کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت کسی شیعہ و رافضی کی گھڑی ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ شیعوں کا شعار ہے۔ جیسا کہ :

○ "شرح فقہ اکبر" میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ :
"ائمہ کرام کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھنا روافض کے شعار میں سے ہے"۔

○ نیز یہ روایت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔ کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا جان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف انیس (۱۹) حدیثیں سنی ہیں۔ جو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں "مسند حسنؓ" کے زیر عنوان نقل فرمائی ہیں۔ لیکن ان میں یہ حدیث نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بھی من گھڑت ہے۔

❶ حضرت امام سخاویؒ نے ایک مجہول الحال راوی طاؤسی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ: انھوں نے الشمس محمد بن ابی نصر بخاری خواجہ سے سنا ہے کہ: "جو شخص مؤذن سے اشہد ان محمداً رسول اللہ سن کر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو بوسہ دے کر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھتے ہوئے اللھم احفظ حدقتی و نورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ ﷺ و نورھما کہے گا" تو نابینا نہیں ہوگا"۔

○ اس روایت کے راویوں میں سے بھی نہ تو طاؤسی کے بارے میں معلوم ہو سکا کہ یہ کون صاحب ہیں، کہاں کے رہنے والے ہیں اور کس دور میں ہو گزرے ہیں اور نہ ہی شمس محمد بن ابی نصر بخاری خواجہ کا کوئی اتا پتا معلوم ہو سکا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی سند بھی بیان نہیں کرتے۔

ان تمام روایات کے متعلق امام سخاویؒ کا فتویٰ:

○ اذان میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے یا انگلیوں کے پوروں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرنے یا لگانے سے متعلق حضرت امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ صفحہ ۳۸۴ و ۳۸۵ میں جتنی روایات بھی نقل کی ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں، چنانچہ ان تمام روایات کو لکھنے کے بعد امام سخاویؒ وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں: لا یصح فی المرفوع من کل ھذا شیئ یعنی ادھر جس قدر روایات بیان کی گئی ہیں ان میں سے کوئی بھی مرفوع میں صحیح نہیں۔

اعتراض: اب اگر کوئی معترض یہ کہے کہ آپ کی بات درست ہے کہ انگوٹھے چومنے سے متعلق تمام روایات من گھڑت ہیں۔ لیکن آنکھوں کے دکھنے اور اندھے پن سے بچنے کے لیے بطور علاج اس عمل کے کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے علاج اور دوا کا مشورہ بھی تو صحابہ کرامؓ کو دیا تھا۔

جواب: جہاں تک علاج و دوا کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں سیدنا اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو دریافت کیا کہ: کیا ہم دوا استعمال کر سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں ہاں، اللہ کے بندو! دوا لے لیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کے علاوہ تمام بیماریوں کے لیے دوا بنائی ہے۔"
(مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۸ بحوالہ مسند احمد، جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث اس سلسلہ میں مروی ہیں، اگر انھیں یہاں لکھیں تو بات لمبی ہوجائے گی۔ جسے شوق ہو وہ طب نبوی وغیرہ کتب میں دیکھ لے، جو اسی موضوع پر لکھی ہوئی عام دستیاب ہیں۔ البتہ:

آنکھوں کے علاج کے سلسلے میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ: خیبر کے وقت قلعوں میں سے ایک قلعہ "قموص" پر حملہ کے لیے سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کی کمان میں بھیجے گئے لشکر کی تیاری کے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "رایہ" (یعنی چھوٹا جھنڈا، عَلَم مراد نہیں) دینے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا، جبکہ ان کی آنکھیں دکھنے آئی ہوئی تھیں۔ پھر جب وہ تشریف لائے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو تندرست فرمادیا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۳ بحوالہ بخاری و مسلم)

نیز یہ واقعہ طبقات ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) میں بھی مذکور ہے۔

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھی، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ دکھنے کا واقعہ بھی سامنے تھا، یہ انتہائی مناسب و موزوں موقع تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں کے دکھنے کا علاج اس عمل کے ذریعے کرنے کا طریقہ بتلاتے تاکہ امت محمدیہ میں کبھی کسی کی آنکھیں اول تو خراب ہی نہ ہوں، اور اگر انگوٹھے نہ چومنے کی وجہ سے کسی کی آنکھیں خراب ہوجائیں تو فوراً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیر لے، یعنی "ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ چڑھے چوکھا" کے مصداق آنکھوں کے علاج کے سلسلے میں کم از کم مسلمانوں کو تو کسی دوا کی محتاجی نہ رہتی۔ اور آنکھوں کے ہسپتالوں میں کروڑوں روپے کے

بے جا مصارف سے دنیا بھر کے مسلمان محفوظ رہتے۔ اور یہود و نصاریٰ امراضِ چشم کے بہانے مسلمانوں کے خون پسینے کی کمائی سے اپنی تجوریاں نہ بھرتے۔

○ ہماری اس بات پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ بات تو صرف یقین اور اعتماد کی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص یقین کامل کے ساتھ یہ عمل کرے تو پھر اس کو فائدہ بھی ہو جائے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذباللہ صحابہ کرامؓ کامل الیقین نہ تھے۔

○ بہرحال ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ طریقہ نہیں بتایا کہ اس طرح انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیر لیا کرو تو نہ کبھی تمھاری آنکھیں دکھیں گی اور نہ ہی کوئی نابینا ہوگا۔ کیونکہ اس موقع پر موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کئی صحابیؓ بعد میں نابینا ہو گئے' اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل بتایا ہوتا تو صحابہ کرامؓ میں سے تو کوئی بھی نابینا نہ ہوتا' کیونکہ صحابہ کرامؓ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر جان قربان کر دیا کرتے تھے اور کسی حکم کے خلاف رائی بھر فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ لیکن ہمیں کئی ایسے صحابہ کرامؓ کے نام بھی ملتے ہیں جنھوں نے ناموسِ رسالت کے لیے نمایاں کارنامے انجام دیے' لیکن آخر میں نابینا ہو گئے۔ مثلاً:

① سیدنا عبداللہ بن عمر
② سیدنا ابی بن کعب
③ سیدنا حسان بن ثابت
④ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری
⑤ سیدنا براء بن عازب
⑥ سیدنا کعب بن مالک
⑦ سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی
⑧ سیدنا عتبان بن مالک
⑨ سیدنا قتادۃ بن النعمان
⑩ سیدنا سعید بن یربوع مخزومی
⑪ سیدنا ولید بن عقبۃ بن ابی معیط
⑫ سیدنا ابو اسید ساعدی مالک بن ربیعہ بدری رضی اللہ عنہم اجمعین

○ یہ ان صحابہ کرامؓ کے نام تھے جنھوں نے خیبر کی لڑائی میں شرکت فرمائی اور سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے مذکورِ بالا واقعہ کے گواہ ہیں۔

- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کو ایسی محبت اور بھائی چارے کی تعلیم دی اور ایسا سبق دیا کہ صدیوں کی دشمنیاں ختم کرکے سب آپس میں شیر و شکر ہوگئے اور ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔
- اللہ تعالیٰ نے ان کی باہم بھائی بندی کی شہادت دیتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: أَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (۳: ۱۰۳) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی، اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔
- اب چونکہ صحابہ کرامؓ سب کے سب آپس میں بھائی بن چکے تھے، نقصان یا فائدے کی باتوں سے ایک دوسرے کو ہر وقت مطلع رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ خیر خواہی اور بھائی چارگی کا یہی اصول ہے۔
- اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک صحابیؓ کو نیکی کے کسی کام کی تعلیم دیتے تو وہ سب کو بتلاتا، پھر وہ اپنے گھر والوں اور اولاد کو بتلاتے، پھر اپنے شاگردوں کو بتلاتے اور صحابہ کرامؓ کے شاگرد اپنے شاگردوں کو بتلاتے، حتیٰ کہ دین کی تمام باتیں اسی طرح ایک دوسرے کی معرفت ہم تک بھی پہنچ گئیں۔ الحمد للہ علی ذلک۔
- بہر حال ہمارا مقصد یہ ہے کہ خیبر کے موقع پر اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو انگوٹھے چومنے کے متعلق بتلاتے کہ یہ اندھے پن کا علاج ہے تو جو صحابہؓ اس موقع پر موجود تھے وہ یہ عمل ضرور کرتے اور ان میں سے کوئی ایک بھی نابینا نہ ہوتا، وہ ان صحابہؓ کو بتلاتے جو خیبر میں موجود نہیں تھے، یعنی جو صحابہؓ اس وقت چھوٹے بچے تھے یا جو خیبر کے بعد مسلمان ہوئے، بھائی چارگی کے اصول کے تحت سب کو اس عمل کا علم ہونا چاہیے تھا۔ جس کے نتیجے میں کوئی صحابیؓ نابینا نہ ہوتا۔
- لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کئی دیگر صحابہؓ بھی نابینا ہوگئے۔ جنگ خیبر میں شریک صحابہ کرامؓ جو بعد میں نابینا ہوگئے تھے وہ تعداد میں بارہ تھے۔ اب دیکھیے ان کے علاوہ دیگر دس صحابہؓ ہیں جو خیبر میں تو شریک نہ تھے کہ انھیں اس موقع پر براہ راست حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بات سننے کا موقع ملتا، تاہم

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا ہوتا تو ان کو اس کی اطلاع ضرور ہوتی۔ اور اس عمل کو وہ اپنا معمول بنا لیتے اور کبھی نابینا نہ ہوتے۔ ان صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

⑬ عمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عباس بن عبد المطلب

⑭ سیدنا عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب

⑮ سیدنا ابوسفیان صخر بن حرب خسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

⑯ سیدنا حکم بن ابی العاص

⑰ سیدنا ابوقحافہ عثمان عامر بن عمر، والد ماجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ

⑱ سیدنا فاکہہ بن مغیرہ

⑲ سیدنا عمرو بن ام مکتوم

⑳ سیدنا حارث بن عباس

㉑ سیدنا ابوامامۃ الباہلی صُدی بن عجلان

㉒ سیدنا عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

○ ان کے علاوہ مشہور اخباری نسابہ ابو جعفر محمد بن حبیب بن امیہ بن عمرو ہاشمی بغدادی متوفی ۲۴۵ھ نے کتاب المحبر صفحہ ۲۹۶ سے ۲۹۹ تک متعدد صحابی اور غیر صحابی اشراف نابیناؤں کی ایک طویل فہرست لکھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ عمل ہرگز اندھے پن کا علاج نہیں ہے۔

نیز مصنف عبد الرزاق کے مصنف عبد الرزاق بن ہشام محدث خود نابینا ہو گئے تھے اور پھر اسی حالت میں ۲۱۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے : لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ یعنی انسان جو چیز اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے، وہ چیز جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے گا تو اس وقت تک اس کے دل میں مکمل طور پر ایمان جاگزیں نہیں ہوگا۔

 اس حدیث نبویؐ کی روشنی میں ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ جب

اذان ہو رہی ہو تو اس وقت حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے نہ چوما کریں۔ کیونکہ یہ بدعت ہے۔ جس سے بجائے ثواب یا کسی طبی فائدے کے گناہ بھی ہے اور مختلف جسمانی بیماریوں کا خطرہ بھی۔ کیونکہ انسان کے ہاتھ ضروری نہیں کہ ہر وقت پاک صاف ہوں' جب یہ عادت پڑی ہوئی ہوگی تو خواہ ہاتھ صاف ہوں یا نہ جب بھی حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک کانوں میں پڑا فوراً اس عبث کام کے لیے ہاتھ آپ کے منہ اور آنکھوں تک جائیں گے' جو طبی لحاظ سے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔

اعتراض اس بات کی وضاحت کے بعد واقعی یہ تمام روایات موضوع ہیں' لیکن کوئی کہے کہ موضوع ہیں تو کیا ہوا' اگر قواعد کے مطابق ہو تو اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں' جیسا کہ احمد رضا خان بریلوی نے "فتاویٰ افریقیہ" صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے کہ:

"یہ ٹھیک ہے کہ موضوع حدیث پر عمل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے لیکن یہ "قاعدہ" اس صورت میں ہے کہ جب شرعی قواعد کے مخالف ہو اور اگر قاعدہ کلیہ عام میں داخل ہو تو پھر اس موضوع حدیث پر عمل کرنے سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے' مگر اس پر عمل کرنا اس رو سے نہیں کہ یہ حدیث سے ثابت ہے' بلکہ اس پر عمل اس وجہ سے کیا کہ اصل عام کے تحت داخل ہے"۔ وہ اس طرح کہ عام قاعدہ ہے کہ شریعت نے مطلقاً دوا کرنے کا حکم دیا ہے۔

جواب بریلویہ کے امام اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کا بیان کردہ یہ "قاعدہ" ان کا اپنا خانہ ساز' من گھڑت اور قواعد شرع کی رو سے غلط اور بے بنیاد ہے' جو کئی وجوہ سے باطل اور قابل رد ہے۔

وجوہ بُطلان:

❶ ان کے کلام میں ایک ہی مقام پر تناقض' تعارض اور تخالف ہے' کیونکہ:

○ پہلے تو کہا کہ: یہ ٹھیک ہے کہ موضوع حدیث پر عمل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ (سالبہ کلیہ دائمہ مُطلقہ)

○ پھر کہا کہ: جب شرعی قواعد کے مخالف ہو تو موضوع پر عمل ناجائز ہے۔ اور اگر قاعدۂ کلیہ عام میں داخل ہو تو پھر اس موضع حدیث پر عمل کرنے سے کوئی رکاوٹ نہیں۔ (مطلقہ عامہ موجبہ جزئیہ) بعض اوقات موضوع حدیث پر عمل جائز ہے۔ اور بعض اوقات موضوع حدیث پر عمل ناجائز ہے۔ جبکہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ: موضوع حدیث پر عمل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

○ پھر تیسری دفعہ "مگر" کے ساتھ لکھا کہ: اس پر عمل کرنا اس رو سے نہیں کہ یہ حدیث سے ثابت ہے بلکہ اس پر عمل کرنا اس وجہ سے ہے کہ اصل عام کے تحت داخل ہے۔ تو یہ بات پہلی بات کے خلاف ہے کہ: اس پر عمل کرنا اس وجہ سے ہے کہ بعض اوقات موضوع حدیث پر عمل کرنا جائز ہوتا ہے۔

❷ عوام تو حدیثیں سننے کی خواہش رکھتے ہیں اور ان حدیثوں میں نیک کاموں کے متعلق ترغیبات سننے کی تمنا کرتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو احادیثِ صحیحہ کی بجائے موضوع اور من گھڑت روایات سنائی جائیں گی تو یہ ان کے ساتھ فریب کاری ہوگی، عوام کو دھوکے میں رکھنے کی بجائے صاف کیوں نہیں کہا جاتا کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث تو ہے نہیں، مگر شرع میں چونکہ اس کی ممانعت بھی نہیں ہے اس لیے اس پر عمل جائز ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی سراسر غلط ہوگا۔ کیونکہ موضوع حدیث کا بیان کرنا بھی ناجائز ہے، اور اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔

❸ یہ "قانون" صرف چودھویں صدی کے خان صاحب بریلوی کا خانہ ساز ہے۔ کیونکہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں متقدمین و متأخرین علماءِ حق میں سے کسی نے اس شرط کے ساتھ یہ قانون بیان نہیں کیا۔

○ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ: جس حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہو جائے تو اس کا عامل شیطان کا خادم ہے۔

○ نیز حضرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کوئی شرط لگائے بغیر فرمایا: الموضوع کالعدم۔

⑤ اس شرط کو ملحوظ رکھیں تو دنیا میں بدعت کا وجود ہی نہ رہے گا۔ کیونکہ ہر نئی بدعت نکالنے والا کہہ سکتا ہے کہ: یہ قاعدہ کلیہ "عام" کے تحت داخل ہے۔ اور اس طرح بدعات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جس کے ذمہ دار احمد رضا خان بریلوی ہوں گے۔

⑥ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالی شان: من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد اور کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔ بے معنی ہو کر رہ جائیں گے جو محال بھی ہے۔ اور اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان بھی ہے۔ استغفر اللہ تعالیٰ۔

اعتراض: ممکن ہے اس کتاب کو دیکھ کر مجوزینِ تقبیل ابہامین کو غصہ آجائے اور کہیں کہ تم تو دیوبندی ہو، ہر "نیک کام" کو بند کرتے ہو۔ مثلاً: پختہ قبریں بنانا بند، قبروں پر چراغاں بند، عرس بند، قوالی بند، تیجا بند، ساتا بند، دہابند، چہلم بند، ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی رسم بند، حیلۂ اسقاط بند، جنازہ کے بعد دعا بند، رجب کے کونڈے بند، شبِ برات بند، عید میلاد بند، اور اب تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا بھی بند۔ ان تمام نیک کاموں کو بند کرنے کا نام دیوبندیت ہے۔ اور نیکی کے کام سے روکنا تو ظاہر ہے شیطان کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

جواب: یہ کتاب پڑھنے سے ان تمام باتوں کا جواب آسانی سے مل سکتا ہے اور اس بارے میں ایک سیدھا سادھا اصول ہے کہ: جس کام کا حکم شریعت میں نہ ہو وہ خواہ کتنا ہی نیکی کا کام معلوم ہو وہ بدعت ہے۔ اس کے بارے میں پہلے باب کے چوتھے اصول میں بدعت کی اقسام اگر دوبارہ پڑھ لیں تو ہمیں امید ہے کہ اس کی حقیقت اچھی طرح سمجھ آجائے گی۔

⑦ بہرحال فقہاءِ کرام نے جن جن کاموں سے منع فرمایا ہے تو وہ اس کی دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ کام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں، اس کی وضاحت دوسرے باب میں وجۂ کراہت ۲ کے تحت کی گئی ہے، اگر اسے دوبارہ

پڑھ لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ تمام شکوک رفع ہو جائیں گے۔

○ جو کام بظاہر تو بھلے معلوم ہوتے ہیں لیکن شریعتِ مطہرہ میں ان کا حکم نہیں ہے تو سمجھو کہ اس کام کے کرنے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کام کے کرنے میں اگر واقعی نیکی ہوتی اور وہ کام عبادت یا کارِ ثواب ہوتا تو خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نیکی کے کاموں کے بہت ہی زیادہ حریص اور شوقین تھے، وہ یہ کام ضرور کرتے یا اپنی امت کو اس کا حکم ضرور دیتے۔ کیونکہ وہ تو اپنی امت کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے۔ بالمؤمنین رؤف رحیم۔ اور سب سے بڑی خیر خواہی نیک کاموں کی ترغیب اور برائی سے روکنا ہوتی ہے۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بھی یہ کام نہ کرنا اور اپنی امت کو بھی ایسے کاموں کی تعلیم و ترغیب نہ دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کاموں میں کوئی نیکی نہیں ہے، بلکہ الٹا ممنوع ہیں، جس کی مثالیں آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ گرچہ ہماری نظروں میں یہ کام کتنے ہی نیکی کے کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ ایسے نئے نئے کاموں سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود منع فرمایا ہے جو ہمیں نیکی کے کام معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس طرح کے کاموں میں کوئی نیکی اور اجر و ثواب نہیں ہے۔ مثلاً: "الصلوٰۃ خیر موضوع" یعنی نماز پڑھنا شرع محمدی میں تمام معمولات سے بہترین عمل ہے۔ مگر اس کے باوجود طلوعِ شمس، غروبِ شمس اور نصف النہار کے اوقات میں نماز پڑھنا بھی منع ہے، خواہ ادا ہو خواہ قضا، خواہ فرض ہو یا واجب (وتر یا نذر) خواہ سنت ہو یا نفل، ان اوقات میں کوئی نماز بھی نہیں پڑھ سکتے البتہ نمازِ جنازہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

○ اسی طرح صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک نمازِ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے علاوہ کوئی اور نفل نہیں پڑھ سکتے، البتہ قضاء نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح عصر کے فرض ادا کر چکنے کے بعد غروبِ آفتاب تک کوئی نفل نہیں پڑھ سکتے، البتہ سورج کا رنگ زرد پڑنے سے پہلے پہلے قضاء نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

○ اسی طرح روزے رکھنا بھی بہت بڑا نیکی کا کام ہے۔ مگر رمضان کے علاوہ مسلسل روزے رکھنا منع ہیں' البتہ قضا روزے مسلسل رکھے جاسکتے ہیں' اور کفارے کے ساٹھ روزے تو ویسے ہی مسلسل رکھنے ضروری ہیں۔ اگر کسی نے انسٹھ روزے مسلسل رکھنے کے بعد ساٹھواں روزہ ایک دن کے وقفہ سے رکھا تو کفارہ ادا نہ ہوگا اور نئے سرے سے مسلسل ساٹھ روزے رکھنے پڑیں گے۔

○ اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کرنا بھی کتنا بڑا نیکی کا کام ہے' لیکن رکوع اور سجود میں قرآن مجید کی تلاوت منع ہے۔ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے وقت بھی قرآن مجید کی تلاوت منع ہے۔ بعض مقامات میں تلاوتِ قرآن مجید سے صراحۃً حضرت نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

○ اسی طرح محدثین اور فقہاء نے ارشادات و معمولاتِ نبویؐ کی روشنی میں یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ : اذان کے وقت سننے والا قرآن پاک کی تلاوت نہ کرے' حالانکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے صراحۃً منع نہیں فرمایا۔ لیکن چونکہ خود بھی ایسا نہیں کیا تو محدثین و فقہاء نے اسے بدعت مکروہ اور خلافِ سنت قرار دیا' ان کا موقف یہ ہے کہ یہ کام اس موقع پر بھی کارِ ثواب ہوتا تو حضرت نبی کریم ﷺ نہ صرف یہ کہ خود عمل کرتے بلکہ اپنی امت کو بھی حکم فرماجاتے۔

○ اسی طرح درود شریف پڑھنا بھی بہت بڑی فضیلت کا کام ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور صحابہ کرامؓ میں سے :

① سیدنا انس بن مالک
② سیدنا عبداللہ بن مسعود
③ سیدنا ابوہریرہ
④ سیدنا ابوطلحہ
⑤ سیدنا ابی بن کعب
⑥ سیدنا فضالۃ بن عُبید
⑦ امیرالمومنین سیدنا عمر فاروق
⑧ امیرالمومنین سیدنا علی بن ابی طالب
⑨ سیدنا عبداللہ بن عمرو
⑩ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف
⑪ سیدنا رویفع
⑫ سیدنا براء بن عازب

⑬ سیدنا عمار بن یاسر ⑭ سیدنا ابو الدرداء

⑮ سیدنا ابو سعید خدری ⑯ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ

⑰ سیدنا کعب بن عجرہ ⑱ سیدنا عبدالرحمن بن بشیر

⑲ سیدنا عبداللہ بن عباس ⑳ سیدنا جابر بن عبداللہ

㉑ سیدنا مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہم درود شریف کے فضائل بتلاتے ہیں۔

○ اگر ان صحابہ کرام کے بیان کردہ فضائل لکھنے شروع کر دیں تو یہ ایک مستقل کتاب بن جائے گی اور بات اپنے موضوع سے ہٹ جائے گی' اصل بات جو ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب درود شریف پڑھنے کے اس قدر فضائل ہیں اور اذان سے پہلے اس کا پڑھنا منع بھی نہیں ہے تو علماء نے اس سے کیوں منع فرمایا ہے' تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جن حضرات کو مؤذن ہونے کا شرف اور فضیلت حاصل ہوئی ان میں :

① سیدنا بلال ② سیدنا ابو محذورہ اور

③ سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

ان میں سے کسی نے بھی اذان سے پہلے درود نہیں پڑھا۔

○ یہی وجہ ہے کہ محدثین اور فقہاء کرام کے بیان کردہ قانون کی رو سے علماء اذان سے پہلے درود شریف پڑھنے کو بدعت اور خلاف سنت کہتے ہیں۔ اور یہی حال اذان سے پہلے تعوذ و تسمیہ پڑھنے کا ہے۔ جبکہ یہ بھی کلمات خیر ہی ہیں۔ البتہ :

○ اذان کے بعد پست آواز سے درود شریف اور دعائے وسیلہ کا پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے' مگر اس پر عام لوگ عمل نہیں کرتے۔

○ شیطان بھی کیسا خبیث ہے' اس نے عوام کی توجہ نیکی کے سب کاموں سے ہٹادی اور بدعات کو نیکی کے رنگ میں پیش کر دیا اور عوام بھی ایسے بدھو ہے کہ جو چیز صحیح تھی اسے تو شیطان کی پیروی میں ترک کر دیا اور جو چیز غلط تھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ بہرحال یہ الزام غلط ہے کہ ہم نیکی کے کام سے روکتے ہیں۔

ہمارا ایک سوال

آخر میں مجوزین تقبیلِ ابہامین سے ہمارا ایک سوال ہے کہ : مؤذن جب اذان میں "اشہد ان محمدا رسول اللہ" کہتا ہے تو خود اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر کیوں نہیں پھیرتا؟ کیا مؤذن کو اس کی ممانعت ہے؟۔

اسی طرح : قرآن مجید میں چار جگہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک "محمد" اور ایک جگہ "احمد" آتا ہے، تو کیا تراویح میں قرآن مجید سنانے والا اور اس کے مقتدی ان پانچوں مقامات پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرتے ہیں؟ اگر نہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟۔

ہمارے اس سوال کا جواب دے کر شکریہ کا موقع دیجیے۔ ہم جواب کے منتظر رہیں گے۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان
لا اله الا انت استغفرك واتوب
اليك. اللهم صل على سيدنا
ومولانا محمد واله
واصحابه
اجمعين

○

القول المبین

في وقت

قیام المقتدین

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال محیط کے حوالے سے فتاویٰ عالمگیری اور درِّ مختار میں لکھا ہے کہ جب نماز کی اقامت ہورہی ہو تو مقتدی کھڑا نہ رہے بیٹھ جائے۔ جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے تو مقتدی کھڑا ہوجائے۔ لیکن بعض مساجد میں اس پر عمل کیا جاتا ہے اور بعض مساجد میں اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

(السائل محمد یوسف چک نمبر ۱۱۲ جنوبی ڈاکخانہ خاص تحصیل و ضلع سرگودھا)

جواب دلائل شرع کے چار ہیں۔ ① قرآن مجید ② حدیث صحیح ③ اجماع امت ④ قیاس مجتہد کا۔ اور یہ مسئلہ قرآن مجید میں تو ہے نہیں۔ البتہ حدیث شریف میں اس کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ میں مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے حضرت امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت نقل فرمائی ہے۔ جس میں آتا ہے: ان الناس کانوا ساعۃ یقول المؤذن "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" یقومون الی الصلوٰۃ۔ فلا یأتی النبی ﷺ مقامہ حتی تعدل الصفوف۔ کہ عہد نبوی میں صحابۂ کرام کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب مؤذن (اقامت کہنے والا) "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" سے اقامت شروع کرتا تو صحابۂ کرامؓ فوراً نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ اس وقت تک اپنے مقام یعنی مصلے پر کھڑے نہیں ہوتے تھے جب تک کہ صفیں درست نہ ہوجاتیں۔

- اس حدیثِ مبارک سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ اقامت شروع ہوتے ہی صحابۂ کرامؓ کھڑے ہوکر صفیں درست کرنی شروع فرمادیتے تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لیے صفوں کو درست کرنا اور مل کر کھڑے ہونا اس قدر ضروری اور اہم ہے کہ جب تک صفیں درست نہ ہوجاتیں حضرت رسول اللہ ﷺ مُصلّے پر تشریف نہ لاتے تھے۔ اور جب صحابۂ کرامؓ کو تسویۂ صفوف کی اہمیت کا علم ہوا تو صحابۂ کرامؓ نے اقامت کے شروع ہوتے ہی کھڑے ہوکر صفوں کو درست کرنا شروع کردیا۔ اور پھر حضرت نبی کریم ﷺ کے مُصلّے پر تشریف لانے سے پہلے پہلے ہی درست طریقے سے صف بندی کرلیا کرتے تھے۔ جیسا کہ :
- سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ ﷺ فیأخذ الناس مصافھم قبل ان یقوم النبی ﷺ مقامہٗ۔ یعنی جب نماز کے لیے اقامت شروع ہوتی تو لوگ (یعنی صحابۂ کرامؓ) حضرت نبی کریم ﷺ کے مُصلّے پر تشریف لانے سے پہلے ہی اپنی اپنی صفیں درست کرنے میں مشغول ہوجایا کرتے تھے۔
- احادیثِ مبارکہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اہم حکم جس پر احادیثِ مبارکہ میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ نہیں کہ اقامت شروع ہونے کے بعد مقتدی یا امام اقامت کے کس لفظ پر کھڑا ہو۔ بلکہ اصل مسئلہ تسویۂ صفوف کا ہے۔ یعنی صفوں کو برابر کرنا اور جڑ کر کھڑے ہونا۔ آگے پیچھے نہ ہونا۔ جیسا کہ :
- سُنن ابی داؤد صفحہ ۱۰۳ اور مشکوٰۃ صفحہ ۹۸ میں ہے : کان رسول اللہ ﷺ یُسوّی صفوفنا اذا قمنا الی الصلوٰۃ فاذا استوینا کبّر۔ یعنی جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو حضرت نبی کریم ﷺ پہلے ہماری صفیں سیدھی کیا کرتے تھے، پھر جب ہم اپنی صفیں سیدھی کرچکتے تو حضرت نبی کریم ﷺ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہ کر نماز شروع فرماتے تھے۔
- اصولِ حدیث کی اصطلاح میں یہ حدیث "مشہور" ہے۔ جس کے راوی متعدد

صحابہ کرامؓ ہیں۔ مثلاً : ① سیدنا ابوسعید خدری ② سیدنا عبداللہ بن مسعود ③ سیدنا انس بن مالک ④ سیدنا ابوہریرہ ⑤ سیدنا ابو امامہ باہلی ⑥ سیدنا ابو مسعود انصاری ⑦ سیدنا جابر بن سمرہ ⑧ سیدنا عبداللہ بن عمر ⑨ سیدنا نعمان بن بشیر وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

○ اس حدیث مبارک سے تسویۂ صفوف کی اہمیت خوب واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ ایک موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا : سووا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوٰۃ (مشکوٰۃ صفحہ ۹۸) کہ صفیں سیدھی کیا کرو۔ کیونکہ تسویۂ صفوف اقامتِ صلوٰۃ کی ایک اہم جزو ہے۔ اور چونکہ اقیموا الصلوٰۃ (الآیہ) میں اللہ تعالیٰ نے اقامت الصلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اقامت صلوٰۃ میں افرمانِ نبیؐ اقامتِ صلوٰۃ کے اہم جزو تسویۂ صفوف کا لحاظ رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ :

○ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ نماز پڑھانے کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دراقدس سے تشریف لائے۔ اور مصلے پر کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہنے لگے تو اچانک ایک ایسے شخص پر نظر پڑ گئی جس کا سینہ دوسرے لوگوں سے قدرے آگے کو بڑھا ہوا تھا۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : عباد اللہ لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم۔ کہ اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں درست کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دے گا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۹۷و۹۸)

○ تسویۂ صفوف کے بارے میں جب صحابۂ کرامؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاکیدی حکم سنا تو آپؓ تعمیل حکم کرتے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لانے سے پہلے ہی تسویۂ صفوف یعنی صفیں سیدھی کر کے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کے

لیے جاتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ پھر آپ ﷺ تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔

○ کبھی کبھی بعض دینی مشاغل کے باعث آپ ﷺ کو دیر بھی ہو جاتی تھی۔ اس زمانے میں وقت معلوم کرنے کے لیے آج کل کی طرح گھڑیاں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے کبھی کبھی صحابہ کرامؓ تسویہ صفوف کی حالت میں کافی دیر تک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظار میں کھڑے بھی رہتے تھے۔ چنانچہ:

○ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صفیں سیدھی کر کے اس انتظار میں کھڑے تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے درِ اقدس سے تشریف لاتے ہی ہماری صفیں سیدھی دیکھ کر نماز پڑھانی شروع کر دیں گے۔ اور آپ ﷺ کو صفیں سیدھی کروانے کی زحمت برداشت نہ کرنی پڑے گی۔ پھر جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دیکھا کہ تمام صحابہ کرامؓ صفیں سیدھی کر کے میری انتظار میں کھڑے ہیں تو آپ ﷺ نے شفقت کے طور پر فرمایا: اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی. (بخاری صفحہ ۸۸ و ۱۲۲ و مسلم صفحہ ۲۲۰) کہ جب تک تم لوگ مجھے نہ دیکھ لو اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔ یعنی بیٹھے رہا کرو۔ کیونکہ ان کا تسویہ صفوف کی حالت میں زیادہ دیر تک کھڑے رہنا تکلیف کا باعث بھی ہو سکتا تھا۔ اس فرمانِ نبویؐ کے بعد صحابہ کرامؓ کھڑے ہونے کی بجائے سیدھی صف بنا کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ پھر جب آپ اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لاتے تو حضرت بلالؓ اقامت کہنا شروع کر دیتے۔ اور آپ ﷺ اقامت کا جواب دیتے جاتے۔ اور حضرت بلالؓ کے اقامت ختم کرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصلّے پر پہنچ جاتے۔ اور صفیں سیدھی دیکھتے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز پڑھانی شروع فرما دیتے۔ جیسا کہ:

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لا یقیم حتی یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا خرج اقام الصلوٰۃ حین یراہ (مسلم صفحہ ۲۲۱) کہ جب تک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نہ نکلتے اس وقت تک حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت شروع نہ فرماتے۔ پھر آپ ﷺ کو دیکھتے ہی اقامت شروع فرما دیتے۔

- نیز آپؓ فرماتے ہیں: کانت تقام لرسول اللہ ﷺ فیأخذ الناس مصافهم قبل ان یقوم النبی ﷺ مقامه۔ (مسلم صفحہ ۲۲۰) یعنی اقامت کہی جاتی تھی اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہونے سے پہلے لوگ اپنی اپنی صفوں کو درست کرنے میں مصروف ہوجاتے تھے۔

- دوسری روایت میں ہے: اقیمت الصلوٰۃ و صف الناس صفوفهم و خرج رسول اللہ ﷺ فقام مقامه۔ (مسلم صفحہ ۲۲۰) یعنی نماز کے لیے اقامت کہی گئی اور لوگوں نے اپنی اپنی صفیں درست کرلیں اتنے میں حضرت رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے اور مصلّے پر کھڑے ہوگئے۔

- ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ جب تک امام مصلّے پر نہ آئے اس وقت تک اقامت کہنے والا اقامت شروع ہی نہ کرے۔ کیونکہ عہد نبوی میں ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ اقامت ہورہی ہوتی تھی اور حضرت رسول اللہ ﷺ کسی آدمی سے گفتگو فرمارہے ہوتے تھے۔ جیسا کہ:

- سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اقیمت الصلوٰۃ فعرض النبی ﷺ رجل فحبسه بعد ما اقیمت الصلوٰۃ (بخاری صفحہ ۸۹) یعنی نماز کے لیے اقامت ہوگئی تو ایک آدمی نے حضرت نبی کریم ﷺ کو اقامت کے بعد تک روکے رکھا۔

- اس لیے اقامت سے پہلے نمازیوں کو اپنی اپنی صفیں درست کرکے جڑ کر بیٹھے رہنا چاہیے۔ اور جب اقامت شروع ہوجائے تو آداب مسجد و تسویہ صفوف کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام نمازی کھڑے ہوجائیں۔ اور اقامت کا جواب بھی اسی طرح دینا چاہیے جیسا کہ اذان کا جواب دیا جاتا ہے۔ اور جب اقامت ختم ہوجائے تو امام تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے۔ اور اگر امام دیکھے کہ صفیں سیدھی نہیں ہوئیں تو اسے چاہیے کہ پہلے صفیں سیدھی کرائے اور پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے۔

- اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ اقامت کے دوران امام بھی مصلّے پر ہی بیٹھا رہے اور

حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح کے وقت ہی اٹھے۔ کیونکہ کسی حدیث میں ایسا حکم نہیں آیا۔ اور نہ ہی امام ابوحنیفہؒ نے کہیں کہا ہے کہ امام اور مقتدی حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح پر اٹھیں۔

○ اور کنز الدقائق صفحہ ۲۲ میں جو آداب الصلوٰۃ کے تحت حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک لکھا ہے: اٰدابھا...... القیام حین قیل حی علی الفلاح۔ یعنی امام اور مقتدی اس وقت پوری طرح کھڑے ہوجایا کریں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حی علی الفلاح تسویہ صفوف کا لحاظ رکھتے ہوئے امام اور مقتدیوں کے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوجانے کی آخری حد ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اقامت شروع ہوجانے کے باوجود بڑھاپے کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری و عذر کی وجہ سے اٹھ کر کھڑا نہیں ہوسکا تو وہ بھی اقامت کہنے والے کے حی علی الفلاح کہنے تک بہر صورت کھڑا ہوجائے۔

○ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اقامت شروع ہوجانے کے باوجود جلدی سے کھڑے ہونے کی طاقت کے باوجود جان بوجھ کر تسویہ صفوف کے تاکیدی حکم کی تعمیل میں سستی سے کام لیتے ہوئے بیٹھا رہے اور خواہ مخواہ حی علی الفلاح کا لفظ سن کر ہی کھڑا ہو۔ کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مخالف ہرگز نہیں ہوسکتا۔

○ اور اگر بالفرض والتقدیر ثابت ہوجائے کہ حضرت امام اعظمؒ کا قول فرمان نبویؐ کے خلاف ہے تو اس پر عمل کرنا خود حضرت امام اعظمؒ کے فرمان کی رو سے قابل رد قرار دیا جائے گا۔ جبکہ:

○ صحیح مسلم کے حوالے سے قبل ازیں اس بارے میں احادیث بیان کی جاچکی ہیں۔ جن میں مقتدی اور امام دونوں کے لیے واضح طور اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اقامت شروع ہوتے ہی سب کو کھڑا ہوجانا چاہیے۔ اور اقامت ختم ہونے سے پہلے پہلے اپنی اپنی صفوں کو خوب اچھی طرح درست کرلینا چاہیے۔

اور حضرت امام اعظمؒ کے فرمان کے مطابق زیادہ سے زیادہ تاخیر ہونے کی صورت میں بھی مؤذن کے حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح پر پہنچنے تک بہرصورت تسویہ صفوف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے پوری صفوں کو نماز کے لیے تیار ہو کر اچھی طرح کھڑے ہوجانا چاہیے۔ تاکہ اگر کوئی امام سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب درج ذیل ضعیف روایت پر عمل کرتے ہوئے قد قامت الصلوٰۃ پر ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز پڑھانی شروع کردے تو اس صورت میں بھی تمام مقتدی تکبیر تحریمہ میں امام کی اقتداء سے محروم نہ رہیں۔ اور وہ قراءت شروع ہونے سے پہلے پہلے ثناء پڑھ سکیں۔ چنانچہ:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کان بلالؓ اذا قال قد قامت الصلوٰۃ نہض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر۔ کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ قد قامت الصلوٰۃ کہتے تو حضرت رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ شروع فرمادیتے تھے۔ (یہ روایت مسند بزار میں ہے۔ جس کے بارے میں مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ اور لسان المیزان جلد ۱ صفحہ ۱۷۹ میں ہے کہ ہیثمی نے اسے ضعیف کہا ہے) لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اقامت کے وقت امام مصلے پر ہی بیٹھا یا کھڑا ہوا ہو۔ کیونکہ:

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کان بلال رضی اللہ عنہ یؤذن اذا دحضت (ای زالت الشمس) فلا یقیم حتی یخرج النبی ﷺ فاذا خرج (النبی ﷺ) اقام (بلال) الصلوٰۃ حین یراہ۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۲۱) کہ حضرت بلالؓ سورج ڈھلنے کے بعد (ظہر کی) اذان کہتے۔ پھر جب تک حضرت رسول اللہ ﷺ اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف نہ لاتے اس وقت تک اقامت نہ کہتے۔ پھر حضرت نبی کریم ﷺ اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لاتے تو آپؐ کو دیکھتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کے لیے اقامت کہنا شروع فرمادیتے۔

اسی طرح مقتدیوں کے کھڑے ہونے کا تعلق بھی امام کی رضا و اجازت کے ساتھ شروع ہونے والی اقامت پر ہی موقوف ہے۔ جیسا کہ:

○ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی. (بخاری صفحہ ۸۸ و ۱۳۳ و مسلم ۲۲۰) یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اقامت ہو چکے تو جب تک مجھے دیکھ نہ لو اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔

○ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا اقامت کے وقت مصلے پر موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے امام مسجد سے باہر ہو تو اس صورت میں بھی اقامت کہی جا سکتی ہے۔

○ نیز احادیث مبارکہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کلمات اقامت کے جواب دینے کا ثبوت بھی موجود ہے۔ نماز کی اس ظاہر عبارت سے اس حدیث پر عمل نہیں ہو سکتا۔

○ نیز سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مذکورہ بالا ضعیف روایت سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل روایت کے بھی خلاف ہے۔ جس میں آتا ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہتے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ساتھ انہی کلمات کا جواب دیتے جاتے تھے۔ اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ قد قامت الصلوٰۃ کہتے تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اقامہا اللہ وادامہا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۶۶)

○ نیز در مختار جلد ا صفحہ ۲۶۷ میں ہے: و یجیب الاقامۃ ندباً اجماعاً کالاذان و یقول عند قد قامت الصلوٰۃ اقامہا اللہ وادامہا. یعنی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اذان کی طرح اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے۔ اور قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں اقامہا اللہ وادامہا کہنا چاہیے۔

○ اسی طرح غنیۃ المستملی المعروف بہ کبیری صفحہ ۳۶۵ میں حضرت امام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم کبیرؒ نے اور البحر الرائق جلد ا صفحہ ۳۰۴ میں فقیہ ابن نجیمؒ نے اور فتاویٰ عالمگیری جلد ا صفحہ ۵۷ میں لکھا ہے: جواب الاقامۃ مستحب. "کہ اقامت کا جواب دینا مستحب ہے۔ نیز فرماتے ہیں: و اذا بلغ قولہ قد قامت الصلوٰۃ یقول

السامع اقامها الله وادامها ما دامت السموٰت والارض وفی سائر الکلمات یجیب کما یجیب فی الاذان۔ یعنی جب اقامت کہنے والا قد قامت الصلوٰۃ پر پہنچے تو سننے والا کہے: اقامها الله وادامها ما دامت السموٰت والارض۔ اور باقی کلمات کے جواب میں اسی طرح جواب دے جس طرح اذان کے کلمات کا جواب دیا جاتا ہے۔

○ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد رشید حضرت امام قاضی ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یشرع اذا فرغ من الاقامۃ (البحر الرائق جلد۱ صفحہ۳۰۲) کہ جب اقامت کہنے والا اقامت کہہ چکے تو اس کے بعد امام نماز شروع کرے۔ اس میں امام اور مقتدیوں کا اس امر مستحب پر بھی عمل ہو جائے گا جو نصاً حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہے۔

○ اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے شاگرد حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فاذا اقام المؤذن الصلوٰۃ کبر الامام، وھو قول ابی حنیفۃ (مؤطا امام محمد صفحہ۸۹) کہ جب مؤذن اقامت سے فارغ ہو جائے تو اس وقت امام اللہ اکبر کہے۔ (اور پھر تحریر فرمایا کہ) یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ پہلے مقتدی صفیں درست کرلیں۔ جس کی تاکید حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ اور وہ اسی وقت درست ہو سکتی ہیں جب کہ نمازی شروع اقامت میں کھڑے ہوں۔ خصوصاً جب کہ نمازیوں میں کمزور اور ضعیف لوگ بھی ہوں۔ اور انہیں اٹھتے اٹھتے اور مختے اور کندھے ملاتے وقت دیر لگ سکتی ہو۔

خلاصہ یہ کہ مبحوث فیہ مسئلہ میں فی زمانہ دو قسم کے لوگ ہیں۔

① اقامت کہنے والا اقامت کہتا ہے تو امام اور مقتدی حی علی الفلاح کہنے تک بیٹھے رہنے کو نہ صرف مستحب بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اس سے پہلے کھڑا ہو جائے تو اسے برا بھلا کہتے ہیں۔

④ اور اس کے برعکس دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اقامت کے وقت امام کا مصلے پر موجود ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ جب تک امام مصلے پر نہ آئے اس وقت تک مؤذن اقامت شروع ہی نہیں کرتا۔ اور جب امام کی آمد کے بعد اقامت شروع کی جاتی ہے تو مقتدی صفیں سیدھی کیے بغیر کیفما اتفق کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور جز کر بھی کھڑے نہیں ہوتے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اقامت کا جواب بھی نہیں دیتے۔ حالانکہ ان دونوں قسم کے لوگوں کا معمول احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ اور ان دونوں میں سے کوئی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ:

⑤ اصل طریقہ یہ ہے کہ مؤذن یا اقامت کے لیے مجاز شخص امام کو آتا ہوا دیکھ کر یا نماز کے لیے مقرر کردہ وقت پر اقامت کہنی شروع کردے۔ اور اقامت کے شروع میں اللہ اکبر اللہ اکبر کے الفاظ سنتے ہی مقتدی کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کرنی شروع کریں۔ اور آپس میں باتیں نہ کریں۔ بلکہ اقامت کا جواب دیں۔ اور اقامت ختم ہونے کے بعد اگر امام مصلے پر آگیا تو وہ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرے اور اس کے متصل بعد تمام مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں امام کی اقتدار کریں۔ اور سبحانک اللّٰھمّ پڑھنا شروع کریں۔

⑥ اب رہا یہ کہ محیط کے حوالے سے فتاویٰ عالمگیری اور درِّ مختار میں ہے کہ جب نماز کی اقامت ہو رہی ہو تو مقتدی کھڑا نہ رہے بلکہ بیٹھ جائے۔ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو مقتدی کھڑا ہو جائے۔ جیسا کہ سائل نے لکھا ہے۔ تو اس سلسلے میں مذکورہ بالا بحث کے بعد مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم یاد رکھیں کہ اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال کتب فقہ میں منقول ہیں۔ مثلاً:

① اقامت کے شروع میں مقتدی کھڑے ہوں۔

② اقامت ختم ہونے پر کھڑے ہوں۔

③ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو مقتدی کھڑے ہوں۔

④ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تب کھڑے ہوں۔

⑤ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تب کھڑے ہوں۔

○ ان تمام اقوال میں بظاہر اختلاف ہے۔ لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔ کیونکہ اقامت شروع کرتے ہی کھڑے ہونے کے متعلق غیر مبہم اور واضح احادیث کی موجودگی میں ان تمام اقوال کو باہم منطبق کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

○ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوجائیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے تو بیٹھے رہیں اور جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوجائیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حی علی الفلاح آخری حد ہے۔ اس وقت تو لازما کھڑا ہوجائے۔ اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ حدیث رسول کے خلاف نہیں کرسکتے۔

○ اسی طرح باقی اقوال کا بھی یہی حال ہے۔ کسی کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اقامت شروع ہونے کے باوجود اگر بیٹھے ہیں تو کھڑے نہ ہوں اور بیٹھے ہی رہیں۔ اور اقامت کا فلاں کلمہ سن کر ہی کھڑے ہوں۔ اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں۔

○ نیز امام اور مقتدیوں کا شروع اقامت میں بیٹھے رہنا' اور خواہ مخواہ حی علی الفلاح پر ہی کھڑا ہونا حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک و مذہب نہیں ہے۔ اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی روایت جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے وہ ان کا مذہب نہیں۔ جیسا کہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ میں ہے۔ اس لیے اس روایت کے پیش نظر حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک و مذہب کہنا منظور فیہ ہے۔ چہ جائے کہ اس پر نہایت سختی سے عمل کیا جائے اور جو شخص اس پر عمل نہ کرے اسے برا بھلا کہا جائے۔

○

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك

اللهم صل على سيدنا محمد وعلى جميع اصحابه واتباعه وعلينا معهم اجمعين

دفع العذر

عن

قضاء العمر

مؤلف

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال قضائے عمری مروجہ در جمعہ اخیر ماہ رمضان مستحب ہے یا بدعت؟

- قرآن مجید، حدیث نبوی، فقہ حنفی سے ثابت ہے یا نہیں؟
- مجوزین قضاء عمری بعض کتب فقہ کی عبارتیں اور احادیث پیش کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کی تحقیق کیا ہے۔ (قاری محمد ادریس جامعہ فاروقیہ شکور مسلم آباد)

جواب رمضان المبارک کے آخری جمعۃ المبارک میں قضاء عمری کا جو رواج ہے یہ بے اصل، ممنوع، ناجائز، بدعت اور واجب الترک ہے۔ اور جن کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے وہ قضاء عمری یعنی فوت شدہ نمازوں کے بارے میں نہیں بلکہ ان ادا شدہ نمازوں کی احتیاطاً قضاء کے بارے میں ہے جن میں غفلت کی وجہ سے کچھ کمی کوتاہی رہ گئی ہو۔ مثلاً:

- فتاوی عالمگیری جلد ا صفحہ ۱۲۴ میں ہے: فی العتابیة عن ابی نصر رحمہ اللہ فیمن یقضی صلوات عمرہ من غیر انہ فاتہ شئ یرید الاحتیاط فان کان لاجل النقصان و الکراھة فحسن و ان لم یکن لذلك لا یفعل۔ و الصحیح انہ یجوز الا بعد صلوة الفجر و العصر۔ و قد فعل ذلك کثیر من السلف بشبهة الفساد. کذا فی المضمرات (مسائل متفرقة باب قضاء الفوائت)
- خلاصۃ الفتاوی جلد ا صفحہ ۱۹۲ فصل ۱۹ میں ہے: فی قضاء الفوائت وفی نسخة القاضی الامام الاجل رجل یقضی صلوات عمرہ مع انہ لم یفتہ شئ۔ اختلف المشائخ رحمهم الله و اجمعوا انہ لا یقضی بعد العصر و بعد طلوع الفجر۔ اذا فاتتہ صلوات عن وقتها ینبغی ان یقضیها فی بیتہ ولا یقضیها فی المسجد۔

○ غُنْیَۃُ المستملی فی شرح منیۃ المصلی صفحہ ۳۹۷ میں ہے: ومن ارادان یقضی صلوات صلّھا ان کان لاجل نقصان دخلھا او کراھۃ فحسن والا فقیل یکرہ و قیل لا یکرہ لانہ اخذ بالاحتیاط الا بعد الفجر والعصر لانہ نفل ظاھراً و ھو مکروہ بعدھما۔ (قبیل فصل فی صلوٰۃ المسافر)

○ یہ تین علمائے احناف کی عبارتیں "مشتے نمونہ از خروارے" نقل کی گئی ہیں۔ مگر ان عبارات میں سے کسی ایک میں بھی قضاء عمری کا یہ مروجہ طریقہ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ مروجہ طریقہ یہ ہے کہ رمضان شریف کا آخری جمعہ ہو (جسے جمعۃ الوداع کہتے ہیں) اس میں سب لوگ مل کر اعلان کرکے اور قضاء عمری کے مفروضہ فضائل بیان کرکے باجماعت چار رکعت نفل اس نیت سے پڑھتے ہیں:

مفروضہ قضاء عمری کی نیت

○ نویت ان اصلی اربع رکعات تقصیراً و تکفیراً لما فات منی من جمیع عمری صلوٰۃ نفل۔ لیکن مذکورہ بالا عبارات میں یہ ہے کہ فوت شدہ نمازوں کے سوا جو نمازیں پڑھتا ہے ان میں اگر کچھ کمی رہ گئی ہوگی یا کوئی مکروہ کام کیا گیا ہوگا اب وہی ادا کی ہوئی نمازیں احتیاطاً قضاء کرنا حسن ہے۔ اور یہ قول بھی ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ میں سے کسی کا نہیں۔ بلکہ ابونصر کا قول ہے، جسے بعض سلفؒ نے محض اس خیال سے اختیار کیا کہ شاید پڑھی ہوئی نمازوں میں کچھ فساد ہوگیا ہوگا۔ ورنہ اس کی کراہت اور عدم کراہت میں بھی اختلاف ہے۔ مگر مروجہ قضاء عمری کے بارے کسی فقیہ نے جواز کا قول نہیں کیا بلکہ سب فقہاءؒ نے مروجہ قضاء عمری کو بدعت و ممنوع کہا ہے۔ نیز ان عبارات میں رمضان شریف کے آخری جمعہ کی قید بھی نہیں۔

○ عزیز الفتاوی صفحہ ۲۵۴ میں ہے: قضاء عمری عند الحنفیہ مشروع نیست۔ پس التزام آن خصوصاً در آخر جمعہ رمضان المبارک کہ چہار رکعت نفل بہ نیت قضاء عمری ادا کردہ شود شرعاً بے اصل است۔ و این چنین اعتقاد کردن کہ از چہار رکعت نفل قضاء صلوات فائتہ عمر حاصل شود خلاف نصوص صحیحہ و صریحہ و قواعد شرعیہ است۔

لا یعتقد هذا الاعتقاد الفاسد الا الجاهل الذی لا یعرف الدین ولا یمیز الغث من الثمین. قال فی الدر المختار ولا یصلی بعد صلوٰۃ مفروضۃ مثلها قراءۃ او فی الجماعۃ ولا تعاد عند توهم الفساد للنهی. وما نقل ان الامام قضی صلوٰۃ عمرہ فان صح نقول کان یصلی المغرب والوتر اربعاً بثلث قعدات [الخ] قوله ما نقل [الخ] جواب عن سوال وارد علی الوجه الثالث فان هذا المنقول ینافی حمل هذا النهی علیه اذ یبعد ان یکون ما صلّٰه الامام اولا مشتملا علی خلل محقق من مکروه او ترک واجب بل الظاهر انه اعاد ما صلّٰه بمجرد الاحتیاط وقوع الفساد فینا فی حمل النهی فی مذهبه علی الوجه الثالث. والجواب اولا انه لم یصح نقل ذٰلک عن الامام. وثانیا انه لو صح نقول انه کان یصلی المغرب [الخ] (رد المحتار) وفیه قبیله عن البحر الرائق و ان کان ذٰلک لخلل غیر محقق بل نشأ من وسوسۃ وهو مکروه. پس ازیں تصریحات محققین ثابت شد کہ محض بتوہم فساد قضاء نماز مکروہ است. خصوصاً وقتیکہ التزام آن بجہۃ تاکد ولزوم رسد کراہت قضاء بالضرور ثابت خواہد شد وہمیں ست جواب روایت عالمگیریہ وغیرہ. وایں کراہت در نفس قضاء عمری است. وآنچہ در رمضان المبارک چہار رکعت نفل از قائم مقام قضاء عمری می فہمند آن محض اختراع و احداث است از ہیچ نقل صحیح وقاعدہ شرعیہ ثابت نیست۔

اور یہی حکم قضاء عمری کا ہے بشرطیکہ اس کا قضاء ہونا معلوم ہو۔ اور جو محض وہم یا احتیاط کی وجہ سے قضاء کی جائے وہ اس وقت یعنی بعد عصر و فجر کے نہ پڑھی جائے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند صفحہ ٦٦)

فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل جلد ۴ صفحہ ۳۳۰ قضا نمازوں کی ادائیگی کے باب میں مروجہ قضاء عمری کے متعلق لکھا ہے کہ: اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ اور اس ترکیب سے نفل پڑھنے میں قضاء عمری حاصل نہیں ہوتی۔ اول تو خود قضاء عمری کی کچھ اصل نہیں ہے بلکہ فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے۔ اور ثانیاً اس ہیئت اور کیفیت کے ساتھ پڑھنا قضاء

عمری کے لیے ثابت نہیں ہے۔ اور یہ طریق قضاء کا خلاف قواعد شرعیہ ہے۔ جبکہ :

فائدہ یہ ہے کہ جس قدر نمازیں کسی کے ذمہ فائتہ ہوں یقین یا بظن غالب' ان کو قضاء کرے اور محض توہم کی بناء پر قضاء عمری ثابت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ شامی میں درِ مختار کے اس قول پر ومانقل ان الامام قضی صلوٰۃ عمر الخ (صفحہ ۴۶۹)۔

انہ لم یصح ذلک عن الامام الخ فالوجہ کراھۃ القضاء لتوھم الفساد الخ استاذی المکرم المحترم المعظم محدث اعظم ابوحنیفۂ عصر فقیہ اکبر مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ شاہجہان پوری ثم الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ نے کفایت المفتی میں تحریر فرمایا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔ قضاء عمری کے نام سے جو نماز مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں نمازِ جمعہ کے بعد اوقاتِ خمسہ کی نماز باجماعت یا علیحدہ علیحدہ قضاء عمری کے نام سے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ نماز تمام عمر بھر کی قضاء نمازوں کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ یہ بدعت اور بے اصل ہے اور اصولِ شرع کے خلاف ہے اور واجب الترک ہے۔ شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ ہاں اگر کسی کی کچھ نمازیں جاتی رہی ہوں تو ان کو پڑھے۔ اگر ان کا شمار معلوم ہو تو اس کے موافق۔ اور اگر صحیح تعداد یاد نہ ہو تو اندازہ سے ان کا شمار معین کرے اور پھر ان کو ایک ہی دفعہ یا آہستہ آہستہ ادا کر سکتا ہے۔ زمانۂ بلوغ میں چھوٹی ہوئی نمازوں کا پورا کرنا فرض ہے۔ ہر نماز کو قضاء کرتے وقت قضاء نماز کی نیت کرے۔ مثلاً :

- اگر فجر کی نماز پڑھتا ہے تو اس طرح نیت کرے کہ فجر کی جتنی نمازیں میرے ذمے ہیں ان میں سے پہلی نماز پڑھتا ہوں۔ اسی طرح ہر روز فجر کی قضاء کرتے وقت یہی نیت کرے یہاں تک کہ سب نمازیں پوری ہو جائیں۔
- فوت شدہ نمازوں کو ہر نماز کے ساتھ ساتھ ادا کرنا لازم نہیں۔ مگر جس قدر جلدی ادا کر سکے کر لے۔ ایک وقت میں متعدد نمازیں قضاء پڑھ سکتا ہے۔
- اور بعض جگہوں میں پانچ نمازیں اذان اور اقامت کے ساتھ اور بعض جگہوں میں چار رکعت

نفل باجماعت ادا کی جاتی ہیں۔ یہ محض بے اصل اور اختراعی ہے۔ شریعت مقدسہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ نہ کسی حدیث میں آئی ہے نہ صحابہ کرامؓ کے قول و فعل سے ثابت ہے نہ ہی مجتہدین امت سے منقول ہے۔

- فتاویٰ واجدین نسفی کوئی غیر مشہور اور غیر معتبر کتاب ہے اس میں اگر لکھا ہے کہ "ہر کہ ابا کند ازیں نماز' ضال و مضل است و از دائرۂ اسلام خارج است"۔ تو وہ کتاب یقیناً غلط اور خود اس حکم کی مستحق ہے۔ کیونکہ دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا حکم قطعیات کے انکار پر دیا جا سکتا ہے۔ اس نماز قضاء عمری کا تو ابھی ثبوت ہی نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ اس کے منکر کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائے۔
- کوئی ایسی حدیث کہ یہ نماز سات سو نمازوں کا کفارہ ہوتا ہے ہماری نظر میں نہیں ہے۔ جو صاحب ایسی حدیث بیان کرتے ہیں وہ اس کی سند اور حوالہ بتائیں۔ اور یہ بھی بتائیں کہ اس حدیث میں اس قضاء عمری کی مختلف صورتوں میں سے کس صورت کا ذکر ہے؟ اور دوسری صورت جو گھڑی گئی ہے وہ کہاں سے لی گئی ہے؟
- اور ابوداؤد صفحہ ۱۲۵ میں: کل صلوۃ لا یتمّھا صاحبھا تتم من تطوعہ (یعنی جس نمازی کی نماز میں کچھ سقم رہ جائے وہ اس کے نفلوں سے دور ہو جاتا ہے) سے قضاء عمری کا مسئلہ کشید کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس روایت کے اس نماز کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو تمام عبادات میں فرائض کے نقصان کو حضرت حق تعالیٰ اپنی رحمت سے نوافل سے پورا فرما دے گا نماز ہو یا روزہ' حج ہو یا زکوٰۃ اور وہ نوافل سال بھر کے نوافل کو شامل ہیں۔ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی خاص تاریخ کے نفلوں میں یہ خاصیت ہے کہ وہ عمر بھر کی نمازوں کا کفارہ ہو جائیں۔
- پھر ان نفلوں کو جماعت سے پڑھتے ہیں اور حنفیہؒ کے نزدیک سوائے نماز کسوف' خسوف' استسقاء اور تراویح کے باجماعت نفل پڑھنا مکروہ ہیں۔ اور فقہ حنفی کی کسی کتاب میں قضاء عمری کا ذکر نہیں۔ نہ اس کی جماعت کو کراہت کے حکم سے مستثنیٰ کیا گیا۔ اور جو تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ نفل باجماعت جائز ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ میں ہے : کیف جاز النفل بجماعۃ و ھو بدعۃ۔ نیز دیکھیے کبیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۴۰۶ و ۴۱۱، البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۷۰، و ردالمختار صفحہ ۵۲۳، عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۵۲، فتاویٰ بزازیہ جلد ۱ صفحہ ۵۶، فتاویٰ سراجیہ صفحہ ۱۵ حاشیہ مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۹۵۔ اسی طرح فقہ کی کئی کتابوں میں لکھا ہے۔

اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ نفل با جماعت مکروہ تنزیہی ہے اور ہمارے ملک میں آیۃ الکرسی اور اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ کا پڑھنا بھی نہیں جانتے۔ اس لیے اس میں جماعت سے نماز پڑھنا اولیٰ ہے، کیونکہ :

فقہاء جب مطلق مکروہ بولتے ہیں تو ان کی مراد مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ بلکہ :

کنز الدقائق میں ہے : نَصَّ مُحَمَّدٌ عَلٰی اَنَّ کُلَّ مَکۡرُوۡہٍ حَرَامٌ۔
کہ حضرت امام محمدؒ نے ثابت کیا ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے۔

بہر حال اگر مکروہ تنزیہی بھی ہو تو یاد رکھیں کہ یہ بھی کوئی معمولی چیز نہیں۔ کیونکہ مکروہ "شرعی ممنوع" ہوتا ہے، جس میں ثواب کی امید رکھنی احکام شریعت کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ اور جس چیز کو شریعت منع کرتی اور مکروہ بتاتی ہے اس میں ثواب نہیں ہوتا۔ اگر ثواب ہوتا تو وہ ممنوع اور مکروہ نہ ہوتی۔

نیز شریعت ثواب کے کام کو منع بھی نہیں کر سکتی۔ خوب سمجھ لیں کہ نیکی کا کام وہی ہے جو اصول شرعیہ کے موافق ہو۔ ورنہ تو تمام بدعات بظاہر نیکی کے کام نظر آتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کام (بدعات) شرعاً بے اصل ہوتے ہیں اس لیے وہ ناجائز اور ممنوع قرار دیے جاتے ہیں۔ پس اس مصنوعی قضاء عمری کو ترک کرنا ہی شریعت کے موافق ہے۔ کیونکہ یہ بدعت، بے اصل، ناقابل اعتماد ہے۔ جس سے عقیدہ میں فساد لازم آتا ہے۔ بدعت کا انکار کرنے والے ہی حق پر ہیں۔ اور کوئی نفل نماز، فرض کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی چار رکعت نفل سے ظہر یا عصر کی چار رکعتیں معاف ہو سکتی ہیں۔ چہ جائیکہ سینکڑوں یا ہزاروں نمازوں کی قضاء کے قائم مقام ہو جائیں۔

نیز یہ معاملہ توقیفی ہے۔ جس کے لیے صاف و صریح آیت یا حدیث کا ہونا ضروری ہے۔

محض قیاسی طور پر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور حق تو یہ ہے کہ کوئی قیاسی دلیل بھی اس نماز کے لیے نہیں ہے۔

الحاصل قضاءِ عمری کی نماز بے اصل' بدعت' بے کار' اصول شرعیہ کے خلاف' ناجائز' ممنوع اور واجب الترک ہے۔ اور مفروضہ قضاءِ عمری کا جماعت سے پڑھنا بھی ناجائز اور ممنوع ہے۔ بلکہ :

قضاء کا صحیح طریقہ

○ اصل طریقہ یہ ہے کہ اگر بالغ ہونے کے بعد ساری عمر میں اس کی کوئی نماز قضاء نہیں ہوئی' اب پہلی دفعہ اس کی ایک نماز قضاء ہو گئی ہے تو دوسرے وقت میں وقتی نماز سے پہلے قضاء نماز ادا کرے۔ اگر قضاء نماز پڑھے بغیر وقتی نماز پڑھے گا تو وقتی نماز نہیں ہو گی۔ اور اگر قضاء نماز پڑھے بغیر پانچ وقتی نمازیں پڑھتا گیا تو کوئی وقتی نماز ادا نہ ہوئی سب باطل ہوئیں۔ اور اگر وقتی نمازیں پانچ پڑھ لیں تو اب صاحب ترتیب نہ رہا اور اس کی پانچ نمازیں ادا ہو گئیں۔ اب وہ رہی ہوئی قضاء نماز جب بھی پڑھے فرض ادا ہو جائے گا۔ اور اگر اکٹھی چھ نمازیں قضاء ہو گئیں تب بھی چونکہ صاحب ترتیب نہیں اس لیے رہی ہوئی نمازیں جب بھی پڑھے گا اس کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا۔ مگر جب ان قضاء شدہ نمازوں کو پڑھے گا تو ان قضاء شدہ نمازوں کی تعیین کرنی ہو گی۔ مثلاً :

قضاء نمازوں کی نیت

○ پرسوں کی نمازِ فجر پڑھتا ہوں' پرسوں کی نمازِ ظہر پڑھتا ہوں' علیٰ ہذا القیاس پرسوں کی عصر' پرسوں کی مغرب' پرسوں کی عشاء' پھر کل کی فجر' کل کی ظہر' کل کی عصر' مغرب' عشاء' پھر آج کی فجر' ظہر' عصر وغیرہ۔

○ اور اگر بہت سی نمازیں قضاء ہوئیں اور کوئی علم نہیں کہ کونسے دن کی نمازیں قضاء ہوئی ہیں۔ تو ان قضاء شدہ نمازوں کی نیت اس طرح کرے کہ : "فجر کی جتنی نمازیں میرے ذمہ ہیں ان میں سے پہلی فجر کی نماز پڑھتا ہوں"۔ پھر "ظہر کی جتنی

نمازیں میرے ذمے ہیں ان میں سے پہلی ظہر کی نماز پڑھتا ہوں"۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے دن کی نمازوں کی قضاء کرتے وقت بھی یہی نیت کرے۔ حتیٰ کہ سب نمازیں پوری ہو جائیں۔ تمام نمازیں تخمینہ کرکے پڑھتا جائے۔ فوت شدہ نمازوں کو ہر وقتی نماز کے ساتھ ساتھ ادا کرنا ضروری نہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ جس قدر جلدی ادا کر سکے کر لے۔ کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ایک وقت میں کئی کئی قضاء شدہ نمازیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

دیگر فرائض و واجبات کی قضاء

- اسی طرح رمضان شریف کے روزے قضاء ہو گئے ہوں تو ان کی قضاء بھی فرض ہے۔ عیدین اور ذی الحجہ کی ۱۱، ۱۲، ۱۳ کو روزے نہ رکھے۔ اور ظاہر ہے کہ رمضان میں بھی قضاء روزے نہیں رکھ سکتا۔ باقی گیارہ مہینوں میں جب چاہے قضاء کرے اور سستی نہ کرے۔
- اسی طرح اگر کئی سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو حساب کرکے ہر سال کی زکوٰۃ ادا کرنے میں بھی سستی نہ کیجیے۔
- اسی طرح وتروں کی قضاء بھی لازمی ہے۔ البتہ سنتوں اور نفل نمازوں کی قضاء نہیں ہوتی۔ اگر آج نمازِ فجر کی سنتیں فرضوں سے پہلے نہیں پڑھ سکا تو سورج نکلنے سے پہلے نہ پڑھے۔ پھر جب سورج اس قدر چڑھ آئے کہ اس کی طرف نگاہ کرنے سے آنکھیں چندھیانے لگیں تب ادا کر لے۔ اور اگر ظہر کا وقت آ گیا تو فجر کی سنتوں کی قضاء بھی نہ رہے گی۔ بس اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگیے۔
- اسی طرح تراویح کی قضاء بھی نہیں ہے۔ قضاء شدہ نمازوں کے بارے میں اصل شرعی حکم یہی ہے۔ اس کے سوا دوسری تمام باتیں اختراعی ہیں۔ جن کو نیکی سمجھ کر کرنا بدعت اور واجب الترک ہے۔
- سطورِ ذیل میں مجوزینِ قضاءِ عمری کے مفروضہ دلائل کا جواب اور اس کی خرابیاں بیان کی جاتی ہیں۔ و باللہ التوفیق۔

مجوزین قضاءِ عمری کے دلائل

دلیل ۱ قضاءِ عمری کے جواز میں مجوزین قضاءِ عمری ایک روایت یہ پیش کرتے ہیں:

من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی اٰخر جمعۃ من رمضان کان ذٰلک جابر الکل صلوٰۃ فائتۃ فی عمرہ الیٰ سبعین سنۃ۔

الجواب اس کے بارے میں حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے الموضوعات الکبریٰ صفحہ ۳۵۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث قطعی طور پر باطل اور موضوع ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں تمام اُمت کا اجماع ہے کہ کوئی عبادت بھی سالوں کی فوت شدہ عبادتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ اور یہ روایت اس متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ اگر صاحب نہایہ و دیگر شارحین ہدایہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ کیونکہ اول تو یہ لوگ محدث نہ تھے' اور دوسرے یہ کہ انھوں نے کسی تخریج کرنے والے محدث کی طرف نسبت کرکے اس حدیث کی سند بھی بیان نہیں کی۔

دلیل ۲ الفوائد المجموعۃ صفحہ ۳۸ میں علامہ شوکانی نے روایت اس طرح تحریر فرمائی ہے:

من صلّی صلوٰۃ فی اٰخر جمعۃ من رمضان الخمس الصلوٰت المفروضۃ فی الیوم و اللیلۃ قضت عنہ ما اخل بہ من صلوٰۃ سنۃ۔

مفروضہ قضاءِ عمری کے جواز میں مجوزین یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ:

الجواب خود علامہ شوکانی نے صراحت کی ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ اور اس کے موضوع ہونے میں کچھ شک نہیں۔ البتہ جن علماء نے اپنی کتابوں میں موضوع حدیثیں جمع کی ہیں ان میں سے کسی کتاب میں میں نے نہیں پایا۔ لیکن ہمارے اس زمانہ میں صنعا شہر میں جعلی فقیہوں کی ایک جماعت کے یہاں یہ حدیث شہرت پاچکی ہے اور ان میں سے اکثر اس کے عامل ہیں۔ اور کچھ معلوم نہیں کہ یہ حدیث کس نے وضع کی ہے۔ اللہ تعالیٰ برا کرے جھوٹوں کا۔

موضوع حدیث بیان کرنے کی ممانعت

○ آثار مرفوعہ میں ہے کہ تمام فقہاءؒ اور محدثینؒ نے اپنی کتابوں میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ موضوع کا روایت کرنا، ذکر کرنا، نقل کرنا اور اس پر عمل کرنا سب حرام ہے۔
① عمدۃ الاصول میں ہے کہ تمام اسباب وضع بالاجماع حرام ہیں اور تمام اہل علم کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے۔ اور اگر کوئی موضوع حدیث کے بیان کو جائز اور حلال سمجھے گا تو کافر ہو جائے گا۔ ② شرح نخبۃ الفکر میں ہے کہ موضوع روایت بیان کرنے کی حرمت پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ ③ مفتاح الجنان اور زاد اللبیب اور ان کے علاوہ جن فتاووں میں مروجہ قضاء عمری کا جواز لکھا ہے اور موضوع حدیث نقل کی ہے وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی کتابوں میں رطب و یابس سب ہی جمع کرتے ہیں، اس لیے کسی مسلمان کو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر یہ کتابیں بھی عام متداول اور مشہور نہیں ہیں۔ ④ علامہ حمویؒ فرماتے ہیں کہ غیر متداول اور غیر مشہور کتابوں سے دیکھ کر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ ⑤ اسی طرح فتاویٰ حامدیہ میں رسائل زینیہ سے منقول ہے کہ غریب اور غیر مشہور کتابوں سے فتویٰ دینا حلال اور جائز نہیں ہے۔ ⑥ تذکرۃ الموضوعات میں ہے کہ قواعد معلومہ کلیہ میں سے ایک یہ ہے کہ غیر متداول کتب احادیث نبویہ، مسائل فقہیہ اور تفاسیر قرآنیہ کا نقل کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ان پر اعتماد نہیں تھا ان میں زندیق اور بے دین لوگوں نے کئی باتیں لکھ دیں اور ملحد لوگوں نے ان میں الحاق کر دیا۔ نیز ان کے مصنفین بھی فقیہ نہیں ہوتے۔ ⑦ فتح القدیر میں امام ابن الہمامؒ نے فرمایا ہے کہ غیر فقہاء کی بات کا اعتبار نہیں۔

دلیل ۳ تذکرۃ الواعظین میں ہے: عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال لو اراد اللہ ان یعذب المؤمنین من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لما اکرمھم بشھر رمضان فشھر رمضان امان اللہ لامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فمن صلی الفائتۃ اخیر الجمعۃ من شھر رمضان بین الظھر و العصر فکانما صلی سبعین سنۃ. کہ اگر اللہ تعالیٰ امتِ

محمد ﷺ کے مومنوں کو عذاب دینا چاہتا تو رمضان کے روزے مرحمت نہ کرتا تو اُمت محمد ﷺ کے لیے رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امان ہے تو جو فوت شدہ نمازیں رمضان کے آخری جمعہ کی ظہر و عصر کے درمیان پڑھے گا تو گویا اس نے ستر سال کی نمازیں پڑھ لیں۔

دلیل ۴ اعلام المؤمنین میں ہے: عن النبی ﷺ انہ قال من قضی خمس صلوات من الفرائض فی اخیر الجمعۃ من شہر رمضان کانت جبرۃ لکل صلوۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ۔ کہ جس شخص نے ماہ رمضان کے آخری جمعہ میں پانچ فرض نمازوں کی قضاء کرلی تو اس کی ستر سال کی فوت شدہ نمازوں کا نقصان پورا ہوگیا۔

الجواب یہ دونوں حدیثیں واعظین کی من گھڑت اور موضوع ہیں۔ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کی بھی سند نہیں۔ اسی لیے ان حدیثوں کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ نیز اس سے راستہ مل جاتا ہے انہدام شرع محمد ﷺ کا۔ پھر عبارت بھی کسی عجمی کی بنائی ہوئی ہے خصوصاً خط کشیدہ الفاظ کی عربی عبارت اس طرح نہیں ہوسکتی چہ جائے کہ حضرت علیؓ و نبی کریم ﷺ کی زبان سے نکلے۔

○ پھر اصول حدیث کے قاعدہ کی رو سے یہ حدیثیں من گھڑت اور موضوع ہیں۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے کہ علامات وضع حدیث و کذب راوی چند چیز است ----- پنجم آنکہ مخالف مقتضی عقل و شرع باشد و قواعد شرعیہ آن را تکذیب نماید مثل قضاء عمری و مانند آن (عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ صفحہ ۲۲) یعنی حدیث کے موضوع ہونے اور راوی کے جھوٹا ہونے کی کئی علامتیں ہیں جن میں سے ----- پانچویں علامت یہ ہے کہ وہ روایت عقل و شرع کے مقتضی کے خلاف ہو اور قواعد شرعیہ اس کی تکذیب کریں، جیسے قضاء عمری یا اسی جیسی چیزیں ----- ساتویں علامت یہ ہے کہ لفظ اور معنی کا رکیک ہونا یعنی ایسے لفظ سے روایت کرے جو بلحاظ قواعد عربیہ کے درست نہ ہو۔ اور یہ عبارت بھی فصیح عرب کی نہیں بلکہ عبارت اس طرح ہوتی: فی الجمعۃ الآخرۃ من شہر رمضان۔

قضاءِ عمری کی خرابیاں

خرابی قضاءِ عمری کی رسم ڈالنے میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں فرض نمازوں کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ اور ہر کوئی کہہ سکتا ہے کہ روزانہ پانچوں وقت نماز پڑھنا اور اپنا کاروبار چھوڑ کر مسجد میں جانا اور سردیوں میں سرد پانی سے وضو کرنے کی تکلیف برداشت کرنا کوئی لازمی امر نہیں ہے۔ بس جب رمضان شریف کے مہینے کا آخری جمعہ آئے گا تو چار رکعت نفل پڑھ لیں گے، عمر بھر کی قضاء ہو جائے گی۔ نہ اتنی مسجدوں کی ضرورت ہے، اور نہ ہی امام رکھنے اور مؤذن مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔

خرابی عمر بھر میں انسان پر نماز کے علاوہ دیگر کئی اعمال بھی فرض ہیں۔ مثلاً: ہر سال رمضان شریف کے روزے بھی فرض ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ ہر سال روزے رکھنا مشکل ہے تو جس طرح رمضان شریف کے جمعۃ الوداع میں چار نفل پڑھنے سے ساری عمر کی نمازوں کا ثواب مل جاتا ہے، اسی طرح رمضان شریف کے بعد کسی دن ایک نفل روزہ رکھنے سے عمر بھر کے روزوں کا ثواب بھی مل جانا چاہیے۔ کیونکہ اگر چار رکعت نماز نفل ساری عمر کی فرض نمازوں کی قائم مقام ہو سکتی ہیں تو ایک دن کا نفلی روزہ بھی ساری عمر کے روزوں کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔

○ اسی طرح ہر سال ذی ثروت آدمی پر زکوٰۃ ادا کرنا بھی فرض ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہر سال زکوٰۃ ادا کرنے کی بجائے ایک سال رمضان شریف میں ایک آدمی کو نفلی صدقہ دیدیں گے تو قضائے عمری کی طرح ہر سال کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جانی چاہیے۔ اور اگر اسی طرح کا قیاس تمام فرائض شرعیہ میں جاری ہوگا تو شریعت محمدیہ ﷺ کا حلیہ ہی بگڑ جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

○ قضاءِ عمری میں اور بھی بے شمار خرابیاں ہیں۔ اگر قضاءِ عمری فرض سمجھ کر پڑھتا ہے تو اس میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ:

خرابی قضاءِ عمری میں امام اور مقتدیوں کی قضاء شدہ نمازیں الگ الگ ہیں۔ نیز کسی کی کم

ہیں اور کسی کی زیادہ جن کے مال کا کچھ علم نہیں اور امام اور مقتدی کی نماز کا اتحاد صحت اقتداء کے لیے شرط ہے۔ جیسے قدوری وغیرہ کتب فقہ میں ہے ایک فرض والے کے پیچھے دوسرے فرض والا نماز نہیں پڑھ سکتا۔ ہدایہ میں وجہ لکھی ہے کہ اقتداء شرکت اور موافقت ہوتی ہے اس لیے اتحاد ضروری ہے ایک کی نماز دوسرے کی نماز کے مغایر نہ ہو۔ مثلاً امام کل کی ظہر پڑھ رہا ہے اور اس کی اقتداء میں مقتدی آج کی ظہر پڑھ رہا ہے یا پرسوں کی تو یہ درست نہیں۔ یا امام عصر کے فرض پڑھ رہا ہے اور مقتدی ظہر کے، تو یہ درست نہیں۔

خرابی ۴ نیز ایک خرابی یہ بھی ہے کہ قضاء میں نماز کی تعیین ضروری ہے۔ مثلاً کل کی نمازِ عصر قضاء کرتا ہوں" اور قضاء عمری میں یہ شرط مفقود ہے۔ البحرالرائق میں ہے:

وللفرض شرط تعيينه كالعصر مثلا و كذا فى قضاء الصلوة لا يجوز ما لم يعين الصلوة و يومها بأن يعين ظهر كذا مثلا۔ یعنی ادائے فرض کے لیے تعیین ضروری ہے۔ مثلاً ظہر یا عصر کی نماز۔ اسی طرح قضاء نماز بھی اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کی تعیین نہ کی جائے اور دن کی تعیین جب تک نہ ہو کہ یہ فلاں دن کی نمازِ ظہر ہے یا عصر، تب بھی نماز درست نہ ہوگی۔

خرابی ۵ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ قضاء عمری پر قضاء کی تعریف ہی صادق نہیں آتی۔ کیونکہ:

قضاء کی تعریف

○ القضاء اسقاط الواجب بمثل من عنده و هو حقه (حسامی)

یعنی اپنے پاس سے واجب کی مثل مستحق کے حوالے کرنا قضاء کہلاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قضاء عمری جو چار رکعت کی نماز ہے متعدد اور کثیر نمازوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی بلکہ ایک نماز کے قائم مقام بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کا اداء غیر مشروع ہے۔ نیز یہ نماز نہ تو "کم" کے لحاظ سے مثل ہے اور "کیف" کے لحاظ سے، اور نہ ہی "وقت" کے لحاظ سے۔

نیز اس غیر مشروع نماز کی ایک خرابی یہ ہے کہ مسجد میں قضاء عمری پڑھنے میں

معصیت و گناہ کبیرہ کا اظہار ہے۔ جبکہ اظہارِ معصیت بھی معصیت ہے۔ چنانچہ :

○ "تنویر الابصار" میں ہے : ویکرہ قضاءُ ھا فیہ (ای فی المسجد) ۔
یعنی فوت شدہ نماز کا مسجد میں قضاء کرنا مکروہ ہے۔

○ صاحبِ "الدرالمختار" نے مسجد میں قضاء نماز پڑھنے کی کراہت پر دلیل دیتے ہوئے تحریر فرمایا : لان التاخیر بلا عذر معصیۃ فلا یظھرھا. کہ بغیر عذر کے فرض نماز کا اپنے وقت سے موخر کرنا معصیت ہے۔ اس لیے اس کو ظاہر نہ کرے۔

○ نیز فرمایا : وینبغی ان لایطلع غیرہ علی قضاءِ ھا لان التاخیر معصیۃ فلا یظھرھا. کہ ضروری ہے کہ قضاء پر دوسرے کو اطلاع نہ ہو۔ کیونکہ تاخیرِ نماز گناہِ کبیرہ ہے اس لیے اس کو ظاہر نہ کرے۔

○ "ردالمحتار" میں ہے کہ قضاء نماز کا مسجد میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مسلم و بخاری میں حدیث نبویؐ ہے کہ : "میری اُمت کے گناہ معاف ہوسکتے ہیں سوائے ان گناہوں کے جو ظاہر کرکے کریں"۔ اور یہ بھی جہار کے قبیلے سے ہے کہ رات کو گناہ کرتا ہے پھر صبح اٹھ کر کہتا ہے کہ میں نے آج رات کو ایسا ایسا کیا ہے۔ حالانکہ اس کے رات والے کام پر اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھا تھا۔

خرابی نیز ایک خرابی یہ ہے کہ اس کی فرض نمازیں کامل قضاء ہوئی تھیں، جبکہ کامل ناقص سے ادا نہیں ہوتی۔ جیسے کل کی عصر آج سورج زرد ہونے کے بعد نہیں ادا کرسکتا، تو قضاء عمری سے کامل فرض کس طرح ادا ہوسکتے ہیں؟ جب کہ قضاء عمری شروع سے ہے ہی باطل۔

خرابی نیز ایک خرابی یہ ہے کہ قضاء عمری کو جائز سمجھنے والا موضوع حدیث سے دلیل پکڑتا ہے جس پر عمل کرنا بالاجماع حرام ہے۔ بلکہ موضوع حدیث کا بیان کرنا بھی حرام ہے۔ جب تک کہ اس کے موضوع ہونے کی وضاحت نہ کرے۔ دیکھیے رسالہ اصولِ حدیث از سید سنڈ وغیرہ۔

○ اور اگر قضاء عمری نفل سمجھ کر پڑھتا ہے تو بھی اس میں کئی خرابیاں ہیں۔ مثلاً :

خرابی ۹ ایک خرابی تو یہ کہ تین سے زیادہ آدمیوں کا نفل نماز کو باجماعت ادا کرنا سوائے تراویح، کسوف، خسوف اور استسقاء کے مکروہ تحریمی اور بدعتِ قبیحہ ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔ دیکھیے کتب فقہ۔

خرابی ۱۰ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ اس قضاء عمری میں امام بلند آواز سے قراءت کرتا ہے۔ جبکہ دن کے نوافل میں جہر کرنا جائز نہیں اور مخافتت واجب ہے۔ دیکھیے: کنزالدقائق، البحرالرائق، عینی، ہدایہ وغیرہ کتب فقہ۔

خرابی ۱۱ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ قضاء عمری کے مشروع کہنے سے لوگ فرض نمازوں کے ادا کرنے میں تکاسل اور سستی سے کام لیتے ہوئے رمضان کے جمعۃ الوداع میں قضاء عمری پڑھنے پر اکتفاء کرنے لگیں۔ اور سب علماء اسلام کے یہاں مسلّمہ

قاعدہ ہے کہ: جو کام حرام کام کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہوتا ہے۔ (خطابی واحیاء العلوم)

خرابی ۱۲ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ شرع شریف میں ایک نماز نفل کثیر فرائض نمازوں کے قائم مقام ہونا محال ہے۔ علامہ ابن نجیم نے "الاشباہ والنظائر" میں تحریر فرمایا ہے کہ سوائے تین مسائل کے فرض کو نفل پر فضیلت ہے: ① تنگدست مقروض کو قرض ادا کرنے میں مہلت دینے سے معاف کر دینا افضل ہے۔ ② ابتداء بالسلام مستحب ہے، اور اس مستحب کام کو سلام کا جواب دینے پر فضیلت ہے، جبکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ ③ قبل از وقت وضو کرنے (مستحب) کو فضیلت ہے وقت پر وضو کرنے سے۔ جو فرض ہے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ ایسا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔

خرابی ۱۳ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ قضاء عمری کا قول اس فرمان نبویؐ کے خلاف ہے: من نسی صلوٰۃ فلیصلہا اذا ذکرہا لا کفارۃ لہا الا ذٰلک (ابو داؤد) کہ جو وقت پر نماز پڑھنا بھول جائے تو جو نہی یاد آئے اسے پڑھ لے اس کے سوا اس کے کفارہ کی کوئی صورت نہیں۔

نیز ایک خرابی یہ ہے کہ آخری جمعہ ماہِ رمضان کی تخصیص کرنا جس کی شریعتِ مطہرہ میں کوئی نص نہیں۔ کیونکہ قضاء امر غیر موقت ہے۔

تاریخ ولادت اور وفات نبوی ﷺ

عید میلاد النبی ﷺ اور اُس کی شرعی حیثیت

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی علیہ الرحمۃ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

تاریخ ولادت اور وفات نبوی ﷺ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مفتی سید محمد حسین نیلوی مدظلۃ العالی

(از فتاویٰ محمدیہ)

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات کی ایک ہی تاریخ ہے یا جُدا،
کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن کو عید کا دن کہہ سکتے ہیں یا نہ،
کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن خوشی کرنا صحیح ہے، جس طرح عید
کے موقع پر خوشی کی جاتی ہے اور مختلف کھانے پکائے جاتے ہیں۔ صحابہؓ و
تابعینؒ سے کہیں ثابت ہے کہ انھوں نے ولادت کی خوشی کا دن مقرر کیا ہو
کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن خوشی کے طور پر کثرت سے عبادت
کرنے میں تو کوئی حرج نہیں۔ (محمد نواز شہباز بھکھی کلاں)

جواب: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات ان ہر دو کو
اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ خاص سے مبہم رکھا ہے، تاکہ لوگ ان ایام میں
اقوامِ سابقہ کی طرح بدعات کا ارتکاب نہ کریں۔

تاریخِ ولادت: اس سلسلہ میں صرف تاریخ ہی نہیں بلکہ اس بات میں بھی
اختلاف ہے کہ آپؐ کس ماہ میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ بعض علماء کا کہنا ہے
کہ آپؐ ربیع الآخر میں پیدا ہوئے، بعض ماہ صفر، بعض رجب اور بعض
رمضان المبارک میں آپؐ کی پیدائش بتلاتے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبد القادر
جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو ۱۰ محرم الحرام کو آپ کا یوم پیدائش قرار دیا ہے۔
چنانچہ غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۳۷ طبع مصر (و مترجم از شمس بریلوی ناشر مدینہ
پبلشنگ کمپنی کراچی ص ۴۲۹) میں فصل بیان کی ہے: واختلف العلماء فی
التسمیتہ بیوم عاشوراء۔ کہ ۱۰ محرم الحرام کا نام "عاشوراء" کس طرح پڑا،

تو اس میں علماءِ کرام کے نظریات مختلف ہیں۔ پھر حضرت شیخ جیلانیؒ نے علماءِ کرام کے مختلف نظریات بیان کرتے ہوئے دسویں نمبر پر تحریر فرمایا:

العاشرۃ وُلِدَ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فیہ کہ دسویں بات یہ ہے کہ ۱۰ر محرم الحرام کو ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ ہر چند کہ یہ قول شاذ ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپؐ کی پیدائش ربیع الاوّل میں ہی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود حضرت شیخ جیلانیؒ نے ۱۰ر محرم الحرام کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے قائل علماء کا یہ قول نقل فرمانے کے بعد اس کی تردید نہیں فرمائی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیرِ پیران شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ خود بھی اُن معدودے چند علماء کی صف میں شامل ہیں جو ۱۰ر محرم الحرام کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن قرار دیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وفاتِ رسول اللہ ﷺ کب ہوئی؟

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی ربیع الاوّل میں ہی ہوئی تھی لیکن صحیح تاریخ کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں، البتہ مشہور یہ ہے کہ ۱۲ر ربیع الاوّل ۱۱ھ کو آپؐ نے اس دارِ فانی سے عالمِ برزخ کی طرف اِنتقال فرمایا۔ نیز احادیث کی روشنی میں یہ بات تمام علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ آپؐ کی ولادت اور وفات ربیع الاوّل کے مہینے میں کسی پیر کے دِن ہی ہوئی۔ اب اگر ربیع الاول کا وہ پیر تلاش کرنا ہو جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو اس کے لیے کسی ایسے مشہور واقعہ کا انتخاب کرنا ہوگا جس کا دِن اور تمام صحابۂ کرامؓ اور محدثین کے ہاں متفق علیہ ہو، تاکہ اس مشہور دن سے حساب لگا کر ربیع الاوّل کے اس پیر کی تاریخ متعین کرنے میں ہماری رہنمائی ہو سکے جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِنتقالِ پُر ملال ہوا۔

یومِ عرفہ سنہ ۱۰ھ سے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ تک تواریخ کا تقابل:

احادیث میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں وقوف فرمایا تھا اور وہ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ اب جبکہ ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو جمعۃ المبارک کا دن تھا، اور یہ متفق علیہ بات ہے تو اس دن سے حساب لگانا چاہیے کہ ربیع الاول کے اس پیر کو کیا تاریخ تھی جس میں یہ حادثۂ عظیمہ ہوا۔

(۱) اب اگر یہ کہا جائے کہ ذی الحجہ ۲۹ دن کا تھا تو یہ جمعرات کا دن بنتا ہے اور یکم محرم سنہ ۱۱ھ کو جمعۃ المبارک کا دن ہونا چاہیے، پھر آٹھ کو جمعہ اور پھر پندرہ کو، پھر بائیس کو اور پھر انتیس کو جمعہ کا دن ہونا چاہیے۔ پھر اگر محرم بھی ۲۹ دن کا ہو تو صفر کی یکم ہفتہ کو ہوگی، اسی طرح ۸، ۱۵، ۲۲ اور ۲۹ بھی ہفتہ ہی کو ہوں گے۔ پھر اگر صفر بھی ۲۹ ہی کا ہو تو یکم ربیع الاول اتوار کو ہوگی، جبکہ ۸، ۱۵، ۲۲ اور ۲۹ بھی اتوار ہی کو ہوں گے۔ اور اس حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو جمعرات کا دن بنتا ہے۔

(۲) اور اگر کہا جائے کہ سنہ ۱۰ھ کا ذی الحجہ ۳۰ دن کا تھا تو اس دن جمعہ ہوگا اور یکم محرم سنہ ۱۱ھ کو ہفتہ کا دن ہونا چاہیے۔ پھر ۸، ۱۵، ۲۲ اور ۲۹ بھی ہفتہ کے دن ہوں گے۔ پھر اگر محرم بھی ۳۰ دن کا ہو تو یہ دن اتوار کا ہوگا اور یکم صفر پیر کو ہوگی۔ پھر ۸، ۱۵، ۲۲ اور ۲۹ بھی پیر کو ہوں گے پھر اگر صفر بھی ۳۰ کا ہو تو یہ دن منگل کا اور یکم ربیع الاول بدھ کے دن ہوگی، پھر ۸، ۱۵، ۲۲ اور ۲۹ بھی بدھ کے دن ہی ہوں گے۔ اور اس حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو اتوار کا دن ہوتا ہے۔

(۳) اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ تو ۲۹ دن کا تھا اور محرم و صفر ۳۰، ۳۰ دن کے تھے تو اس طرح یکم محرم کو جمعہ اور ۳۰ محرم کو ہفتہ اور یکم صفر کو اتوار کا دن اور ۳۰ صفر کو پیر کا دن بنتا ہے، اس طرح یکم ربیع الاول منگل کے

دن ہوتی۔ اس حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو ہفتہ ہونا چاہیے۔

④ اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ ۳۰ دن کا، محرم ۲۹، اور پھر صفر ۳۰ دن کا تھا
تو اس طرح یکم محرم ہفتہ کو اور یکم صفر اتوار کو یکم ربیع الاول منگل کو بنتی
ہے جبکہ ۱۲ ربیع الاول ہفتہ کے دن ہونی چاہیے۔

⑤ اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ اور محرم تو ۳۰۔۳۰ دن کے تھے لیکن صفر
۲۹ دن کا تھا، تو اس طرح یکم محرم ہفتہ کو اور یکم صفر پیر کو بنتی ہے جبکہ
یکم ربیع الاول منگل کے دن اور ۱۲ ربیع الاول ہفتہ کے دن بنتی ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ اور محرم ۲۹۔۲۹ دن کے تھے اور صفر ۳۰ دن کا
تو اس طرح یکم محرم جمعہ اور یکم صفر ہفتہ اور یکم ربیع الاول پیر کو بنتی ہے
اس طرح ۱۲ ربیع الاول جمعہ المبارک کو ہوگی۔

⑦ اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ ۲۹، محرم ۳۰، اور صفر پھر ۲۹ کا تھا، تو اس
طرح یکم محرم جمعہ کو، یکم صفر اتوار کو اور یکم ربیع الاول پیر کو بنتی ہے۔
اور اس حساب سے بھی ۱۲ ربیع الاول کو جمعہ کا دن بنتا ہے۔

⑧ اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ ۳۰ کا اور محرم و صفر ۲۹۔۲۹ دن کے تھے
تو اس طرح یکم محرم ہفتہ کو، یکم صفر اتوار کو اور یکم ربیع الاول پیر کے
دن بنتی ہے جبکہ ۱۲ ربیع الاول کو جمعہ ہی ہوتا ہے۔

اب اس کا خلاصہ جدول کی صورت میں بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

شمار	ذی الحجہ		محرم الحرام		صفر المظفر		ربیع الاول	
۱	۹ جمعہ	۲۹ جمعرات	یکم جمعہ	۲۹ جمعہ	یکم ہفتہ	۲۹ ہفتہ	یکم اتوار	۱۲ جمعرات
۲	۹ ۰	۳۰ جمعہ	۰ ہفتہ	۳۰ اتوار	۰ پیر	۳۰ منگل	۰ بدھ	۰ اتوار
۳	۹ ۰	۲۹ جمعرات	۰ جمعہ	۳۰ ہفتہ	۰ اتوار	۳۰ پیر	۰ منگل	۰ ہفتہ
۴	۹ ۰	۳۰ جمعہ	۰ ہفتہ	۲۹ ۰	۰ ۰	۳۰ ۰	۰ ۰	۰ ۰
۵	۹ ۰	۳۰ ۰	۰ ۰	۳۰ اتوار	۰ پیر	۲۹ ۰	۰ ۰	۰ ۰
۶	۹ ۰	۲۹ جمعرات	۰ جمعہ	۲۹ جمعہ	۰ ہفتہ	۳۰ اتوار	۰ پیر	۰ جمعہ
۷	۹ ۰	۲۹ ۰	۰ ۰	۳۰ ہفتہ	۰ اتوار	۲۹ ۰	۰ ۰	۰ ۰
۸	۹ ۰	۳۰ جمعہ	۰ ہفتہ	۲۹ ۰	۰ ۰	۲۹ ۰	۰ ۰	۰ ۰

ہم نے ممکنہ تمام صورتوں میں حساب لگا کر دیکھ لیا لیکن کسی صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول کو پیر کا دن نہیں بنتا۔ البتہ دوسری صورت میں یعنی اگر ذی الحج، محرم اور صفر تینوں مہینے پورے تیس تیس دن کے مان لیے جائیں تو پھر بھی ۱۲ ربیع الاول اتوار کو بنتی ہے۔ لیکن چونکہ احادیث کی رُو سے ربیع الاول اور پیر کا دن طے شدہ ہیں اور مشہور تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ہے۔ تو ان تمام چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ پیر ۱۳ ربیع الاول کو آپ نے اس دارِ فانی سے انتقال فرمایا اور عوام میں بارہ کا ہندسہ اس لیے مشہور ہوگیا کہ ربیع الاول کے ۱۲ دن پورے ہونے کے بعد یہ سانحہ عظیمہ پیش آیا جیسا کہ کوئی صاحب اگر مہینے کی دو تاریخ کو فوت ہوں تو کہتے ہیں کہ اس نے فلاں ماہ کا ایک دن دیکھا لیکن اس صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وفات قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہماری مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات تو معلوم ہوگئی کہ ۱۲ ربیع الاول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ تو یوم ولادت ہے اور نہ ہی یوم وفات۔ البتہ پیر کے دن پر سب کا اتفاق ہے۔

باقی رہا یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو عید کا دن کہنا اور اس دن عید کی طرح خوشی کرنا اور مختلف کھانے پکانا یا اس دن میں کثرت سے عبادت کرنا وغیرہ، تو جب اس کے لیے کوئی تاریخ ہی طے نہیں ہوسکتی تو ان کاموں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو عیدوں کا حکم دیا ہے تیسری عید منانا اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم سے تجاوز کرنا ہوگا جو کہ انتہائی درجہ کا ناپسندیدہ کام ہے۔ نیز اس کا قطعاً ثبوت نہیں ملتا۔ تفصیل کے لیے میری کتاب "عید میلاد النبیؐ اور اس کی شرعی حیثیت" کا مطالعہ کیجیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین،

ربیع الاول میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ملک بھر میں حکومتی اور عوامی سطح پر عید میلاد النبیؐ منائی جاتی ہے۔ حکومتی سطح پر چند سال سے اس کا اہتمام کیا جانے لگا ہے اور سنجیدگی و شائستگی کا عنصر بھی اس میں دکھائی دیتا ہے لیکن عوامی سطح پر ہر قسم کی [illegible]ن و اخلاقی قدروں کو پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

اس روز علی الصبح بڑے بڑے جلوس اس طرح نکالے جاتے ہیں کہ بیل گاڑیوں اُونٹ گاڑیوں، گدھا گاڑیوں اور تانگوں کو خوب سجا کر اس پر ناچتے کودتے ہیں اور لاؤڈ سپیکروں پر نعتوں اور قوالیوں کے ریکارڈ نشر کرتے ہیں اور بسوں، ٹرکوں اور کاروں کے ساتھ ٹریکٹر، ٹرالے اور رکشے بھی اس جانداروں کی دوڑ میں شریک دکھائی دیتے ہیں۔ تمام بازاروں کو جھنڈیوں سے سجایا جاتا ہے۔ ڈھول باجے بجائے جاتے ہیں، مختلف قسم کے ناچ ناچے جاتے ہیں عشقِ رسولؐ کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ رات کو چراغاں کیا جاتا ہے لیکن نماز پڑھنے کے لیے نہ ان کے علما ہی ان کو تاکید کرتے ہیں اور ان کو خود تو خیال آنا ہی مشکل ہے۔ بس جلوس میں شامل ہو گئے یا مولویوں کو بلا کر کھلا پلا دیا، قوالی سُن لی، میلاد پڑھوا لیا نماز کی ضرورت ہی نہیں۔

اس روز جو غلو کیا جاتا ہے اس سے کوئی شخص ناواقف نہیں ہے اس لیے یہاں ان باتوں کی بجائے اس کی شرعی حیثیت معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عید میلاد النبی کب سے منائی جانے لگی، اس کی تحقیق پر کوئی امر شرعی تو موقوف نہیں ہے کیونکہ بدعت تو بہرحال میں بدعت ہی ہے خواہ اس کی ایجاد کا زمانہ معلوم ہو یا نہ ہو۔ البتہ اتنا علم ہونا ضروری ہے کہ خیر القرون مشہود لہا بالخیر کے دور میں معمول بہ نہ رہا ہو۔ تاہم اس کی ایجاد کا زمانہ ہم بتا بھی دیتے ہیں تاکہ مزید اطمینان ہو جائے کہ اس بدعت کا زمانہ ایجاد خیر القرون کے مدتوں بعد کا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ اپنے رسالہ احسن المقاصد فی عمل المولد میں تحریر فرماتے ہیں و اول من احدث ذٰلک ابن المظفر ابو سعید بن زین الدین علی یعنی مجلس میلاد کا موجد اوّل ابن المظفر ابو سعید بن زین الدین بن علی ہے۔

اسی طرح حضرت حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ اور علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ نے اپنی اپنی تواریخ میں تحریر فرمایا ہے۔

اور علامہ ابن خلکان "وفیات الاعیان" میں سب سے زیادہ اس کی تفصیل لکھتے ہیں کہ: "اس کا موجد مظفر الدین صاحب اِربل ہے۔ اس کے عہد (۶۰۴ھ) میں ایک شخص عمر بن محمد نامی نے مولود ایجاد کیا۔ اس کے بعد شاہ اربل کے بیٹوں اور قائم مقاموں نے اس کو بہت رواج دیا۔ چنانچہ اس محفل مولد النبیؐ کو حسن کر اور اُس کے اس حسنِ عقیدت کو دیکھ کر ہر سال دُور دُور سے لوگ جمع ہوتے۔ محرم الحرام سے لے کر ربیع الاوّل کے پہلے ہفتے تک لوگ برابر آتے رہتے تھے اور سلطان موصوف ان لوگوں کے لیے چار چار یا پانچ پانچ منزل کے عارضی مکان بنواتا اور صفر سے پہلے ان مکانات کی زیبائش اور آرائش شروع ہو جاتی تھی۔ ہر مکان میں ایک گروہ گویوں کا ایک گروہ اصحاب حال کا اور ایک گروہ تاشے، باجے، طبلے وغیرہ بجانے والوں کا ہوتا اور کوئی منزل ایسی نہ رہتی جس میں ان گروہوں میں سے کوئی گروہ نہ ہوتا۔ ان دنوں

میں لوگوں کے کاروبار خراب ہوجاتے اوران کا اس کے سوا کوئی شغل نہ ہوتا کر ان گانے بجانے والوں کا تماشا دیکھتے پھرتے۔" اربل عراق میں موصل کے قریب واقع تھا۔

حضرت علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے مراۃ الزمان میں لکھا ہے کہ:

"ویعمل للصوفیۃ سماعا من الظھر الی العصر ویرقص بنفسہ معھم" یعنی صوفیوں کی خاطر ظہر سے عصر تک مجلس سماع (راگ) منعقد کراتا اور شاہ اربل بھی ان لوگوں کے ساتھ ناچتا تھا۔ (فتاویٰ میلاد ص ۰۱)

مؤرخین کے اس مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ اس مجلس کا موجد اور مخترع ایک مسرف بلکہ مبذر بادشاہ تھا جس کی یہ محض ایک رسمی تقریب تھی جو اس نے صرف خوشنودی طبع اور ہوا پرستی کے لیے قائم کی تھی۔

اُس زمانے کے علماء کرام رحمہم اللہ نے اس نو ایجاد کردہ بدعت کو بڑے شدّ و مد کے ساتھ رد فرمایا تھا۔ جن میں حضرت علامہ تاج الدین فاکہانی، ابن امیر الحاج مالکی، عبدالرحمٰن حنفی، نصیر الدین شافعی، شرف الدین حنبلی، قاضی شہاب الدین دولۃ آبادی حنفی جیسی ہستیاں قابلِ ذکر ہیں۔ ان جیسی ہستیاں اور بھی کثرت سے تھیں۔

اور جیسا کہ دستورِ زمانہ ہے کہ ہر دور میں دو قسم کے علماء ہوتے ہیں۔ ایک دنیادار قسم کے اور دوسرے دین دار حق کے علمبردار۔ دنیادار دین کو دنیا کے عوض میں بیچ ڈالتے ہیں۔ لیکن دین دار حق کے اظہار میں تکالیف شدائد و مصائب کی پروا نہیں کرتے، ظالم حاکم کے سامنے حق بات کھول کر بیان کر دیتے ہیں کہ افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ یعنی ظالم بادشاہ کے سامنے سچی بات کردینا افضل جہاد ہے۔

اُس زمانے میں بھی بعض دنیا پرست علماء کا گروہ تھا جنھوں نے بادشاہ اربل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے عید میلاد النبیؐ کے منانے کے جواز و استحباب پر

رسالے اور کتابیں لکھیں اور اپنے ذہن نارسا سے اجتہادی رنگ جماتے ہوئے اس مجلس بدعی کے موجب ثواب ہونے پر قرآن و سنت سے دلائل گھڑ گھڑ کر پیش کیے۔

مگر بادشاہ نے جو شروع شروع میں اس محفل کو احداث کیا تھا اس نے دلائل شرعیہ کی بناء پر اس محفل کو ایجاد نہیں کیا تھا، بلکہ اُس نے اس مسئلہ میں عیسائیوں کے بڑے دن "کرسمس ڈے" کی نقل اُتاری تھی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ شاہ اربل نے کسی بُری نیت سے ایسا کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اُس کی نیت اچھی ہو۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس فعل کی نیت اچھی ہو، خود وہ فعل بھی اچھا ہی ہو دیکھو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے بُت پرستوں کو بُت پرستی کرتے دیکھ کر اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ یعنی ہمیں بھی ایک بُت بنا دیجیے جیسے اُن کے بُت ہیں۔ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ اجعل لنا ذات انواط کما لهم ذات انواط۔ یعنی ہمیں بھی تلواریں لٹکانے والا بنا دو جیسے ان کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس بارے میں اصحاب موسیٰ علیہ السلام اور اصحاب نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نیتیں بُری نہ تھیں، بلکہ صرف لاعلمی کی وجہ سے انھوں نے ایسی درخواست کی تھی۔

پس اس بادشاہ نے بھی اپنی ناواقفی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوشی عیسائیوں کو مناتے دیکھ کر خیال کیا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم ان کی ولادت کی خوشی منائیں۔ اس لیے اُس نے یہ محفل ایجاد کی۔

اور جب درباری مولویوں کے دلائل پر علماء حق رحمہم اللہ تعالیٰ نے نظر ڈالی تو جوازِ میلاد کے دلائل تارِ عنکبوت (مکڑی کے جالے) سے بھی زیادہ بودے اور کمزور پائے۔ تاہم اُن کی تردید کے لیے قلم اُٹھایا۔

مع ہذا زمانۂ حال کے مولوی نما گویوں اور قوالوں نے عوام کی آنکھوں میں دُھول ڈالنے کے لیے برائے نام کچھ قرآن وسُنّت میں تحریف کر کے اپنے زعم میں دلائل دینے شروع کیے ہیں اور منبروں اور سٹیجوں پر بیان کر کے عوام سے دادِ تحسین حاصل کرتے ہیں۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ دلائل نہیں۔ اور محققین عُلماءِ کرام نے صریح طور پر اس جواز کا جواب دیا اور اُن کے بیان کردہ دلائل کا اصل مفہوم بیان فرمایا۔ جس سے واضح ہو جائے کہ ان آیات اور احادیث کا اس موضوع کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہیں جو مجوزین ان سے کشید کرتے ہیں۔

ان محققین عُلماءِ حق کی پُوری فہرست تو ہم نہیں لکھ سکتے نہ ہمیں ان سب کا علم ہے البتہ بطور نمونہ کے ان میں سے بعض کا نام سپردِ قلم کیے دیتے ہیں۔ مثلاً

۱ حضرت ابوالحسن علی بن المفضل مقدسی مالکیؒ صاحب کتاب جامع المسائل

۲ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳ حضرت امام الہند شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴ شیخ الاسلام حضرت علامہ ابن تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۵ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۶ علامہ فضل اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۷ قاضی نصیرُ الدین گجراتیؒ

۸ امام عبداللہ بن الحاجؒ

۹ حسن بن علیؒ صاحب طریق السنۃ

۱۰ صاحب ذخیرۃ السالکینؒ

۱۱ امام ابن الحاجؒ

۱۲ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ محشی بخاری

۱۳ محمد بشیر الدین قنوجیؒ صاحب کشف المبہم

۱۴ مولانا عزّ الدین حسن خوارزمیؒ

۱۵ مولانا محمد یعقوب رامپوریؒ

۱۶ مولانا محمد عبدالکریم رامپوریؒ

۱۷ احمد بن محمد بن بصری مالکیؒ

۱۸ شیخ احمد رامپوریؒ

۱۹ عبدالسمیع رامپوریؒ

۲۰ قاضی محمد انعام الحق رامپوریؒ

۲۱	محمد اسحاق تھتھوریؒ	۳۲	مولانا محمد مظہر نانوتویؒ
۲۲	محمد عبد الحق رامپوریؒ	۳۳	مولانا سعادت سہارنپوریؒ
۲۳	امیر حسن رامپوریؒ	۳۴	مولانا محمد حسن سہارنپوریؒ
۲۴	علاؤ الدین رامپوریؒ	۳۵	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
۲۵	مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ	۳۶	مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ
۲۶	مولانا نور الحسن کاندھلویؒ	۳۷	مفتی عزیز الرحمٰنؒ دیوبند
۲۷	مولانا شیخ محمد تھانویؒ محشی نسائی	۳۸	مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ
۲۸	مولانا عبد الرحیم تھانویؒ	۳۹	مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
۲۹	مولانا مملوک العلی نانوتویؒ	۴۰	مولانا احمد علی لاہوریؒ
۳۰	مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	۴۱	مولانا عبد الشکور مرزا پوریؒ
۳۱	مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ	۴۲	نواب صدیق حسن خان بھوپالی

جوازِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل

① پہلی دلیل تو قرآنِ پاک کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ (آل عمران: ۸۱) یعنی اور جب لیا اللہ تعالیٰ نے اقرار عہد و پیمان نبیوں کا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم و حکمت پھر آجائے تمہارے پاس ایک رسول عظیم المرتبہ کہ سچ بتادے تمہارے ہاں کی کتاب کو تو ضرور اس پر ایمان

فقط اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے اس بات کا عہد لیا گیا تھا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے زمانے میں رسول بنا کر بھیجے جائیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ لیکن اس مضمون کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر اس روایت میں یہ مضمون ہوتا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے زمانے میں پیدا ہوں تو تم ان کی پیدائش کی اسی طرح خوشی منانا جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشی مناتے ہیں، تب تو بے شک ان کا مدعا ثابت ہوتا۔ لیکن واقعہ یوں نہیں، تو پھر ان کا مدعا کیونکر ثابت ہو۔

تیسرے یہی آیت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سنی، پڑھی اور یاد کی، انھوں نے اس کا مفہوم اور مطلب سمجھا۔ اگر یہ آیت عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل تھی تو انھوں نے اس آیتِ شریفہ پر کیوں عمل نہیں کیا اور عید میلاد النبیؐ کیوں نہ منائی۔

اگر آیتِ کریمہ کا مطلب یہی ہے جو ہمیں عہدِ حاضر کے واعظین بتلاتے ہیں تو سب سے پہلے اس آیت پر عمل کرنا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ترک کیا تو وہ مجرم و گنہگار ہوئے، والعیاذ باللہ۔ پھر بتاؤ شیعہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے صحابہؓ نے قرآن پر عمل چھوڑا اور اپنی من مانیاں کیں اور مرتد ہو گئے۔ معاذاللہ ثم معاذاللہ۔ شیعہ یہ بات کہ دیں تو بے ایمان اور کافر کہلائیں، یہی بات تم کہ دو تو پکے مسلمان۔ کیوں؟ ہمارا عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآن فہمی برحق ہے، اس کے خلاف جو قرآن فہمی کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا اور محرفِ قرآن ہے۔

(۴) مجوزین کی دوسری دلیل یہ قرآنی آیت ہے:

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا (مریم: ۳۳)

یعنی اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن کھڑا ہوں جی کر۔

مجوزین نے یہاں سے یہ نکالا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے یہ فقرہ استعمال کیا کہ میں بچا رہا ہوں شیطان کے چھونے سے جب میں پیدا ہوا اور یہ بچا رہنا شیطان کے شر سے بہت خوشی کی بات ہے جس پر وہ خوشی میں یہ لفظ کہہ رہے ہیں۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم برتر ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے برتر ہیں اس لیے ہمیں بھی ان کی ولادت پر خوشی منانی چاہیے۔

لیکن یہ استدلال بھی بچند وجوہ باطل ہے۔

اوّل تو اس لیے کہ اس آیت کریمہ کو مُروّجہ میلاد سے کوئی تعلق نہیں۔

ثانیاً اگر تعلق ہو بھی تو اس سے عیسائیوں کے بڑے دن "کرسمس ڈے" منانے کا جواز تو ثابت ہو سکتا ہے مگر عید میلاد النبیؐ کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیا مجوزین اس آیت کی آڑ میں کرسمس ڈے بھی منایا کرتے ہیں یا مسلمان عامۃ الناس کو کرسمس ڈے منانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواز اگر اس آیت کریمہ سے نکالا جاتا ہے تو کرسمس ڈے پر قیاس کر کے ہی تو نکالا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اصل حکم کرسمس ڈے کو تو چھوڑ دیا اور جس کو اصل حکم پر قیاس کیا جاتا ہے اس پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ جو عید میلاد النبیؐ کے جواز کا قائل نہیں وہ کافر ہے۔ اور اگر خود کرسمس ڈے نہ منائیں تو بھی عامل قرآن اور مسلمان رہیں۔ جبکہ اصل نص سے ثابت شدہ حکم قطعی ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر، اور قیاس سے ثابت شدہ حکم ظنی ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

ثالثاً اگر اس آیت سے جشنِ میلاد اور عید میلاد النبیؐ کا ثبوت ملتا ہے تو بعینہٖ اسی آیت سے بلا تفاوت جشنِ وفات کا ثبوت بھی ملتا ہے کیونکہ ان مجوزین کی مزعومہ تقریر کے مطابق اس آیت میں یومِ وفات اور یومِ ولادت کو ایک حیثیت میں رکھا گیا ہے۔ اب کیا وجہ ہے کہ جشنِ میلاد تو بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں اور جشنِ وفات نہیں مناتے

ظاہر ہے کہ عیسائیوں بلکہ پولوسیوں کی تقلید کے سوا اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

رابعاً یہ کہ اگر یہ آیت کریمہ مروجہ میلاد کے جواز کی دلیل ہے تو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ و تبع تابعینؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ جیسے مجتہدین دین متین اور ان کے تلامذہ علماء محققین، محدثین، مفسرین، فقہاء، ساتویں صدی کے اوائل تک کسی ایک کو یہ قیمتی دلیل کیوں نہ سوجھی۔ کیا مرزا قادیانی کی طرح تمہارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ قرآن فہمی میں والعیاذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غلطی ہو گئی ہے۔ کیا ان ہستیوں کو اجتہاد و استنباطِ مسائل کا طریقہ نہیں آتا تھا یا یہ ہستیاں قصداً قرآنی حکم سے منحرف رہیں۔ والعیاذ باللہ۔ یا کوئی اور مانع تھا جس کی وجہ سے وہ اس بابرکت عبادت سے محروم رہے، یا ان چھ صدیوں میں عید میلاد منانے کے وہ شرائط و اسباب و علل مفقود تھے جو عہدِ حاضر میں اُبھر آئے ہیں۔ اگر وہ شرائط و اسباب و علل اب موجود ہیں تو کون کونسے ہیں اور کس مجتہد نے ان کو بیان کیا ہے۔

(۳) مجوزین یہ دلائل بھی پیش کرتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

یعنی تمہارے پاس پہنچ گئی تمہارے رب کی طرف سے سند۔

یقیناً آچکا تمہارے پاس رسولؐ۔

اے نبیؐ ہم نے آپؐ کو بھیجا گواہ، خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

وہی اللہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسولؐ راہِ راست پر اور سچے دین پر۔

لیکن ان آیات میں بھی ذکرِ ولادت ہے نہ یوم ولادت اور نہ جشنِ میلاد کا ذکر، بلکہ بعثت اور ارسال کا ذکر ہے جو ولادت سے چالیس سال بعد کا واقعہ ہے۔ پس اگر آپ کے مزعوم قول کے مطابق ان آیات کی روشنی میں جشنِ ولادت منانا صحیح ہو سکتا ہے تو بعینہٖ انہی آیات کی روشنی میں جشنِ بعثت بھی منانا چاہیے۔ لیکن آیاتِ متعلقہ سے نہ جشنِ بعثت ہی ثابت ہوتا ہے اور نہ جشنِ ولادت۔ ورنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ، تبع تابعینؒ مجتہدینؒ وسلف صالحینؒ ضرور اس کو کرتے اور پابندی کے ساتھ اس پر عمل کرتے اور لوگوں سے عمل کرواتے اور ہمارے لیے اس کا حکم کر جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہُوا۔

(۴) مجوزین یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ.

اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر۔

لیکن یہ بھی عید میلاد النبیؐ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ نعمت میں ولادت کی تخصیص نہیں۔ اگر ولادت کی تخصیص ہوتی تو یہ حکم براہِ راست نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کی تبعیت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب ہے" تو چاہیے یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جشنِ ولادت کا حکم نافذ فرماتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپؐ خدائے پاک کی نعمتیں بیان کرو۔ اور ظاہر ہے کہ آپؐ نے جشنِ ولادت نہیں منایا تو اس کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ اس آیت میں جشن کا حکم ہی نہ تھا۔ اور اس آیت سے جشن کا حکم سمجھ لینا خود اہلِ بدعت کی غلطی ہے۔

یا اگر اس آیت میں جشن کا حکم تھا مگر نعوذ باللہ اس آیت سے یہ حکم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ نہ سکے۔ یا سمجھ کر قصداً اس پر عمل نہ کیا تو ایسی بات کہنا یا تصور کرنا اہلِ بدعت ہی کے دل گُردے کا کام ہے۔ وہی آپؐ کی ذاتِ گرامی پر

ایسا الزام عائد کر سکتے ہیں اور تحریفِ قرآن مجید کا سا گناہِ کبیرہ سر پر اٹھا لینا انہی کا کام ہے۔ ایسا تصوّر اور الزام و تحریف اہلِ سُنّت کا کام نہیں۔

⑤ مجوزین یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا

یعنی کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اس کی مہر سے سو اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

لیکن اس آیت سے بھی جشن کا استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس آیت سے پہلے یہ ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی اے لوگو! تم کو آئی ہے نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے دل کے روگ چنگے کرنے کو اور راہ سجھانے کو اور مہربانی یقین لانے والوں کو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بِذٰلِكَ (اسی پر) میں اشارہ ہے نصیحت آنے اور شفا و ہدایت و رحمت آنے کی طرف۔ اور اسی پر خوش ہونے کا حکم ہے اور معنے یہ ہوئے کہ: "فرما دیجیے کہ نصیحت، شفاء، ہدایت اور رحمت تمہارے پاس خدا تعالیٰ کے محض فضل و رحمت سے آ چکے ہیں۔ سو اس چیز کے آ جانے پر تمہیں تو خوش ہو جانا چاہیے۔"

سو اس میں بھی ولادت کا ذکر نہیں۔ اگر ان مجوزین کی بات مان لیں کہ اشارہ فضل و رحمت کی طرف ہے تب بھی ان کا مدعیٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس فضل و رحمت کا تعلق اوّلی بھی اسی مجیئِ موعظت وغیرہ سے ہے نہ کہ ولادت سے۔ پھر استدلال بے معنیٰ ہے۔ اور اگر فضل و رحمت کو عام کیا جائے تب بھی ولادت کی تخصیص بے معنیٰ ہے بلکہ ہر ایک فضل و رحمت پر جشن منانا چاہیے۔

دُوسرے فَلْيَفْرَحُوا کے معنے ہیں "خوش ہو جاؤ"۔ اور خوش ہونا دل سے متعلق ہے جو طبعی کیفیت ہے اور کسی خوشی والے واقعہ کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ خوشی منانے کا وقت، جس کا تعلق جشن منانے سے ہے۔ پس فَلْيَفْرَحُوا کے معنے ہوئے کہ ان کو اس سے خوش ہونا چاہیے، نہ کہ ان کو اس کی خوشی کرنی اور بطور جشن کے خوشی منانی چاہیے۔ جیسا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں۔ اور اگر اس کے معنے جشن منانے کے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا۔

پھر اس کے مخاطب عام انسان ہیں نہ کہ خاص مومنین۔ کیونکہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا يَآ اَيُّهَا النَّاسُ (اے لوگو) اس سے معلوم ہوا کہ فَلْيَفْرَحُوا کے معنے جشن منانے کے نہیں اور نہ ہی محض سرورِ قلبی کے ہیں بلکہ اس کے لازمی (التزامی) معنے مراد ہیں یعنی فليتقبلوه بطيب النفس یعنی اس کو بطیبِ خاطر قبول کرو۔ اور اس صورت میں بنائے استدلال ہی منہدم ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، خدا کا سب سے بڑا فضل و رحمت ہے اور اس پر مسرت کا نام عیدِ میلاد ہے۔ لیکن یہ دعویٰ غلط ہے کہ ولادتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا سب سے بڑا فضل و رحمت ہے کیونکہ آپ کو عطائے نبوت و کمالاتِ نبوت ضرور اس سے بڑھ کر فضل و رحمت ہے۔ کیونکہ انہی کمالات کی وجہ سے ولادت کو شرف حاصل ہوا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ولادت ذریعہ ہے ان کے کمالات کا۔ اگر ولادت نہ ہوتی تو وہ کمالات کیسے حاصل ہوتے۔ تو یہ اس سے بھی بڑھ کر جہالت ہوگی۔ کیونکہ ذرائع ہمیشہ مقاصد سے ادنیٰ ہوتے ہیں۔ ورنہ تو آپؐ کے والدِ ماجد کی ولادت کو آپؐ کی ولادتِ باسعادت سے بھی معاذاللہ افضل کہنا پڑے گا۔ کیونکہ آپؐ کے والدِ ماجد کی ولادت ہی آپؐ کی ولادتِ باسعادت کا ذریعہ ہے۔

پھر ان کا یہ کہنا کہ "اس پر مسرت کا نام عید میلاد ہے"۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ مسرت اور چیز ہے اور عید میلاد اور چیز ہے۔ کیونکہ مسرت کا تعلق دل سے ہے جو کسی خوشی والے واقعہ کے وقت طبعی طور پر ہوتی ہے اور عید میلاد جشن ہے جو مسرت کے اظہار کے لیے منعقد کیا جاتا ہے۔ اور اس کا اہم جز ناچ اور گانا ہے جو اسلام میں قطعاً حرام ہے۔

پھر ولادت کا تحقق تو بروقت ہے اس لیے بروقت جشن منانا چاہیے اور خاص دن میں خوشی منانے کے معنے سوائے پولوسیوں کی تقلید کے اور کچھ نہیں ہو سکتے۔

(۶) مجوزین یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ (ابراھیم : ۵)

اور ان کو یاد دلاؤ بڑے بڑے مشہور اور قابلِ یادگار واقعات۔

اور کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن عظیم المرتبت ہے، اس کی یاد دلانا مسلمانوں کے لیے ضروری ہوا۔

لیکن یہ دلیل بھی عید میلاد النبیؐ کی نہیں ہو سکتی۔

اوّلاً اس لیے کہ یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم پر کس طرح عمل کیا۔ انھوں نے بنی اسرائیل کو اپنی ولادت کا دن یاد دلایا اور ان کو اس دن جشن منانے کی ہدایت کی یا ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت کے دن یاد دلائے یا ان پر جشن منانے کی تعلیم دی؟

اگر کہو کہ یہ بات نہیں اور اس وقت اس کے یہ معنی نہیں تھے تو ہم دریافت کریں گے کہ اب اس کے یہ معنی کیسے ہو گئے جو شریعت موسویہ کے لیے تو نہ تھے، اور شریعت محمدیہ میں ہو گئے۔ پھر حدیث نبویؐ سے اس کا ثبوت بھی ضروری ہے۔

آیت کا اصل مطلب یہ تھا کہ اپنی قوم کو وہ واقعات سنائیے جو نافرمان قوموں کو پیش آئے ہیں، اور ان کو نافرمانی سے روکیے اور اطاعت پر آمادہ کیجیے اس کے یہ معنے نہیں کہ ان کو خدا کے دن یاد دلائیے۔ کیونکہ یہ ترجمہ تو ذَكِّرْهُمْ أَيَّامَ اللهِ کا ہے نہ کہ ذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللهِ کا۔ اور دونوں میں جو فرق ہے وہ ایک معمولی استعداد والے طالب علم پر مخفی نہیں۔ اور اگر یہی مطلب ہو تو اس میں چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں لہٰذا ہر روز اور ہر کام کے لیے جشن منانا چاہیے۔

⑦ مجوزینِ عید میلاد النبیؐ ایک دلیل اس آیت کو بھی بناتے ہیں:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الم نشرح : ۴)

اور آپؐ کی خاطر آپؐ کے ذکر کو ہم نے بلند کیا۔

اور کہتے ہیں کہ جب خدا نے پاک ذکرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند فرمائیں تو ہمارا بھی فرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کریں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اتنی بات تو مسلّم ہے کہ حق تعالیٰ نے آپؐ کا ذکر بلند فرمایا ہے اور اس کے لیے خاص طریقوں کی تعلیم دی مثلاً ① اذان میں جب أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ دوبار باآوازِ بلند کہتے ہیں تو اس کے بعد متصل أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ بھی دوبار باآوازِ بلند کہو ② التحیات پڑھو تو اس میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ بھی پڑھو ③ التحیات ہی میں جب أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ پڑھو تو اس کے بعد متصل وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ بھی پڑھو ④ اور جب دعا مانگنے لگو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کہو پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر درود شریف بھی ضرور پڑھو پھر دعا مانگو ورنہ دعا منظور نہ ہوگی ⑤ اذان کہنے اور اذان سننے کے بعد پہلے آپؐ کی ذاتِ گرامی پر درود پڑھیں پھر دعاء وسیلہ پڑھیں ⑥ اور جہاں اطاعۃ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہاں

اطاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حکم ہے ⑦ نیز صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے انسان مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا بھی عقیدہ نہ رکھے ⑧ نماز کے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد ہمارے نزدیک درود شریف پڑھنا سنّتِ مؤکدہ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے ⑨ جمعہ کے روز کثرت سے درود شریف پڑھنا ثواب ہے ⑩ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت دُعاء سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا ⑪ وتروں میں دُعاءِ قنوت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ پڑھنے کا بہت اجر ہے۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ جس طرح ہمارا دل چاہے آپؐ کا ذکر ایجاد کریں، جب چاہیں، جہاں چاہیں، جیسے چاہیں ذکر کریں۔ اگر اس ذکر سے خود رسول پاکؐ کی ذاتِ گرامی بھی روکے تو ہم اُن کی بھی نہ مانیں۔ مثلاً ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی فرض نماز کی دُوسری رکعت کے بعد تشہد پڑھیں اور عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ کر بجائے اُٹھنے کے بیٹھ کر درود شریف پڑھنا شروع کر دیں تو یہ ناجائز ہوگا۔ اگر قصداً درود شریف پڑھے تو پڑھنے والا گناہگار ہوگا اور نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور اگر بھولے سے درود شریف پڑھا گیا بلکہ اگر درود شریف کے تین کلمے بھی بھولے سے پڑھ لیے تو سجدہ سہو کے بغیر نماز درست نہ ہوگی۔ اور یہ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کے منافی نہیں ہے۔

اب بتائیں کہ آیت کریمہ سے عید میلاد النبیؐ کا ثبوت کیسے ہُوا۔

نیز یہی آیت کریمہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پڑھی اور اس کا مفہوم سمجھا اگر اس آیت سے عیدِ میلاد کا حکم مستنبط ہوتا تو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت پر عمل کرتے ہُوئے جشنِ عید میلاد النبیؐ ضرور مناتے۔ یا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

یا کوئی اور مجتہد اس آیتِ کریمہ سے اِستنباط کر کے جشنِ میلاد کا حکم صادر فرماتے۔ لیکن کسی مجتہد سے یہ اِستنباط ثابت نہیں، سو معلوم ہُوا کہ قرآنِ پاک کی اس آیت سے جشنِ میلاد النبیؐ کا اِستنباط محض تحریفِ قرآن ہے۔

(۸) مجوزین عید میلاد النبیؐ اپنی تائید میں یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

وَ الضُّحٰیۙ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰیۙ (الضحیٰ: ۱،۲)

یعنی اے پیغمبرؐ ہم کو چاشت کے وقت کی قسم اور رات کی قسم جب سب چیزوں کو ڈھانک لے۔ اور کہتے ہیں کہ علماء نے ضُحٰی سے روزِ ولادتِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مُراد لی ہے اور وَ الَّیۡلِ سے شبِ ولادتِ رسولؐ۔

مگر یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ عُلماءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے شفاف قلوب میں ایسی لغو اور بیہودہ باتیں جگہ نہیں پکڑتیں۔ یہ تو کسی جاہل کی اختراع و ایجاد ہے۔ قرآنِ پاک کی اس آیت کے یہ معنی مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ضحیٰ کے معنٰی "ولادت" نہ لغت میں ہیں نہ عُرف میں۔ اِسی طرح لیل کے معنے بھی ولادت کسی طرح نہیں ہیں اور اگر استعارہ بناؤ تو بھی غلط ہے۔ اور اگر علیٰ سبیل التنزل مان ہی لیں تو استعارہ اصطلاح اصولِ فقہ میں مجاز کو کہتے ہیں اور علم بیان کی اِصطلاح میں مجاز کی ایک قسم ہے۔ بہرحال مجازی معنے مُراد لینے کے لیے شرط یہ ہے کہ حقیقت متعذرہ ہو یا متعسرہ یا مہجورہ۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ مجازی معنٰی مُراد لینے کے لیے قرینہ صارفہ بھی ہو۔ اور یہاں تو یہ شرطیں بالکل مفقود ہیں۔

اسی طرح لیل سے شبِ ولادت مراد لینے کا کوئی قرینہ نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس لفظ اِذَا سَجٰی مجازی معنے مُراد لینے سے روکتا ہے۔ کیونکہ اِذَا کا لفظ اصل وضع میں مستقبل کے لیے آتا ہے۔ اور شبِ ولادتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانۂ ماضی میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا یہ معنے ہر طرح سے غلط ثابت ہُوا۔ سوا ایسے معنے

جو خلافِ قوانینِ شرعیہ ہوں مُراد لینا تحریفِ قرآنِ پاک ہے۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ یا مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ یعنی جو شخص محض اپنی رائے سے قرآن مجید میں بات کہے تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے۔

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ اس تحریف کے بعد بھی یہ بدعت ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہی ثابت کر سکو گے کہ خُدا پاک نے آپؐ کے روزِ ولادت اور شبِ ولادت کی قسم کھائی ہے۔ تو اب یہ بتائیے کہ اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ جشنِ میلاد منانا جائز ہے۔ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے ہر والد و مولود کی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ یعنی میں قسم کھاتا ہوں جننے والے کی اور اس کی جو جنا گیا، ہم نے آدمی بنایا محنت میں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو چاند، سُورج، رات، دن، ہَوا، زیتون، گھوڑوں اور فرشتوں وغیرہ کی بھی قسم کھائی ہے۔ کیا ان سب کا جشن منانا جائز ہوگا؟

⑨ مجوزین عید میلاد النبیؐ درج ذیل حدیث کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں:

اخبرکم باول امری دعوۃ ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ و رؤیا امی التی رأتھا حین وضعتھا قد خرج منھا نور اضاء لھا منہ قصور الشام۔

یعنی میں اپنی بابت اول بات بتاؤں کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا نتیجہ ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق اور اپنی اماں جان کی خواب کی تعبیر ہوں جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ اُن سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو منور کر دیا۔

مگر اس روایت کو جشنِ میلادُ النبیؐ سے کیا تعلق؟ اگر آپؐ نے کسی موقع پر کسی

سلسلۂ گفتگو میں فرمادیا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا نتیجہ ہوں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت کا مصداق اور اپنی والدۂ ماجدہ کی خواب کی تعبیر ہوں۔ تو اس کے یہ معنے کب ہوئے کہ تم ہر سال پولوسیوں، کرشنیوں، زردشتیوں اور بدھ مت کے پیروکاروں کی تقلید میں میری ولادت کا جشن منایا کرو۔

قرآن مجید میں ولادت موسٰی و عیسٰی و یحیٰی و مریم علیہم السلام بلکہ جن و انس، آسمان اور زمین وغیرہ کی پیدائش کے تذکرے موجود ہیں۔ تو کیا مسلمانوں نے ان کی ولادت کے جشن منائے؟ اگر نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنا فرما دینے سے کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت، اور اپنی والدہ ماجدہ کی خواب کی تعبیر ہوں تو جشنِ میلاد کا جواز کیسے ثابت ہو گیا۔

(۱۰) مجوزین ایک یہ حدیث بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍؓ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ. الخ۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھوا دیتے۔

لیکن یہ استدلال کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس میں نہ ولادت کا ذکر ہے اور نہ یوم ولادت کا۔ بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جس طرح مسلمان کفار کے حملوں کا جواب تلوار سے دیتے تھے۔ اسی طرح جب کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں قصیدے لکھتے تھے تو مسلمان اس کا جواب قصائد کی صورت میں دیتے تھے۔ اور اسے جہادِ لسانی کہا جاتا ہے۔ اور اس جہادِ لسانی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنا ایک نمایاں مقام رکھتے تھے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے منبر رکھوا دیتے تھے۔ سو اس بات کا جشنِ میلاد سے کیا تعلق ہے؟

(۱۱) مجوزین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ لیکن جب تک اس ذکر کی نوعیت معلوم نہ ہو اور یہ بھی نہ معلوم ہو کہ اس مروجہ جشنِ میلاد کے طریقہ پر ہوتا تھا اس وقت تک اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، اور یہ ثابت ہونا محال ہے۔ اور صرف ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلاقید زمان ومکان تو مستحسن ترین امر ہے۔ اس کو کون جاہل ناجائز کہہ کر اپنی عاقبت برباد کرتا ہے۔

اس کی مثال تو یوں ہوئی کہ کوئی جاہل جنازہ کی چارپائی جنازہ گاہ کی طرف آتی ہوئی دیکھ لے نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے اذان کہہ دے اور نماز پڑھانے کے لیے امام مصلّے پر کھڑا ہو تو اقامت تکبیر کہنا شروع کر دے۔ اور جب کوئی اس کو ٹوکے تو جواب میں کہے نماز کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی تو اذان واقامت کہا کرتے تھے۔ یا کہے کہ اذان واقامت مستحسن کلمات ہیں۔ میں نے اگر کہہ دیے تو کونسا جرم ہوگیا آخر اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی تو بلند کیا ہے اور لوگوں کو نماز اور بھلائی کی دعوت ہی تو دی ہے کوئی کفریہ کلمات تو نہیں بکے۔

اسی طرح عید کی نماز کے لیے کوئی اذان واقامت کہہ کر یہی موقف اختیار کرے اور کہے کہ ان کلماتِ اذان واقامت کو کفریہ کلمات کہنے والا پرلے درجے کا بے ایمان اور کافر ہے۔ اور کہے کہ یہ وہی اذان تو ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہی اور چودہ صدیوں سے یہی مسلمانوں کا طریقہ چلا آتا ہے کہ نماز کے لیے اذان واقامت کہی جاتی ہے۔

یا کوئی شخص اذان کے آخری کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اضافہ کرے اور منع کرنے والے کو جواب دے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ نیز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھے بغیر تو کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کلمۂ طیبہ میں یہ الفاظ پڑھتے تھے اور قرآن پاک میں یہی الفاظ خود اللہ

تعالیٰ نے بھی استعمال کیے ہیں اور جو شخص نہ مانے وہ منکرِ قرآن اور منکرِ خدا و رسولؐ اور گستاخ ہے۔ اور کہے کہ جو ذکر رسولؐ سے منع کرتا ہے وہ کافر ہے۔

توکیا خیال ہے اس قسم کی خرافات اور دلائل صحیح تسلیم کیے جاسکتے ہیں؟

(۱۴) مجوزین یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ "مجالس ذکر اللہ میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں" لیکن اتنی بات سے مُروّجہ بدعت کا اِستدلال کس طریقے سے ہوسکتا ہے؟

الحاصل یہ دلائل نہیں، دل بہلاوے ہیں۔ مُقررین ان سے اپنا دل بہلاتے ہیں اور عوام کو بے وقوف بناکر اپنی روٹیاں بناتے ہیں۔

اگر واقعی یہی دلائل ہیں تو یہ بتائیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن مجید نازل ہُوا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو قرآنِ پاک کے اوّلین مخاطب تھے، اُن کو ان دلائل کی سمجھ کیوں نہ آئی، یا قصداً اِن دلائل سے چشم پوشی کرتے ہُوئے ان پر عمل نہیں کیا اور جشنِ میلاد نہیں منایا۔

اگر عہدِ نبویؐ میں یا صحابۂ کرامؓ کے دَور میں یا خیر القرون کے زمانہ میں جشنِ میلاد منایا جاتا تو آپؐ کی ولادت باسعادت میں اس قدر اِختلاف کیوں ہوتا۔

تاریخِ ولادت کا اختلاف

چنانچہ اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس ماہ میں پیدا ہُوئے۔ زرقانی ج ۱ ص ۱۳۰ میں لکھا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الآخر میں پیدا ہُوئے۔ بعض علماء ماہِ صفر میں آپ کی پیدائش بتاتے ہیں۔ بعض رجب میں اور بعض رمضان المبارک میں

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش بتاتے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؐ کی ولادت باسعادت ماہِ محرم میں لکھی ہے (دیکھو غنیۃ الطالبین)

مگر مشہور اور محقق مسلک یہی ہے کہ آپؐ کی پیدائش کا مہینہ ربیع الاول ہے۔

اور شیعہ مسلک کے پیروکار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش بالاتفاق ۱۷ ربیع الاول بیان کرتے ہیں۔

اسی طرح آپؐ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے ۲ ربیع الاول بتائی اور بعض نے ۸ اور بعض نے ۹ اور بعض نے ۱۲ ربیع الاول بتائی ہے۔ اور اہلِ تشیع کے نزدیک ۲۸ صفر کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا دن قرار دیا جاتا ہے۔ طیبیؒ نے ۱۲ ربیع الاول بتائی ہے جو تحقیق کے خلاف ہے۔

ماثبت بالسنۃ ص ۷۵ میں حضرت ابن عباس و جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم کا قول ۸ ربیع الاول کا منقول ہے۔ حمیدی، ابن حزم، امام قضاعی اور اکثر محدثین و اربابِ سیر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ریاضی دان ۹ ربیع الاول بتلاتے ہیں۔ اور یہ قول اقرب الی الحق ہے اور قاعدہ اصولیہ کے تحت ۸ و ۹ کے مابین تطبیق ممکن بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمین کو بدعات سے محفوظ رکھا کہ آپؐ کی قبرِ مبارک پر سجدہ نہیں ہو سکتا اور نہ آپؐ کی پیدائش کے روز عید میلاد منائی جا سکتی ہے اور نہ آپؐ کی قبر پر عرس ہوتا ہے اور نہ چراغاں ہو سکتا ہے اور نہ کوئی بدعت ہو سکتی ہے جو دُوسرے بزرگانِ عظام کی قبروں پر بدعات مشاہدہ کی جاتی ہیں۔

(۱۳) مجوزین رُوح البیان اور ہدایۃ الحرمین کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

اوّل تو صاحب رُوح البیان اسمٰعیل حقی غیر معتبر اور مجہول ہے۔ دُوسرے اس

کا قول سلف کے عمل کے خلاف ہے۔ تیسرے اس کا قول بدعت کو سُنّت نہیں بنا سکتا
چوتھے صاحب رُوح البیان نے اس عملِ مولد کو اس شرط کے ساتھ مشروط کرتے
ہُوئے تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتایا اذا لم یکن فیہ منکر یعنی جس میں
کوئی غیر شرعی کام نہ ہو۔

یہی حال ہدیۃ الحرمین کا ہے جس کا مُصنّف عبدالحکیم دہلوی بتایا جاتا ہے۔
بہرحال ان ہردو مصنّفین کا اپنا خیال ہے جو کہ کسی شرعی دلیل کے ساتھ مُدلّل
نہیں اور کسی مخلوق کی بات اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کا
ثبوت صحیح دلیل سے نہ ملے۔ خواہ وہ قول بڑے جید عالم کا ہی ہو۔

(۱۴) مجوزین دافع الاوہام مُصنّفہ عبدالسمیع رام پُوری کی یہ عبارت بھی پیش کرتے ہیں:
"اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ جس امرِ جدید میں خیر ہو وہ بالاتفاق جائز بلکہ مستحسن ہے
دیکھو سیرتِ حلبیہ وغیرہ"۔
"نیز ابنِ حجرؒ نے کہا عمل المولد و اجتماع الناس لہٗ امرٌ مستحسنٌ۔ سیوطیؒ، نوویؒ،
شیخ عبدالحقؒ، شاہ ولی اللہ جیسے تخمیناً ۳۲ عُلماء کا یہی قول ہے"۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ پہلا قاعدہ ہی غلط ہے۔ کیا یہ "ہستیاں" عید کی نماز کے لیے
امت کہا کرتے تھے؟ یا اذان و اقامت کہنا مستحسن کام نہیں؟
کیا جیسے آخری تشہد میں درود شریف پڑھتے ہیں ایسے ہی چار یا تین رکعت والے
فرضوں کے پہلے تشہد میں درود شریف یہ "ہستیاں" پڑھا کرتے تھے؟ کیا درود شریف امر
مستحسن نہیں ہے؟
کیا یہ بزرگ نماز کے اندر قیام، رکوع، سجود میں درود شریف پڑھتے تھے؟ یا آپ
لوگ پڑھتے ہو؟ کیا درود شریف پڑھنا امر مستحسن نہیں ہے؟
اور نووی کے بارے میں امداد المسلمین میں لکھا ہے کہ یہ ان پر تہمت ہے۔ اور سیوطی

اور ابن حجر ہیتمی محض عملِ مولد کے قائل ہیں۔ مگر مروجہ جشنِ میلاد کو وہ بھی بُرا کہتے ہیں، دیکھو شیخ عبد الحق کی مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۔ یہ الگ بات ہے کہ بدعات سے خالی عمل کے جواز میں اہلِ حق کا شیخ صاحبؒ کے قول کے ساتھ اتفاق نہیں۔

(۱۵) مجوزین ہدیۃ الحرمین، طریقۂ محسنہ مصنفہ رحمٰن علی، معراجُ المسلمین، منہاج و ماثبت بالسنّۃ کے حوالوں سے پیش کرتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے خواب میں دیکھا کہ پیر کے دن ابولہب کو عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے آپؐ کی ولادت کی خوشی میں باندھی آزاد کی تھی تو ہم مولد پڑھ کر صدقہ کریں تو ثواب نہ ہوگا؟"

لیکن اس واقعہ کو خدا تعالیٰ نے رد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (سورۂ لہب: ۲) یعنی ابولہب کے کام نہ آیا اس کا مال اور نہ اس کا کوئی اور کمایا ہوا عمل۔ نیز یہ خواب ہے جو حجت نہیں۔ نیز حضرت عباسؓ نے خود اس پر عمل کیوں نہیں کیا۔ پھر جن کو خواب سُنایا انھوں نے جشن منایا؟ اگر منایا ہے تو تاریخی یا حدیثی ثبوت دو۔ اگر نہیں منایا تو نہ منانے کی وجہ کیا تھی۔

(۱۶) رسالہ تنویر مصنفہ شیخ ابوالخطاب میں ہے کہ ایک روز حضرت ابن عباسؓ اپنے گھر میں لوگوں کو ولادتُ النبیؐ کے واقعات بتا رہے تھے۔ لوگ خوش ہوتے، خُدا کی حمد کرتے، درود پڑھتے، اتنے میں آپؐ آگئے۔ فرمایا میری شفاعت تمھارے لیے حلال ہوگئی۔

لیکن سیوطی نے تدریبُ الراوی میں، ابنِ حجر نے لسان المیزان میں، ابنِ نجار نے اپنی تاریخ میں، اور ذہبی و ابنِ عساکر و حافظ ضیاء مقدسی، ابراہیم سنوری، اور ابوالحسن بن مفضل نے کہا ہے کہ رسالہ تنویر کا واضع ابن دحیہ شیخ ابوالخطاب کذاب تھا۔ احمق اور بدمذہب تھا۔ بڑا مغرور اور اماموں کو بُرا کہنے والا تھا، حدیثیں گھڑتا تھا۔ یہی تو وہ درباری مولوی ہے جس نے ملک مظفر شاہ اربل کی خاطر جشنِ میلاد منانے کے جواز پر یہ رسالہ تصنیف کیا اور اس کے صلہ میں ایک ہزار درہم انعام پایا اور اس رسالہ کی تردید اسی

دَور کے عُلماء حق نے کر دی تھی جن میں سے اُس دَور کے عالم تاج الدین فاکھانی ہیں۔

(۱۷) مجوزین فیوض الحرمین از شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بھی پیش کرتے ہیں۔ مگر اُن کی پُوری عبارت جب پڑھیں تو مجوزین کا مطلب حل نہیں ہوتا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مکّہ معظّمہ میں "مولد النبیؐ" کے نام سے ایک جگہ ہے جہاں آپؐ کی ولادت باسعادت ہُوئی تھی اور میں وہاں تھا اور دُوسرے لوگ بھی وہاں بیٹھ کر درود شریف پڑھ رہے تھے، اس وقت میں نے ایک نُور دیکھا۔

اس عبارت سے مُروّجہ محفلِ میلاد اور جشنِ میلاد النبیؐ کا جواز ثابت کرنا محض سینہ زوری ہے۔ نیز سوال ہے کہ جیسے آپ لوگ جشنِ میلاد النبیؐ مناتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ بھی جشنِ میلاد النبیؐ منایا کرتے تھے۔ کیا اس کا تاریخی ثبوت کہیں سے ملتا ہے؟ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر بالفرض حضرت شاہ صاحبؒ کا جشنِ میلاد منانا ثابت بھی ہو جائے پھر بھی شرعی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کا عمل بھی حُجّت نہیں سمجھیں گے اور نہ ہی اس پر عمل پیرا ہوں گے کیونکہ دلائلِ شرع میں شاہ صاحبؒ کا عمل داخل نہیں۔

(۱۸) مجوزین امام ربّانی مُجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات جلد سوم کے مکتوب نمبر ۷۲ سے بھی جواز نکالتے ہیں۔ مگر اس کے بعد جو تردید ہے وہ اس تردیدی عبارت کو نہیں پڑھتے۔ وہ عبارت یہ ہے:

"مخدوما! میرے دل میں خیال آتا ہے کہ جب تک اس دروازہ کو بند نہ کریں گے اس وقت تک یہ ابوالہوس لوگ باز نہیں آئیں گے۔ اگر تھوڑی سی چیز جائز کہیں گے تو یہ لوگ حد سے تجاوز کر جائیں گے۔"

دیکھا حضرت مُجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نفس قصائد و نعت کو بھی عوام کی اعتقادی کمزوریوں اور کم علمی کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔ اس سے مجلسِ مولود کا جواز سمجھنا اور ہیئتِ کذائیہ کا نکالنا نہایت ہی عجیب امر ہے۔

(۱۹) مجوزین طریقۂ حسنہ سے سیوطیؒ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آپؐ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔ تو آپؐ نے یہ کام محض ادائے شکر کے لیے کیا کہ آپؐ کو اللہ تعالےٰ نے رحمۃ للعٰلمین بنایا۔ پس آپؐ کی پیدائش کا ذکر ہمارے لیے مستحب ہُوا۔

لیکن مواہبِ لدنیہ میں ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ شرحِ مہذب میں ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اور فتح الباری میں ہے کہ اس حدیث کا کوئی ثبوت نہیں۔ سیرۃ حلبیہ میں بھی اس حدیث کو منکر کہا گیا ہے۔ منیح القویم میں شہاب الدین بن بدر الدین شافعیؒ نے اس حدیث کو باطل کہا ہے۔

دُوسرے اس روایت کا تو مطلب یہ ہے کہ عقیقہ موقت نہیں۔ ولادت سے چالیس سال بعد بھی اپنا عقیقہ کر سکتے ہیں۔ یہ مطلب کہاں سے نکلا کہ ہر سال سرور کا اعادہ جائز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حسنین کی ولادت کی خوشی میں عقیقہ کیا تھا لہٰذا یزید مردودی ہر سال حسنین کا عقیقہ سُنّت سمجھ کر کیا کریں۔ کیوں نہیں کرتے۔ کیا تمھیں ولادتِ حسنینؓ کی خوشی نہیں۔ او ظالمو! جس کی ولادت کی خوشی حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کریں تمھیں کونسی چیز مانع ہے۔ معلوم ہُوا کہ تم حسنینؓ کے دشمن ہو، ان کی پیدائش پر تمھیں کوئی مسرت اور خوشی نہیں ہوئی، اگر خوشی ہے تو اُن کا عقیقہ کرنے سے کونسا امر مانع ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ولادتِ حسنینؓ کی خُوشی میں میں نے جو عقیقہ کیا ہے یہ میری خصوصیت ہے تم میرے بعد ولادتِ حسنینؓ کی خوشی میں عقیقہ نہ کرنا۔

(۲۰) مجوزین مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۰ میں ہے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کے استحباب سے یہ بات نکالتے ہیں کہ گزشتہ نعمت پر مُعین دن میں ہر سال اعادۂ شکرِ خُداوندی جائز ہے۔ نیز حضرت قتادہؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز اس لیے روزہ رکھتے تھے کہ آپؐ اس روز پیدا ہُوئے تھے۔ معلوم ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

خود اپنی ولادت کا شکر روزہ کے ذریعے ادا فرماتے اور تعیین یوم میلاد میں بھی اصل ہے۔
لیکن حقیقت یہ ہے کہ یوم عاشوراء کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے ہاں ازلی ہے۔
اس روز قریش مکہ بھی روزہ رکھتے تھے۔ ہجرت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی یہ روزہ رکھتے تھے تو یہ آپ کا روزہ حسب عادتِ قدیمہ کا تھا۔ اس روزہ کا استحسان آپ کو پہلے ہی سے معلوم تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کے شکریہ کے اعادہ میں یہ روزہ رکھتے تھے۔ دیکھو کتبِ احادیث وغیرہ۔

اور یہود کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہود کو الزام دینے کے طور پر تھا کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اِتباع کے دعویٰ میں کیسے سچے ہو تم تو اصل الاصول میں اُن کے مخالف ہو۔ تمہارا دعویٰ جھوٹ ہے۔

اور فصامہ کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت قدیمہ کے مطابق برابر روزہ رکھتے رہے۔ پس اس روزہ کو اعادۂ شکر نجاتِ موسیٰ علیہ السلام کا سمجھ لینا حدیث و رواۃ و شراح کے خلاف ہے۔

اور پیر کے روز آپ اس لیے روزہ رکھتے تھے کہ پیر کے روز اعمال پیش ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں' جیسا کہ ترمذی میں ہے۔ نیز اس دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مغفرت کرتا ہے اس واسطے میں پیر کو روزہ رکھتا ہوں۔ (ابن ماجہ)

اس سے معلوم ہُوا کہ یہ دن ازل سے فضیلت والا ہے۔ اس روز عرضِ اعمال، اور مغفرتِ مؤمنین آپ کی ولادت سے پہلے بھی تھی۔ آپ کی ولادت و بعثت بھی اِسی فضیلت والے دن میں ہوئی تاکہ آپ کی ذاتِ مبارک کا ظہور اور نزولِ وحی مُبارک اس مُبارک دن میں ہو' اِسی لیے آپ نے فرمایا فیہ ولدت و فیہ انزل الیّ تو اس فرمان سے آپ کا مقصد ہے اس دن کی شرافت کا اظہار جس سے روزہ رکھنے کی

وجہ معلوم ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس دن میں پیدا ہونے اور مبعوث ہونے کی وجہ سے شکر اور سرور کا اعادہ ہفتہ وار کرتے تھے۔ پس سرور کے واسطے تعیین روزِ ولادت باطل ہو گیا۔

نیز شارع علیہ السلام نے اس دن کو روزہ کا دن بتایا اور مولویوں نے سرور کا روز منایا۔ یہ ظاہری مخالفت ہے اصطلاحِ شریعت اور شارع علیہ السلام کی۔ کیونکہ شارع نے صوم کو خلافِ سرور فرمایا اور سرور اور عید کے دن روزہ رکھنا منع فرمایا۔ اس لیے دین میں زیادتی اور بدعتِ مذمومہ ہوئی۔

نیز آپؐ نے اپنی طرف سے یومِ عید یا یومِ صوم نہیں بنایا اور وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (سورۃ والنجم۔ آیت نمبر ۳ و ۴) "یعنی اور نہیں بولتے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہشِ نفس سے، یہ تو ایک حکم ہے بھیجا ہوا خدا کی طرف سے۔" تو دُوسرے کو کب حق پہنچتا ہے کہ اپنے پاس سے کسی دن کو سرور یا روزے کا دن مُعین کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے یہ بدعت جاری ہوئی ہے علماءِ حق بدستور اس کی تردید کرتے آرہے ہیں۔ آٹھ سو سال ہو رہے ہیں، یہ بدعت کے جواری بھی ہیں اور اس بدعت کی تردید بھی بدستور جاری ہے۔

یہ تھے مولویوں کے بیان کردہ دلائل اور اُن کے منصفانہ جوابات جبکہ بعض محض الزامی جوابات بھی شامل کیے گئے ہیں انھیں ہمارا مسلک تصور نہ کر لیا جائے۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ خود مولویوں کے اپنے اکابر جن پر اُن کو کُلّی اعتماد ہے، اُن کا اس مُروّجہ میلاد اور جشنِ میلاد منانے کے بارے میں فتویٰ درج کر دیا جائے۔ اسے بہ نظرِ انصاف غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ آپ کدھر جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ دے۔

نیز یہ یاد رکھیں کہ ہم آپ کے خیر اندیش ہیں آپ کی بھلائی کے لیے ہی یہ لکھا گیا ہے۔ محض دشمنی اور مخالفت ہمارا مقصد نہیں ہے اور آپ کا بھی یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے۔

مولودیوں کے اکابرؒ کے فتوے

مسئلہ : ایک جگہ عُرس ہے، لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول، دو سارنگیاں بج رہی ہیں۔ قوال پیرانِ پیر دستگیرؒ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے اشعار اور اولیاء اللہؒ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں..... ایسی قوالی جائز ہے یا نہ ؟

الجواب : ایسی قوالی حرام ہے۔ حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عُرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے نے جو قوالوں کو بُلایا ہے اس وجہ سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمّے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو، نہیں! بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پُورا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جُدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ۔ **وجہ یہ کہ** حاضرین کو عُرس کرنے والے نے بُلایا۔ ان کے لیے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے اُسے سُنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول سارنگی نہ سُناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے۔ اس لیے ان سب کا گناہ ان دونوں پر پڑا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہُوا۔ وہ نہ کرتا نہ بُلاتا تو یہ کیونکر آتے بجاتے، لہٰذا قوالوں کا گناہ بھی اس بلانے والے پر ہُوا۔ الخ

(احکام شریعت ج ۱ ص ۴۷، ۴۸)

فقیر غفرلہٗ المولیٰ القدیر نے اپنے فتاویٰ میں ثابت کیا ہے کہ ان پیروانِ ہوائے نفس کا حضرات اکابر چشت قدست اسرارہم کی طرف سماعِ مزامیر کی نسبت کرنا محض دروغ بے فروغ ہے۔ ان کے اعاظم اجلہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے مشایخ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر افتراء ہے۔ نیز ان کے تمام تمسکات واہیہ کا ایک اجمالی جواب صحیح صواب ان لفظوں میں گزارش کر دیا ہے کہ بعض جہّال بدست یا نیم ملّا خوس پرست یا جھوٹے صوفی باد بدست کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ کلمے پیش کرتے ہیں۔ انھیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے مقابل ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے آگے متشابہ واجب الترک ہے۔

(مسائل سماع از احمد رضا بریلوی ص ۸)

مسئلہ: سیدی ابو علی رود باری رضی اللہ عنہ ..... سے سوال ہوا کہ ایک شخص مزامیر (ڈھول باجے) سنتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے لیے یہ حلال ہیں اس لیے کہ میں ایسے مقام تک پہنچ گیا ہوں کہ احوال کا اختلاف مجھ پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔

فرمایا: ہاں پہنچا تو ضرور! مگر کہاں تک؟ (پھر خود ہی فرمایا) جہنم تک۔

(فتاویٰ افریقیہ ص ۱۳۸)

افعال مذکورہ (بے نماز، شرابی، داڑھی کترے، یا بڑی مونچھوں والے، بے وضو، بے ادب گستاخ سے من گھڑت روایتوں کے ساتھ اکیلے یا دو چار آدمیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر مولود شریف پڑھنا پڑھانا وغیرہ) سخت کبائر ہیں اور ان کا مرتکب اشد فاسق و فاجر مستحق عذاب نیران و غضب رحمٰن اور دنیا میں مستوجب ہزاران ذلت ہوا۔ خوش آوازی یا کسی علت نفسانی کے باعث اسے مجرد مسند پر کہ حقیقۃً مسند حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تعظیماً بٹھانا، اس سے مجلس مبارک پڑھوانا حرام ہے..... روایت موضوعہ پڑھنا بھی حرام، سننا بھی حرام۔ ایسی مجالس سے اللہ عزوجل اور حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کمال ناراض ہیں۔ ایسی مجالس اور پڑھنے والا اور اس حال سے آگاہی پاکر بھی حاضر ہونے والے سب مستحق غضب الٰہی ہیں۔ یہ جتنے حاضرین ہیں سب وبال میں جدا جدا گرفتار ہیں اور ان سب کے وبال کے برابر اس پڑھنے والے پر وبال ہے۔

اور خود اس کا گناہ اس پر طرّہ۔ مثلاً ہزار شخص حاضرین مذکور ہوں تو ان پر ہزار گناہ۔ اور اس کذاب قاری پر ایک ہزار ایک گناہ اور بانی پر دو ہزار دو۔ ایک ہزار حاضرین کے اور ایک ہزار ایک اس قاری کے اور ایک خود اپنا۔ اور پھر یہ شمار ایک ہی بار نہ ہوگا بلکہ جس قدر روایات موضوعہ، جس قدر کلماتِ نامشروعہ وہ قاری جاہل جری پڑھے گا ہر روایت ہر کلمہ پر یہ حساب وبال وعذاب تازہ ہوگا۔

مثلاً فرض کیجیے کہ ایسے سو کلمات مردودہ اس مجلس میں اس نے پڑھے، تو اُن حاضرین میں ہر ایک پر سو سو گناہ اور اس قاری وعلم دین سے عاری پر ایک لاکھ ایک سو گناہ اور بانی پر دو لاکھ دو سو گناہ۔ وقس علی ہذا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پاک ومنزہ ہیں اس سے کہ ایسی ناپاک جگہ تشریف فرما ہوں۔ البتہ وہاں ابلیس شیاطین کا ہجوم ہوگا العیاذ باللہ رب العالمین۔ ذکر شریف حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا باوضو ہونا مستحب ہے اور بے وضو بھی جائز ہے۔ الخ

کتبہٗ: عبدالمذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

(فتاویٰ رضویہ باب الحظر والاباحۃ ص ۲۹۱ تا ۲۹۳)

بارہ ربیع الاوّل کو کاروبار کرنا؟

دُنیا کا کاروبار بند کر دینا مسلمانوں کے لیے بغرضِ اظہارِ غم عاشورا کے روز بھی شرعاً ادلّہ شرعیہ اربعہ میں کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں۔ اسی طرح ۱۲ ربیع الاوّل کو کاروبار کی بندش کو قیاس کرنا صحیح ہو سکتا ہے۔ خلفاء راشدین وائمہ مجتہدین وسلف صالحین کے زمانہ میں ۱۲ رتاریخ میں دُنیا کا کاروبار بند کرنا ثابت نہیں اور اسی طرح پر محفلِ

میلاد کا منعقد کرنا بھی اس مُروّج طور پر ثابت نہیں اور شرعاً کسی میت پر تین روز سے زائد صدمہ کا اظہار کرنا جائز نہیں، ماسوائے بیوہ عورت کے کہ اس کے لیے صرف چار مہینے دس دِن مقرر ہیں کہ ان ایام میں زینت و آرائش نہ کرے۔ لیکن دُنیاوی ضروری کام کے ترک کر دینے کا حکم شرعی اس کے لیے بھی نہیں۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی ۱۲ تاریخ کے روز اگر اس زمانہ میں دُنیاوی روزگار و بار کا بند کرنا جاری کر دیا جائے گا تو چند سال کے بعد عوام الناس اس حکم کو شرعی و ضروری ٹھہرا لینے کی وجہ سے گنہگار و گمراہ ہوں گے اور ایسا کام جو ذریعہ معصیت کا ہوتا ہے تو وہ بھی ناجائز اور گناہ ہو جاتا ہے۔ (اجابہٗ وکتبہٗ حبیبُ المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی)

جواب صحیح ہے، بیشک اس روز کاروبار بند کرنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، اس کو شرعی حیثیت دے کر تعطیل جاری کرنا ایک ایجاد و احداث فی الدین ہے۔

(محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ صدر جمعیۃ علماء ہند دہلی)

بغرضِ اظہارِ غم کاروبار بند کرنا یہ ایک دُنیاوی رسم ہے۔ شرعاً اس کا ثبوت نہیں، اور اظہارِ عظمت کے واسطے بھی کاروبار بند کرنے کا شرع میں بالکل ثبوت نہیں۔

(محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی)

محفلِ میلاد مُروّجہ ساتویں صدی کی بدعت اور اس دن کاروبار بند کرنا چودھویں صدی کی بدعت ہے۔ بدعتی خُدا و رسولؐ کے دشمن ہیں، اس دن دکانیں بند کرنے والے دُنیاوی نقصان کے ساتھ اُخروی نقصان بھی کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو مل جُل کر اس بدعت کو اُٹھا دینا چاہیے۔ واللہ الموفق (محمد ایڈیٹر محمدی دہلی)

الجواب صحیح دستخط مولوی احمد اللہ شیخ الحدیث دہلی۔ و مولوی عبدالسلام مدرس مدرسہ حاجی علی جان دہلی۔ و ابو یحییٰ عبداللطیف صدر دہلی۔ و محمد اسحٰق محلہ گڑھیا دہلی۔ و ابو الفضل عبدالحنان دہلی۔ و محمد موسیٰ خان مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی۔ و محمد یونس مدرس

مدرسہ حضرت میاں صاحب دہلی۔ اصل جواب اور بعد کی تصدیقات از رُوئے ادلّہ اربعہ شرعیہ صحیح ہیں۔ بندہ محمد میاں مدرسہ حسین بخش دہلی۔

آئندہ صفحات میں عید میلاد النبیؐ کے مُوجد سیّد مُمتاز علی ایڈیٹر تہذیبِ نسواں لاہور کی کتاب سبیل الرشاد سے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔ یہ کتاب دراصل اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو اس کتاب کی اشاعت سے قبل پچیس سال میں تہذیبِ نسواں میں طبع ہُوئے۔ جن میں قارئینِ تہذیب کے مضامین بھی شامل ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ کس طرح غیر اقوام مثلاً عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، برہمو سماجیوں اور قادیانیوں کی تقلید کی گئی اور قرآن و حدیث و فقہِ اسلامی سے انحراف کرتے ہُوئے اسراف و تبذیر کا درس دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے موجدین کے خیالاتِ باطلہ سے محفوظ و مامون رکھے اور کتاب و سُنّت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو حُبِّ رسولؐ کی اصل علامت ہے۔

زمانہ حال میں عید میلاد کی ترویج

متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے عید میلاد کا تذکرہ ۱۹۰۴ء میں ملتا ہے جو کہ ریاست ٹونک کے نواب صاحب کے اہتمام سے ان کے محل میں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھی اور سات دن تک کچہریاں بند رہتی تھیں اور محل کے ایک کمرے میں چار ستون چاندی کے اور اُن پر پھولوں کی چھت اور پھولوں کی دیواریں بنائی جاتی تھیں اور روشنی کے لیے دس ہزار چھ سو چھوٹی بڑی لالٹینیں، اگربتیاں سُلگانے کے لیے سونے کا گلدستہ جس میں سینکڑوں اگربتیاں سلگتی تھیں اور شمعدان سونے اور چاندی کے بنے ہوتے تھے۔ سات روز تک نواب صاحب کی اپنی تصنیف کردہ کتاب مولودات کو نو بجے سے صبح ۲ یا ۳ بجے تک پڑھی جاتی تھی

چھ سات ہزار آدمی جمع ہوتے تھے ان سب کو عطر ملا جاتا، پھولوں کے ہار پہنائے جاتے اور گلاب پاشی ہوتی، فی آدمی دس دس لڈو تقسیم کیے جاتے۔ بعض لوگ مولود سن کر حال کھیلتے اور نعرے مارتے۔ پیدائش رسولؐ کے دن صبح چار بجے سو توپوں کی سلامی ہوتی، قیدی رہا کیے جاتے۔ چاندی کی صراحیوں اور چاندی کے کٹوروں میں پانی دیا جاتا، برف کے طباق بھی چاندی کے ہوتے اس کے سوا دودھ شربت کھجوریں لڈو اور چاندی کے ورقوں والے پان سب کو تقسیم کیے جاتے۔ (مختصراً از سبیل الرشاد ط ۱۹۴۴ء ص ۱۷-۱۸-۱۹)

یہ تو تھا ایک نواب کا تذکرہ اب دیکھتے ہیں عوامی سطح پر اس عید میلاد کو محلوں سے باہر گلیوں اور بازاروں میں کون گھسیٹ لایا اور اس کا اصل سبب کیا چیز بنی؟

اس سلسلے میں پہلے پہل "تہذیب نسواں" کے ایڈیٹر سید ممتاز علی نے تحریک شروع کی وہ لکھتے ہیں کہ: "عرصہ ہوا مجھے ایک مرتبہ اپنے ایک عیسائی دوست کے ہاں "کرسمس" کی رات مہمان ہونے کا اتفاق ہوا۔ اس رات میں نے ان کی عبادت کا جوش و خروش اور اگلے دن اس تقریب کی خوشیوں کا جو سامان و اہتمام دیکھا میں اس پر دنگ رہ گیا۔ اور یہ خیال کر کے دل ہی دل میں بے حد نادم و شرمسار ہوا کہ اس کے مقابلہ میں ہماری مجالس میلاد کس قدر ہیچ و حقیر ہوتی ہیں۔" (دیباچہ سبیل الرشاد)

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں: "اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ اول اول میلاد نبوی کی تحریک عیسائیوں کے بڑے دن کے ذکر کے ساتھ شروع ہوئی۔" (ص ۶۵)

پھر لکھا کہ: "میں نے لاہور میں دیکھا ہے کہ شالا مار باغ کے میلے کی تیاری کے لیے لوگ مہینوں پہلے فوق البھڑک جوڑے تیار کراتے اور اس دن بڑے شوق سے پہنتے عمدہ عمدہ کھانے کھاتے اور کھلاتے اور خوب خوشی مناتے ہیں۔" (ص ۷۵)

۷ر فروری ۱۹۱۴ء کے تہذیب میں جناب حبیب صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا جو اس طرح شروع ہوتا ہے: "کل مہذب ممالک کا یہ دستور ہے کہ وہ بڑے آدمی

کی یادگار قائم کرتے ہیں۔ کسی کے نام سے مدرسہ بنتا ہے، کسی کا بُت قائم کیا جاتا ہے، کسی کے نام پر شفاخانہ بنایا یا باغ لگایا جاتا ہے۔ یہ تو دُنیا والوں کا ذکر ہے۔ اب دین والوں کا حال سنو۔ بنی اسرائیل آج تک اُس دن خوشی مناتے اور عید کرتے ہیں جس دن انھیں حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے پنجے سے رہائی دلائی تھی۔ ہنود سری رام چندر جی کے بارہ برس بن باس رہ آنے۔ لنکا کو فتح کر کے اپنی بیوی کو چھڑا لانے اور پھر اپنے تخت پر بیٹھ کر حکومت کرنے کی خوشی میں ہر سال دُسہرے کا تہوار مناتے ہیں۔ مسیحی عشاء ربانی کے نام سے اس دن کی یادگار قائم کرتے ہیں جس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دُنیا سے رُخصت ہونے سے پہلے اپنے شاگردوں کو روٹی اور پانی دے کر گناہ سے پاک کیا تھا سِکھوں میں جس محبّت ادب اور شان و شوکت کے ساتھ بابا نانک کی پیدائش کے دن کی یادگار منائی جاتی ہے اس کی مثال ان کی اور خوشیوں میں مشکل سے ملے گی۔" (ص ۸۱)

پھر عباسی بیگم صاحبہ کے مضمون میں لکھا ہے کہ "ہر قوم، ہر مذہب و ملّت کے لوگوں پر غور کیجیے وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کی یادگار کے ساتھ جلسوں میں کس قدر قومی مسّرت کا اظہار کرتے ہیں۔ مسیحی قوموں کو دیکھو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے دن کی کیسی عزّت و عظمت دُنیا کو دکھاتے ہیں اور کتنی ہی مہینوں پہلے اس کی تیاریاں شروع کرتے ہیں۔ پھر اپنے مُلک کے ہندو بھائی بہنوں کو دیکھیے کہ وہ اپنے کرشن مہاراج کی پیدائش کے دن کو جسے وہ جنم اشٹمی کہتے ہیں کس قدر مقدس و متبرک جانتے اور اس روز عبادت صدقات، خیرات کرتے ہیں۔" (ص ۸۴)

پھر ہندوؤں کے فرقہ برہمو سماج کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سال گرہ منانے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مندر میں ہر سال راجہ رام موہن رائے مرحوم کی سال گرہ کا جلسہ بڑی دُھوم دھام سے ہوتا ہے۔ ۴۰۔ ۵۰ سال کا ذکر ہے کہ لاہور میں اس سالگرہ کا جلسہ ہونے والا تھا اور ان کے ایک معزز مشنری (واعظ) نے مجھ سے یہ

درخواست کی کہ میں بھی اس جلسہ میں شامل ہوں اور راجہ رام موہن رائے کی بابت جلسے میں تقریر کروں۔ میں نے خوشی سے اس فرمائش کو منظور کیا مگر اس شرط سے کہ وہ اپنے مندر میں ربیع الاول کی مقررہ تاریخ کو جناب رسولِ خدا صلعم کی سال گرہ منائیں۔ ان لوگوں نے نہایت مہربانی سے میری اس درخواست کو منظور کیا۔ میں راجہ رام موہن رائے کی سالگرہ میں شامل ہوا اور آور سینکڑوں مسلمانوں کو بھی لے گیا۔ اور اس بزرگ نے وحدانیت کی اشاعت میں جو بیش بہا خدمتیں کیں ان کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ بے شک تمام ملک کو ان خدمتوں کا دل سے شکر گزار ہونا چاہیے۔

چند روز کے بعد ربیع کا مہینہ بھی آپہنچا اور مندر کی منتظمہ کمیٹی نے اپنے وعدہ کے بموجب جناب رسولِ مقبول کی سال گرہ کا اعلان کیا۔ وہ جلسہ درحقیقت دیکھنے کے قابل تھا۔ تمام ہال آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ جناب پیغمبر خدا کی سال گرہ اور تمام برہمو لوگ خوشی میں پھولوں کے ہار پہنے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں کو بھی ہار پہنائے گئے۔"

پھر اس جلسے میں کچھ تقریر حضور علیہ السلام کے بارے اور کچھ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے بارے معمولی سی تقریر سید ممتاز علی صاحب نے کی، اس کے بعد: "برہمو نیک دل بزرگوں میں سے بابو ابناش چندر موزمدار اُٹھے اور حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا قصہ دوبارہ انگریزی میں بے انتہا مؤثر طور پر انگریزی خوان ہندو نوجوانوں کو سنایا۔ بابو صاحب ممدوح جوشِ محبت رسولِ مقبول سے بالکل از خود رفتہ معلوم ہوتے تھے اور ان کے منھ سے ایک ایک لفظ تاثیر سے بھرا ہوا نکلتا تھا اور حاضرین کے دلوں میں بیٹھتا تھا بابو صاحب ممدوح پر رقت کا یہ عالم تھا کہ آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے تھے، اور اُن کی تمام ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ اور تمام مجمع محوِ حیرت تھا۔"

سید ممتاز علی نے لکھا کہ: "اس طرح نیک دل شکر گزار برہمو لوگوں نے حبیبِ خدا

رسولِ مقبول کی سال گرہ منائی۔"

پھر لکھتے ہیں کہ "میں نے اس جلسے کا ذکر اپنی بیوی مرحومہ سے کیا۔ ان پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ اس جلسے کی شکر گزاری میں ہمیشہ اس مندر کی زنانہ مجالس میں جاکر شریک ہوتیں اور اکثر برہمو لیڈیاں بی اُن سے ملنے گھر پر آتی تھیں۔" (ص ۲۲-۲۳)

سید صاحب نے یہ بھی لکھا کہ "اس مضمون کی اشاعت سے مقصود یہ تھا کہ مسلمان برہموسماجیوں سے سبق سیکھیں۔ اور تحریک عید میلاد کی جانب توجہ کریں۔" (ص ۲۱)

نیز سید صاحب نے اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے: "ہمارے احمدی (قادیانی) بھائیوں نے اختلاف کرکے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی یعنی وہ عید میلاد کے نام کی بجائے یوم النبیؐ کے نام سے ایک تقریب علیحدہ منانے لگے۔" یاد رہے کہ مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ۱۹۲۶ء اس تقریب کی طرح ڈالی تھی۔

سید صاحب نے کہا کہ: "اس بات سے اس قدر صدمہ پہنچا ہے کہ میں کسی طرح بیان نہیں کرسکتا ہوں اور میری بے چینی اور میری بے کلی جو موجودہ حالت کو دیکھ کر ہوتی ہے وہ دُور نہ ہوگی جب تک میں تمام ہندوستان کے مسلمان گھروں میں عید میلاد منائے جانے کی خبر نہ سُن لوں گا۔"

سید صاحب نے عیسائیوں کی عید کا حال بڑی حسرت سے بیان کیا ہے۔ بڑے زور شور سے گھنٹے بجنا، پھر خوش آوازی اور شیریں نغمے کے ساتھ، باجے، بینڈ عیسائیوں کے گھر گھر پھرنا تمام عیسائی مرد اور عورتوں کا نہا دھوکر اور لباس فاخرہ پہن کر گرجاؤں میں جانا، بچوں کا عمدہ عمدہ لباس پہننا، مکان دکان، شہر کوچہ و بازاروں کی سجاوٹ اور آرائش، عیسائیوں کے کرسمس کیک طرح طرح کی مٹھائیاں، خوشی کے جلسے سید صاحب کے لیے مشعل راہ بنے۔ وہ فرماتے ہیں:

"مسلمان اگر عید میلاد کو کرسمس کے سے تکلف و اہتمام سے منانے کی ہمت و قدرت نہیں رکھتے تو اس موقع پر کم از کم اتنا کریں کہ شام کے وقت جس کی صبح کو عید ہو بستی کے چاروں طرف اس طرح گولے چلائے جائیں جس طرح عید کا چاند دیکھ کر چلائے جاتے ہیں۔" (دیباچہ)

"عید کے موقعوں پر جو طریقے اظہار فرح و سرور کے عام طور پر اختیار کیے جاتے ہیں، وہ اس عید پر بھی اختیار کیے جائیں اس میں حدیث یا فقہ کے رُو سے بال کی کھال نکالنی فضول ہے۔"
(ص ۳۵)

"اور عید کے دن کی طرح مُتکلف لباس اور متکلف کھانوں سے اظہار خوشی و خرمی کریں۔"
(ص ۶۲)

"میلادِ پاک کی عیدین سے زیادہ خوشی منایا کریں .... جس میں دُھوم دھام سے میلے ہوں۔"
(ص ۴۱)

"بعد نماز بچیوں کے اور سب کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے جائیں اور تکلف سے ناشتا کھانا چاہیے جس میں دُودھ میں بھیگے ہُوئے چھوہارے ضرور ہوں، جو صاحب مقدور رکھتے ہوں قربانی کریں ... ملاپ داروں کے ہاں عمدہ عمدہ تازہ مٹھائی اور پھل تحائف کے طور پر بھیجنے چاہئیں۔ نیز مبارک باد عید میلاد کے کارڈ بنوانے اور ایک دوسرے کے پاس بھیجنے چاہئیں۔" (۴۸)

اس کے بعد سیّد صاحب نے لکھا کہ: "سب سے پہلی عید ۲۹ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء کو منائی گئی۔" (ص ۱۷) یعنی ان کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ

اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

وَبَارِكْ

وَسَلِّمْ

پیران پیر

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ کی روشنی میں

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد یہ مہینہ مبارک ربیع الآخر کے نام سے بلایا جاتا ہے اسی میں حضرت پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات ہوئی ہے

حضرت شیخ سید محی الدین ابو محمد عبدالقادر بن جنگی دوست ابو صالح موسیٰ بن ابی عبداللہ یحییٰ زاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب ایران کے شہر گیلان میں ۲۱ رمضان المبارک ۴۷۰ھ میں دولت عباسیہ کے خلیفہ المقتدی بامر اللہ کے مبارک عہد میں پیدا ہوئے۔ اسی سال خلیفہ عباسی کے شاہزادہ المستظہر باللہ ابو العباس احمد بن المقتدی بامر اللہ پیدا ہوئے۔ یہ عباسی خلیفہ خود بہت عالم دین زاہد اور متقی تھے، صابر و صادق اور اعلیٰ درجہ کے خوش خط، محسن اور عادل خلیفہ تھے جو ان کے پاس آتا تھا اس کو محروم نہ جانے دیتے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے متعلق تفریح الخواطر وغیرہ کتب میں کئی کرامات درج ہیں جن میں سے اکثر زبان زد عوام بھی ہیں۔ مثلاً ان کی گردن پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک رکھنا، ایک مسلمان اور عیسائی کے جھگڑے کے موقع پر مردہ کو زندہ کرنا۔ آپ کا ملک الموت سے ارواح کا چھڑوانا۔ آپ کا لڑکی کو لڑکا بنانا، منکر نکیر کے سوال کے جواب میں ایک فاسق فاجر آدمی کا عبدالقادر کہہ کر نجات پانا، آپ کے کھانے کے لئے آسمان سے کھانے کا اترنا، آپ کا وفات پاچکنے کے بعد سالکین و طالبین کو کھلے طور پر واصل باللہ کرنا، روضۂ اطہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ سے ہاتھ ملانا اور مصافحہ کرنا، آپ پر مچھلیوں کا سلام کرنا اور آپ کے ہاتھ پاؤں کو چومنا اور بوسہ دینا۔ آپ کے مدرسہ قادریہ کا گھاس کھانے اور پانی پینے سے طاعون کی بیماری [illegible]

نجات پانا، آپؒ کو ایک تاجر کے غائبانہ پکارنے سے، تاجر کو گم شدہ اونٹ مع اسباب کے مل جانا۔ آپؒ کا رمضان المبارک میں بیک وقت ۷۰ گھروں میں افطار کرنا، آپؒ ایک ایسی عورت کو اولاد عطا کرنا جس کے لوحِ محفوظ پہ اولاد لکھی ہوئی نہ تھی، خبیث جنوں کا آپؒ کی قید میں مقید ہونا، آپؒ کا ایک ایسے مرید کو منکر نکیر کے عذاب سے چھڑانا جو آپ کے نام کے علاوہ اور کچھ نہ جانتا تھا، آپؒ کا مرغی کو زندہ کرنا، آپؒ کا ایک بڑھیا کے بیٹے کو غرق کرنا، اور بارہ سال کے بعد اسے صحیح سلامت دریا سے باہر نکال دینا وغیرہ وغیرہ

ان مناقب میں سے بعض تو ایسی باتیں ہیں جن کو کرامات کہا جا سکتا ہے۔ اگر صحیح سند کے ساتھ ان کا ثبوت بہم پہنچ جائے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہم اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ "کرامات الاولیاء حق" اور درحقیقت کراماتِ اولیاء کا ثبوت قرآن پاک سے ملتا ہے اور احادیثِ نبویہ سے بھی ملتا ہے۔

لیکن ان مناقب میں کچھ وہ امور ہیں جو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی ذات کے مخصوص ہیں کیونکہ وہ صرف خدائی اختیارات ہیں۔ ان امور کی نسبت بڑے پیر صاحب کی طرف نسبت کرنے کا یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص اختیارات حضرت پیر صاحب کو دے رکھے تھے، وہ جو چاہتے تھے وہی کر سکتے تھے۔ تکوینی امور پر بھی ان کی سلطنت اور حکومت تھی۔

عیسائیوں ہندؤں اور دیگر مشرکوں کے عقائد اپنے بزرگوں کے بارے

اور یہی نظریہ پولوسی مسیحیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھا

چنانچہ یوحنا ۵: ۲۱، ۲۲ میں ہے اس باپ (خداوند خدا) نے عدالت کا سارا کام بیٹے (خداوند یسوع مسیح) کے حوالے کر دیا ہے۔

حقیقی عرفان ص ۴۹: تمام دینی و دنیوی انتظام کا خداوند یسوع مسیح مالک ہے۔

متی ۲۸: ۱۸ میں ہے یسوع نے پاس آکر کہا کہ آسمان و زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے

مرقس ۲: ۵–۱۲ میں ہے ابنِ آدم (یسوع) کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے

رومیوں ۱۰: ۱۲، ۱۳ میں ہے وہ سب بھی نجات پاتے ہیں جو اُس (مسیح) کو پکارتے ہیں

تحقیقِ عرفان ص ۶ میں ہے خود مسیح ان کے محافظ اور نگہبان ہیں
کرنتھیوں ۳ : ۵ میں ہے نجات صرف خداوند یسوع المسیح کے اور اسی کے ذریعہ سے ہے
اعمال ۱۲ : ۱۰ ، ۲۹ میں ہے نجات صرف خداوند یسوع المسیح کے وسیلے اور خداوند خدا
کے فضل سے ملتی ہے نجات ہماری اپنی لیاقت اور کاموں کے وسیلہ سے نہیں ملتی۔
الوہیت مسیح میں ہے کہ دنیا میں جس جگہ بھی عشائے ربانی کی رسم ادا کی جاتی ہے مسیح
وہاں آموجود ہوتے ہیں۔
تحقیقِ عرفان ص ۲۸ میں مکاشفات ۲ : ۱۸ سے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک قول
منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عالم ارواح اور موت کی کنجیاں میرے پاس ہیں
یوحنا ۱۶ : ۱۵ میں آپ کی طرف یہ قول منسوب کیا "جو کچھ باپ (خدا) کا ہے وہ سب میرا ہے
متی ۸ : ۲ میں ہے کوڑھی نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) سجدہ کیا۔ اور کہا اے خداوند
اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔
لوقا ۸ : ۲۴ ، ۲۵ میں ہے مسیح تو ہوا اور پانی کو حکم دیتا ہے اور وہ اس کی مانتے ہیں
الوہیت مسیح میں ہے یسوع خدا کے برابر حمد و ستائش اور عزت و تعظیم کے لائق ہے
نیز لکھا وہ مسیح سب کو پالتا پوستا ہے اور ان کی پرورش کرتا ہے
نیز لکھا اس کو بیماریوں پر بھی پورا پورا اختیار تھا ..... اس کو موت پر بھی پورا اختیار تھا
نیز لکھا وہ مسیح ازلی ابدی ہے ... حی و قیوم ہے ..... عالم الغیب ہے ..... مسیح یہ بھی جانتا
ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہے ..... وہ مسیح ہمارا مشکل کشا ہے
بدھ مت والوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ بُدھ وہ ہے جس میں بُدھ (عقل) کامل
ہو اور اسے قدرت الٰہی حاصل ہو۔ مگر یہ وہی بن سکتا ہے جو دھرم میں خوب محنت کرے
اسی طرح ہندوؤں کا مذہب ہے چنانچہ لکھا ہے بشن نے نارد کو سمجھایا کہ سدا
مہادیو کل مخلوقات کے مالک ہیں۔ ان کے حکم سے برہما خلقت کو موجود کرتے ہیں۔
اور ہم بھی ان کی سیوا خدمت کر کے جہان کی پرورش کرتے ہیں۔
اور لکھا کہ شیو نے گوردھا کو آغوش میں اٹھا لیا اور بڑی خوشامد کی کہ ..... تینوں ہم ...

کے تمام کام سب تمہارے اختیار میں ہیں

نیز لکھا گوریجا نے اپنے جسم سے میل نکال کر ایک مورت تیار کی اور گنپت نام رکھ کر زندہ کیا

زمانۂ حال کے مسلمانوں کا عقیدہ حضرت پیر عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے

اسی طرح حضرت پیر صاحب کے متعلق ان لوگوں کا یہی عقیدہ ہے چنانچہ گلزار رضوی میں ہے

جس نے یا غوث مصیبت میں پکارا دل سے — کام سب اس کے بناتے ہیں غوث الاغواث

سے حضور فرماتے ہیں غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو کوئی مصیبت میں مجھے پکارے مجھ سے مدد چاہے میں اس کی مصیبت کو اس سے دور فرمادوں اور جو کوئی میرے توسل سے اللہ تعالیٰ سے حاجت چاہے اس کی حاجت پوری ہو (برکات قادریہ صفحہ ۳۱) از گلزار رضوی ص ۴۲

سرکار کی مٹھی میں ہیں سب عالم کے قلوب — دم میں دلوں کو پھنسا لیتے ہیں غوث الاغواث

سے حضرت سیدی عمر بزاز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں ۱۵ جمادی الآخر ۵۶۱ھ بروز جمعہ کو حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ جامع مسجد کو جاتا تھا۔ راہ میں کسی نے آپ کو سلام نہ کیا مجھے یہ کیفیت دیکھ کر سخت تعجب ہوا اور دل میں کہنے لگا آج کیا ماجرا ہے۔ خلائق ہجوم کیوں نہیں کرتی یہ خیال آنا تھا کہ حضور نے تبسم فرماتے ہوئے میری طرف دیکھا معاً عوام تسلیم مجرا کیلئے چار طرف سے دوڑ پڑے اور اس قدر ہجوم ہوا کہ میں حضور سے بہت دور رہ گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس سے تو وہی پہلا حال اچھا تھا کہ حضور سے قرب نصیب تھا۔ یہ خطرہ دل میں آتے ہی معاً حضور نے میری طرف پھر کر دیکھا اور تبسم فرما کر ارشاد فرمایا۔ اے عمر! تمہیں تو اس کی خواہش کی تھی کیا تمہیں نہیں معلوم کہ لوگوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں چاہوں تو اپنی طرف متوجہ کر لوں (برکات قادریہ صفحہ ۷۰)

لوح محفوظ میں تبدیلی کا حق بھی حاصل — مرد عورت سے بنا دیتے ہیں غوث الاغواث

سے شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ ... کی والدہ ماجدہ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اور عرض کرتی ہیں کہ حضور دعا فرمائیں میرے لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے لوح محفوظ میں دیکھا اس میں لڑکی مرقوم تھی آپ نے فرمادیا کہ تیری تقدیر میں لڑکی ہے وہ بی بی یہ سن کر واپس ہوئیں راستہ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے آپ کے استفسار پر انہوں نے سارا

ماجرہ بیان کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ جا تیرے لڑکا ہوگا۔ مگر وضع حمل کے وقت لڑکی پیدا ہوئی۔
وہ بی بی بارگاہ غوثیت میں اس مولود کو لے کر آئیں اور کہنے لگیں حضور لڑکا مانگوں اور لڑکی
ملے۔ فرمایا یہاں تو لاؤ۔ اور کپڑا اٹھا کر ارشاد فرمایا۔ دیکھو تو یہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ دیکھا تو
لڑکا نکلا۔ اور وہ یہی شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ تھے آپ کے حلیہ مبارکہ میں ہے
کہ آپ کی پستان مثل عورتوں کے تھیں۔

پار بیڑے کو لگا دیتے ہیں غوث الاغواث ڈوبی ناؤں کو ترا دیتے ہیں غوث الاغواث

سے حضور پُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مدرسہ کے طلباء کہتے ہیں کہ حضور ہمیں درس دے رہے تھے کہ یکایک آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا دست اقدس اپنی چادر میں پوشیدہ فرما لیا۔ تھوڑی دیر میں دست اقدس نکالا تو آستین سے پانی ٹپک رہا ہے اور ہاتھ تر ہے۔ ہم بوجہ جلال و ہیبت کے دریافت نہ کر سکے۔ مگر وہ دن اور تاریخ اپنے پاس لکھ لیا۔ دو ماہ بعد کچھ سوداگر حاضر ہوئے اور نذر و تحائف پیش کئے۔ حضور نے بات آگاہ ہونے کیلئے ان سے کیفیت پوچھی انہوں نے عرض کیا کہ یہاں سے دو ماہ کے فاصلہ پر ہمارا جہاز ڈوبنے لگا اور ہم نے یا شیخ عبد القادر الجیلانی المدد کا نعرہ لگایا۔ اسی وقت دریا میں سے ایک ہاتھ برآمد ہوا جس نے ہمارے جہاز کو کنارے لگا دیا۔ تاریخ و دن ملایا تو صحیح و مطابق پایا (برکات قادریت صفحہ ۳۵) از گلزار رضوی صفحہ ۲۵

کرامات کے ہم منکر نہیں مگر یہ بات ماننے سے ہمیں قرآن پاک روکتا ہے کہ ناؤ والوں نے دو ماہ کے فاصلے سے حضرت شیخ کو اس طرح پکارا ہو تو حضرت پیر صاحب رح نے ان سے یہ بات سن کر خموشی اختیار فرمائی ہو کیونکہ حضرت رح شرک کا ادنیٰ درجہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کی ساری زندگی اشاعت توحید اور ردِ شرک میں گذری تھی۔ لہٰذا یہ واقعہ قرآنی تعلیمات اور پیر صاحب رح کی تعلیم کے خلاف ہے۔ غائبانہ پکار مافوق الاسباب امور میں صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ دوسری ہستی کے بارے یہ عقیدہ رکھنا شرک صریح اور ان بزرگ ہستیوں پر بہتان عظیم ہے۔

الف سعید بریلوی نے ایک نعت میں یہ کہا

ملک پیار رب سی تے مُکھڑا لیا سی پیر نے
پتہ ای بھلا پیراں نوں کیوں آکھدے نے دستگیر
کہندے نے اِک دن رب تے پیر عبدالقادر جیلانی تھاں وچ ہتھ پا کے جنت دی

نیر کر رہی سی۔ ستے اچانک رب دا پیر تلک پیا۔ رب ڈوگ مین لگا سی۔ ستے پیر صاحب نے ھیتی نال پھڑ لیا۔ ایس واسطے پیر صاحب نوں دستگیر کہیا جاندا اے (حاشیہ جھگڑے پچھل ص ۱۱۵)

ان عقائد کی تردید از قرآن مجید

مگر اللہ تعالیٰ نے ان تمام غلط عقائد کا جواب صریح طور پر قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ واللہ یقضی بالحق والذین یدعون من دونہ لا یقضون بشیء یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسی ذات ہے جو حق حق فیصلہ فرماتی ہے اس کے سوا جس جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا فیصلہ نہیں کر سکتے نہ عیسیٰ نہ موسیٰ نہ عزیر نہ کوئی اور۔ نیز فرمایا لہ الحکم حکم صرف اس ذات کیتا بے ہمتا کا ہے نہ عیسیٰ کا نہ کسی کا۔ نیز فرمایا فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شیء یس پاک ذات ہے وہ جس کے قبضے میں ہر چیز کا کامل اختیار ہے نہ عیسیٰ کے قبضے میں ہے نہ کسی اور کے

نیز فرمایا للہ ملک السمٰوٰت والارض یعنی آسمانوں اور زمین کا سب اختیار صرف اللہ ہی کو ہے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نہ کسی اور کو

نیز فرمایا ومن یغفر الذنوب الا اللہ اور بندوں کے گناہ معاف کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نہ کوئی اور

نیز فرمایا ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظٰلمین اور خدا کے سوا کسی کو نہ پکارنا۔ کہ وہ تجھ کو نہ تو نفع ہی پہنچا سکتا ہے اور نہ تجھ کو نقصان ہی پہنچا سکتا ہے خواہ وہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں خواہ کوئی اور۔ اور اگر تو نے ایسا کیا تو اس وقت تو بھی ظالموں میں شمار ہوگا چہ جائے کہ دوسروں کو پکارنے سے نجات ملے

نیز فرمایا قل من یکلؤکم باللیل والنہار یعنی اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو تو کہ خدائے رحمٰن کے عذاب سے رات کا وقت ہو یا دن کا تمہاری کون پاسبانی کر سکتا ہے تو ان کو خدا سے ڈرنا چاہیئے وھو علیٰ کل شیء وکیل وہی خدا آپ ہی تو ہے ہر چیز کا نگہبان۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ ہمارے محافظ ہیں نہ نگہبان جب کہ سید الرسل خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۔ ذمہ کی فرماتے ہیں وما انا علیکم بحفیظ کہ میں تو تم لوگوں کا محافظ نہیں ہوں اور
اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے فرمایا وما جعلناک علیہم حفیظا یعنی ہم
نے تم کو (اے میرے حبیب!) ان لوگوں پر محافظ تو مقرر نہیں کیا وما انت علیہم بوکیل اور
نہ ہی تم ان پر تعینات ہو

نیز فرمایا لست علیہم بمصیطر تم تو ان لوگوں پر کچھ دار وغہ کی طرح تعینات نہیں ہو
نیز فرمایا وھو معکم اینما کنتم یعنی صرف خدا پاک کی ذات کی یہ صفت ہے کہ تم لوگ کہیں بھی ہو
وہ تمہارے ساتھ ہے مخلوق میں یہ صفت نہیں ہے نہ عیسیٰ میں نہ کسی اور میں۔ اور قیامت کے دن
حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے سامنے پولوسیوں مسیحیوں کے عقیدہ باطلہ کی تردید کریں گے اور
فرمائیں گے وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم وانت علی
کل شیءٍ شہید اور جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا میں ان کا نگران حال رہا پھر جب تو نے
مجھ کو دنیا سے آسمان کی طرف اٹھا لیا تو تُو آپ ہی ان کا نگہبان تھا اور تو آپ ہی تمام چیزوں کی
خبر رکھتا ہے (نہ میں ان کا محافظ اور نگہبان تھا اور نہ مجھے یہ خبر کہ میرے آسمان کی طرف اٹھائے جانے
کے بعد وہ کیا کچھ کرتے رہے آیا میری تعلیم پر چلتے رہے یا میری تعلیم چھوڑ کر شیطان کے کہنے پر
چلنے لگ گئے۔

اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی قیامت کے روز وہی بات کہوں گا
جو بات عبد صالح یعنی حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے لہ مقالید السمٰوٰت والارض آسمان و زمین کے خزانوں
کی کنجیاں صرف اسی اللہ کے پاس ہیں نہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ہیں اور نہ کسی اور کے پاس۔

نیز فرمایا واتخذوا من دونہ الہۃ لا یخلقون شیئا وھم یُخلقون ولا یملکون
لانفسہم ضرا ولا نفعا ولا یملکون موتا ولا حیاۃ ولا نشورا اور کافروں نے خدا کے سوا
جن جن کو پکار کے لائق سمجھ رکھا ہے وہ کسی چیز کو پیدا تو کر نہیں سکتے بلکہ وہ خود دوسرے کے
بنائے اور پیدا کئے ہوئے ہیں اور خود ان کا اپنا برا بھلا نفع نقصان بھی ان کے اختیار میں نہیں
اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے اور نہ جینا ان کے اختیار میں ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد جی اٹھنا

ان کے اختیار میں ہے۔ خواہ وہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا اور کوئی بزرگ ہستی ہو۔

نیز فرمایا اللہ یتوفی الانفس حین موتھا... فیمسك التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی مرتے وقت لوگوں کی روحیں اللہ تعالیٰ ہی کھینچ نکالتا ہے۔ ...تو جن کی نسبت خدا نے موت کا حکم صادر فرمادیا ہے تو اُن کو اپنے ہاں روکے رکھتا ہے دوسرے کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کے پاس روکی ہوئی روحوں کو چھین کر یا ہاتھ مار کر اڑالے جو واپس اپنے ان ابدان عنصریہ میں واپس آئیں۔ اور باقی سونے والی روحوں کو ایک مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے بہرحال کسی کی موت پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کچھ اختیار نہیں خواہ عیسیٰ علیہ السلام ہو یا کوئی اور بزرگ ہستی اور نہ ہی عالم ارواح کی کنجیاں اللہ کے سوا کسی کے پاس ہیں اور نہ ہی اللہ تعالے نے عالم ارواح کی چابیاں کسی کو دیں خواہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں خواہ کوئی اور۔

نیز اللہ تعالیٰ نے جد انبیاء کرام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرمایا کہ واذا مرضت فھو یشفین اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو صرف اللہ ہی ہے جو مجھ کو شفا بخشتا ہے والذی یمیتنی ثم یحیین اور اللہ ہی ہے جو مجھے مارے گا اور پھر مارنے کے بعد وہی مجھے زندہ کرے گا اور اسی سے مجھے توقع ہے کہ قیامت کے روز میری کوتاہیاں معاف کرے گا۔ اس کے سوا کسی دوسرے کے قبضے میں ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں۔

نیز فرمایا فللہ الحمد رب السموٰت ورب الارض رب العلمین ولہ الکبریاء فی السموٰت والارض وھو العزیز الحکیم اور پھر حمد وستائش تو صرف اللہ ہی کی ہے جو آسمانوں کا مالک ہے اور زمین کا بھی مالک ہے بلکہ تمام جہانوں کا بھی وہی مالک ہے جو پالتا پوستا ہے اور سب کی پرورش وہی خود کرتا ہے نہ عیسیٰ نہ عزیر اور نہ کوئی اور۔ اور آسمانوں اور زمین میں صرف اسی اللہ کی بڑائی ہے اور وہی زبردست ہے حکمتوں والا نہ کوئی اور

نیز فرمایا واذا سالك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان اور اے پیغمبر! جب ہمارے بندے تم سے ہمارے بارے میں دریافت کریں تو اُن کو سمجھا دو کہ ہم ان کے پاس ہیں۔ جب کبھی کوئی تم میں سے ہم کو پکارتا ہے تو ہم اس کی پکار سن لیتے ہیں اور اس کے مناسب حال اس کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں اور اس کو ناکام نہیں چھوڑتے اور میرے سننے کے لئے کسی واسطے وسیلے کی کوئی ضرورت نہیں

نیز فرمایا ھو الاول و الآخر وہ اللہ تعالیٰ ہی شروع سے ہے اور وہی آخر تک رہیگا یعنی وہی ازلی ابدی ہے نہ عیسیٰ ع نہ کوئی اور۔ یعنی تمام موجودات کو اسی نے پیدا کیا تو وہی سب سے پہلے ہوا لیکن اس کے واسطے نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء ہے اور وہی آخر ہے یعنی ہر چیز کے بعد ہے پس سب چیز فنا ہوگی اور وہی باقی ہے پس اس کے واسطے کوئی انتہاء نہیں ہے۔

نیز فرمایا ھو الحی القیوم یعنی وہ اکیلا اللہ ہی ہے جو حی و قیوم ہے نہ عیسیٰ ع اور کوئی اور یعنی وہی ہے دائم البقاء زندہ نہ میزدہ اس کی حیاۃ ذاتی صفت ہے اس کی جس پر موت طاری نہ ہوگی اور عیسیٰ ع ایک نہ ایک دن وفات پائیں گے اس لئے وہ زندہ تو ہیں مگر نہ میزدہ نہیں دائم البقاء نہیں۔ اور صرف اللہ ہی قیوم ہے جو ہر چیز کی حفاظت کرتا اور سب جیویں کو روزی دیتا ہے آپ بذات خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ تمام کارخانۂ عالم کو سنبھالنے والا وہ آپ ہی ہے نہ عیسیٰ نہ کوئی اور

نیز عیسیٰ ع کی زبانی یہ بات خدائے پاک نے نقل فرمائی ہے کہ انک انت علام الغیوب یعنی اے تعمد غیب کی باتیں تو تو آپ ہی خوب جانتا ہے۔ نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں نہ کوئی اور نبی ولی پیر فقیر

نیز فرمایا و ان ربک لیعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین یعنی اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جیسی جیسی باتیں لوگوں کے دلوں میں مخفی ہیں اور جو کچھ یہ علانیہ کرتے ہیں تمہارے پروردگار کو سب معلوم ہیں اور آسمان زمین میں ایسی کوئی مخفی بات نہیں جو علم الٰہی میں نہ ہو۔ انہ علیم بذات الصدور وہ اللہ ہی ہے جو دلوں کے بھید تک کا جاننے والا ہے۔ قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون اے پیغمبر! ان لوگوں کو یہ سمجھا دو جتنی مخلوقات آسمان میں اور زمین میں ہے ان میں سے غیب کی بات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ ان لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ قیامت کب ہوگی اور کب دوبارہ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔ قیامت کا معین سال نہ نبی کریم ص کو بتلایا ہے نہ کسی اور کو۔ ہاں اتنا بتایا کہ جمعہ المحرم کو ہوگی

نیز فرمایا امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض بھلا یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے کہ جب کوئی شخص بے قرار ہو کر اس سے فریاد کرے تو وہ اس بے قرار کی فریاد کو پہنچے اور اس کی مصیبت کو ٹال دے۔ صرف اللہ میں یہ قدرت ہے نہ کسی ولی پیر فقیر میں یہ قدرت نہیں ہے

نیز فرمایا وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ

خدائے پاک تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی تکلیف کو دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھکو
کسی قسم کا فائدہ پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں ہے۔ (ذبح، نذر، ولی نہ پیر فقیر)

نیز فرمایا ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ وھو العزیز الحکیم یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا لنگر جو لوگوں کے لئے کھولے تو کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں۔ اور جو وہ بند کر لے تو اس کے بند کئے پیچھے کوئی اس کو جاری کرنے والا نہیں اور وہی ہے زبردست اور حکمت والا۔ (نہ عیسیٰ ؑ اور نہ کوئی اور ہستی)

نیز فرمایا قل افرأیتم ما تدعون من دون اللہ ان ارادنی اللہ بضر ھل ھن کاشفات ضرہ او ارادنی برحمۃ ھل ھن ممسکات رحمتہ قل حسبی اللہ علیہ یتوکل المتوکلون یعنی آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ بھلا دیکھو تو سہی خدا کے سوا عیسیٰ، روح القدس، مریم، عزیر، لات، عزیٰ، منات، ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر، ہبل، دوار وغیرہ وغیرہ جن جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اگر خدا مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے کیا یہ معبود اس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر خدا مجھ پر اپنا فضل کرنا چاہے کیا یہ معبود اس کے فضل کو روک سکتے ہیں؟ اے پیغمبر! آپ فرما دیں کہ مجھ کو تو خدا تعالیٰ ہی بس ہے اور بھروسا رکھنے والے اسی پر بھروسا رکھا کرتے ہیں

فائدہ:- یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہم تو پیروں فقیروں اولیاؤں اور پاک پیغمبر کو پکارتے ہیں اور مشرک تو بتوں اور پتھروں کو پوجا کرتے تھے جو سراسر حماقت اور جہالت ہے۔

سو یہ غلط ہے کیونکہ مشرک دراصل اپنے بزرگوں پیغمبروں ولیوں پیروں فقیروں کو پوجا کرتے تھے چنانچہ

ود (بشنو)، سواع (برہما)، یغوث (اندر)، یعوق (شیوجی)، نسر (ہنومان) صالح مردوں کے نام تھے (بخاری ص ۷۳۲) تفسیر عزیزی پارہ تبارک میں ہے ہبل ایک آدمی تھا اس کے مرنے کے بعد مشرکوں نے ایک پتھر تراش کے رکھا اور کہا کہ یہ ہمارا ہبل ہے اور اپنے زعم میں کہا کہ اے ہبل تم اس پتھر میں آ جاؤ اور دعویٰ کر لیا کہ وہ اس میں آ گیا اور دعویٰ کیا کہ اس میں قدرت ہے کہ ہم کو بیٹا روزی، صحت وغیرہ دیتا ہے اور اگر کوئی مہم در پیش ہو تو خدا کو اطلاع کرتا ہے اور وہاں سے دلواتا ہے (مواہب الرحمٰن پ ص ۹۱۵)

اور زمانہ کفر میں لات ایک شخص تھا جو موسم حج میں اپنے رستہ پر بیٹھتا اور جتنے حاجی اُدھر سے نکلتے تھے ان کے لئے ستو گھی میں حل کرتا اور کھلاتا، تو جب وہ مرگیا تو لات اس کا نام رکھ کر اس کی قبر پر چڑھاوے چڑھانے لگے۔ رفتہ رفتہ اس کی صورت کا بُت بنا کر یہ تصور باندھا کہ اس کی روح اس پتھر میں حلول کر گئی (مواہب الرحمٰن پ ۲۷ ص ۱۷ و بخاری ص ۷۲۰)

عزیٰ ایک بڑھیا تھی اس کی یہاں تک عظمت تھی کہ اسی بڑھیا کی مدد سے بزعم قریش احد کی لڑائی میں فتح ہوئی ابو سفیان نے کہا تھا اعلُ عزیٰ (عزیٰ کی جے) لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم۔

بی بی منات بھی ایک بڑھیا تھی جو مکہ و مدینہ کے بیچ میں بمقام مشلل رکھی گئی تھی اور قبیلہ خزاعہ و اوس و خزرج اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں اسی بڑھیا کی پرستش کیا کرتے تھے (مواہب الرحمٰن پ ۲۷ ص ۷۲ و بخاری ۷۲۰)

حضرت عیسیٰ و مریم و روح القدس و عزیر کی پرستش تو سب کو معلوم ہے، اور ظاہر ہے کہ ان ہستیوں کو کوئی بُت نہیں کہتا۔ اور عیسائی ان کی پوجا کرتے ہیں

عیسائی عبادت میں کہتے ہیں سلام اے مریم! پُر فضل۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ تُو عورتوں میں مبارک ہے اور مبارک ہے تیرے پیٹ کا پھل یسوع۔ اے مقدسہ مریم! خدا کی ماں! ہم گناہگاروں کے واسطے دعا کر اب اور ہماری موت کے وقت۔ آمین۔
اے یسوع جو دل سے حلیم اور فروتن ہے۔ میرے دل کو اپنے دل کے موافق بنا
اے یسوع کے پاک دل! میں تجھ پر کامل بھروسہ رکھتا ہوں۔ اے یسوع کے پاک دل! عنایت کر کہ میں تجھے ہمیشہ پیار کرتا رہوں۔

اور مرے ہوئے بزرگوں کی پوجا (پتر پوجا) ہندوستان میں بھی ہوتی ہے اور اپنے بزرگوں کو اپنی حاجات و مشکلات میں پکارتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہاں بعض انسانی ارواح جا کر دیوتا بن جاتی ہیں اس لئے ان کو پوجا جاتا ہے

جاپانی بھی اجداد پرستی کرتے تھے۔ مصری، یونانی اور چینی بھی ارواح پرستی کرتے تھے جیسے یجروید (ہندوؤں کی الہامی کتاب) میں صراحۃً موجود ہے کہ وہ لوگ اپنے آباء و اجداد کو پکارتے ہوئے کہتے تھے دادا مجھ کو پاک کریں۔ پردادا مجھ کو پاک کریں۔ سکڑدادا

پتھر (مرے ہوئے بزرگ) سب نذر و نیاز سے لطف اندوز ہونے کے لئے جمع ہو گئے ہیں وہ نذر کھائے ہیں وغیرہ ذلک

ہندو کو جب مسلمان کہتا ہے کہ غضب ہے عقل کو اور قوی عاجز کو رب کیسے بناتا ہے تو ہندو جواب دیتا ہے یہ معاملہ اصل میں ان بزرگوں سے ہے جن کا نمونہ بت ہیں اور وہ بزرگ شکتی مان ہیں۔ اللہ تعالیٰ (پرمیشور) کی طرف سے ان کو یہ طاقتیں ملی ہوتی ہیں۔ دیکھو تحفۃ الہند ص ۵۴)

مسلمان کہتا ہے کہ عبادت صرف اللہ کی۔ مصائب اور مشکلات میں اور مافوق الاسباب امور میں پکارنا غائبانہ طور پر صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے جس نے سب کچھ بنایا اور سب اسی کے محتاج اور سوالی ہیں اور وہ سب کا سوال پورا کر سکتا ہے اور ہر چیز کو ہر وقت دیکھتا جانتا ہے اور ہر کسی کی فریاد ہر وقت سنتا اور پہلے سرے کا زور رکھتا ہے۔

پیر صاحب کی طرف منسوب ان کہانیوں کی تردید تاریخ کی روشنی میں (مندرجہ ذیل میں دیکھیں)

پھر جب ہم اسلامی تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو بڑے بڑے چوٹی کے مؤرخین ان اہم واقعات کا ذکر نہیں کرتے جو زبان زد عوام ہیں حالانکہ یہ مؤرخین اہل السنۃ والجماعت کے اعلیٰ افراد ہیں اور کراماتِ اولیاء کے قائل ہیں جیسے علامہ شمس الدین ذہبی رح علامہ ابن کثیر رح علامہ سیوطی رح۔ پس ان کرامات کا درج نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک یہ واقعات مستند نہیں ہیں۔

اب انہی بزرگوں کی کتابوں سے حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ کے عہد کے حالات نقل کئے دیتا ہوں اور یہ بات ملحوظ رہے کہ دینی امور میں محنت اور ملک میں لادینیت کا زبانی سنانی مقابلہ بہت ہی اہم امر ہے بہ نسبت اس امر کے کہ بڑھیا کا بجرا تیرا یا یا ڈبویا جائے ایک نظرِ قہر سے بیچاری غیر مکلف چیل کی جان نکالی جائے یا ایک نظرِ مہر سے چیل کو زندہ کیا جائے یا والعیاذ باللہ عزرائیل علیہ السلام کے ہاتھوں ارواح کی زنبیل کھونس لی جائے اور مرے ہوئے پھر زندہ ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔ اس دور میں تین خلافتیں تھیں مشرق میں عباسی خلافت .

مغرب میں اموی خلافت اور درمیان میں عبیدیوں کی باطنی اور لادینی خلافت جس سے حرمین شریفین بھی متاثر ہوتے بغداد میں فسادات جہاں آپ کی رہائش تھی مگر آپ کا یہاں کوئی کارنامہ نظر نہیں آتا۔ تاریخ یکسر خاموش ہے۔ خدا معلوم کیوں؟

آئیے اب تاریخ کی ورق گردانی کریں

۲۹۶ھ میں مغرب میں حکومت بنی عباس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ مہدی فاطمی کہلانے والے عبیداللہ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور مصر سے لے کر بحرِ اوقیانوس تک اس کی حکومت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ سسلی اور نارڈینیا پر بھی قابض ہو گیا۔ گویا دنیائے اسلام میں تین خلافتیں ہو گئیں ۱۔ دولت عباسیہ ۲۔ دولت امویہ ۳۔ دولت عبیدیہ

۳۰۱ھ اطروش زیدی شیعہ طبرستان پر قابض ہوا۔ سکندریہ وفیوم پر مہدی فاطمی قابض ہوا

۳۰۲ھ یعقوب بن لیث الصفاری کی دورِ ولایت میں فاطمی مہدی کا داعی ملتان آیا

۳۰۶ھ القائم محمد بن مہدی فاطمی کا مصر کے شہر مسعود پر قبضہ

۳۰۹ھ 〃 〃 〃 〃 〃 کا جزیرۂ قسطاط پر قبضہ

۳۵۲ھ معزالدولہ اور ابن بُوَیہ دیلمی کے حکم سے بغداد دارالخلافہ میں پہلے دن بدعتِ ماتم کی ابتداء ہوئی۔ خصوصاً عورتوں نے بال کھول کر منہ پر طمانچے مارے۔ پھر یہ رسم رائج ہو گئی۔ عاشوراء کے روز حکماً بازار بند کرائے گئے۔ باورچیوں اور نانبائیوں کو کھانا اور سالن پکانے سے روکا گیا۔

۱۸ ذی الحجہ کو باجوں گاجوں کے ساتھ عیدِ غدیرِ خم منائی گئی۔ اور منائی جانے لگی۔

۴۶۸ھ شیعہ کی اذان اور دیگر شعارِ شیعہ کو باطل کیا گیا

۴۶۹ھ بغداد میں حنابلہ و اشاعرہ کا فتنہ اٹھا

۴۷۰ھ مقتدی بامر اللہ (خلیفہ عباسی) کے عہد میں حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی پیدا ہوئے

۴۷۸ھ بغداد میں شیعہ سنی فساد ہوا

۴۸۴ھ مرابطین نے الفونسو کو شکست دی۔ تمام اسلامی ہسپانیہ اپنی افریقی قلمرو میں شامل کر لیا نیز 〃 〃 غرناطہ میں بنی زیری کی حکومت کو ختم کر دیا۔

۴۸۳ شیعہ سنی فساد۔ شیعہ کا تقیہ؛ مساجد کرخ میں خیر الناس بعد رسول اللہ ابو بکر لکھنا

۴۸۴ھ جزیرہ صقلیہ جو ۲۱۲ھ سے مسلمین کے قبضہ میں تھا، سارے کا سارا فرنگیوں کے قبضہ میں چلا گیا

نیز مرابطین نے امراء اشبیلیہ کو بھی ختم کر دیا — پیر صاحب ۱۴ سال کے تھے

۴۸۵ھ ابن تاشفین عیسائی کے ہاتھوں دولت آلِ عباد کا سقوط

۴۸۶ھ روم کی عیسائی حکومت کا بلنسیہ پر قبضہ ہو گیا

۴۸۸ھ شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ بغداد کے مدرسہ میں بحیثیت استاذ کے تعینات ہوئے

۴۹۰ھ تیقیہ (انطاکیہ) پر فرنگی قابض ہو گئے۔ قتل و غارت کی۔ اپنی مرضی کے مطابق کفر جاری کیا

۴۹۲ھ اصفہان میں باطنیہ نے زور پکڑا۔ ادھر فرنگیوں نے بیت المقدس کو ڈیڑھ سال قلعہ بندی کے بعد فتح کر لیا۔ اور یہ قبضہ ۵۸۳ تک رہا۔ ۷۰ ہزار سے زائد عباد و زہاد اور علماء کو شہید کیا۔ یہود کو کنیسہ میں جمع کر کے آگ لگا دی۔ باقی لوگ بغداد بھاگ گئے

۴۹۳ھ بیت المقدس پر فرنگیوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ پیر صاحب کی عمر ۲۳ سال تھی

۴۹۴ھ عراق میں باطنیہ فرقہ کا زور۔ مسلمین کا قتل عام۔ شافعی مسلک کے شیخ رویانی رحمہ اللہ کو شہید کر دیا۔ ڈر کے مارے امراء نے کپڑوں کے نیچے زرہیں پہننا شروع کر دیں۔ سروج، حیفا، ارسوف اور قیساریہ پر فرنگیوں کا قبضہ ہو گیا۔ پیر صاحب ۔۔۔

۴۹۷ھ سے پہلے بغداد میں جو عام فساد شروع تھا۔ خزانہ لوٹ لیا گیا تھا۔ خونریزی ہو رہی تھی۔ شہر کے شہر تباہ ہو گئے تھے۔ لوگوں نے سلطنت پر دستِ تطاول دراز کیا تھا سلطان محمد اور برکیاروق کی باہمی رقابت کی وجہ سے۔ اب ان میں صلح ہو گئی

۴۹۹ھ نواحی نہاوند میں ایک نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بڑی تعداد میں لوگ اس کے پیروکار ہو گئے۔ آخر کار پکڑا گیا اور قتل کر دیا گیا

۵۰۲ھ قلعہ شیراز پر باطنیہ دوبارہ زور پکڑ گئے۔ لوگوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کیا۔ مگر باطنیہ فرقہ والوں نے انہیں چن چن کر قتل کیا — پیر صاحب اس وقت ۳۲ سال کے تھے

۵۰۳ھ دو سال حصار کے بعد فرنگیوں نے طرابلس پر قبضہ کر لیا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہو کر مسلمین کے قبضہ میں اب تک رہا تھا۔ پیر صاحب مدرس تھے — ۔۔۔ ان کا شہرہ ۔۔۔ ہو گیا تھا

۵۰۷ھ مودود شاہِ موصل اور فرنگیوں کے بیچ جنگ ہوئی۔ مودود دمشق پہنچے۔ وہاں ایک باطنی کے حملے سے شہید ہوگئے۔

۵۰۹ھ حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کا حج کیا

۵۲۰ھ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 وعظ کہنا شروع فرمایا۔

۵۲۵ھ خلیفۃ المسلمین اور سلطان مسعود کی باہم اَن بن ہوئی۔ خلیفۃ المسلمین کو شکست ہوئی۔ قلعۂ ہمدان میں ان کو قید کر دیا گیا (پیر صاحب علوم کی تحصیل وعظ میں مصروف ہیں)

۵۲۸ھ بغداد میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی جس کا نام تھا مدرسہ قادریہ اس میں حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تادمِ زیست (۳۳ سال) پڑھاتے رہے۔

۵۲۹ھ خلیفۃ المسلمین المسترشد باللہ کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بعد اُن کے شاہزادہ ابو جعفر الراشد باللہ کو خلیفہ بنایا گیا

۵۳۰ھ سلطان مسعود نے خلیفہ راشد باللہ کا خلع کرا کے ان کے چچا المقتفی لامر اللہ کو خلیفہ مقرر کیا۔ الراشد نے فوج کشی کی۔ فوج میں مال تقسیم کیا۔ ہمدان میں فساد مچا۔ قتل و غارت ہوئی۔ لوگوں کو سولی دی گئی۔ علماء کی ڈاڑھیاں مونڈی گئیں۔ اصبہان میں لوٹ مار ہوئی۔ (پیر صاحب مدرسے میں پڑھاتے ہیں اور تصانیف کرتے ہیں۔ تزکیۂ نفس میں مشغول ہیں)

۵۳۱ھ سلطان مسعود نے بغداد میں دربارِ خلافت کی تمام اشیاء لوٹ لیں

۵۳۲ھ ۱۶ رمضان المبارک میں عجمیوں نے خیمے میں گھس کر خلیفہ الراشد کو چھریوں سے قتل کر دیا۔ پھر ان کے مصاحبین کو قتل کر دیا۔ یہ خبر بغداد پہنچی۔ صفِ ماتم بچھ گئی۔

۵۳۶ھ عیسائیوں نے سرقسطہ میں امرائے تجیبی و ہودی کے سلسلہ کو ختم کر دیا

۵۴۱ھ سلطان مسعود نے بغداد میں آکر دار الضرب (ٹکسال) کی بنیاد ڈالی۔ خلیفہ المقتفی لامر اللہ نے سکہ بنانے والے کو گرفتار کر لیا۔ اُدھر سے سلطان مسعود نے المقتفی لامر اللہ کے حاجب (دربان) کو گرفتار کر لیا۔ خلیفہ کو غصہ آیا۔ تین روز تک مسجدوں کے دروازے بند رہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کے قیدی کو چھوڑا۔ تب فساد مٹا۔ ابن عبادی کے وعظ و نصیحت سے سلطان مسعود نے محصول معاف کیا۔ اور تختیاں لکھ کر نصب کر

کرائیں۔ جو الناصر لدین اللہ (مولود ۵۵۳ھ) کے عہدِ حکومت تک رہیں۔ پھر الناصر لدین اللہ نے اپنے دورِ حکومت میں ان تختیوں کو اکھڑوا دیا کہ عجمی رسم ہے

۵۴۳ھ تونس کی اسلامی حکومت کو سسلی کے عیسائی بادشاہ راجیر نے ختم کر دیا

۵۴۴ھ بغداد میں شدید زلزلہ آیا۔ حلوان کا پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑا

۵۴۵ھ زبید میں علی بن مہدی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور ۵۶۹ھ تک حکومت کرتا رہا

۵۴۶ھ خلیفۃ المسلمین المقتفی لامر اللہ کو سلطان مسعود بہت تنگ کرتا تھا۔ لوگوں نے تنگ آ کر سلطان مسعود پر بددعا کرنی شروع کی اور ۲۹ جمادی الاولیٰ سے ۲۹ جمادی الاخریٰ تک پورا مہینہ قنوت نازلہ نمازوں میں پڑھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمائی۔ چنانچہ سلطان مسعود ہلاک ہو گیا پھر ملک شاہ کی سلطنت پر سب کا اتفاق ہوا

۵۴۸ھ سلطان سنجر پر حملہ ہوا اور گرفتار ہو گیا۔ ادھر حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مدرسہ قادریہ کی عالی شان تعمیر مکمل ہوئی

۵۵۶ھ خراسان اور افغانستان میں بدامنی پھیلی (پیر صاحب مدرسہ میں پڑھاتے رہے)

۵۶۱ھ حضرت سید شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی بن جنگی دوست صوفی کامل صاحب غنیۃ الطالبین و فتوح الغیب و الفتح الربانی وغیرہ نے ۸ ربیع الاول یا ۱۰ ربیع الآخر بروز شنبہ یا دوشنبہ میں وفات پائی۔ اور باب الازج میں مدفون ہوئے (کل عمر ۹۰ یا ۹۱ سال)

۵۶۲ھ سلطان نور الدین زنگی نے امیر اسد الدین شیرکوہ کو بھیجا دو مہینے مصر کا محاصرہ کئے رکھا۔ عبیدی فاطمی کی طرف سے مقرر شدہ والیٔ مصر نے فرنگیوں سے مدد مانگی۔ لڑائی ہوئی۔ فرنگی تہہ تیغ ہوئے امیر اسد الدین کو فتح ہوئی۔ اس نے صعید کا خراج معاف کر دیا۔ فرنگیوں نے سکندریہ کا قصد کیا۔ مگر علم ہوتے ہی امیر اسد الدین کے بھتیجے سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب ایوبی رح کا وہاں قبضہ ہو چکا تھا۔ فرنگی مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ بھاگ گئے۔ حرمین شریفین (مکہ مدینہ) جو مدت سے مصر کی جزو بنے ہوئے تھے اور عبیدی فاطمی اسمٰعیلی رافضی باطنیوں کے قبضے میں تھے واگذار کرا لئے گئے

۵۶۴ھ فرنگی مصر کے شہر بلبیس پر قابض ہو گئے پھر قاہرہ کا محاصرہ کیا۔ مصر کا والی العاضد نے ڈر کر

قاہرہ میں آگ لگادی۔ سلطان نورالدین کو مدد کیلئے لکھا۔ صلاح الدین لشکر لے کر آیا فرنگی سن کر بھاگ گئے

۵۶۵ھ سلطنت غزنویہ کا آخری سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی دہلی آگرہ اودھ گجرات کاٹھیاواڑ وغیرہ فتح کرچکا

۵۶۷ھ ۱۰ محرم الحرام کو مصر میں دولت فاطمیہ کا خاتمہ ہوگیا ۶۴۸ھ تک ملک مصر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ کے زیر نگین رہا۔ ادھر بغداد میں بھی روافض کا زور ٹوٹ گیا یمن برقہ توزر مصر اسوان سب خلیفہ عباسی کے تحت ہوگئے

۵۶۹ھ دجلہ وفرات میں طغیانی آئی جس کی وجہ سے بغداد غرق ہوا۔ زلزلہ بھی ہوئی۔ عبیدیین کا فتنہ پھر اٹھنا شروع ہوا۔ مگر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کو بروقت اطلاع ہوگئی۔ انہوں نے مجرموں کو سولی پر چڑھایا۔

پیر صاحب کی گیارہویں

گیارہویں شریف کی رسم جس کو عوام نے فرض وواجب کی طرح سمجھ رکھا ہے بلکہ بہت سے لوگ جو نماز روزہ کے پاس نہیں جاتے بس گیارہویں شریف کو کافی سمجھتے ہیں یہ محض بدعت وناجائز ہے اگر کہا جائے کہ مقصود اس سے ایصال ثواب ہے تو تجربہ شاہد ہے کہ یہ خیال محض غلط ہے۔ کیونکہ اگر ایصال ثواب ہی مقصود ہے تو خاص گیارہویں تاریخ کو اس میں کیا دخل ہے۔ ثواب تو بروقت ہر تاریخ میں پہنچ سکتا ہے۔ دوسرے خاص حضرت غوث اعظم ہی کی کیا تخصیص ہے۔ کبھی ایصال ان کو کیا جاتا اور کبھی دوسرے بزرگوں کو جو اُن کے بھی بڑے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت غوث اعظم جس شان اور جس درجے کے ولی کامل اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے تھے صحابہ کرامؓ ان سے بھی زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔ لیکن ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ کوئی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے لئے گیارہویں یا بارہویں کرتا ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ محض ایک رسم ہوگئی جس کا اتباع جاہلانہ طور پر لوگ کرتے ہیں ورنہ ایصال ثواب غرض نہیں۔ اور اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ حضرت غوث اعظم کو ایصال ثواب اس طرح کرے کہ اس میں بدعات شامل نہ ہوں تو بلاشبہ جائز ومستحسن ہے۔ بدعات شامل نہ ہونے کی

بہتر صورت یہ ہے کہ روپیہ نقد بالکل خفیہ طور پر غرباء و مساکین میں تقسیم کر کے ثواب پہنچاوے
چونکہ نقد دینے میں زیادہ ثواب ہے اور خفیہ دینے میں بھی بہ نسبت علانیہ کے زیادہ ثواب ہے۔ اور
کھانا بھی کھلانا ہو تو بلا التزام تاریخ معین جب دست ہو تو کھلاوے اس میں مضایقہ نہیں (کذا فی
العالمگیریۃ ج ۲ ص ۲۳۸) امداد المفتین ج ۵ ص ۱۳)

ہمارا مقصد یہ ہے کہ تاریخ بتاتی ہے کہ پیران پیر شیخ جیلانی بڑے عالم نیک بزرگ
اور ولی اللہ تھے۔ دین پڑھا۔ پڑھایا تبلیغ دین میں ساری زندگی گذار دی۔ لوگوں کو
توحید کا سبق دیا۔ تزکیہ نفس پر زور دیا۔ شریعت کے متبع تھے۔ تکوینی امور میں ان کا کچھ
دخل نہ تھا۔ مرنجان مرنج تھے کفر شرک بدعات و رسوم جاہلیہ کے خلاف وعظ کرتے رہے
کتابیں لکھتے رہے۔ مگر خدائی اختیارات کے مالک نہ تھے ؛ مگر باوجود اس کے بریلوی مولوی
احمد رضا خان الملفوظ ج ۱ ص ۱۳۰ میں لکھتے ہیں : بغیر غوث کے آسمان و زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے
حالانکہ خدا پاک نے فرمایا ان اللہ یمسک السموٰت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکہما
من احد من بعدہ یعنی صرف اللہ ہی تو ہے جس اکیلے نے آسمانوں اور زمین کو اپنی جگہ سے
ٹلنے سے روک رکھا ہے۔ اگر یہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو اللہ کے سوا اور کون تھامنے والا ہے۔
اب آپ لوگ اس قدر قرآن مجید کی مخالفت کرنے والے کے بارے کیا نظریہ ہے
مصنف گلزار رضوی فرماتے ہیں

سیدا وہ پاک ارض محشر م — پڑ گئی نجدی کے پالے غوث پاک
کیسے کیسے ظلم اس ملعون نے — خلق پر توڑے نرالے غوث پاک
کیا مشیت ہے فنا ہوتا نہیں — کیسے ڈھیے اس نے ڈالے غوث پاک
چور کو ابدال تم نے کر دیا — ہر زوالے را کمالے غوث پاک
نامرادوں کو مرادیں دیجئے — کر رہے ہیں آہ و نالے غوث پاک
دستگیرا عیب پوش بندگاں — بندۂ در کو بچالے غوث پاک
حرم کی زمین اور نجدی کا قبضہ — ستم ہے ستم ہے ستم غوث اعظم

مسلمانوں کے انحطاط کا دور تھا اور بغداد میں جو عراق کا دارالخلافہ تھا وہاں روافض کا زور تھا۔ جو تیسری صدی ہجری سے شروع ہوا اور حضرت شیخ کی زندگی میں مسلسل فتنہ اور فساد رہا اہل فرنگ بھی مسلمانوں کے شہروں پر حملے اور قبضے کرتے رہے نیز اس دور میں دولت عباسیہ میں نابالغ بچے گود میں لیکر تخت خلافت پر بیٹھائے گئے جن کے مشیر بقول ان کے ان کی مائیں اور حبشیں ہوتیں اور وزارت عظمیٰ پر شیعہ رہنماؤں کا قبضہ رہا اور ملک مصر میں تو بڑے زور سے دولت عبیدیہ ۲۹۶ھ سے قائم ہوئی جو ۵۶۷ھ تک رہی اور اس دور میں اذان میں حی علی خیر العمل کا اضافہ کیا گیا۔ اللہ جانے اس دور میں کیا کچھ اودھم مچار ہا اس وقت اس فتنہ کا انسداد اور تمام امور سے اہم امر تھا۔ اتنا تو مسلم ہے کہ آپ نے شیعوں کے خلاف تحریر کام کیا اور وعظ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ مگر جیسے عوام میں مشہور ہے کہ خدائی اختیارات بھی ان کے قبضے میں تھے اور مجلس وعظ میں بیٹھے بیٹھے دریا میں ڈوبتی ناؤ کو کنارے لگا دیا لڑکی کو دیکھا تو لڑکا بن گیا اور بارہ سال کی ڈوبی کشتی کو زندہ نکال دیا۔ اور حضرت عزرائیل کے ہاتھ سے زنبیل چھین لی۔ اور مردے دوبارہ زندہ ہو گئے۔ یہ زیادہ اہم امور تھے یا کہ مذہبی فتنہ کو مٹانا زیادہ اہم اور بہت ضروری کام تھا؟

اور اگر یہ ڈھکو سلے جو حضرت شیخ کی طرف منسوب ہیں سچے مان لیے جائیں تو اس کا نتیجہ کچھ الٹ ہی نکلتا نظر آتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت شیخ ان پیدا شدہ فتنوں پر دل سے معاذ اللہ خوش تھے جب ہی تو خدائی اختیارات جو معاذ اللہ ان کے بس میں تھے ان کو استعمال

....

رافضیوں کا زور ٹوٹ گیا اور سعادت عظمٰی نصیب ہوئی اور شام کے اکثر فرنگی مقبوضہ علاقے فتح کیے گئے اور بیت المقدس جس پر فرنگیوں کا ۹۱ سالہ قبضہ تھا فتح ہو گیا اور بیت المقدس کے پاس کنیسے مسمار کر کے مدرسہ شافعیہ قائم کیا الحمد للہ رب العلمین ہمارا عقیدہ ہے۔

لله ملك السموت والارض وما فيهن وهو على كل شئی قدير۔

احسن التفسیر
تفسیر
تبیین القرآن
مرآۃ القرآن